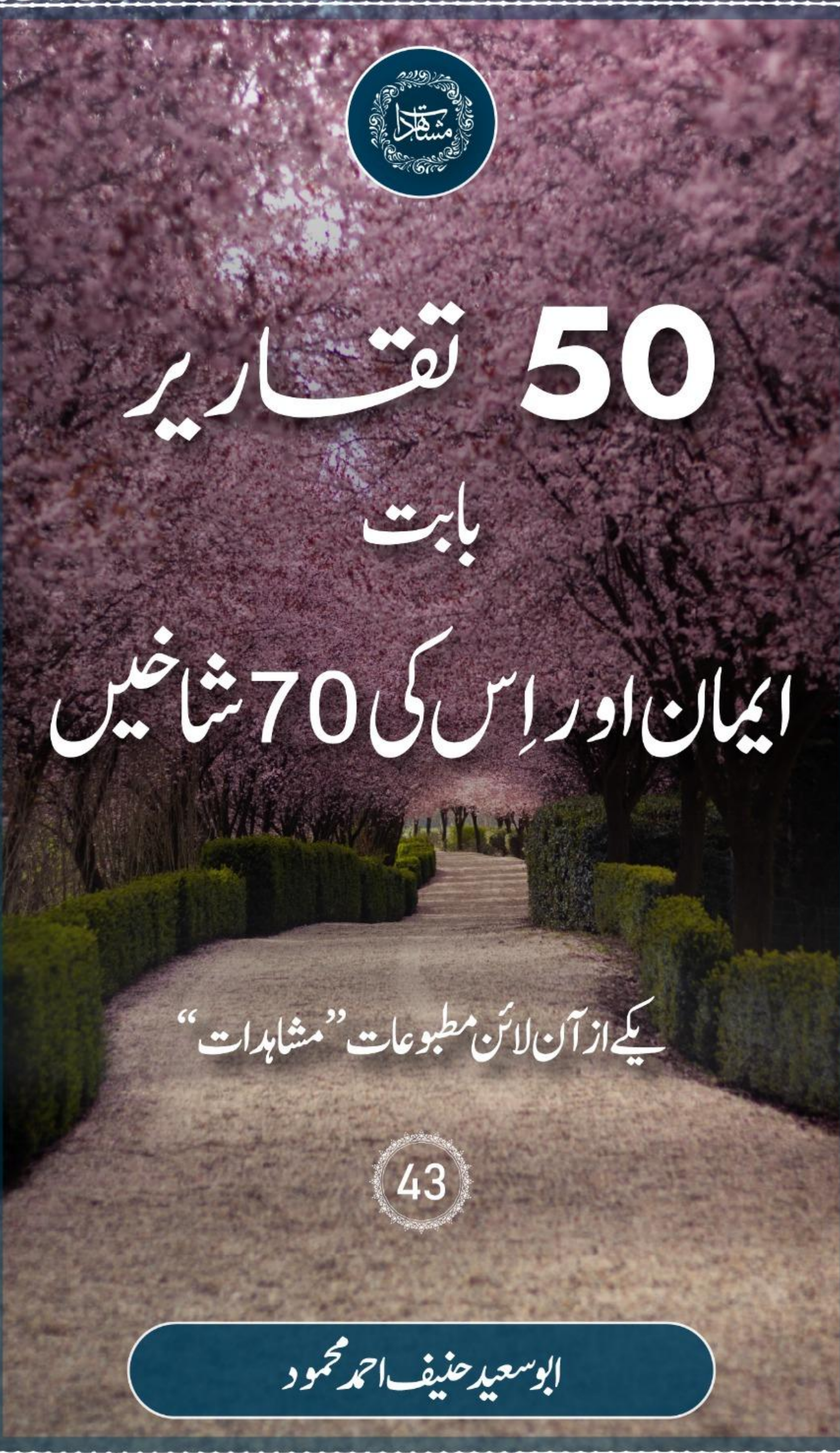

50 تقاریر

بابت

ایمان اور اِس کی 70 شاخیں

یکے از آن لائن مطبوعات ”مشاہدات“

43

ابوسعید حنیف احمد محمود

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَالۡكِتٰبِ
الَّذِىۡ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ وَالۡكِتٰبِ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ مِنۡ
قَبۡلُ ‌ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓـئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ
وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا

(النساء:137)

50 تقاریر

بابت

ایمان اور اِس کی 70 شاخیں

یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"

43

ابو سعید حنیف احمد محمود

رابطہ کرنے کے لیے

ای میل ایڈریس: hanifahmadmahmood@hotmail.com

ویب سائیٹ: www.mushahedat.com

فون نمبر: +44 73 7615 9966

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ تَعَالیٰ

حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے مؤرخہ 28/ اگست 2026ء کے خطبہ جمعہ میں حضرت مولوی محمد ابراہیم بقاپوری صاحبؓ کے حوالہ سے بیان فرمایا کہ

”ایک دفعہ جماعت سیالکوٹ نے ... کچھ روپے بطور ہدیہ حضورؑ (حضرت مسیح موعودؑ) کی خدمت میں پیش کئے۔ حضور علیہ السلام نے اُس رومال کو جس میں روپے بندھے تھے لیا پہلے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہہ کر پھر جَزَاکُمُ اللّٰہُ فرمایا۔ جس سے ہمارے ایمان میں ایک قِسم کی ترقی ہوئی کہ پہلے حضورؑ نے خدا کا شکر ادا کیا پھر ہمارے لئے دُعا فرمائی (روایاتِ اصحابِ احمد جلد 4 صفحہ 56)۔ پہلے بھی ایک دفعہ بیان کر چکا ہوں کہ حضورؑ نے فرمایا کہ اللہ کا شکر پہلے ادا کرو پھر بندوں کا شکر ادا کرو۔“

(خطبہ جمعہ 28/ اگست 2026ء)

یہ مکمل حوالہ یُوں ہے۔

حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

”غالباً 1901ء کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ مَیں حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہِ اقدس میں حاضر تھا کہ حضور علیہ السلام نے توحیدِ باری تعالیٰ پر ایک تقریر فرمائی اور اس میں ارشاد کیا کہ بعض لوگ کسی کے احسان پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنے کے بغیر ہی جَزَاکَ اللّٰہُ کہہ دیتے ہیں حالانکہ بہ نظرِ غایت دیکھا جائے تو ازروئے معرفت یہ کلمہ بھی اپنے اندر ایک گونہ شرک کا پہلو رکھتا ہے کیونکہ احسان کرنے والے کی ذات اور وہ چیز جس کے ذریعے وہ محسن بنا ہے وہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں۔ اس لیے ممنونِ احسان کو چاہیے کہ وہ جَزَاکَ اللّٰہُ کہنے سے قبل اللہ تعالیٰ کی توصیف و تحمید بیان کرے اور احسان ہونے پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہے کیونکہ معرفت اور حقیقت کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ سب سے اوّل خالقِ اسباب کا شکریہ ادا کیا جائے پھر جَزَاکَ اللّٰہُ اس شخص کا بھی کہہ دے۔“

(حیاتِ قدسی صفحہ 134)

آج مورخہ 10/ ستمبر 2026ء کو مجھے یہ حوالے بہت شدّت کے ساتھ اِس لئے یاد آرہے ہیں کہ ”مشاہدات“ کی 50 تقاریر پر مشتمل کتاب نمبر 43 بر عنوان ”ایمان اور اُس کی 70 شاخیں“ آن لائن ہونے کے لئے تیار ہے تو مجھے پیش لفظ لکھنے کو کہا گیا ہے۔ ایک قلیل مدّت میں جو تین سال اور پانچ ماہ پر مشتمل ہے۔ ”مشاہدات“ کے تحت مختلف تربیتی، اصلاحی، علمی اور اخلاقی مواضیع پر 1300 تقاریر و مضامین تیار ہو کر www.mushahedat.com پر اپلوڈ ہو چکی ہیں۔ جن کو مختلف عناوین کے تحت 43 کتب میں سمویا گیا ہے۔ جو ویب سائیٹ پر موجود ہیں جبکہ 50،50 تقاریر کی 5 کتب پر کام زیرِ تکمیل ہے۔

یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس نے 10 والنٹیئرز کی مختصر ٹیم کی انتھک محنت سے یہ ویب سائیٹ خوبصورت رنگارنگ موتیوں کی مالا تیار کر دی ہے۔ علمی، اخلاقی اور روحانی زیور سے دنیا بھر کے ہزاروں مردو خواتین اپنے آپ کو آراستہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اِس عنایت پر مَیں آج بلند آواز سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہہ کر اللہ تبارک و تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اِس مختصر ٹیم کے افراد کو جَزَاھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی کہتا ہوں اور پھر ہم ٹیم کے تمام ممبران تشکّر الٰہی کے لئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہہ کر اِس مائدہ سے مستفیض ہونے والوں اور اِسے دنیا بھر میں پھیلانے والوں کو جَزَاھُمُ اللّٰہُ جَزَاءً حَسَنًا وَخَیْرًا کَثِیْرًا کہہ کر اللہ تعالیٰ کے حضور اِن کے نفوس و اموال اور علومِ دینیہ و روحانیہ میں برکت کے لئے دعا گو ہیں۔ کَانَ اللّٰہُ مَعَھُم

جو احباب و خواتین اپنے جذبات کا اظہار دعاؤں کی صورت میں کرتے رہتے ہیں۔ اُن میں سے تازہ بتازہ جذبات کو ہم کتاب کے preface کا اثاثہ بناتے ہیں۔ اُن میں سے چند ایک کا ذکر کرنے سے قبل دو تین باتیں لکھنی ضروری معلوم ہوتی ہیں۔

”مشاہدات“ کا پلیٹ فارم محض اور محض دینی و اسلامی تعلیم کو پروان چڑھانے کے لئے ہے۔ عموماً تقریر و مضمون کا عنوان قرآن و حدیث، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء احمدیت کے کسی تربیتی و علمی ارشاد کا چناؤ کر کے بنایا جاتا ہے اور یہی بنیادی ماخذ تقاریر کی تیاری میں مشاہدہ و معائنہ اور غور و فکر کے ساتھ شامل ہو کر الحمدللہ قارئین کی توجہ کا موجب بنتے ہیں۔

دوم۔ ”مشاہدات“ کی ٹیم اس امر میں کوشاں رہتی ہے کہ تقریر کی تیاری میں پروف کی کوئی غلطی نہ ہو اور حوالہ کو اصل ماخذ سے لینے کی کوشش ہوتی ہے۔ لیکن انسان بہر حال غلطی خوردہ ہے۔ قارئین کرام اگر

کوئی غلطی دیکھیں تو درگزر کرتے ہوئے ضرور انفارم کریں۔ استاذی المحترم حضرت سید میر داؤد احمد صاحب اپنی معرکہ آراء تالیف ''حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؑ اپنی تحریروں کی رو سے'' کے تعارفی نوٹ میں تحریر کرتے ہیں کہ

''کتابت کی اغلاط کس کتاب میں نہیں ہوتیں۔ ایڈیشن در ایڈیشن اور نقل در نقل میں مزید بڑھ جاتی ہے۔ اِن کی درستی بعد ہی میں کی جاسکتی ہے''

جہاں تک تکرار کا تعلق ہے وہ تو مضامین بالخصوص تقاریر کا حسن ہوتا ہے کیونکہ افاضات مسیح موعودؑ یا ارشادات خلفائے احمدیت، مختلف عناوین کے تحت ایک بھی ہوسکتے ہیں۔ یہ تکرار ہرگز طبیعت پر گراں نہ ہوگا۔ یہ تکرار ''فَذَكِّرْ'' کے زُمرہ میں آتا ہے جو فائدہ مند ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ''مشاہدات'' کی تحریرات کو نافع الناس بنائے اور ہم تمام ممبران ٹیم کو اسلام احمدیت کی حقیقی تعلیم کو اُجاگر کرنے کی توفیق دے اور ''مشاہدات'' کو دِن دُونی رات چَوگُنی ترقیات سے نوازتا رہے۔ آمین

مکرم ملک غلام احمد صاحب استاد جامعہ احمدیہ غانا تحریر کرتے ہیں:

''خاکسار اللہ کے فضل سے مربی سلسلہ ہے اور جامعہ غانا میں پچھلے 14،15 سال سے پڑھا بھی رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ''مشاہدات'' کے مضامین نے بے شمار موقعوں پر جہاں کئی نئی باتوں کا علم دیا ہے وہاں کئی نئی سمجھ اور تفکّر کو بھی جلا بخشی۔ جزاکم اللّٰہ خیراً''

مکرمہ امۃ القیوم صاحبہ کینیڈا سے تحریر کرتی ہیں:

''جزاك الله بہت ہی مفید مضامین ہیں ۔ اللہ تعالیٰ فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔ آمین۔ مَیں شوق سے پڑھتی ہوں۔''

مکرمہ نسرین لقمان صاحبہ برطانیہ سے ''مشاہدات'' کی کتب کے متعلق لکھتی ہیں:

''بہت ہی اچھی کتب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں پڑھنے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو بہت زیادہ اجر عطا فرمائے ۔آمین ۔ جب تک لوگ انہیں پڑھتے رہیں گے وہ آپ کو دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔''

مکرمہ فوزیہ درثمین احمد صاحبہ تحریر کرتی ہیں:

"تقاریر محض معلومات کا مجموعہ نہیں بلکہ علم، تحقیق اور فکری بصیرت کا ایک خوب صورت امتزاج ہے۔ موضوع کو نہایت جامع انداز میں مختلف پہلوؤں سے اُجاگر کیا جاتا ہے اور استدلال، شواہد اور مؤثر اسلوبِ بیان کے ذریعے پڑھنے والے کو غوروفکر کی دعوت ملتی ہے۔ تحریر کی سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس میں علمی گہرائی کے ساتھ زبان کی شائستگی اور بیان کی روانی بھی برقرار ہے۔ ہر نکتہ اپنے اندر معنویت رکھتا ہے اور مضمون پڑھنے والے کے علم میں اضافہ کرنے کے ساتھ اس کے زاویۂ نظر کو بھی وسعت دیتا ہے۔ بلاشبہ یہ ایک سیر حاصل، معلومات افزا، فکر انگیز اور قابلِ تحسین علمی کاوش ہے۔ جزاک اللّٰہ خیرا کثیرا"

مکرم طاہر احمد صاحب فن لینڈ سے ایک طویل مکتوب میں تحریر کرتے ہیں:

"خاکسار ایک عرصہ سے "مشاہدات" کی تحریروں اور کاوشوں کا مستقل قاری اور شاہد ہے۔ اگر ایک طرف آپ کی تحریروں، بالخصوص "مشاہدات" کے ذریعہ غائبانہ طور پر میری وسعتِ علمی میں اضافہ ہوا ہے، تو دوسری طرف آپ سے بطورِ شاگرد بھی بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ اسی احساسِ تشکّر اور تحدیثِ نعمت کے طور پر آج "مشاہدات" کے معزّز قارئین کی خدمت میں یہ چند سطور لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں..... آپ کا نیا سلسلہ، جس میں مختلف عناوین اور موضوعات پر تقاریر پیش کی جا رہی ہیں، نہایت عمدہ اور مفید کاوش ہے۔ میرے خیال میں یہ سلسلہ خصوصاً نئے لکھنے والوں اور مقرّرین کے لیے بہت حوصلہ افزا اور رہنما ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کے ذریعہ نہ صرف مختلف موضوعات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے بلکہ اندازِ تحریر، طرزِ بیان، ترتیبِ خیالات اور مؤثر اندازِ تقریر کے کئی پہلو بھی سیکھنے کو ملتے ہیں۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے علم وتربیت کے میدان میں آنے والی نسلوں کی تیاری پر بہت زور دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جماعتی علمی وادبی سرمایہ دراصل ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہونے والی امانت ہے۔ آپ کی موجودہ کاوش بھی اسی علمی ورثے کو آگے منتقل کرنے کی ایک خوبصورت کوشش محسوس ہوتی ہے۔ یقیناً جو شخص اپنے علم اور تجربہ کو دوسروں کی تربیت کے لیے وقف کرتا ہے، اس کا فیض اس کی اپنی ذات تک محدود نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تمام علمی، ادبی اور جماعتی خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، قلمی کاوشوں میں برکت ڈالے، صحت وعافیت کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے اور آپ کے ذریعہ مزید لوگوں

کو علم، ادب اور خدمتِ دین کی توفیق دے اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو خلافتِ احمدیہ کا سچا خادم بنائے، اپنے سے بڑوں اور بزرگوں سے سیکھنے کی توفیق عطا فرمائے، ان کے تجربات اور اسوۂ حسنہ سے فائدہ اٹھانے والا بنائے اور جو کچھ سیکھیں اسے آگے پہنچانے کی توفیق بھی عطا فرمائے۔ میر تقی میر کا یہ شعر بھی اس موقع پر دل کی ترجمانی کرتا محسوس ہوتا ہے:

یہی جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے
سو بھی اک عمر میں ہوا معلوم

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے فضل سے اپنے بزرگوں کی قدر کرنے، ان سے فیض پانے اور ان کے تجربات و علم کو خدمتِ دین میں استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

"مشاہدات" کی 43ویں کاوش پیش ہے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

خاکسار

ابو سعید حنیف احمد محمود

مربّی سلسلہ حال برطانیہ

(شاہد۔ عربی فاضل)

(سابق ایڈیٹر روزنامہ الفضل ربوہ و الفضل آن لائن لندن و نائب ناظر اصلاح و ارشاد مرکزیہ)

10ر ستمبر 2026ء

ویب سائیٹ: www.mushahedat.com

فون نمبر: +44 73 7615 9966

ای میل: hanifahmadmahmood@hotmail.com

تقاریر کے حوالے سے چند باتیں

1. خاکسار نے جو تقاریر تیار کیں وہ سات سے آٹھ منٹ دورانیہ کی ہیں اس میں نیت یہ تھی کہ جماعتی وذیلی تنظیموں کے تربیتی و تبلیغی اجلاسات میں پڑھی جاسکیں۔
2. جہاں تک مقابلہ جات کی تقاریر کا تعلق ہے ان میں ان تقاریر کو ذرا مختصر کر کے حسب پروگرام کی جاسکتی ہیں کیونکہ چھوٹی تحریر کو بڑا کرنا قدرے مشکل ہوتا ہے جبکہ بڑی یا لمبی تحریر بآسانی مختصر کی جاسکتی ہے۔
3. بعض دوست جب کسی عنوان کے تحت تقریر کا مطالبہ کرتے ہیں تو ان کو وہ تقریر عنوان کی قدرے تبدیلی سے جب بھجوائی جاتی ہے وہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ وہ عنوان تو نہیں ہے جبکہ عنوان تبدیل کر کے اگر وہی تقریر کر دی جائے تو وہ عین درست ہوتا ہے جیسے آنحضورؐ کا عفو کا مقام اور آنحضورؐ اور غصہ نہ کرنے کی تعلیم۔
4. تقریر کرتے وقت صاحب صدر یا سامعین کو مخاطب کرتے موقع و محل کو مد نظر رکھنا چاہئے کیونکہ صاحب تحریر کے مد نظر بھائی اور بہنیں دونوں ہوتی ہیں۔ اس طرح مخاطب ضمیر بھی بدل جائے گی۔
5. اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ تقریر خود تیار کرنے کی کوشش کیا کریں۔ اس سے کتب بینی کا بھی موقع میسر آتا ہے۔ مطالعہ کتب حضرت مسیح موعودؑ کی بھی توفیق ملتی ہے۔ عنوان کو ذہن میں رکھ کر درود شریف اور دعائے قرآنیہ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ بار بار پڑھیں۔ اپنے خدا سے مدد مانگیں اور اگر ممکن ہو تو صدقہ بھی دیں۔ اللہ تعالیٰ مضمون سلجھا دے گا اور تقریر لکھنے میں الٰہی مدد و نصرت بھی ملے گی۔

یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"

1۔ جماعت احمدیہ و ذیلی تنظیموں کے عہد اور ہماری ذمہ داریاں

2۔ تقاریر سیرت و شمائل محمد صلی اللہ علیہ وسلم

3۔ 100 تقاریر برائے ممبرات لجنہ اماء اللہ بر موقع صد سالہ جوبلی

4۔ 52 علامات 52 تقاریر بابت پیشگوئی مصلح موعود

5۔ 50 تقاریر بر موقع یوم مسیح موعودؑ (جلد اول)

6۔ 30 دروس بابت رمضان المبارک 2024ء (حصہ اول)

7۔ 50 تقاریر بر موقع یوم خلافت (حصہ اول)

8۔ 25 تقاریر بابت انفاق فی سبیل اللہ

9۔ 65 تقاریر برائے انصار اللہ

10۔ 20 تقاریر بابت محرم الحرام

11۔ 25 تقاریر بابت اہل بیت رسولؐ اور اُن کا مقام و مرتبہ

12۔ 50 تقاریر بابت سیرت و شمائل حضرت محمد ﷺ (حصہ دوم)

13۔ 70 تقاریر برائے خدام الاحمدیہ

14۔ 50 تقاریر بابت قرآن کریم (حصہ اول)

15۔ 50 تقاریر بابت اخلاقیات (حصہ اول)

16۔ 60 تقاریر بابت افراد خاندان حضرت مسیح موعودؑ (حصہ اول)

17۔ 40 تقاریر بابت افراد خاندان حضرت مسیح موعودؑ (حصہ دوم)

18۔ 20 تقاریر بابت فلسفہ دُعا اور اس کی حقیقت

19۔ 30 دروس بابت رمضان المبارک 2025ء (حصہ دوم)

20۔ 30 تقاریر بابت رمضان المبارک 2025ء (جلد اول)

21۔ 50 تقاریر بر موقع یوم مسیح موعودؑ 2025ء (جلد دوم)

22۔ 50 تقاریر بر موقع یوم خلافت 2025ء (حصہ دوم)

23۔ 10 تقاریر بعنوان صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا

24۔ 20 تقاریر بعنوان صحبتِ صالحین

25۔ 50 تقاریر بابت سیرت و شمائل حضرت محمد ﷺ (حصہ سوم)

26۔ 30 تقاریر بابت قولِ سدید و قولِ زور

27۔ 50 تقاریر بابت اخلاقیات (جلد دوم)

28۔ 50 تقاریر بابت اخلاقیات (جلد سوم)

29۔ 50 تقاریر برائے نَونہالانِ جماعت

30۔ "مشاہدات" کی مالا کے 1000 موتی

31۔ 50 تقاریر بابت اخلاقیات (جلد چہارم)

32۔ 50 تقاریر بابت وجودِ باری تعالیٰ (جلد اول)

33۔ 25 تقاریر بابت عہدِ بیعت، شرائطِ بیعت اور ہم

34۔ 30 تقاریر بابت رمضان المبارک 2026ء (ارشادات، افاضات، فتاویٰ و فقہی مسائل)

35۔ 75 تقاریر بابت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی احبابِ جماعت کو پَند و نصائح

36۔ 25 تقاریر بعنوان اسلامی اصطلاحات کی اہمیت، افادیت اور برکات (حصہ اول)

37۔ 5 تقاریر بابت دیکھو! کیا کہتی ہے تصویر تمہاری

38۔ "مشاہدات" کی مالا کے 1200 موتی

39۔ 10 تقاریر بابت "متاعِ آسمانی"

40۔ 10 تقاریر بابت جلسہ سالانہ کی اہمیت و برکات

41۔ 5 تقاریر بعنوان مَنْطِقُ الطَّیْرِ

42۔ "مشاہدات" کی مالا کے 1300 موتی

43۔ 50 تقاریر بابت ایمان اور اِس کی 70 شاخیں

زیر ترتیب کتب

1۔ 50 تقاریر بابت عبادات

2۔ 50 تقاریر بعنوان قرآنی آیات

3۔ 50 تقاریر بعنوان تربیتِ اولاد (حصہ اول)

4۔ 50 تقاریر بعنوان تربیتِ اولاد (حصہ دوم)

تقاریر
جماعتِ احمدیہ و ذیلی تنظیموں
کے عہد اور ہماری ذمہ داریاں
حنیف احمد محمود

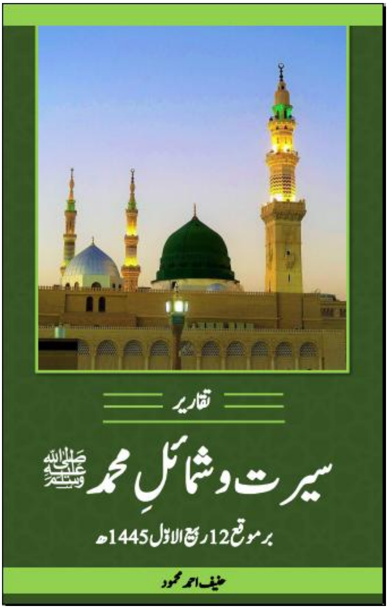
تقاریر
سیرت و شمائلِ محمد ﷺ
بر موقع 12 ربیع الاول 1445ھ
حنیف احمد محمود

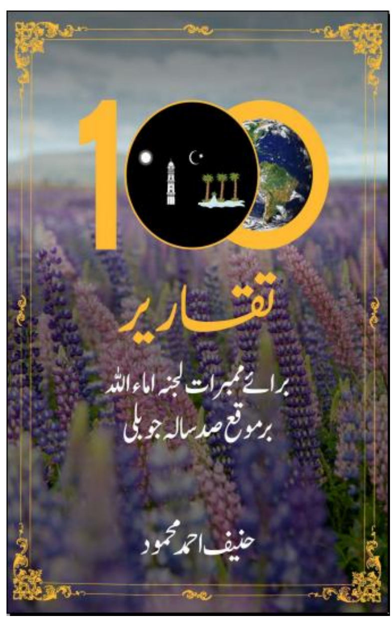
100
تقاریر
برائے ممبرات لجنہ اماء اللہ
بر موقع صد سالہ جوبلی
حنیف احمد محمود

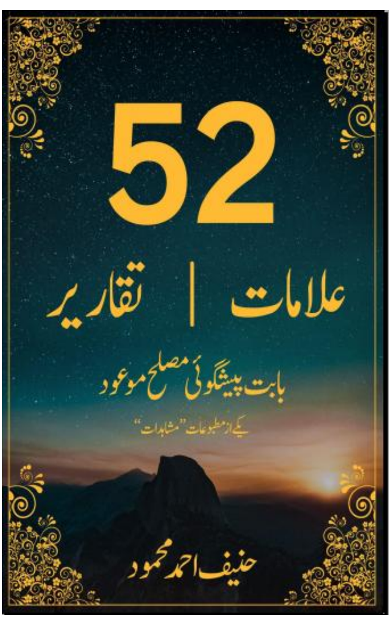
52
علامات | تقاریر
بابت پیشگوئی مصلح موعود
یکے از مطبوعات "مشاہدات"
حنیف احمد محمود

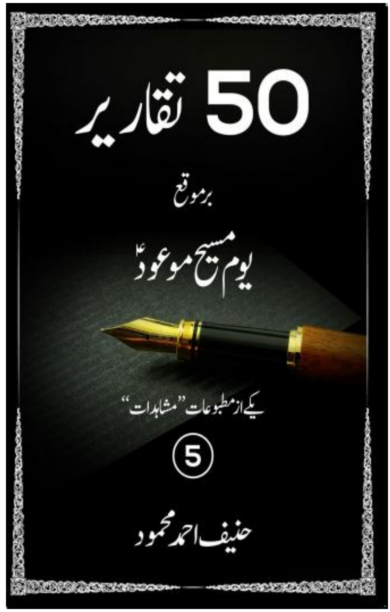
50 تقاریر
برموقع
یوم مسیح موعودؑ
یکے از مطبوعات "مشاہدات"
5
حنیف احمد محمود

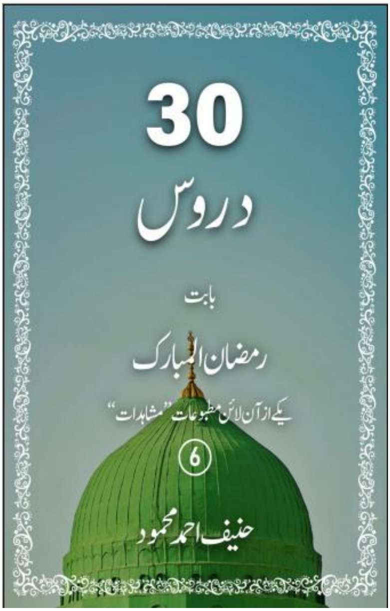
30
دروس
بابت
رمضان المبارک
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
6
حنیف احمد محمود

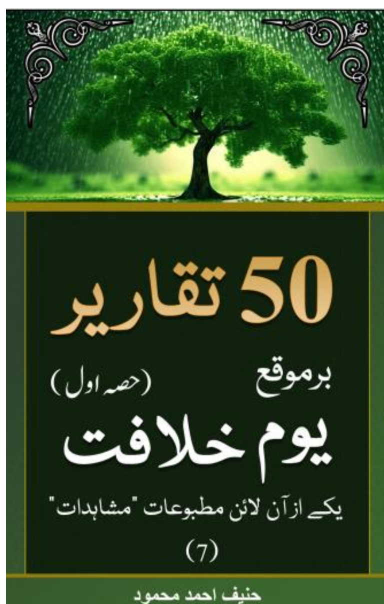
50 تقاریر
برموقع
(حصہ اول)
یوم خلافت
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
(7)
حنیف احمد محمود

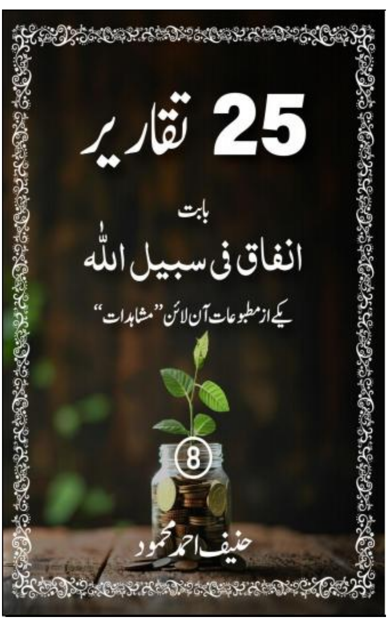
25 تقاریر
بابت
انفاق فی سبیل اللہ
یکے از مطبوعات آن لائن "مشاہدات"
8
حنیف احمد محمود

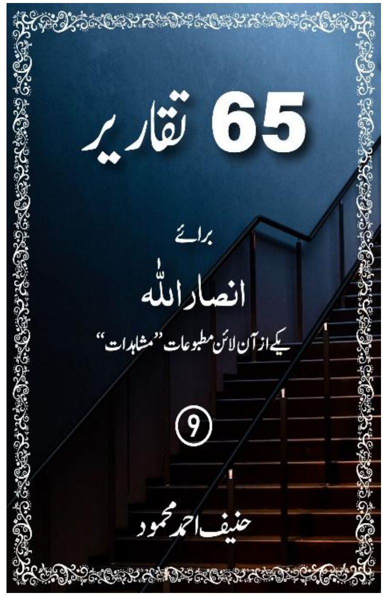
65 تقاریر
برائے
انصار اللہ
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
9
حنیف احمد محمود

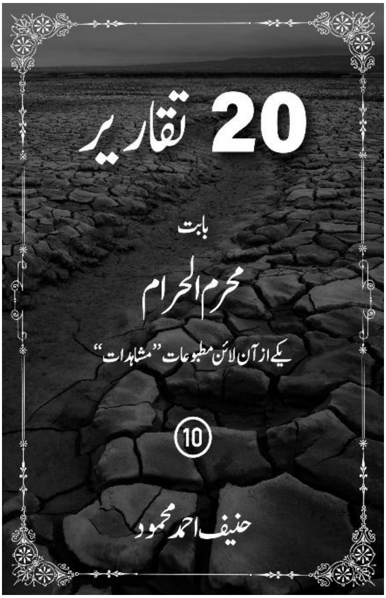
20 تقاریر
بابت
محرم الحرام
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
10
حنیف احمد محمود

25 تقاریر
بابت
اہلِ بیتِ رسولؐ اور اُن کا مقام و مرتبہ
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
11
حنیف احمد محمود

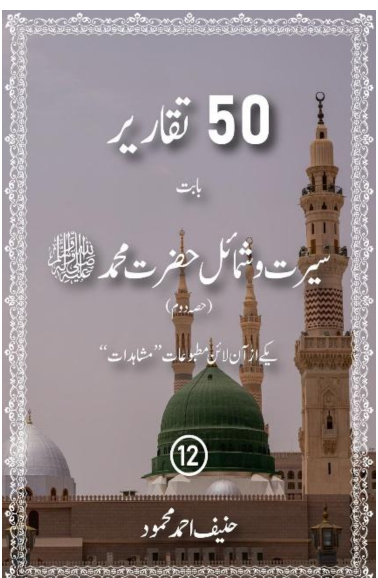
50 تقاریر
بابت
سیرت و شمائل حضرت محمد ﷺ
(حصہ دوم)
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
12
حنیف احمد محمود

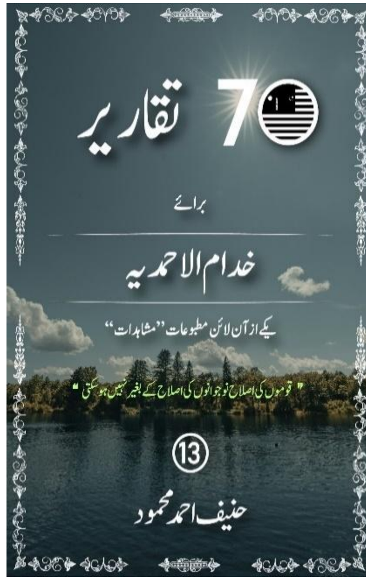
70 تقاریر
برائے
خدام الاحمدیہ
یکے از آن لائن مطبوعات ''مشاہدات''
''قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی''
13
حنیف احمد محمود

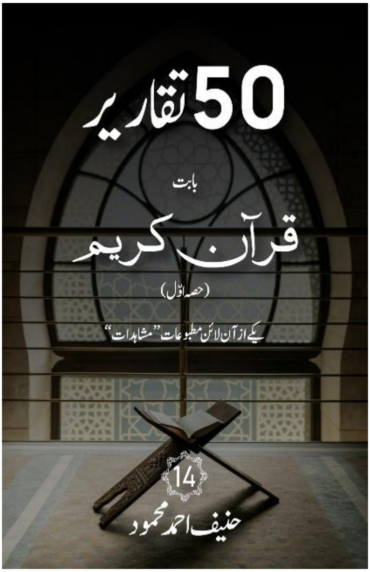
50 تقاریر
بابت
قرآن کریم
(حصہ اوّل)
یکے از آن لائن مطبوعات ''مشاہدات''
14
حنیف احمد محمود

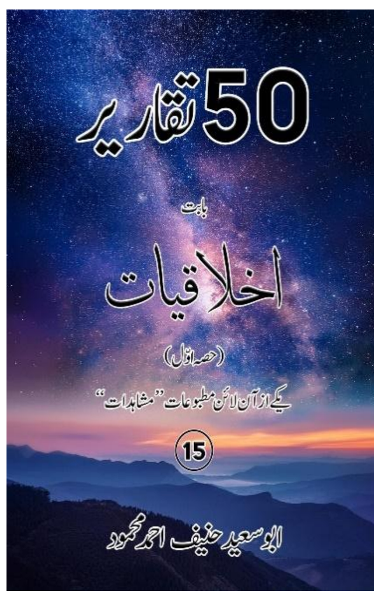
50 تقاریر
بابت
اخلاقیات
(حصہ اوّل)
یکے از آن لائن مطبوعات ''مشاہدات''
15
ابوسعید حنیف احمد محمود

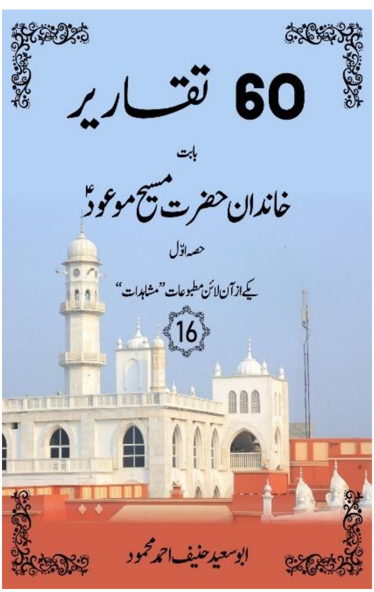
60 تقاریر
بابت
خاندان حضرت مسیح موعودؑ
حصہ اوّل
یکے از آن لائن مطبوعات ''مشاہدات''
16
ابوسعید حنیف احمد محمود

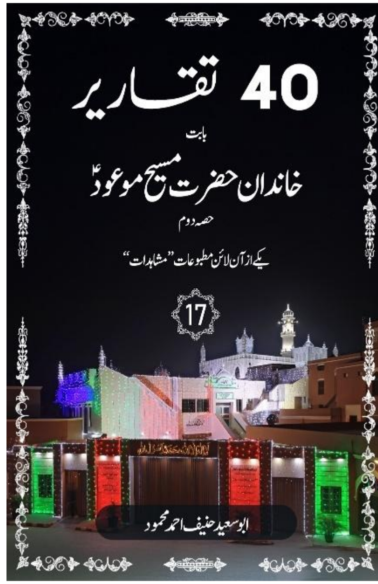
40 تقاریر
بابت
خاندان حضرت مسیح موعودؑ
حصہ دوم
یکے از آن لائن مطبوعات ”مشاہدات“
17
ابوسعید حنیف احمد محمود

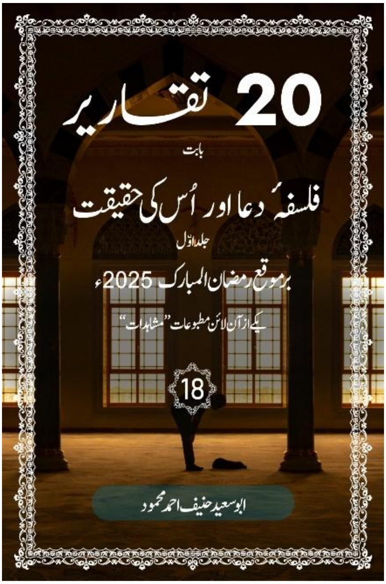
20 تقاریر
بابت
فلسفۂ دعا اور اُس کی حقیقت
جلد اوّل
بر موقع رمضان المبارک 2025ء
یکے از آن لائن مطبوعات ”مشاہدات“
18
ابوسعید حنیف احمد محمود

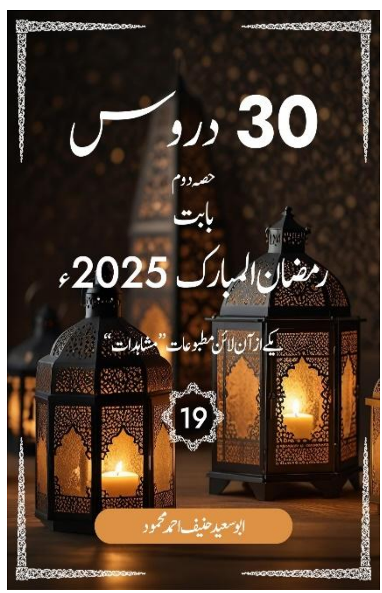
30 دروس
حصہ دوم
بابت
رمضان المبارک 2025ء
یکے از آن لائن مطبوعات ”مشاہدات“
19
ابوسعید حنیف احمد محمود

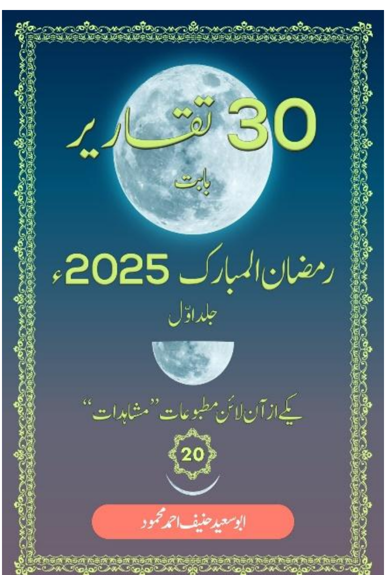
30 تقاریر
بابت
رمضان المبارک 2025ء
جلد اوّل
یکے از آن لائن مطبوعات ”مشاہدات“
20
ابوسعید حنیف احمد محمود

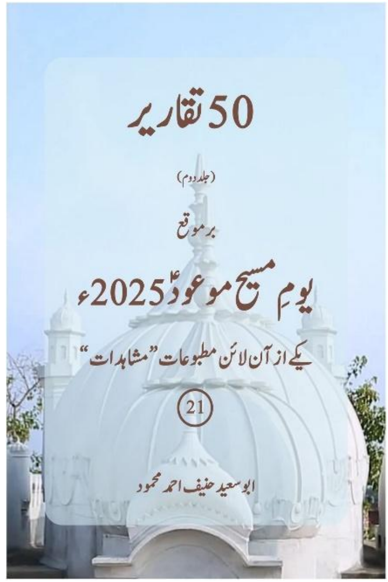
50 تقاریر
(جلد دوم)
برموقع
یومِ مسیح موعودؑ 2025ء
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
21
ابوسعید حنیف احمد محمود

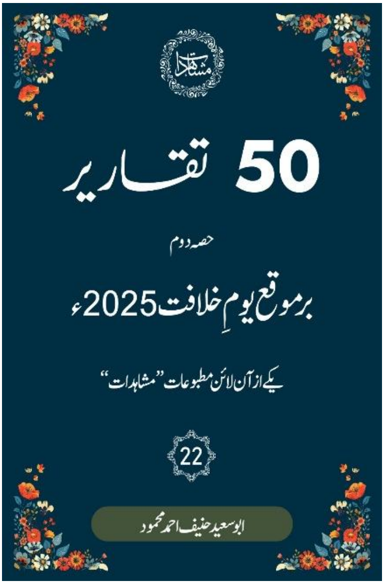
مشاہدات
50 تقاریر
حصہ دوم
برموقع یومِ خلافت 2025ء
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
22
ابوسعید حنیف احمد محمود

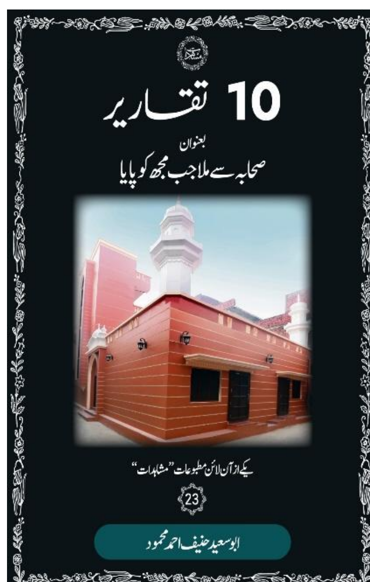
10 تقاریر
بعنوان
صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
23
ابوسعید حنیف احمد محمود

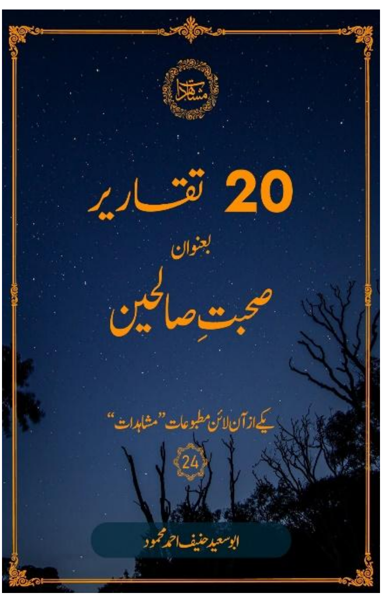
مشاہدات
20 تقاریر
بعنوان
صحبتِ صالحین
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
24
ابوسعید حنیف احمد محمود

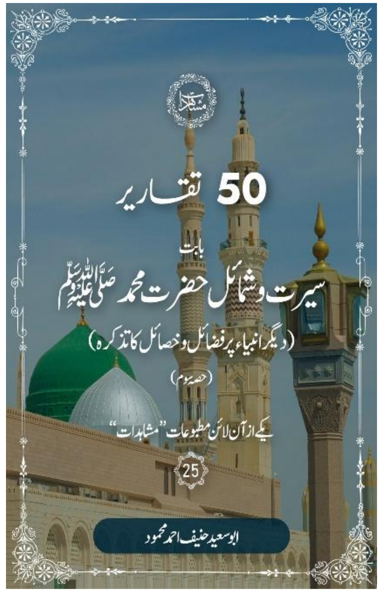
50 تقاریر
بابت
سیرت وشمائل حضرت محمد ﷺ
(دیگر انبیاء پر فضائل وخصائل کا تذکرہ)
(حصہ سوم)
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
25
ابوسعید حنیف احمد محمود

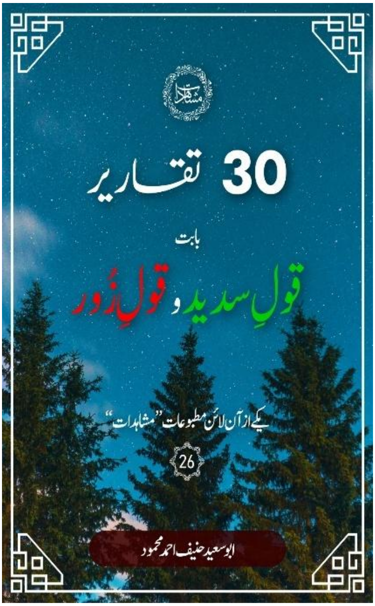
30 تقاریر
بابت
قولِ سدید و قولِ زُور
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
26
ابوسعید حنیف احمد محمود

50 تقاریر
بابت
اخلاقیات
(جلد دوم)
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
27
ابوسعید حنیف احمد محمود

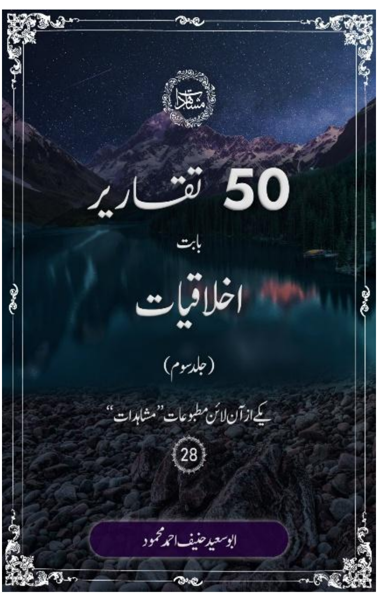
50 تقاریر
بابت
اخلاقیات
(جلد سوم)
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
28
ابوسعید حنیف احمد محمود

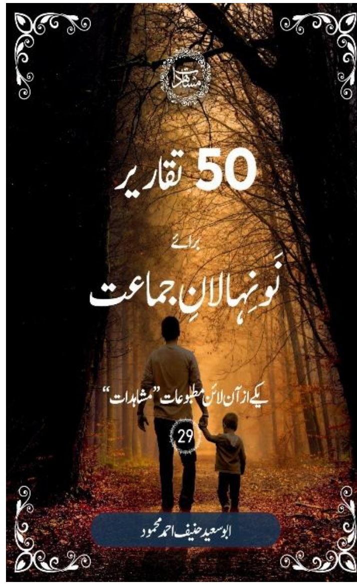
50 تقاریر
برائے
نونہالانِ جماعت
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
29
ابوسعید حنیف احمد محمود

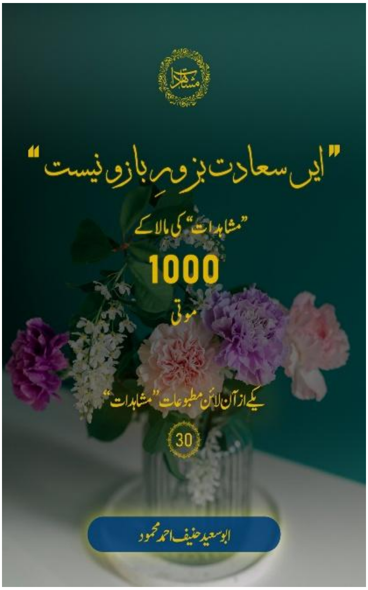
"ایں سعادت بزورِ بازو نیست"
"مشاہدات" کی مالا کے
1000
موتی
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
30
ابوسعید حنیف احمد محمود

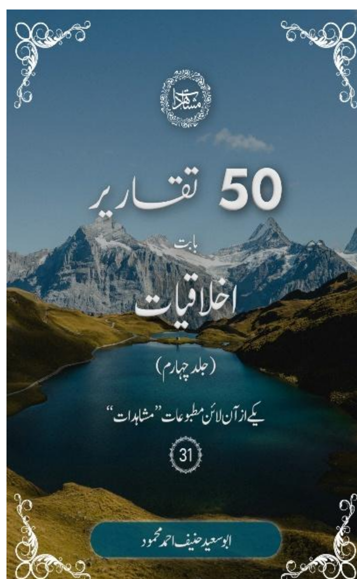
50 تقاریر
بابت
اخلاقیات
(جلد چہارم)
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
31
ابوسعید حنیف احمد محمود

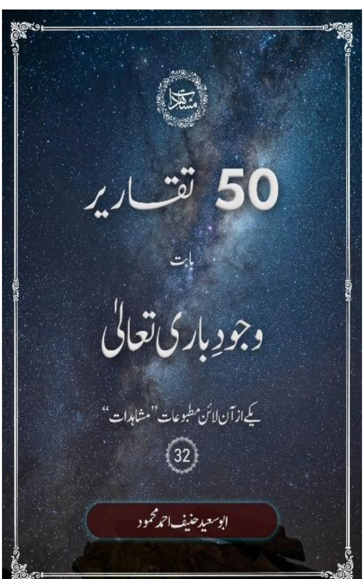
50 تقاریر
بابت
وجودِ باری تعالیٰ
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
32
ابوسعید حنیف احمد محمود

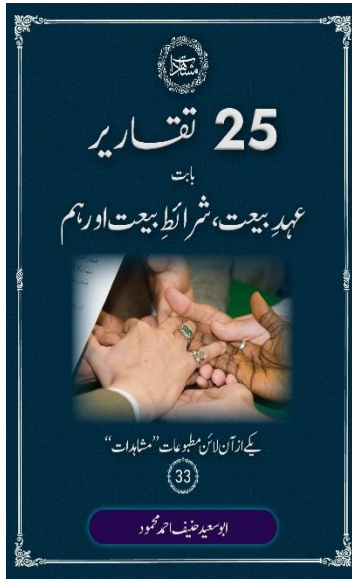
25 تقاریر
بابت
عہدِ بیعت، شرائطِ بیعت اور ہم
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
33
ابوسعید حنیف احمد محمود

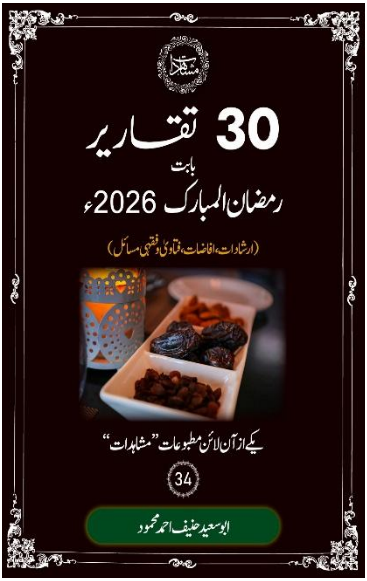
30 تقاریر
بابت
رمضان المبارک 2026ء
(ارشادات، افاضات، فتاویٰ و فقہی مسائل)
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
34
ابوسعید حنیف احمد محمود

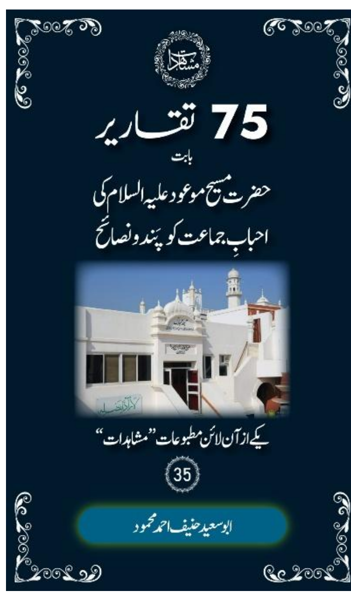
75 تقاریر
بابت
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی
احبابِ جماعت کو پند و نصائح
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
35
ابوسعید حنیف احمد محمود

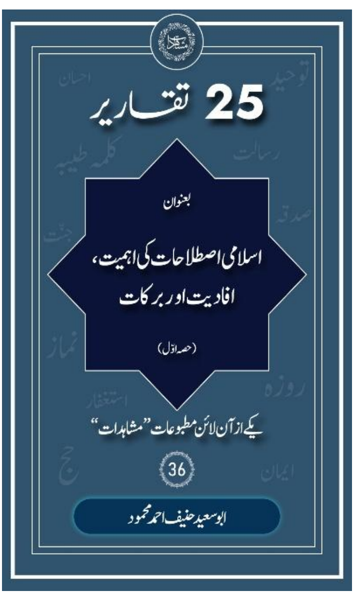
25 تقاریر
بعنوان
اسلامی اصطلاحات کی اہمیت،
افادیت اور برکات
(حصہ اوّل)
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
36
ابوسعید حنیف احمد محمود

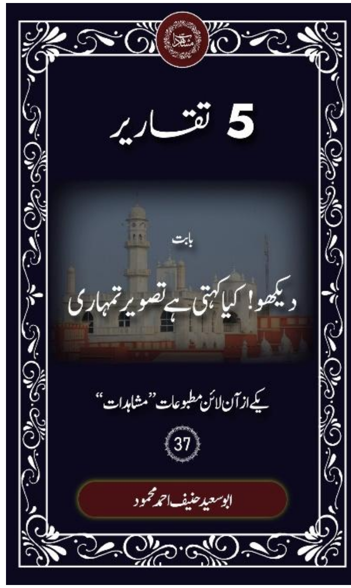
5 تقاریر
بابت
دیکھو! کیا کہتی ہے تصویر تمہاری
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
37
ابوسعید حنیف احمد محمود

"ایں سعادت بزورِ بازو نیست"
"مشاہدات" کی مالا کے
1200
موتی
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
38
ابوسعید حنیف احمد محمود

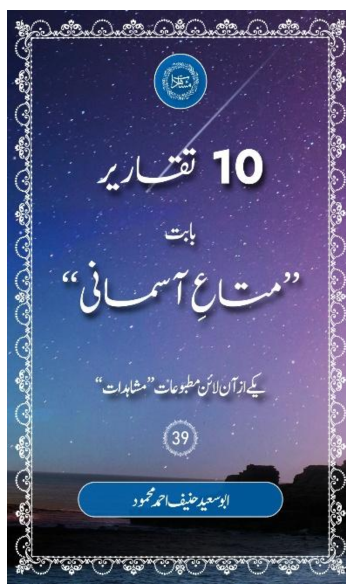
10 تقاریر
بابت
"متاعِ آسمانی"
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
39
ابوسعید حنیف احمد محمود

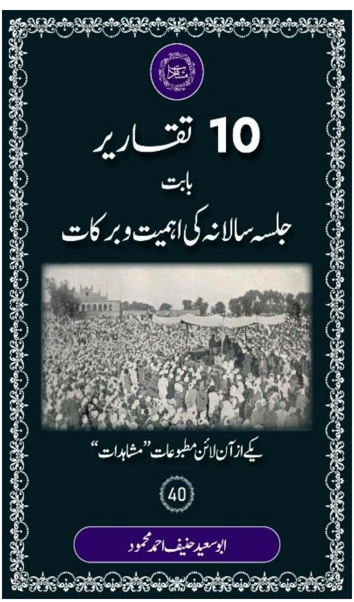
10 تقاریر
بابت
جلسہ سالانہ کی اہمیت و برکات
یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"
40
ابوسعید حنیف احمد محمود

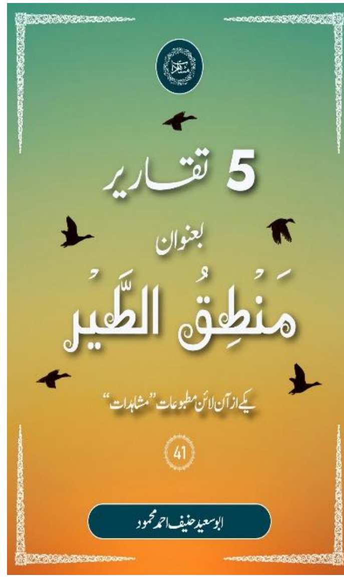

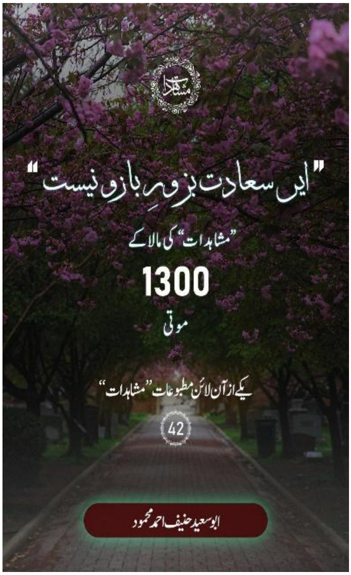

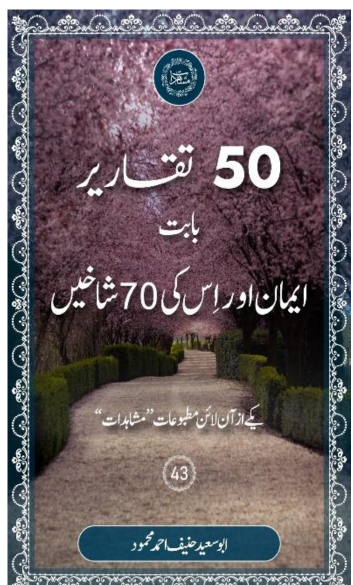

50 تقاریر

بابت

عبادات

(زیر ترتیب)

یکے از آن لائن مطبوعات "مشاہدات"

44

ابو سعید حنیف احمد محمود

محفوظ قلعے میں داخل ہونے کی تحریک

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 23 اگست 2024ء میں یہ تحریک فرمائی کہ بڑی عمر کے افراد **200 مرتبہ**، 15 سے 25 سال کے افراد **100 مرتبہ** یہ دعائیں پڑھیں اور چھوٹے بچوں سے والدین **3، 4 دفعہ** دہرائیں

Hazrat Khalifatul Masih V (may Allah be his helper) instructed in his Friday Sermon on August 23rd, 2024, that adults should recite these prayers **200 times**, individuals aged 15 to 25 should recite them **100 times**, and parents should repeat these prayers with young children **three or four times**:

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ ، سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

پاک ہے اللہ اپنی حمد کے ساتھ۔ پاک ہے اللہ جو بہت عظیم ہے۔ اے اللہ رحمتیں بھیج، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی آل پر۔

Holy is Allah, worthy of all praise and greatness. O Allah, bestow Your blessings upon Muhammad and the people of Muhammad.

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ

100 times daily | 100 دفعہ ورد کریں

میں اللہ اپنے رب سے بخشش طلب کرتا ہوں۔ اور اسی کی طرف جھکتا ہوں۔

I seek forgiveness from Allah, my Lord, for all my sins and turn to Him.

رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ

100 times daily | 100 دفعہ ورد کریں

اے میرے رب! ہر ایک چیز تیری خادم ہے۔ اے میرے رب! پس مجھے محفوظ رکھ اور میری مدد فرما اور مجھ پر رحم فرما۔

My Lord, everything is subservient to You! Protect me, help me, and have mercy on me.

ویب سائیٹ: www.mushahedat.com

فون نمبر: +44 73 7615 9966

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے مورخہ 28 دسمبر 2025ء کو فرمایا:۔

" جنہوں نے شرائط بیعت اپنے گھروں میں سامنے نہیں لگائیں وہ اب لگا لیں جن سے پتہ لگتا رہے کہ شرائط بیعت کیا ہیں اور پڑھنے سے اپنی اصلاح بھی ہوگی "

شرائط بیعت سلسلہ عالیہ احمدیہ

اول:۔ بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا۔

دوم:۔ یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور ہر ایک فسق و فجور اور ظلم اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہیں ہوگا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آوے۔

سوم:۔ یہ کہ بلاناغہ پنج وقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا۔ اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا۔ اور دلی محبت سے خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو اپنا ہر روزہ ورد بنائے گا۔

چہارم:۔ یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔

پنجم:۔ یہ کہ ہر حال رنج اور راحت اور عُسر اور یُسر اور نعمت اور بلا میں خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہر حالت راضی بقضاء ہوگا اور ہر ایک ذِلّت اور دکھ کے قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں تیار رہے گا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہیں پھیرے گا بلکہ آگے قدم بڑھائے گا۔

ششم:۔ یہ کہ اتباعِ رسم اور متابعتِ ہواوہوس سے باز آجائے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلّی اپنے سر پر قبول کرے گا اور قَالَ اللّٰہ اور قَالَ الرَّسُوْل کو اپنے ہر یک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

ہفتم:۔ یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلّی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

ہشتم:۔ یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردئ اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر یک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔

نہم:۔ یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض لِلّٰہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔

دہم:۔ یہ کہ اس عاجز سے عقد اخوت محض لِلّٰہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقت مرگ قائم رہے گا اور اس عقد اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

(اشتہار تکمیل تبلیغ 12 جنوری 1889ء)

www.mushahedat.com | hanifahmadmahmood@hotmail.com | +44 7376 159966

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے مورخہ 28 دسمبر 2025ء کو فرمایا:۔

"جنہوں نے شرائط بیعت اپنے گھروں میں سامنے نہیں لگائیں وہ اب لگا لیں جن
سے پتہ لگتا رہے کہ شرائط بیعت کیا ہیں اور پڑھنے سے اپنی اصلاح بھی ہو گی"

Conditions of Initiation (Bai'at)

I. That he/she shall abstain from Shirk (association of any partner with God) right up to the day of his/her death.

II. That he/she shall keep away from falsehood, fornication, adultery, trespasses of the eye, debauchery, dissipation, cruelty, dishonesty, mischief and rebellion; and will not permit himself/herself to be carried away by passions, however strong they might be.

III. That he/she shall regularly offer the five daily prayers in accordance with the commandments of God and the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him); and shall try his/her best to be regular in offering the Tahajud (pre-dawn supererogatory prayers) and invoking Darood (blessings) on the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him); that he/she shall make it his/her daily routine to ask forgiveness for his/her sins, to remember the bounties of God and to praise and glorify Him.

IV. That under the impulse of any passions, he/she shall cause no harm whatsoever to the creatures of Allah in general, and Muslims in particular, neither by his/her tongue nor by his/her hands nor by any other means.

V. That he/she shall remain faithful to God in all circumstances of life, in sorrow and happiness, adversity and prosperity, in felicity and trial; and shall in all conditions remain resigned to the decree of Allah and keep himself/herself ready to face all kinds of indignities and sufferings in His way and shall never turn away from it at the onslaught of any misfortune; on the contrary, he/she shall march forward.

VI. That he/she shall refrain from following un-islamic customs and lustful inclinations, and shall completely submit himself/herself to the authority of the Holy Quran; and shall make the Word of God and the Sayings of the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) the guiding principle in every walk of his/her life.

VII. That he/she shall entirely give up pride and vanity and shall pass all his/her life in humbleness, cheerfulness, forbearance and meekness.

VIII. That he/she shall hold faith, the honor of faith, and the cause of Islam dearer to him/her than his/her life, wealth, honor, children and all other dear ones.

IX. That he/she shall keep himself/herself occupied in the service of God's creatures for His sake only; and shall endeavor to benefit mankind to the best of his/her God-given abilities and powers.

X. That he/she shall enter into a bond of brotherhood with this humble servant of God, pledging obedience to me in everything good, for the sake of Allah, and remain faithful to it till the day of his/her death; that he/she shall exert such a high devotion in the observance of this bond as is not to be found in any other worldly relationship and connections demanding devoted dutifulness.

(Translated from Ishtehar Takmeel-e-Tabligh, January 12, 1889)

www.mushahedat.com | hanifahmadmahmood@hotmail.com | +44 7376 159966

انڈیکس

نمبر شمار	مشاہدات	عنوان	صفحہ
1	1265	ایمان اور مؤمن (قرآن کریم کے آئینہ میں) (تقریر نمبر 1)	1
2	1266	ایمان اور مؤمن (قرآن کریم کے آئینہ میں) (تقریر نمبر 2)	11
3	1277	ایمان، احادیث کی روشنی میں	20
4	776	ایمان بالغیب کیوں ضروری ہے؟	27
5	1267	ایمان کیا ہے؟ (حضرت مسیح موعودؑ کے افاضات کی روشنی میں) (تقریر نمبر 1)	35
6	1268	ایمان کیا ہے؟ (حضرت مسیح موعودؑ کے افاضات کی روشنی میں) (تقریر نمبر 2)	48
7	1269	ایمان کیا ہے؟ (حضرت مسیح موعودؑ کے افاضات کی روشنی میں) (تقریر نمبر 3)	61
8	1270	ایمان کیا ہے؟ (حضرت مسیح موعودؑ کے افاضات کی روشنی میں) (تقریر نمبر 4)	75
9	1271	ایمان کیا ہے؟ (حضرت مسیح موعودؑ کے افاضات کی روشنی میں) (تقریر نمبر 5)	88
10	1085	ایمان اور اُس کی حفاظت؟	101
11	41	احمدی خواتین ایمان کی محافظ ہیں	114
12	1214	اٰمَنُوْا اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کا حسین امتزاج	122
13	93	عمل، ایمان کا زیور ہے	133
14	990	چھ ارکانِ ایمان	142

15	1216	ایمان اور اُس کی ستّر شاخیں (تقریر نمبر 1)	151
16	1217	ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ (تقریر نمبر 2)	165
17	1218	ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ (تقریر نمبر 3)	174
18	1219	ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ (تقریر نمبر 4)	186
19	1220	ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ (تقریر نمبر 5)	195
20	1235	ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ (تقریر نمبر 6)	206
21	1236	ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ (تقریر نمبر 7)	215
22	1237	ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ (تقریر نمبر 8)	223
23	1238	ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ (تقریر نمبر 9)	234
24	1239	ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ (تقریر نمبر 10)	243
25	1240	ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ (تقریر نمبر 11)	253
26	1245	ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ (تقریر نمبر 12)	262
27	1246	ایمان کی ستّر شاخوں میں سے چند کا تذکرہ (تقریر نمبر 13)	271
28	1247	ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ (تقریر نمبر 14)	282
29	1248	ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ (تقریر نمبر 15)	292
30	1249	ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ (تقریر نمبر 16)	302
31	1250	ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ (تقریر نمبر 17)	311
32	1251	ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ (تقریر نمبر 18)	320
33	1252	ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ (تقریر نمبر 19)	330
34	1253	ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ (تقریر نمبر 20)	341
35	1254	ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ (تقریر نمبر 21)	349

36	1278	ایمان کی سترّ شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ (تقریر نمبر 22)	358
37	11	اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ	374
38	115	حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ	379
39	1213	مسلمان اور مؤمن (قرآن اور احادیث کے آئینہ میں)	387
40	1222	ایک مؤمن، نکیل والے اونٹ کی طرح ہے	404
41	1276	مؤمن کا دل	417
42	43	صحت مند اور توانا مؤمن، کمزور مؤمن سے بہتر ہے	428
43	1272	مؤمنین کا بُلند مقام و مرتبہ اَور فرائض و ذمّہ داریاں (حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات کے تناظر میں) (تقریر نمبر 1)	435
44	1273	مؤمنین کا بُلند مقام و مرتبہ اَور فرائض و ذمّہ داریاں (حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات کے تناظر میں) (تقریر نمبر 2)	450
45	1274	مؤمنین کا بُلند مقام و مرتبہ اَور فرائض و ذمّہ داریاں (حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات کے تناظر میں) (تقریر نمبر 3)	463
46	1275	مؤمنین کا بُلند مقام و مرتبہ اَور فرائض و ذمّہ داریاں (حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات کے تناظر میں) (تقریر نمبر 4)	476
47	1152	ایک مؤمن کی روحانی سروسز	491
48	1301	حقیقی مؤمن کی خصوصیات (حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کے ارشادات کی روشنی میں) (تقریر نمبر 1)	499
49	1302	حقیقی مؤمن کی خصوصیات (حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کے ارشادات کی روشنی میں) (تقریر نمبر 2)	515
50	1303	حقیقی مؤمن کی خصوصیات (حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کے ارشادات کی روشنی میں) (تقریر نمبر 3)	530

ضروری نوٹ

ہر مقرر یعنی تقریر کرنے والا تقریر کا آغاز درج ذیل تشہد سے کرے۔

تشہد

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا

عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ / خطاب کے آغاز میں تشہد بھی پڑھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس خطبہ / خطاب میں تشہد نہ ہو وہ یَدِ جَذْمَاء یعنی ایک ٹنڈے (کٹے ہوئے) ہاتھ کی مانند ہے۔

(جامع ترمذی، مشکوۃ المصابیح ،باب اعلان النکاح، حدیث نمبر 3015)

﴿1﴾ ﴿مشاہدات۔1265﴾

ایمان اور مؤمن

(قرآن کریم کے آئینہ میں)

(تقریر نمبر1)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا

(الاحزاب:22)

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا (النساء:137)

عاشق جو ہیں وہ یار کو مرمر کے پاتے ہیں
جب مرگئے تو اُسکی طرف کھنچے جاتے ہیں
یہ راہ تنگ ہے پہ یہی ایک راہ ہے
دلبر کی مرنے والوں پہ ہردم نگاہ ہے

(درثمین)

پیارے سامعین! ”مشاہدات“ کے تحت یہ تاریخی کام ہوا کہ ایمان کی 70 سے اوپر شاخوں پر 22 تقاریر تیار ہو کر www.mushahedat.com کے ذریعہ منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ الحمد للہ علیٰ ذالك۔ جنہیں ایمان اور مؤمن کے حوالے سے مزید 28 تقاریر کے ساتھ کتابی شکل دینے کا جب منصوبہ سامنے آیا تو اس خیال نے ذہن میں جگہ بنائی کہ ایمان کے معنوں اور اس کی تفسیر کا اصل منبع تو قرآن کریم ہے۔ کیوں نہ

قرآن کریم کی کوکھ سے ایمان اور مؤمن پر چند تقاریر افادہ عام کے لیے تیار ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے متعدّد بار مؤمنوں کو "یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا" کہہ کر مخاطب فرمایا ہے۔ یہ خطاب اتنی بار ہوا ہے کہ ان تمام کا احاطہ ایک دو یا چند تقاریر میں ہونا مشکل ہے۔ اس لیے چند اہم امور کا تذکرہ چند ایک تقاریر میں ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو اپنے پر، اپنے رسول پر، اپنی کتاب پر، نبی پاکؐ سے پہلی کتب پر ایمان لانے کی تلقین فرمائی اور ساتھ ہی مؤمنوں کو وعید سنائی کہ جو بھی اللہ، اُس کے ملائکہ، کتب، رسول اور یومِ آخرت کا انکار کرے وہ دُور کی گمراہی میں بھٹک چکا ہے۔ جیسا کہ ہم تقریر کے آغاز میں سورۃ النساء آیت 137 میں سُن آئے ہیں۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس کتاب پر بھی جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور اس کتاب پر بھی جو اس نے پہلے اتاری تھی اور جو اللہ کا انکار کرے اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور یومِ آخر کا تو یقیناً وہ بہت ہی دُور کی گمراہی میں بھٹک چکا ہے۔"

اس آیت کی ترکیب دیکھیں۔ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو ہی مخاطب کر کے ایمان لانے کی تلقین کر رہا ہے اور تاکید کر رہا ہے کہ گو آپ اِن امور پر ایمان لا کر مؤمن کہلا رہے ہیں لیکن بتاکید کہا جاتا ہے کہ اپنے ایمان کو مضبوط کرو اور ان پر ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء کی آیت 137 میں جن سات امور پر ایمان لانے کی تاکیدی ہدایت کی ہے۔ اُن کو قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر قدرے ترتیبِ مکانی کی تبدیلی اور کچھ کمی بیشی کے ساتھ ایمان لانے کی تاکید کی ہے بلکہ قرآن کریم میں سورۃ البقرہ کا آغاز اور اِس کا اختتام بھی مختلف دینی امور پر ایمان لانے کے ذکر سے کیا ہے۔ ان امور پر ایمان لانا اتنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اجتماعی طور پر ایمان لانے کے ذکر کے ساتھ ساتھ الگ الگ طور پر بھی ایمان باللہ، ایمان بالرسول، ایمان بالکتاب، ایمان بالملائکہ اور ایمان بالآخرہ کا ذکر فرمایا ہے۔ اگر مؤمن اِن پر پختگی سے ایمان لاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نصرت، مدد اور تائیدِ الٰہی کی ضمانت اِن الفاظ میں دیتا ہوئے فرماتا ہے "کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِینَ" (الروم:48) کہ ہم پر مؤمنوں کی مدد کرنا فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے سے کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الانفال آیت 46 میں مؤمنوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ "وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ"۔ حضرت مصلح موعودؓ اس آیت کے تحت فٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں:

"اللہ کو بہت یاد کرنے سے اس کی صفات دل میں روشن ہوتی ہیں اور ایمان اور جُرأت میں زیادتی ہوتی ہے۔"

اللہ پر ایمان ضروری ہے

سامعین! اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحدید آیت 8 میں اللہ اور رسول پر ایمان لانے کی تلقین فرمائی ہے اور آیت 9 میں ان لوگوں کو مخاطب ہو کر خطاب فرمایا ہے کہ جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے جبکہ رسول اُن کو مسلسل اپنے ربّ پر ایمان لانے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔ اگر تم مؤمن ہو تو خدا تم سے ایک وعدہ لے چکا ہے یعنی فطرتِ صحیحہ میں خدا تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کی طرف جانا مخفی رکھا گیا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر خواہش رکھتے کہ یہ لوگ اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ" (الشعراء:4) کیا تُو اپنے آپ کو ہلاک کرلے گا کہ یہ ایمان کیوں نہیں لاتے۔ اور اس کے بعد آیت 9 میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کو تسلّی دی کہ تمہاری اتنی جدّ وجہد کے باوجود بھی ان میں اکثر ایمان نہیں لائیں گے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" پہلی بات یا خصوصیت جو ایک مؤمن کی بیان فرمائی گئی ہے وہ غیب پر ایمان ہے، اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان کہ وہ سب قدرتوں والا ہے۔ جب یہ کامل ایمان ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اپنے وجود کا پتہ ایک سچے مؤمن کو مختلف طریقوں سے دیتا ہے۔ اسی طرح فرشتوں پر ایمان ہے، مرنے کے بعد کی زندگی پر ایمان ہے، یہ سب ایمان کی مثالیں ہیں۔ پھر غیب پر ایمان یہ ہے کہ ہر حالت میں اپنے ایمان کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔ نیک اعمال جو کرنے ہیں وہ کسی کو دکھانے کے لئے نہیں کرنے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر حالت میں مجھے دیکھ رہا ہے، ان پر عمل کرنا ہے۔ دشمنوں کا خوف یا

کسی قسم کی روک یا نفسانی لالچیں اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے سے نہ روکیں۔ یہ ایمان کی مضبوطی کی پہلی شرط ہے۔"

(خطبہ جمعہ 13/ جولائی 2007ء)

مؤمنوں کے متعلق استغفار کی تعلیم

سامعین! اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جا بجا مؤمنوں کو جہاں استغفار کی تلقین فرمائی ہے وہاں یہ بھی ذکر کر دیا کہ ملائکہ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مؤمنوں کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ اس سے مؤمنوں کے بلند مقام و مرتبہ کا علم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو وَاسْتَغْفِرُوااللّٰه (المزمل: 21) وَاسْتَغْفِرُوْهُ (حم السجدہ:7) میں استغفار کرنے اور اللہ سے بخشش طلب کرنے کا حکم دیا ہے اور سورۃ ھود آیت 4 میں استغفار کے ساتھ توبہ کرنے، اُس کی طرف رجوع کا اضافہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"نیز یہ کہ تم اپنے ربّ سے استغفار کرو پھر اس کی طرف توبہ کرتے ہوئے جھکو تو تمہیں وہ ایک مقرّرہ مدّت تک بہترین سامانِ معیشت عطا کرے گا اور وہ ہر صاحبِ فضیلت کو اس کے شایانِ شان فضل عطا کرے گا اور اگر تم پھر جاؤ تو یقیناً مَیں تمہارے بارہ میں ایک بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔" (سورہ ھود:4)

پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ ال عمران آیت 136 میں فرمایا ہے کہ مؤمن جب غلطی کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں تو وہ اللہ کا ذکر اور استغفار کثرت سے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"نیز وہ لوگ جو اگر کسی بے حیائی کا ارتکاب کر بیٹھیں یا اپنی جانوں پر (کوئی) ظلم کریں تو وہ اللہ کا (بہت) ذکر کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہ بخشتا ہے اور جو کچھ وہ کر بیٹھے ہوں اس پر جانتے بوجھتے ہوئے اصرار نہیں کرتے۔" (ال عمران:136)

جیسا کہ ہم اوپر سُن آئے ہیں کہ اللہ پاک کے فرشتے نہ صرف مؤمن بندوں کے لیے استغفار کرتے اور ان کے لیے بخشش طلب کرتے ہیں بلکہ توبہ کرنے والے اور اُس کی راہ پر چلنے والے مؤمنوں کے حق میں فرشتے سفارش بھی کرتے ہیں کہ اِن کو معاف فرما اور دوزخ کے عذاب سے بچا۔ (المؤمن:8)

سامعین! فرشتوں کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ فرماتا ہے کہ وہ مؤمنوں کے حق میں بخشش طلب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

”صرف وہی لوگ مؤمن کہلانے کے مستحق ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور جب کسی قومی کام کے لیے اس (رسول) کے پاس بیٹھے ہوں تو اٹھ کر نہیں جاتے جب تک اس کی اجازت نہ لے لیں۔ وہ لوگ جو اجازت لے کر جاتے ہیں وہی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس جب وہ اپنے کسی اہم کام کے لیے تجھ سے اجازت لیں تو ان میں سے جن کے متعلق تو چاہے انہیں اجازت دے دے اور اللہ سے ان کے لیے بخشش مانگ اور اللہ یقیناً بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔“

(سورۃ النور:63)

اسی مضمون کو سورۃ ال عمران آیت 60 میں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ پھر جہاں تک مؤمنوں کے لیے استغفار کرنے کا تعلق ہے وہاں نبیؐ اور مؤمنوں کو مشرکین کے لیے استغفار کرنے سے روکا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

”نبی اور مؤمنوں کی شان کے خلاف تھا کہ مشرکوں کے لیے استغفار کرتے، خواہ وہ قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہوں بعد اس کے کہ ان پر ظاہر ہو گیا کہ وہ دوزخی ہیں۔“

(سورۃ التوبہ:113)

استغفار کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

” یہ جو اللہ تعالیٰ رجوع کرتا ہے اپنے ایسے بندے پر جو کئے ہوئے گناہوں پر نادم بھی ہو اور اس کی معافی بھی مانگ رہا ہو تو ایک دو دفعہ تک محدود نہیں ہے۔ مستقل انسان استغفار کرتا رہتا ہے، مستقل اس سے معافی مانگتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی ہمیشہ اس کی نیت دیکھ کر اس کے گناہوں کو بخشتا رہتا ہے۔ یہ نہیں کہ ہر مرتبہ جان بوجھ کے گناہ کرتے چلے جاؤ بلکہ نیت ایسی ہو کہ شرمندگی ہو اور گناہوں سے بچنے کی کوشش بھی ہو تو پھر اللہ تعالیٰ بھی ہمیشہ معاف کرتا چلا جاتا ہے۔“ اور جب تک کوئی گناہگار توبہ کی حالت میں اس کی طرف رجوع کرتا ہے وہ خاصہ اس کا ضرور اس پر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔“

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 186-187 حاشیہ)

مؤمنوں کا نماز کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

”اس کے بعد قیامِ صلوٰۃ کا وہ مرکزی حکم دیا گیا جو سورۃ البقرہ کے احکام میں سب سے پہلا حکم ہے۔ مؤمن کی زندگی کا انحصار سراسر قیامِ صلوٰۃ پر ہی ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی توفیق قیامِ صلوٰۃ ہی کے نتیجہ میں ملتی ہے“

(تعارف سورۃ لقمان از ترجمہ القرآن صفحہ 710)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے سورۃ البقرہ کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے وہ آیت 4 ہے جس میں مؤمنوں کی علامت ”یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ“ کے الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔ مؤمنوں کی ایک خوبصورت علامت یہ بیان ہوئی ہے کہ ”اَلَّذِیۡنَ هُمۡ عَلٰی صَلَاتِهِمۡ دَآئِمُوۡنَ“ (المعارج:24) کہ وہ اپنی نمازوں میں دوام اختیار کرتے ہیں۔ پھر فرمایا ”وَالَّذِیۡنَ هُمۡ عَلٰی صَلَاتِهِمۡ یُحَافِظُوۡنَ“ (المؤمنون:10) کہ وہ لوگ (یعنی کامل مؤمن) اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے رہتے ہیں اِسی سورت کی آیت 3 میں مؤمنوں کی خشوع وخضوع سے نمازیں پڑھنے کا ذکر ہے۔

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”نمازوں کا قیام یہ ہے کہ ایک توجہ کے ساتھ اپنی نمازوں کی نگرانی رکھنا، ان میں باقاعدگی اختیار کرنا کیونکہ اگر نمازوں میں باقاعدگی نہیں ہے، کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی، کبھی نیند آرہی ہے تو عشاء کی نماز ضائع ہوگئی اور بغیر پڑھے سوگئے، کبھی گہری نیند سو رہے ہیں تو فجر کی نماز پر آنکھ نہ کھلی۔ بعض لوگ نماز چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ اگر وقت پر آنکھ نہیں بھی کھلی تو جب بھی آنکھ کھلے فجر کی نماز پڑھنی چاہئے۔ سورج نکلے پڑھیں گے تو گھر والوں کے سامنے بھی شرمندگی ہوگی یا اپنے آپ کو احساس ہوگا اور ضمیر ملامت کرے گا کہ اتنی دیر سے نماز پڑھ رہا ہوں اور پھر اگلے دن اس احساس سے ایک مؤمن وقت پر اٹھنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر کام کرنے والے ہیں، کام کی وجہ سے ظہر اور عصر کی نمازیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مؤمن تو وہ لوگ ہیں جو نمازوں کا قیام کرتے ہیں اور قیام کس طرح کرتے ہیں، عَلٰی صَلَاتِهِمۡ دَآئِمُوۡنَ (المعارج:24) اپنی نمازوں پر ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔ اس میں باقاعدگی رکھتے ہیں، یہ نہیں کہ کبھی

نماز ضائع ہو گئی تو کوئی حرج نہیں بلکہ آگے فرمایا کہ عَلٰی صَلَا تِہِمْ یُحَافِظُوْنَ (المعارج:35) نمازوں کی حفاظت پر کمربستہ رہتے ہیں۔ انسان جتنی کسی عزیز چیز کی حفاظت کرتا ہے، وہ نمازوں کی حفاظت عزیز ترین شے سے بھی زیادہ کرتے ہیں۔ ایک مؤمن نمازوں کی حفاظت اس سے بھی زیادہ توجہ سے کرتا ہے۔ اگر نماز ضائع ہو جائے تو بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ حالت ہو گی تو تب ایمان میں مضبوطی آئے گی۔ پھر باقاعدہ نماز پڑھنا ہی کافی نہیں بلکہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (النساء:104)۔ یقیناً نماز مؤمنوں پر وقت مقررہ پر ادا کرنا ضروری ہے اور حقیقی مؤمن وہی ہیں جو نماز وقت پر ادا نہ ہو سکے تو بے چین ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں ایک شخص کی ایک دن فجر کی نماز پر آنکھ نہیں کھلی، نماز قضاء ہو گئی، اس کا سارا دن اس بے چینی میں اور رو رو کر اور استغفار کرتے ہوئے گزرا۔ لگتا تھا کہ یہ غم اسے ہلاک کر دے گا، اگلے دن نماز کا وقت آیا، اس کو آواز آئی کہ اٹھو اور نماز پڑھو۔ اس نے پوچھا کون ہو تم؟ اس نے کہا مَیں شیطان ہوں۔ پوچھا کہ شیطان کا کیا کام ہے نماز کے لئے جگانے کا؟ تو اس نے جواب دیا کہ کل تم نے جو رو رو کر اپنی حالت بنائی تھی اور جتنا استغفار کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے تم کو کئی گنا نماز کا ثواب دے دیا۔ میرا تو مقصد یہ تھا کہ تم ثواب سے محروم ہو جاؤ گے تو بجائے اس کے کہ تم کئی گنا ثواب لو اس سے بہتر ہے کہ مَیں تمہیں خود ہی جگا دوں اور تم تھوڑا ثواب حاصل کرو، اتنا ہی جتنا نماز کا ملتا ہے۔ نہیں تو پھر رو رو کے وہی حالت کرو گے اور پھر زیادہ ثواب لے جاؤ گے تو میرا مقصد تو پورا نہیں ہو گا۔ تو یہ نمازیں چھوڑنے والوں کا درد ہوتا ہے۔"

(خطبہ جمعہ 13 / جولائی 2007ء)

معزز سامعین! اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو اپنی پیاری کتاب قرآن کریم میں لائحہ عمل دیا جس میں مادّی اور روحانی زندگی گزارنے کے اصول بیان فرمائے، اُن کے ثمرات بیان فرمائے۔ اُن کو اپنی زندگیوں کو حسین سے حسین تر بنانے کے لئے جو ہدایات دیں۔ اُس سلسلہ میں مؤمنوں کے لئے خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو الانبیاء حضرت ابراہیمؑ کے نمونے پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الاحزاب آیت 22 میں فرماتا ہے کہ

یقیناً تمہارے لئے اللہ کے رسول میں نیک نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے۔

اور سورۃ الممتحنہ آیت 5 میں حضرت ابراہیمؑ اور آپؑ کے ساتھیوں کو مؤمنوں کے لئے نمونہ قرار دیتے ہوئے فرمایاہے۔ یقیناً تمہارے لئے ابراہیم اور ان لوگوں میں جو اُس کے ساتھ تھے ایک اُسوۂ حسنہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے بیزار ہیں اور اُس سے بھی جس کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ ہم تمہارا انکار کرتے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کی دشمنی اور بغض ظاہر ہو چکے ہیں یہاں تک کہ تم ایک ہی اللہ پر ایمان لے آؤ۔ سوائے اپنے باپ کے لیے ابراہیم کے ایک قول کے (جو ایک استثناء تھا) کہ مَیں ضرور تیرے لئے بخشش کی دعا مانگوں گا حالانکہ مَیں اللہ کی طرف سے تیرے بارہ میں کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔ اے ہمارے ربّ! تجھ پر ہی ہم توکّل کرتے ہیں اور تیری طرف ہی ہم جھکتے ہیں اور تیری طرف ہی لوٹ کر جاناہے۔

سامعین! مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ (الصف:5)

کہ یقیناً اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف ّباندھ کر قتال کرتے ہیں گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

یعنی مؤمن ہمیشہ صف بندی کر کے اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں۔ جس کو خدا تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ صف بندی بنائے مؤمن ایسے لگتے ہیں کہ وہ مضبوطی میں ایسی دیوار بن جاتے ہیں جس میں سیسہ پگھلا کر ڈالا گیاہو۔ اِن الفاظ میں مؤمنوں کی عظیم شان بیان ہوئی ہے کہ مؤمن جب کفّار کے مقابل ایسے کھڑے ہوتے ہیں جن کو کوئی لشکر شکست نہیں دے سکتا۔ یہ صرف خلافت کے تحت ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر ابتلاؤں اور آزمائشوں کا ذکر بھی کیاہے۔ جیسے سورۃ العنکبوت آیت 3 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَھُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ۔ یعنی کیا لوگ یہ گمان کر بیٹھے ہیں کہ یہ کہنے پر کہ ہم ایمان لے آئے وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اور آزمائے نہیں جائیں گے ؟

اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کی آزمائش کا ہی ذکر نہیں کیا بلکہ اِس کی وجہ بھی وَنَبۡلُوَاۡ اَخۡبَارَکُمۡ تا ہم تمہارے احوال کو پرکھ لیں میں بیان کر دی ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ مصائب اور آزمائش آنے پر مؤمنوں کا طریق کار بھی بیان کر دیا کہ وہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ کہہ دیتے ہیں۔ مصائب، مشکلات اور

سختیاں انسان کو مضبوط بنا دیتی ہیں۔ شاعر نے بھی اس مضمون کو ”یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے“ میں بیان کیا ہے۔ پرندے جو مخالف سَمت سے آنے والی ہواؤں کو جب چیرتے ہوئے سفر کرتے ہیں تو وہ بہت مضبوط ہو جاتے ہیں۔ ان کا گوشت بھی مقوّیٔ غذا ہو جاتا ہے۔ ٹراؤٹ فِش جو مخالف سَمت سفر کرتی ہے۔ وہ بھی اتنی طاقت اپنے اندر جمع کر لیتی ہے کہ کھانے والوں کو بھی طاقتور بنا دیتی ہے۔ روحانی دنیا میں یہ سب کام اللہ تعالیٰ سے تعلق کی بناء ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

”زمین تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے“

سامعین! مؤمنوں کی اسی خوبی کی وجہ سے مؤمنوں کے لئے نہ ختم ہونے والے اجر کا ذکر سورۃ التین آیت 7 میں اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ کہ جہاں وہ انسانوں کو احسن تقویم کی پیدائش عطا کرنے کے بعد اسفل السافلین کا ذکر کرتا ہے تو ساتھ ہی اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ کی ضمانت دے کر مؤمنوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیتا ہے اور اِس میں نہ رکنے والے اجر کی بھی ضمانت دیتا ہے لیکن ایک جگہ پر مؤمنوں کو ثابت قدم رہنے پر جو اجر ملنے والا ہے اُس کا ذکر اللہ تعالیٰ سورۃ حٰم السّجدہ آیات 31-33 میں کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَیۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّةِ الَّتِیۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ۔ نَحۡنُ اَوۡلِیٰٓؤُكُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمۡ فِیۡهَا مَا تَشۡتَهِیۡۤ اَنۡفُسُكُمۡ وَلَكُمۡ فِیۡهَا مَا تَدَّعُوۡنَ۔ نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِیۡمٍ۔

یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کہا اللہ ہمارا ربّ ہے، پھر استقامت اختیار کی، اُن پر بکثرت فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ خوف نہ کرو اور غم نہ کھاؤ اور اس جنت (کے ملنے) سے خوش ہو جاؤ جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو۔ ہم اس دنیوی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ اور اس میں تمہارے لئے وہ سب کچھ ہو گا جس کی تمہارے نفس خواہش کرتے ہیں اور اس میں تمہارے لئے وہ سب کچھ ہو گا جو تم طلب کرتے ہو۔ یہ بہت بخشنے والے (اور) بار بار رحم کرنے والے کی طرف سے مہمانی کے طور پر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لانے کے بعد ثابت قدم رہے خوب کھول کر تعریف کی ہے اور مختلف مثالوں سے دیگر مؤمنوں کو بھی اللہ اور اُس کے رسول کی خاطر قربانیاں دینے والا بنایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرعون کی بیوی اور حضرت مریم کی مثال مؤمنوں سے دے کر نہ صرف ان کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے بلکہ اَوروں کو بھی اِن کی تقلید کرنے کی دعوت دی ہے۔ سورۃ التحریم آیات 12 تا 13 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۔ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۔ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ۔

کہ اللہ نے اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے فرعون کی بیوی کی مثال دی ہے۔ جب اس نے کہا اے میرے ربّ! میرے لئے اپنے حضور جنت میں ایک گھر بنادے اور مجھے فرعون سے اور اس کے عمل سے بچالے اور مجھے ان ظالم لوگوں سے نجات بخش۔ عمران کی بیٹی مریم کی (مثال دی ہے) جس نے اپنی عصمت کو اچھی طرح بچائے رکھا تو ہم نے اس (بچے) میں اپنی روح میں سے کچھ پھونکا اور اس (کی ماں) نے اپنے ربّ کے کلمات کی تصدیق کی اور اس کی کتابوں کی بھی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی۔

نیز اوپر بیان ہونے والی مؤمنوں کی خصوصیات کی بناء پر اللہ تعالیٰ کا مؤمنوں پر یہ بھی کرم ہے کہ جب مڈھ بھیڑ ہوتی ہے تو مؤمنوں کو کفّار تھوڑی تعداد میں دکھاتا ہے اور کفّار کو مؤمن زیادہ تعداد میں تا مسلمانوں میں مقابلے کی ہمت پیدا ہو اور حوصلہ بلند ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں باعمل مؤمن بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(کمپوزڈ: تمثیل احمد، جہانزیب قریشی۔ بیلجیئم)

✡✡✡✡

﴿2﴾ ﴿مشاہدات۔1266﴾

ایمان اور مومن

(قرآن کریم کے آئینہ میں)

(تقریر نمبر2)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (سورۃ النور:56)

کہ تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اُن سے اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اُس نے اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور اُن کے لئے اُن کے دین کو، جو اُس نے اُن کے لئے پسند کیا، ضرور تمکنت عطا کرے گا اور اُن کی خوف کی حالت کے بعد ضرور اُنہیں امن کی حالت میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو اُس کے بعد بھی ناشکری کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔

زندہ وہی ہیں جو کہ خدا کے قریب ہیں
مقبول بن کے اُس کے عزیز و حبیب ہیں
وہ دُور ہیں خدا سے جو تقویٰ سے دُور ہیں
ہر دم اسیر نخوت و کبرو غرور ہیں

(درثمین)

معزز سامعین! ایمان کی اہمیت، ضرورت اور برکات پر تقاریر کا سلسلہ جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں ایمان پر بہت سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور مؤمنوں کی ذمہ داریوں اور فرائض پر بہت روشنی ڈالی ہے۔ آج کی تقریر اس سلسلہ کی دوسری کڑی ہے۔ یہاں یہ بتادیناضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''المؤمنون'' کے نام سے 119 آیات پر مشتمل ایک پوری سورت نازل فرمائی۔ جس کو قرآن کریم کو ترتیب دیتے وقت سورۃ الحج اور سورۃ النور کے حصار میں رکھا گیا۔ جس کے متعلق حضرت خلیفۃُ المسیح الرابع رحمہ اللہ سورۃ المؤمنون کے تعارف کے آغاز پر فرماتے ہیں:

''پچھلی سورت کے آخر پر یہ ذکر ہے کہ اصل کامیابی قیامِ نماز اور قیامِ زکوٰۃ سے ہے اور اس امر سے کہ اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے تھام لیا جائے۔ پس جس فلاحِ عظیم کا اس میں اشارہ ملتا ہے اس کی تفصیل سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات میں مذکور ہے کہ فلاح پانے والے وہ مؤمن ہیں جو محض نماز کو قائم نہیں کرتے اور زکوٰۃ نہیں دیتے بلکہ اَور بھی ان میں بہت سی صفات پائی جاتی ہیں۔ وہ دونوں قسم کی صفات ہیں یعنی کن کن چیزوں سے بچتے ہیں اور کیا نیکیاں بجالاتے ہیں۔''

(ترجمۃُ القرآن صفحہ 577)

سامعین! آئیں! سورۃ المؤمنون میں بیان مؤمنون کے اوصاف اور خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جن کا آغاز اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو کامیابی کی نوید سنا کر کیا ہے اور اِن کی خوبیوں اور اوصاف کے ذکر کے بعد فرمایا کہ یہ مؤمن اگر اِن علامات پر عمل پیرا ہوں گے تو فردوس کے وارث ہوں گے۔ اِن خوبیوں میں سے پہلا وصف نمازوں میں عاجزی کرنے اور آخری وصف نمازوں کے محافظ ہونے کا بیان فرمایا ہے۔ گویا مؤمنوں کے تمام اوصاف کو نمازوں کی پابندی اور خشوع و خضوع سے ادائیگی کا حصار دے کر بیان کیا ہے۔

اِن خصوصیات میں سے ایک خصوصیت وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ (المؤمنون:4) کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے کہ مؤمن وہ ہیں جو لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔ لغو باتوں میں وہ تمام لغویات، فضولیات، اخلاقِ سیئہ اور آج کے دَور میں الیکٹرانک میڈیا سے تعلق رکھنے والے تمام امور ہیں جو مخرّبُ الاخلاق ہیں۔ وقت کا ضیاع کرتے ہیں اور عبادات میں رخنہ ڈالتے ہیں۔

مؤمنوں کی ایک علامت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ زکوٰۃ باقاعدگی سے دیتے ہیں۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کا ذکر تو قرآنِ کریم میں مختلف جگہوں پر ملتا ہے لیکن سورۃ المؤمنون کے بعد آنے والی سورۃ النّور آیت 38 میں مؤمنوں کی علامات کو اِسی ترتیب سے بیان فرمایا ہے جس ترتیب سے سورۃ المؤمنون میں بیان ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلۡهِيۡهِمۡ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيۡتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙۖ يَخَافُوۡنَ يَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِيۡهِ الۡقُلُوۡبُ وَالۡاَبۡصَارُ

یعنی ایسے عظیم مرد جنہیں نہ کوئی تجارت اور نہ کوئی خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے یا نماز کے قیام سے یا زکوٰۃ کی ادائیگی سے غافل کرتی ہے۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل (خوف سے) الٹ پلٹ ہو رہے ہوں گے اور آنکھیں بھی۔

پھر سورۃ النّور کے تعارف میں اِسی تعلق میں حضورؒ فرماتے ہیں:

”اس سے پہلی سورۃ المؤمنون کے شروع میں مؤمنون کی علامت میں فروج کی حفاظت کا خصوصیت سے ذکر فرمایا گیا ہے اور سورۃ النّور کا مضمون بھی بنیادی طور پر اسی مضمون سے تعلق رکھتا ہے اور زانی مرد اور زانی عورت کی سزا کا بھی ذکر ہے اور اس بات کا ذکر ہے۔ گندے لوگ گندے ساتھیوں ہی سے راہ رکھا کرتے ہیں اور مؤمن اس بات کا سختی سے خیال رکھتے ہیں کہ ان کو پاکیزہ ساتھی عطا ہوں۔ اس ضمن میں یہ بھی تاکید فرما دی گئی کہ وہ بدبخت جو پاکدامن عورتوں پر الزام لگاتے ہیں وہ اس کی بہت بڑی سزا پائیں گے۔“

(ترجمۃ القرآن صفحہ 593)

شرمگاہوں کی حفاظت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مؤمن مَردوں اور مؤمن عورتوں کو غضِّ بصر کی تلقین کر دی جو فروج کی حفاظت کی بنیاد پیدا کرتی ہے۔

سامعین! مؤمنوں کا ایک وصف اپنی امانتوں اور عہد کی نگرانی کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ سورۃ المؤمنون آیت 9 میں بیان فرمایا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے: وہ لوگ (یعنی کامل مؤمن) جو اپنی امانتوں اور اپنے عہدوں کا خیال رکھتے ہیں۔

اس مضمون کو اللہ تعالیٰ سورۃ المعارج آیت 33 میں بھی بیان فرمایا: ان دونوں آیات میں جہاں رقوم کی امانت میں خیانت نہ کرنے کا وصف بطور حکم کے مؤمنوں کو بیان ہوا ہے وہاں جو وہ عہد کرتے ہیں یا اُن کو کوئی عہدہ ملتا ہے تو وہ بھی امانت ہے جس کی حفاظت بہت ضروری ہے۔

امانت کی حفاظت اور اِس میں خیانت نہ کرنے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جابجا کیا ہے۔ اِن تمام کا تذکرہ تو شاید اِس مختصر سی تقریر میں نہ ہوسکے۔ لیکن ایک امانت کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ امانت، قرآن اور شریعت کی ہے جو سب سے بڑے مؤمن سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُٹھائی اَور آپ نے اِس امانت کی اللہ تعالیٰ کے فضل اور اُس کی دی ہوئی تمام طاقتوں کے ساتھ حفاظت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر سورۃ الاحزاب آیات 73-74 میں فرمایا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:

یقیناً ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے جبکہ انسانِ کامل نے اسے اٹھالیا۔ یقیناً وہ (اپنی ذات پر) بہت ظلم کرنے والا (اور اس ذمہ داری کے عواقب کی) بالکل پرواہ نہ کرنے والا تھا۔ تاکہ اللہ منافق مَردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مَردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور تاکہ اللہ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں پر توبہ قبول کرتے ہوئے جھکے اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اس کے مقابل پر امانت میں خیانت کرنے والوں کو سخت تنبیہہ فرمائی اور عذاب کی خبر دی۔

سامعین! ہم آج اِس تقریر میں تین سورتوں سورۃ الحج، المؤمنون اور النّور میں بیان مؤمنوں کے اوصاف بیان کر رہے ہیں۔ بالخصوص سورۃ المؤمنون اور النُّور کے۔ کیونکہ النُّور تسلسل ہے المؤمنون میں بیان مضامین کا۔ اب مَیں سورۃ النُّور میں مؤمنوں سے متعلقہ دو مضامین کو بیان کروں گا۔ جن کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ سورۃ النُّور کی آیات 56 میں اللہ تعالیٰ نے امّتِ محمدیہ میں مؤمنوں سے خلافت کا وعدہ کیا ہے۔

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے:

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اُن سے اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اُس نے اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور اُن کے لئے اُن کے دین کو، جو

اُس نے اُن کے لئے پسند کیا، ضرور تمکنت عطا کرے گا اور اُن کی خوف کی حالت کے بعد ضرور اُنہیں امن کی حالت میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو اُس کے بعد بھی ناشکری کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔

یہ آیت، آیتِ استخلاف کہلاتی ہے۔ اِس کو اللہ تعالیٰ نے قیامِ نماز، زکوٰۃ کی ادائیگی اور اطاعتِ رسول کے ساتھ باندھ دیا ہے۔ قیامِ نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا ذکر ہم کر آئے ہیں۔ جہاں تک اطاعتِ رسول کا تعلق ہے۔ اس کو خلافت کے مضمون کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے رکھ کر فرمایا کہ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے گا۔ نیز آیتِ استخلاف سے قبل آیت 52 میں مؤمنوں کا ماٹو سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا بیان فرما کر آیت 53 میں بھی اس مضمون کو جاری رکھا۔ گویا کہ آیت استخلاف کے سیاق وسباق میں اطاعت کے مضمون کو لا کر اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ جو مؤمن بھی خلافت پر یقین رکھتا ہے اُسے خلیفہ کی مکمل اطاعت اور فرمانبرداری کرنی ہوگی۔ اِسی سورۃ کی آیت 48 میں اللہ تعالیٰ نے عدمِ اطاعت کرنے والوں کو متنبّہ کیا کہ وہ مؤمن نہیں ہو سکتے۔ یاد رہے کہ مؤمنوں کے ماٹو سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ آیت 286 میں بھی بیان فرمایا ہے۔

سامعین! ایک اہم حکم مؤمنوں کے حوالہ سے سورۃ النساء آیت 145 میں بیان ہوا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ پکڑا کرو۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف کھلی کھلی حجّت دے دو۔

اسی تعلق میں مؤمنوں کو زبردستی مرتد کرنے کے خلاف قتال کی اجازت دی گئی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ آیت 218 میں فرماتا ہے۔ وہ تجھ سے عزت والے مہینے یعنی اس میں قتال کے بارہ میں سوال کرتے ہیں۔ (ان سے) کہہ دے کہ اس میں قتال بہت بڑا (گناہ) ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کا انکار کرنا اور مسجدِ حرام سے روکنا اور ان لوگوں کو وہاں سے نکال دینا جو اس کے (حقیقی) اہل ہیں خدا کے نزدیک اس سے بھی بڑا (گناہ) ہے اور فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر ہے اور وہ لوگ تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر اُن میں طاقت ہو تو تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں اور تم میں سے جو بھی اپنے دین سے برگشتہ ہو جائے پھر اس حال میں مرے کہ وہ کافر ہو تو یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا میں بھی ضائع

ہو گئے اور آخرت میں بھی۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو آگ والے ہیں۔ اُس میں وہ بہت لمبا عرصہ رہنے والے ہیں۔

نیز مؤمن کو غلطی سے یا جان بوجھ کر قتل کرنے کی سزا کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء آیات 93 تا 94 میں یوں کیا ہے اور کسی مؤمن کے لئے جائز نہیں کہ کسی مؤمن کو قتل کرے سوائے اس کے کہ غلطی سے ایسا ہو۔ اور جو کوئی غلطی سے کسی مؤمن کو قتل کرے تو ایک مؤمن غلام کا آزاد کرنا ہے اور (طے شدہ) دیت اس کے اہل کو ادا کرنا ہو گی سوائے اس کے کہ وہ معاف کر دیں اور اگر وہ (مقتول) تمہاری دشمن قوم سے تعلق رکھتا ہو اور وہ مؤمن ہو تب (بھی) ایک مؤمن غلام آزاد کرنا ہے۔ اور اگر وہ ایسی قوم سے تعلق رکھنے والا ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد وپیمان ہوں تو اس کے اہل کو (طے شدہ) دیت دینا لازم ہے اور ایک مؤمن غلام کا آزاد کرنا بھی۔ اور جس کو یہ توفیق نہ ہو تو دو مہینے متواتر روزے رکھنا ہوں گے۔ اللہ کی طرف سے یہ بطور توبہ (فرض کیا گیا) ہے۔ اور اللہ دائمی علم رکھنے والا (اور) بہت حکمت والا ہے۔

اور جو جان بوجھ کر کسی مؤمن کو قتل کرے تو اس کی جزا جہنّم ہے۔ وہ اس میں بہت لمبا عرصہ رہنے والا ہے۔ اور اللہ اس پر غضبناک ہوا اور اس پر لعنت کی اور اس نے اس کے لئے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

سامعین! تقریر کے آخر پر یہ بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں المؤمنون کے علاوہ المؤمن کے نام کے ساتھ بھی ایک سورۃ لایا ہے۔ جس میں بھی مؤمنوں کے لیے بہت ہدایات موجود ہیں۔ تاہم آیت 8-9 میں فرشتوں کی مؤمنوں کے حق میں دُعا کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ وہ اپنے ربّ سے مؤمنوں کی مغفرت کی استدعا یوں کرتے ہیں۔

اَلَّذِیۡنَ یَحۡمِلُوۡنَ الۡعَرۡشَ وَ مَنۡ حَوۡلَہٗ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّہِمۡ وَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ وَ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ رَبَّنَا وَسِعۡتَ کُلَّ شَیۡءٍ رَّحۡمَۃً وَّ عِلۡمًا فَاغۡفِرۡ لِلَّذِیۡنَ تَابُوۡا وَ اتَّبَعُوۡا سَبِیۡلَکَ وَقِہِمۡ عَذَابَ الۡجَحِیۡمِ ۝ رَبَّنَا وَ اَدۡخِلۡہُمۡ جَنّٰتِ عَدۡنِ ۣ الَّتِیۡ وَعَدۡتَّہُمۡ وَ مَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِہِمۡ وَ اَزۡوَاجِہِمۡ وَ ذُرِّیّٰتِہِمۡ ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۝

یعنی وہ جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ جو اس کے گرد ہیں وہ اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے بخشش طلب کرتے ہیں جو ایمان لائے۔ اے ہمارے

ربّ! تُو ہر چیز پر رحمت اور علم کے ساتھ محیط ہے۔ پس وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ کی پیروی کی ان کو بخش دے اور ان کو جہنّم کے عذاب سے بچا۔ اور اے ہمارے ربّ! انہیں اُن دائمی جنتوں میں داخل کر دے جن کا تُو نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے اور انہیں بھی جو اُن کے باپ دادا اور ان کے ساتھیوں اور ان کی اولاد میں سے نیکی اختیار کرنے والے ہیں۔ یقیناً تُو ہی کامل غلبہ والا (اور) بہت حکمت والا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"مؤمن کو نہیں چاہیے کہ دریدہ دہن بنے یا بے محابا اپنی آنکھ کو ہر طرف اُٹھائے پھرے بلکہ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (سورۃ النور: 31) پر عمل کر کے نظر کو نیچی رکھنا چاہیے اور بد نظری کے اسباب سے بچنا چاہیے۔"

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 332)

سامعین! اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو یہ اعزاز بھی قرآن ہی میں بخشا کہ نبی کی بیوی مؤمنوں کی ماں ہوتی ہے (احزاب: 7) نبی کی بیویوں کے حوالہ سے بھی اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو نصائح فرمائی ہیں۔ کہ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو سوائے اس کے کہ تمہیں کھانے کی دعوت دی جائے مگر اس طرح نہیں کہ اس کے پکنے کا انتظار کر رہے ہو لیکن (کھانا تیار ہونے پر) جب تمہیں بلایا جائے تو داخل ہو اور جب تم کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور وہاں (بیٹھے) باتوں میں نہ لگے رہو۔ یہ (چیز) یقیناً نبی کے لئے تکلیف دہ ہے مگر وہ تم سے (اس کے اظہار پر) شرماتا ہے اور اللہ حق سے نہیں شرماتا اور اگر تم اُن (ازواجِ نبی) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔ یہ تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے زیادہ پاکیزہ (طرزِ عمل) ہے اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو اذیت پہنچاؤ اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ اس کے بعد کبھی اُس کی بیویوں (میں سے کسی) سے شادی کرو۔ یقیناً اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے۔

تقریر کے آخر پر مؤمنوں کے جن مدارج کا ذکر قرآن میں ملتا ہے وہ بیان کر دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ المطففین آیات 19 تا 29 میں فرماتا ہے۔

خبردار! یقیناً نیکوں کا اعمال نامہ ضرور عِلّیّین میں ہے اور تجھے کیا سمجھائے کہ عِلّیّین کیا ہے؟ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔ مقرّب لوگ اُسے (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیں گے۔ یقیناً نیک لوگ ضرور آسائش میں

ہوں گے۔ آراستہ تختوں پر متمکّن نظارہ کر رہے ہوں گے۔ تُو اُن کے چہروں میں ناز و نعم کی تروتازگی پہچان لے گا۔ وہ ایک سربمہر شراب میں سے پلائے جائیں گے۔ اُس کی مہر مُشک ہوگی۔ پس اسی (معاملہ) میں چاہئے کہ مقابلہ کی رغبت رکھنے والے ایک دوسرے سے بڑھ کر رغبت کریں۔ اُس کا مزاج تسنیم سے (مرکّب) ہوگا۔ ایک ایسا چشمہ جس سے مقرّب لوگ پئیں گے۔

نیز وہ یہ دعا کرتے ہیں۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (الحشر:11)

یعنی اے ہمارے ربّ! ہمیں بخش دے اور ہمارے اُن بھائیوں کو بھی جو ایمان میں ہم پر سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے کوئی کینہ نہ رہنے دے۔ اے ہمارے ربّ! یقیناً تو بہت شفیق (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”مَیں تو کبھی نہیں مان سکتا کہ جو شخص دل سے خدا تعالیٰ کی طرف قدم رکھے وہ ضائع ہو۔ مؤمن آدمی کبھی ضائع نہیں کیا جاتا۔ اُس کو دین بھی ملتا ہے اور دنیا میں بھی عزّت ملتی ہے اور مال بھی“

(ملفوظات جلد 9 صفحہ 409)

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”اللہ تعالیٰ نے ان کا بار بار اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ یہ سچی بات ہے کہ جب ایمان انسان کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ تو اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی عظمت یعنی جلال تقدُّس کبریائی قدرت اور سب سے بڑھ کر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا حقیقی مفہوم داخل ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُس کے اندر سکونت اختیار کرتا ہے اور شیطانی زندگی پر ایک موت وارد ہو جاتی ہے اور گناہ کی فطرت مر جاتی ہے۔ اس وقت ایک نئی زندگی شروع ہوتی ہے اور وہ رُوحانی زندگی ہوتی ہے یا یہ کہو کہ آسمانی پیدائش کا پہلا دن وہ ہوتا ہے جب شیطانی زندگی پر موت وارد ہوتی ہے۔ اور رُوحانی زندگی کا تولّد ہوتا ہے جیسے بچہ کا تولّد ہوتا ہے۔“

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 169)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

”جب انسان اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے انبیاء پر ایمان لے آئے تو وہ اپنی مخلوق کو ہر شر سے امن میں رکھتا ہے اور دنیاو آخرت میں ان ایمان لانے والوں کو طمانیت قلب عطا فرماتا ہے، اپنے انعامات سے نوازتا ہے اور اپنے مؤمن بندوں کو اپنی رضا کی جنتوں میں داخل کرتا ہے۔ لیکن جیسا کہ مَیں نے ابھی بتایا ایک انسان کو اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے فیض پانے کے لئے مؤمن بننا ہو گا۔ مؤمن بننے کے لئے کیا لوازمات ہیں ؟ کون کون سی شرائط ہیں جن پر پورا اتر کر ایک انسان حقیقی مؤمن بن سکتا ہے؟ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ مؤمن کی مختلف خصوصیات بیان فرمائی ہیں کہ ایک مؤمن بندہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے فیض پانے کے لئے ایمان کے مدارج طے کرتے ہوئے ان باتوں کو اپنائے گا تو وہ حقیقی مؤمن کہلائے گا اور فیض پانے والا ہو گا۔

قرآن کریم کے شروع میں ہی مؤمن کی تعریف کا بیان شروع ہو گیا ہے۔ فرمایا اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (البقرۃ:4-5) مؤمن کی پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ غیب پر ایمان لانے والا ہے۔ اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ نمازوں کو قائم کرنے والا ہے۔ تیسری بات اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا ہے یا جو اللہ تعالیٰ کے احکامات ہیں ان کے مطابق خرچ کرنے والا ہے۔ چوتھی خصوصیت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تعلیم اتری، اللہ تعالیٰ کی شریعت اتری اس پر ایمان لانے والا اور پانچویں یہ کہ پہلے انبیاء پر ایمان لانے والا اور چھٹی بات یہ کہ آخرت پر یقین کرنے والا ہے۔ یعنی وہ باتیں جن کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ہوں گی۔ ان پر یقین کرنا۔“

(خطبہ جمعہ 13/جولائی 2007ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں باعمل مؤمن بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

﴾3﴿ 　﴾مشاہدات۔1277﴿

ایمان، احادیث کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا (النساء:137)

کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس کتاب پر بھی جو اس نے اپنے رسول پر اُتاری ہے اور اس کتاب پر بھی جو اس نے پہلے اُتاری تھی اور جو اللہ کا انکار کرے اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور یومِ آخر کا تو یقیناً وہ بہت ہی دُور کی گمراہی میں بھٹک چکا ہے۔

چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں
ہر ستارے میں تماشہ ہے تری چمکار کا
کیا عجب تو نے ہر اک ذرّہ میں رکھے ہیں خواص
کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر ان اسرار کا

(درثمین)

معزز سامعین! اسلام کی بنیادی تعلیمات میں "ایمان" کا لفظ بہت بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بے شمار مقامات پر "ایمان" کی اہمیت اور مؤمن کی ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی ہے۔ جن کا ذکر ہم دو تقاریر میں کر آئے ہیں۔ قرآن کریم کے بعد دوسرا درجہ احادیث یعنی فرموداتِ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اِس سلسلہ میں مجھے حضرت الحاج حکیم مولوی نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کا ایک ارشاد ملا ہے جس میں آنجنابؓ نے ایمان اور مؤمن بارے 19 فرموداتِ رسولؐ جمع کئے ہیں جو آپ حاضرین کے سامنے حضورؐ کے لئے دلی دعاؤں کے ساتھ پیش ہے۔

آپؒ فرماتے ہیں:

"حدیثوں کے لحاظ سے ایمان کی تعریف یہ ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت جبرائیل نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ ایمان کیا ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کی ملاقات اور اس کے رسولوں اور آخری دن پر ایمان لائے۔ اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ آخرت میں اُٹھائے جانے پر اور اس پر ایمان لاؤ کہ اچھائی اور بُرائی کا اندازہ اللہ کی طرف سے ہے تو جبرئیل نے کہا صَدَقْتَ (آپؐ نے سچ فرمایا) یہ حدیث بخاری، مسلم، ابن ماجہ میں ہے۔ اور فرمایا ہے تم میں سے کوئی بھی مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ مَیں اس کو اپنے والد اور اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں۔ یہ حدیث بخاری میں ہے اور ابن خزیمہ میں اس پر زیادہ یہ بھی آیا ہے کہ اب یہ ہے کہ اپنے اہل و عیال اور مال سے اور بخاری میں ایک اور حدیث میں فرمایا ہے تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ پسند نہ کرے جو کہ وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ اور شعب الایمان میں ایک حدیث میں فرمایا ہے اُس شخص کا ایمان نہیں جس کے لئے امانت نہیں۔ اور حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے عبد القیس کے قافلہ کے قصّہ میں روایت کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ ایمان اس امر کی شہادت ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں اور صلوٰۃ کا قائم کرنا اور زکوٰۃ کا دینا اور رمضان کے روزے رکھنے اور مسجدِ حرام کا حج کرنا ہے۔ امام احمد اور ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کو روایت کیا ہے اور نسائی میں مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ مؤمن وہ ہے کہ جس کو لوگ اپنے مال و جان پر امین سمجھیں۔ اور امام احمدؒ اور عبد الرزاق نے روایت کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ زانی جب زنا کرتا ہے تو زنا کرنے کے وقت ہرگز مؤمن نہیں ہوتا اور نہ چور چوری کرنے کے وقت مؤمن ہوتا ہے اور نہ شرابی شراب پینے کے وقت مؤمن ہوتا ہے اور نہ کوئی اُچکّا کسی ذی قدر شئے کے اُچک کر لے جانے کے وقت مؤمن ہوتا ہے جب لوگ نظریں اُٹھا کر اس کو دیکھتے ہوتے ہیں اور وہ پھر بھی اُچک لے جاتا ہے اور نہ خائن خیانت کے وقت مؤمن ہوتا ہے تم اس سے بچو۔ اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ ان سے ایمان نکل کر سایہ بان کی طرح ان کے اُوپر ہوتا ہے۔ تو جب وہ اس عمل کو قطع کر دیتا ہے تو اللہ اس کی طرف ایمان کو لوٹا دیتا ہے اور صحیح مسلم میں مروی ہے کہ آنحضرتؐ

نے فرمایا کہ ایمان کی ستّر سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں۔ سب سے ادنیٰ راستہ سے مُوذی چیز کا دُور کرنا ہے۔ اور حیا ایمان کی ایک بڑی شاخ ہے اور جب آنحضرتؐ سے یہ سوال ہوا ہے کہ کونسا ایمان افضل ہے تو آپؐ نے یہ جواب دیا ہے کہ اخلاق حسنہ۔ اس کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے۔ اور امام احمدؒ کی ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ تُو محبت بھی اللہ ہی کے لئے کرے اور عداوت بھی محض اللہ ہی کے لئے کرے اور اپنی زبان کو اللہ کے ذکر میں لگائے اور فرمایا ہے کہ جو شخص محض اللہ ہی کے لئے دیتا ہے اور اللہ ہی کے لئے روکتا ہے تو اس نے اپنا ایمان کامل کر لیا ہوتا ہے۔ اس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور بخاری میں ہے کہ ایمان کا نشان انصار کی محبت ہے اور مسلم میں ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا ہے کہ مجھ سے مؤمن ہی پیار کرے گا نہ اَور۔ اور ابو سلیمان دارانی سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے قافلہ کو فرمایا تھا کہ تمہارے ایمان کا کیا نشان ہے تو انہوں نے عرض کی کہ آپؐ کے بھیجے ہوؤں نے ہم کو پانچ چیزوں کا حکم دیا ہے کہ ہم شہادت دیں کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ، اللہ کے رسول ہیں اور صلوۃ کو قائم کریں۔ اور زکوٰۃ دیں اور رمضان کے روزے رکھیں اور خانہ کعبہ کا حج کریں اور ان پر عمل کریں اور پانچ اشیاء کا حکم دیا ہے انہوں نے کہ ہم ان پر ایمان لائیں، اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور کتابوں پر اور رسولوں پر اور بعد الموت اُٹھائے جانے پر۔ اور پانچ چیزوں کو ہم نے جاہلیت اور اسلام میں اپنا خُلق بنایا ہے اور وہ یہ ہیں کہ مصیبت کے وقت صبر کرنا اور آرام و آسائش کے وقت شکر کرنا اور قضاء و قدر کی رفتار پر راضی رہنا۔ اور دوسروں کی ملاقات کے مقاموں پر صدق دکھانا اور دشمنوں پر شماتت نہ کرنا اور اس سے زیادہ آنحضرتؐ نے اُن کو یہ فرمایا کہ وہ جمع نہ کرو جو تم نہ کھاؤ اور نہ وہ بناؤ کہ جن میں نہ رہو۔ اور نہ ان اشیاء کی رغبت یا ان میں ترقی کرو کہ جن کو تم چھوڑ جانے والے ہو۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ جس کے طرف تمہارا رجوع ہوگا اور جس پر تم پیش کئے جاؤ گے اور اسی کی خواہش کرو کہ جس کی طرف تم جانے والے ہو اور جس میں تم رہو گے اور یہ ایمان کبیر میں مذکور ہیں۔"

(حقائق الفرقان جلد اوّل صفحہ 42-44 ایڈیشن 2005ء)

پھر آپؓ 20 ویں حدیث بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"دلائل بیہقی میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اَلَا اِنَّ اَعْجَبَ الْخَلْقِ اِلَیَّ اِیْمَانًا قَوْمٌ یَکُوْنُوْنَ بَعْدَکُمْ یَجِدُوْنَ صُحُفًا فِیْھَا کُتُبٌ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِیْہِ ہاں سب مخلوق سے مجھے زیادہ پسند ان لوگوں کا ایمان ہے جو کہ تم سے پیچھے آئیں گے تو کچھ صحیفے پائیں گے کہ جن میں کتابیں ہوں گی اور وہ ان پر ایمان لائیں گے۔"

(رسالہ تعلیم اسلام قادیان ماہِ اکتوبر 1906ء از حقائق الفرقان جلد اوّل صفحہ 44)

سامعین! "حضرت علی بن ابی طالبؓ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان دل کی معرفت اور زبان کے اقرار اور اسلام کے ارکان پر عمل کا نام ہے۔"

(حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 167)

"حضرت نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مؤمنوں کی مثال ایک دوسرے سے محبت کرنے اور ایک دوسرے پر رحم کرنے اور ایک دوسرے پر شفقت کرنے میں ایک بدن کی سی ہے جب ایک عُضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو اس کی وجہ سے باقی سارا بدن بیداری اور بخار میں شامل ہوتا ہے۔"

(حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 169)

"حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے مؤمن، مؤمن کے لیے عمارت کی طرح ہے۔ جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کئے رکھتا ہے۔ اور آپؐ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پَرو دیا۔"

(حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 170)

"عطاء نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے صحابہؓ سے یہ واقعہ سنا کہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ کی ایک لونڈی تھی جو ان کی بکریاں چرایا کرتی تھی۔ عبد اللہ بن رواحہ نے اس کو ایک بکری کا خاص طور پر خیال رکھنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ وہ بکری موٹی تازی ہو گئی۔ ایک دن چرواہن بعض اَور جانوروں کی دیکھ بھال میں مصروف تھی کہ ایک بھیڑیے نے آکر اس بکری کو چیر پھاڑ دیا۔ عبد اللہ بن رواحہ نے اس بکری کو نہ پایا تو اس کے متعلق پوچھا۔ چرواہن نے سارا واقعہ بتا دیا جس پر انہوں نے چرواہن کو ایک تھپڑ مارا۔ بعد

میں اپنے فعل پر شرمندہ ہوئے اور اس واقعہ کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بڑی اہمیت دی اور فرمایا کہ تم نے ایک مؤمنہ کے منہ پر تھپڑ مارا؟ اس پر عبداللہ بن رواحہ نے عرض کیا۔ حضور وہ تو حبشی عورت ہے اور جاہل سی عورت ہے۔ اُسے دین وغیرہ کا کچھ علم نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چرواہن کو بلا بھیجا اور اس سے پوچھا۔ اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان پر۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا۔ مَیں کون ہوں؟ اس نے جواباً کہا اللہ کے رسول۔ یہ سن کر آپؐ نے فرمایا۔ یہ مؤمنہ ہے اسے آزاد کر دو۔ اس پر عبداللہ بن رواحہ نے اسے آزاد کر دیا۔"

(حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 180)

"حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین اخلاق ایمان کا تقاضا ہیں۔ اوّل یہ کہ جب کسی مؤمن کو غصّہ آئے تو غصّہ اسے باطل اور گناہ میں مبتلا نہیں کر سکتا اور جب وہ خوش ہو تو اس کی خوشی اسے حق سے باہر نکلنے نہیں دیتی (وہ خوشی میں بھی اعتدال کو نہیں چھوڑتا) اور جب اسے قدرت اور اقتدار ملتا ہے تو (اس وقت بھی) وہ اپنے حق سے زیادہ نہیں لیتا۔ (یعنی جو اس کا نہیں اس کو لینے کے لئے کوشش نہیں کرتا)۔"

(حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 783)

"حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور آپؐ پر سورۃ جمعہ نازل کی گئی۔ وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ کے متعلق ابو ہریرہؓ کہتے تھے۔ مَیں نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ کون ہیں؟ آپ نے اس کا ان کو جواب نہیں دیا۔ پھر انہوں نے تین بار پوچھا اور اس وقت ہم میں سلمان فارسی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ سلمان پر رکھا اور فرمایا اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہو تو ان میں سے کچھ مرد یا فرمایا ایک مرد اس تک پہنچ جائیں گے۔"

(حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 950)

سامعین! ایک حدیث یہ ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ لِلْعِنَبِ الْكَرَمَ فَاِنَّ الْكَرَمَ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ۔

اِس کا ترجمہ یہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی انگور کو کرم نہ کہے کیونکہ کرم (انگور) تو مؤمن کا دل ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کی تعریف یوں بیان فرمائی ہے کہ

اَلْمُؤْمِنُ مَنْ یَّامَنُہُ النَّاسُ

کہ مؤمن وہ ہے جس سے معاشرے کے لوگ امن میں رہیں۔

حضرتِ خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ ایمان اَور مؤمن پر چند احادیث کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ایک روایت میں آتا ہے حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایمان دو حصوں پر مشتمل ہے۔ آدھا صبر میں اور آدھا شکر میں۔ اصل میں تو صبر بھی شکر گزاری کا پہلو ہی اجاگر کرتا ہے اس لئے اگر دیکھا جائے تو حقیقت میں مکمل ایمان اس شکر گزاری سے ہی ہوتا ہے۔

حضرت صہیبؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے اس کا معاملہ سراسر خیر ہے اور یہ مؤمن کے علاوہ کسی کے لئے نہیں ہے۔ اگر اسے کوئی خوشی پہنچتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر ہے اور اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے یہ بھی اس کے لئے خیر ہے۔ خیر اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ۔ اللہ تعالیٰ یقیناً صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور پھر فرمایا۔ وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دے۔ پس جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو اور اس کو خوشخبری دے رہا ہو اس کے لئے اس سے بڑی خیر اور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ حقیقی صبر بھی اسی وقت ہو سکتا ہے جب انسان خدا تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا شکر گزار بندہ بنے۔"

پھر آگے چل کر حضور ایدہ اللہ فرماتے ہیں۔

"حضرت زید بن خالد جوہنیؓ نے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حدیبیہ میں صبح کی نماز بارش کے بعد جو رات کو ہوئی تھی پڑھائی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف منہ کیا اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے ربّ عزوجل نے کیا فرمایا ہے؟ لوگوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے بندوں میں سے آج صبح بعض مجھ پر ایمان لانے والے ہوئے اور بعض میرا انکار کرنے والے۔ جس نے تو یہ کہا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے

فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی ہے وہ میرا مؤمن ہے اور ستاروں کا کافر ہے اور جس نے کہا کہ ہم پر بارش فلاں فلاں ستارے کے نکلنے کی وجہ سے ہوئی ہے وہ میرا کافر اور ستاروں کا مؤمن ہے۔ یعنی مجھ پر ایمان نہیں لاتا اس کو ابھی تک اسی طرح وہ تو ستاروں کو پوجنے والا ہے۔ پس شکر گزاری کا اصل معیار یہ ہے کہ ہر بات پر صرف اور صرف خدا تعالیٰ کی حمد ہو اور اس کی شکر گزاری کی جائے کیونکہ اس وقت بعض لوگوں کی پوری طرح تربیت نہیں ہوئی تھی۔ پُرانی روایات کا بھی اثر تھا پرانے ان کے روایتی مذہب کا بھی اثر تھا تو وہ کہہ دیا کرتے تھے ستاروں وغیرہ کا نام لے لیتے تھے تو آپؐ نے ان کو شکر گزاری کی حقیقت بتا کر اس طرح تربیت فرمائی۔"

حضور ایدہ اللہ اسی خطبہ میں ایک اَور حدیث پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابوہریرہ! پرہیز گار بنو تم سب لوگوں سے زیادہ عبادت گزار ہو جاؤ گے اور قانع بنو قناعت کرو تم سب لوگوں سے زیادہ شکر گزار ہو جاؤ گے۔ پس قناعت بھی شکر گزاری کی طرف لے کر جاتی ہے اور لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو تو مؤمن ہو جاؤ گے اور جو تمہارا پڑوسی ہے اسے اچھی ہمسائیگی کرو تم مسلم ہو جاؤ گے اور کم ہنسو کیونکہ ہنسنے کی کثرت دل کو مُردہ کر دیتی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور زیادہ جھکنے والا ہونا چاہئے انسان کو، دعاؤں کی طرف توجہ رہنی چاہئے ہر وقت ٹھٹے مذاق نہیں ہوتے رہتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرنے والا بنائے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 17 اگست 2026ء)

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴿4﴾ ﴿مشاہدات۔776﴾

ایمان بالغیب کیوں ضروری ہے؟

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

قُلۡ اِنۡ اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ مَّا تُوۡعَدُوۡنَ اَمۡ یَجۡعَلُ لَہٗ رَبِّیۡۤ اَمَدًا ۔ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡہِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا

(الجن:26-27)

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی رہ ہے ترے دیدار کا
چشمۂ خورشید میں موجیں تری مشہود ہیں
ہر ستارے میں تماشا ہے تری چمکار کا
کیا عجب تو نے ہر اک ذرّہ میں رکھے ہیں خواص
کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر اُن اسرار کا

معزز سامعین! آج میری تقریر کا عنوان ہے۔ **"ایمان بالغیب کیوں ضروری ہے؟"**

ایمان بالغیب یعنی غیب پر ایمان لانا، اسلام کے بنیادی اساس میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر ایمان بالغیب کو بیان فرمایا ہے۔ اِن مَیں اِن آیات میں سے جس کو اپنی تقریر کی بنیاد بنا رہا ہوں وہ سورۃ الجن کی آیات 26-27 ہیں۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

تو کہہ دے کہ مَیں نہیں جانتا کہ تمہاری موعودہ گھڑی قریب ہے یا اللہ اس کے لیے کوئی لمبی مدّت مقرر کرے گا۔ غیب کا جاننے والا وہی ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو غالب نہیں کرتا۔

ان آیات میں انبیاء و رُسل کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ حضرت خلیفۃُ المسیح الثانیؓ نے ان آیات کے تحت فٹ نوٹ میں تحریر فرمایا ہے کہ وہ (اللہ) اُس (رسول) کو کرامت سے علوم

غیبیہ بخشتا ہے۔ انبیاء کے تتبّع میں مؤمن بھی غیب پر ایمان لاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۃ البقرۃ آیت 4 میں فرماتا ہے: الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَیُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۙ (البقرۃ:4)

یعنی جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم انہیں رزق دیتے ہیں اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

سامعین! ایمان بالغیب کی اہمیت، افادیت اور برکات بیان کرنے سے قبل ایمان اور غیب کے لُغوی معنوں کا جاننا ضروری ہے۔ ایمان کے معنی تصدیق کرنے کے ہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ نے یؤمنون کے درج ذیل تین معانی فرمائے ہیں۔ اوّل تصدیق کرتے ہیں۔ دوم اعتراف کرتے ہیں اور سوم پختہ یقین اور اعتماد رکھتے ہیں۔

(تفسیر کبیر جلد اول صفحہ 97 زیر لفظ یؤمنون)

غیب، غَابَ یَغِیۡبُ کا مصدر ہے۔ اِس سے مراد ہر وہ چیز جو آنکھوں سے اوجھل اور پوشیدہ ہو نہ کہ وہ موہوم اور بے ثبوت ہو یا حواسِ ظاہری سے محسوس نہ ہو سکے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ کے درج ذیل تین معانی کئے ہیں۔ اوّل ہر وہ چیز (امر) جو ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتی اور ظاہری حواس اُسے پانے سے قاصر ہیں لیکن وہ موجود ہے اور ایمانیات میں داخل ہے۔ اُس کے حق ہونے پر ہر پختہ یقین رکھتے ہیں اور اُس کا اعتراف کرتے اور اُس کی تصدیق کرتے ہیں۔ دوم اِس زندگی کے بعد پیش آنے ولے حالات پر بھی پختہ یقین رکھتے ہیں اور سوم یہ کہ وہ غیوبت کی حالت میں یعنی علیحدگی میں بھی ایمان رکھتے ہیں اور اِن میں منافقوں کی طرح دورنگی نہیں پائی جاتی۔

ایمان بالغیب کی اہمیت اِس امر سے عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے آغاز پر تین گروہوں کا ذکر درج ذیل ترتیب سے بیان فرمایا ہے نمبر 1 مؤمن۔ نمبر 2 کافر اور نمبر 3 منافق۔

یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو لوگوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے بھجواتا ہے تو علاقے کے موجود لوگوں میں سے کچھ لوگ تو نبی پر ایمان لاتے ہیں وہ مؤمن کہلاتے ہیں۔ کچھ لوگ جو اکثریت میں ہوتے ہیں اُس نبی کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں وہ کافر کہلاتے ہیں جبکہ کچھ لوگ جو تعداد میں تھوڑے ہوتے ہیں وہ نبی پر گو ایمان لے آتے ہیں لیکن سچے دل سے نہیں۔ وہ نبی کے سامنے ہوتے ہیں تو آمَنَّا وَصَدَّقۡنَا کا نعرہ بلند

کرتے ہیں مگر جب نبی کی آنکھوں سے او جھل ہوتے ہیں تو نبی کے خلاف ریشہ دوانیاں کرنے لگتے ہیں۔ جہاں تک مؤمنوں کا تعلق ہے۔ اُن کے ایمان لانے اور فرمانبر داری کرنے کے مختلف پہلوؤں سے قرآن بھرا پڑا ہے لیکن قرآن کریم کے آغاز پر ہی سب سے پہلے غیب پر ایمان لانے کو بنیاد بنا کر ایمان کے مختلف پہلوؤں کو قرآن میں بیان فرمایا کیونکہ جب ہر غیب پر ایمان نہ ہو گا اُس نبی پر بھی ایمان مشکوک ہو جائے گا۔ نبی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور یقین رکھنے کی تعلیم دیتا ہے جو آنکھوں سے او جھل رہتا ہے اور غیب کے زُمرہ میں آتا ہے۔ پھر اُس متعلقہ نبی سے قبل مبعوث ہونے والے تمام انبیاء، رسل اور اللہ کے فرستادوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اور یہ تمام انبیاء ورُسل غیب کے زُمرہ میں ہوتے ہیں۔ جو آنکھوں سے نظر نہیں آتے وہ وفات پا چکے ہوتے ہیں مگر اُن پر ایمان لانا بھی ایمان بالغیب کا حصہ ہے۔ اِسی طرح سابقہ کتب پر ایمان بھی ایمان بالغیب ہے۔ فرشتوں پر بھی ایمان لازمی ہے جو ایک مؤمن کی آنکھوں سے او جھل ہوتے ہیں جو کم نظر آتے ہیں۔ اُن پر ایمان لانا اور اُن کے مفوضّہ کاموں پر یقین رکھنا بھی ایمان بالغیب ہے۔

حضرت خلیفۃُ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ

"قرآن کریم میں غیب کا لفظ جن معنوں میں استعمال ہوتا ہے اُن سے بھی ثابت ہے کہ اِس سے مراد وہمی امور نہیں۔ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الحجرات:19) اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کے غیب کو جانتا ہے۔ اِس جگہ غیب کا لفظ حقیقت کے لئے بولا گیا ہے کیونکہ اگر غیب کے معنے محض وہمی اور بے دلیل باتوں کے ہوں تو اِس آیت کے یہ معنے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ بے دلیل اور وہمی باتوں کو جانتا ہے اور یہ ترجمہ بالبداہت غلط ہے۔ اِسی طرح فرماتا ہے۔ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (السجدۃ:7) یعنی خدا ہی غیب اور ظاہر کو جانتا ہے۔ اس آیت میں غیب کا لفظ یقینی مگر نظروں سے پوشیدہ امور کے لئے بولا گیا ہے۔ اِسی طرح فرماتا ہے۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ (الانعام:60) اللہ تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ غیب وہمی باتوں کا نام نہیں بلکہ اُن تمام مخفی خزانوں کا نام ہے جو انسانوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اُن کو جانتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کے یہ معنے ہرگز

نہیں کہ متقی وہ ہیں جو بغیر دلیل کے قرآنِ کریم کی باتوں کو مان لیتے ہیں کیونکہ یہ معنے قرآن کریم کی دوسری آیات کے خلاف ہیں۔"

(تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ 100)

پھر آپؓ فرماتے ہیں:

"خلاصہ یہ ہے ایمان بالغیب سے مراد، اُن سب صداقتوں پر ایمان لانا ہے جو حواسِ خمسہ سے معلوم نہیں کی جاسکتیں بلکہ اِن کا ثبوت اَور ذرائع سے معلوم ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہ اُسے حواس خمسہ سے معلوم نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے جاننے کے اَور دلائل ہیں اور وہ دلائل ایسے یقینی اور قطعی ہیں کہ ظاہری حواس سے معلوم کی ہوئی باتوں سے کم نہیں بلکہ زیادہ یقین کے مقام پر انسان کو کھڑا کر دیتے ہیں۔ مثلاً خدا تعالیٰ کا کلام ہے جسے مؤمن سنتے ہیں اور اُس کے بتائے ہوئے علومِ غیبیہ ہیں جنہیں مؤمن پورا ہوتے دیکھتے ہیں اور اس کی زبردست قدرتیں ہیں جن کا ظہور مؤمن اپنے نفوس اور باقی دنیا میں دیکھتے ہیں مگر باوجود ان باتوں کے خدا تعالیٰ کی ہستی وراء الوراء ہے وہ حواسِ خمسہ سے محسوس نہیں کی جاسکتی۔
اسی طرح ملائکہ کا وجود ہے۔ ملائکہ ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آتے نہ دوسرے حواس خمسہ سے معلوم کئے جاسکتے ہیں لیکن باوجود اِس کے اُن کا وجود وہمی نہیں ہے بلکہ اُن کے وجود پر قطعی دلائل ہیں جو قرآنِ کریم میں مختلف جگہوں پر بیان کئے گئے ہیں۔ یا مثلاً ایک غیب موت کے بعد کی زندگی ہے قرآنِ کریم اس پر بے دلیل ایمان لانے کا حکم نہیں دیتا بلکہ اس کے سچے ہونے پر زبردست دلائل دیتا ہے جو آئندہ مختلف مواقع پر بیان کئے جائیں گے۔"

(تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ 101)

سامعین! الغرض سب سے اوّل اِس دنیا کا خالق اللہ تعالیٰ غیب میں ہے جس پر ایمان لانا جزوِ ایمان ہے۔ اِس کی پہچان کے لئے اللہ نے فرشتوں کا نظام قائم فرمایا ہے۔ تمام گزشتہ انبیاء اور کتب غیب کا حصہ ہیں۔ زمین وآسمان کی پیدائش اور حواس خمسہ غیب میں شامل ہیں۔ ہاں ایک غیب جس کا تعلق سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات جن کا حوالہ خاکسار اوپر دے آیا ہے۔ وہ ہے کہ صحابہ، تابعین یا تبع تابعین جب تک رسول، نبی، فرستادہ یا خلیفہ کے سامنے ہوتے ہیں وہ اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہی ہیں۔ لیکن جب وہ اِن سے الگ

ہو کر اپنے گھروں میں جاتے ہیں۔ اپنے افرادِ خاندان سے ملتے ہیں اور نبی، رسول یا خلیفہ کی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں تو یہ بھی غیب کے زُمرہ میں آتا ہے۔ اِن حالات میں بھی وہ رسول، نبی یا خلیفہ پر ایمان لاتے ہیں۔ اُن کے ارشادات اور ہدایات کو حرزِ جان جانتے ہیں۔ اُن کے ذہنوں کے خفیہ خانوں میں بھی یہ چیز نہیں آتی کہ اب کون سا رسول، نبی یا خلیفہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ وہ تب بھی اُس کی تمام ہدایات پر عمل پیرا ہوتے ہیں بلکہ اپنے اہل خانہ اور اولاد کو بھی اِن پر عمل کرنے کی طرف توجہ دلاتے رہتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تو ہمیں دیکھ ہی رہا ہے۔ ہمارا خلیفہ بھی اپنی روحانی آنکھ سے دیکھ رہا ہو گا۔

حضرت خلیفۃُ المسیح الثانیؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص مجھے ملنے آتا ہے تو مجھے یہ علم دے دیا جاتا ہے کہ یہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ اِس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔ حتّٰی کہ اُس کے کردار و افعال کی بھی اطلاع دے دی جاتی ہے۔ یہ غیب کا ایک الگ مفہوم ہے۔ اِس لئے خلیفۃُ المسیح کے پاس جانے سے قبل صدقہ ضرور دینا چاہیے۔ جہاں تک اوپر بیان شدہ غیب کا مضمون ہے۔

اُس کی تائید میں ایک حدیث بھی ملتی ہے کہ صحابہ کرامؓ جن میں حضرت ابو بکر صدیقؓ جیسے اجلّ صحابی بھی شامل تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم جب آپ کے ساتھ ہوتے ہیں اور آپؐ جنت و جہنم کی باتیں کرتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے اِنہیں دیکھ رہے ہیں لیکن جب ہم اپنے کاروبار میں مصروف ہوتے ہیں یا بال بچوں کے پاس ہوتے ہیں تو گویا ہم نفاق محسوس کرتے ہیں۔ اِس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

”اگر تم ہمیشہ اُسی کیفیت میں رہو جو میرے پاس رہنے سے ہوتی ہے تو یقین جانو کہ فرشتے تمہاری مجلسوں میں، تمہارے راستوں میں اور تمہارے بستروں پر تم سے مصافحہ کریں۔“

(ترمذی کتاب صفة القیامة حدیث نمبر 2514)

سامعین! ایمان بالغیب کا مضمون اُس وقت دلچسپی اختیار کر لیتا ہے جب ”الغیب“ کے مفہوم کو ہم مستقبل یعنی آنے والے دَور پر لاگو کرتے ہیں۔ جیسے آخرت پر یقینِ کامل ہونا کہ ایک دن ہم سب کا امتحان ہونا ہے۔ محاسبہ ہو گا۔ کامیاب ہونے والے جنت میں جائیں گے اور ناکام ہونے والے علاج کی غرض سے ایک ہسپتال میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ اِس ضمن میں ہم پھل دار درختوں، فصلوں اور سبزیوں کی مثال

دے سکتے ہیں کہ ہم سابقہ تجربہ کی بناء پر آئے روز پھل دار درخت لگاتے ہیں، سبزیاں بیجتے ہیں اور فصلیں اُگاتے ہیں اِس ایمان بالغیب کے ساتھ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ وقت آنے پر پھل دیں گے یا اناج مہیا کریں گے۔ یہی کیفیت مذہبی جماعتوں میں روحانی پھل یعنی روحانی اولاد کے متعلق ہے۔ ہمارے والدین، ہمارے بزرگ ہماری تعلیم وتربیت اور اصلاحِ احوال کی طرف اِس لئے توجہ دیتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اِس کے نتیجہ میں وہ ضرور ڈاکٹر، انجینئر، مربی وغیرہ بنیں گے۔ یونیورسٹیاں اور کالجز نوجوان نسل کو اِس لئے تعلیم سے آراستہ کررہے ہوتے ہیں کہ مستقبل میں وہ ہماری قوم کے ہیرو بننے والے ہیں۔ یہی وہ خوشگوار نتائج ہوتے ہیں جو غیب میں ہوتے ہیں اور نظر میں نہیں آرہے ہوتے ہیں مگر ایک امید کو سامنے رکھ کر اِس غیب کو اپنے سامنے دیکھنے کے لئے جہد وجہد کی جاتی ہے۔ رمضان میں ہم روزے اس یقین کے ساتھ رکھتے ہیں کہ خدا ملے گا، اُس کی رضا ملے گی، اُس کی محبت ملے گی۔

اِس مضمون کو حضرت مصلح موعودؓ نے ذیل کے دو اقتباسات میں بیان فرمایا ہے۔

”حق یہ ہے کہ جس قدر شاندار کام ہیں وہ سب ایمان بالغیب کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوتے ہیں۔ تعلیم، صدقہ، خیرات، غرباء کے اُبھارنے کے لئے کوششیں، ملکی تنظیم سب ایمان بالغیب ہی کی اقسام ہیں۔ اگر انسان آئندہ نکلنے والے اچھے نتائج پر جو ظاہر نگاہ سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ یقین نہ رکھے تو کبھی ایسی قربانیاں نہ کرسکے۔ پس متقی کی علامت ایمان بالغیب بتا کر قرآنِ کریم نے یہ بتایا ہے کہ مؤمن ضروری دینی امور پر ایمان رکھنے کے علاوہ اعلیٰ درجہ کی اخلاقی قربانیاں کرتا ہے اور تاجرانہ ذہنیت سے بالا ہو جاتا ہے اور اس امر پر اصرار نہیں کرتا کہ مَیں وہی کام کروں گا جن کا نقد بہ نقد نتیجہ نکلے۔ بلکہ جب اُسے یقین ہو جائے کہ جو کام اُس کے سامنے پیش کیا گیا ہے اچھا اور نیک ہے تو وہ ظاہری حالات سے بے پرواہو کر اِس یقین سے اِس کام کے کرنے میں لگ جاتا ہے کہ خواہ حالات کتنے ہی مخالف کیوں نہ ہوں نیک کام کا نتیجہ نیک ہی نکلے گا اور اِس امر کی بھی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ اس نتیجہ کو خود بھی دیکھے گا یا نہیں۔ اگر کوئی شخص تعصّب سے آزاد ہو کو غور کرے تو ایمان بالغیب کا یہ مفہوم ایسا اہم ہے کہ اس کے ذریعہ سے قرآن کریم نے تمام قومی، ملّی اور بنی نوع انسان کی ترقی کے لئے قربانیوں کی بنیاد رکھ دی ہے۔ یہ ایمان بالغیب ہی تھا کہ جس نے صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ قربانیاں کرائیں جنہوں نے عرب کی ہی نہیں بلکہ سب دنیا کی

حالت بدل دی۔ اگر وہ تاجرانہ ذہنیت دکھاتے اور ایمان بالغیب کے ماتحت کام نہ کرتے تو دنیا میں ایسے شاندار نتائج کس طرح پیدا ہو سکتے تھے...اِس مضمون سے اُن مسلمان طلباء کو جو تعلیم کی خاطر کالجوں میں داخل ہوتے ہیں یا دوسرے ممالک میں جاتے ہیں سبق حاصل کرنا چاہیے اور اپنے ایمان کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ اگر وہ مؤمنوں کے ماحول سے جدا ہو کر کمزور ہو جاتا ہے تو اِس کے یہ معنے ہیں کہ انہوں نے اپنے مذہب کو سمجھ کر نہیں مانا تھا اور اُن کا ایمان ذاتی نہ تھا بلکہ صرف اپنے ماحول کی ایک صدائے بازگشت تھا۔"

(تفسیر کبیر جلد اول صفحہ 102-103)

پیارے بھائیو! مَیں اپنی تقریر کا اختتام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک ارشاد پر کرنا چاہوں گا۔ آپؑ فرماتے ہیں۔

"یاد رکھو کہ متقی کی صفات میں سے پہلی صفَت یہ بیان کی یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ یعنی غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ مؤمن کی ایک ابتدائی حالت کا اظہار ہے کہ جن چیزوں کو اُس نے نہیں دیکھا اُن کو مان لیا ہے۔ غیب اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور اِس غیب میں بہشت، دوزخ، حشرِ اجساد اور وہ تمام امور بھی جو ابھی تک پردۂ غیب میں ہیں، شامل ہیں۔ اب ابتدائی حالت میں تو مؤمن اِن پر ایمان لاتا ہے لیکن ہدایت یہ ہے کہ اِس حالت پر اُسے ایک انعام عطا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اُس کا علمِ غیب سے انتقال کر کے شہود کی طرف آ جاتا ہے اور اس پر پھر ایسا زمانہ آ جاتا ہے کہ جن باتوں پر وہ پہلے غائب کے طور پر ایمان لاتا تھا وہ ان کا عارف ہو جاتا ہے اور وہ امور جو ابھی تک مخفی تھے اس کے سامنے آ جاتے ہیں اور حالتِ شہود میں انہیں دیکھتا ہے۔ پھر وہ خدا تعالیٰ کو غیب نہیں مانتا بلکہ اُسے دیکھتا ہے اور اُس کی تجلّی سامنے رہتی ہے۔ غرض اس غیب کے بعد شہود کا درجہ اُسے عطا کیا جاتا ہے۔ جیسے ایمان کے بعد عرفان کا مرتبہ ملتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کو اِسی عالم میں دیکھ لیتا ہے اور اگر اس کو یہ مرتبہ عطا نہ ہوتا تو پھر یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کے مصداق کو کوئی ہدایت اور انعام عطا نہ ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہوتا اور اُس کے لئے ہدایت یہی ہے کہ اُس کے ایمان کو حالتِ غیب سے منتقل کر کے حالتِ شہود میں لے آتا ہے"

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 308 ایڈیشن 1984ء)

پھر آپؑ فرماتے ہیں:

”ایمان بالغیب کے یہ معنے ہیں کہ وہ خدا سے اَڑ نہیں باندھتے۔ بلکہ جو بات پردۂ غیب میں ہو۔ اس کو قرائنِ مرجّحہ کے لحاظ سے قبول کرتے ہیں اور دیکھ لیتے ہیں کہ صدق کے وجوہ کذب کے وجوہ پر غالب ہیں۔ یہ بڑی غلطی ہے کہ انسان یہ خیال رکھے کہ آفتاب کی طرح ہر ایک امر اُس پر منکشف ہو جاوے۔ اگر ایسا ہو تو پھر بتلاؤ کہ اس کے ثواب حاصل کرنے کا کونسا موقعہ ملا؟ کیا اگر آفتاب کو دیکھ کر کہیں کہ ہم اُس پر ایمان لائے تو ہم کو ثواب ملتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس میں غیب کا پہلو کوئی بھی نہیں۔ لیکن جب ملائکہ، خدا اور قیامت وغیرہ پر ایمان لاتے ہیں ثواب ملتا ہے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ ان ایمان لانے میں ایک پہلو غیب کا پڑا ہوا ہے۔ ایمان لانے کے لئے ضروری ہے کہ کچھ اخفاء بھی ہو اور طالبِ حق چند قرائنِ صدق کے لحاظ سے اِن باتوں کو مان لے۔“

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 218-219)

خوبرویوں میں ملاحت ہے ترے اس حسن کی
ہر گُل و گلشن میں ہے رنگ اُس ترے گلزار کا
آنکھ کے اندھوں کو حائل ہوگئے سو سو حجاب
ورنہ تھا قبلہ ترا رُخ کافر و دیندار کا
ہیں تری پیاری نگاہیں دلبرا اِک تیغِ تیز
جن سے کٹ جاتا ہے سب جھگڑا غمِ اَغیار کا

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

✡✡✡✡

﴿5﴾ ﴿مشاہدات۔1267﴾

ایمان کیا ہے؟

(حضرت مسیح موعودؑ کے افاضات کی روشنی میں)

(تقریر نمبر1)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ(البقرہ:26)

یعنی جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل بجالاتے ہیں وہ ان باغوں کے وارث ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔

ڈھونڈو وہ راہ جس سے دل و سینہ پاک ہو
نفسِ دنی خدا کی اطاعت میں خاک ہو
ملتی نہیں عزیزو! فقط قصّوں سے یہ راہ
وہ روشنی نشانوں سے آتی ہے گاہ گاہ

(درثمین)

معزز سامعین! مجھے آج "ایمان" کیا ہے؟ پر گفتگو کرنی ہے۔ اس کے لیے مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات پیش کرنے جارہا ہوں۔

ایمان کیا ہے؟۔ فرماتے ہیں:

"یادرکھو کہ ایمان ہی ایمان کو پہچانتا ہے اور روشنی سے روشنی کی شناخت ہوتی ہے۔ سورج دنیا میں موجود ہے مگر جس کی آنکھ میں ہی نور نہ ہو وہ سورج سے فائدہ ہی کیا اُٹھا سکتا ہے۔ منہ سے یہ دعویٰ کردینا کہ ہمیں کسی امام یا مصلح کی کیا ضرورت ہے، بڑا خطرناک ہے۔

مَیں سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے پانے کے واسطے بڑی بڑی سخت مشکلات اور دشوار گزار گھاٹیاں ہیں۔ ایمان صرف اسی کا نام نہیں کہ زبان سے کلمہ پڑھ لیا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ ایمان ایک نہایت باریک اور گہرا راز ہے اور ایک ایسے یقین کا نام ہے جس سے جذباتِ نفسانیہ انسان سے دور ہو جاویں اور ایک گناہ سوز حالت انسان کے اندر پیدا ہو جاوے جن کے وجود میں ایمان کا سچا نور اور حقیقی معرفت پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کی حالت ہی کچھ الگ ہو جاتی ہے اور وہ دنیا کے معمولی لوگوں کی طرح نہیں بلکہ ممتاز ہوتے ہیں۔ کوئی ایک گناہ چھوڑ کر ایسا مغرور ہو جانا اور مطمئن ہو جانا کہ بس اب ہم مؤمن بن گئے اور تمام مدارج ایمان ہم نے طے کر لئے۔ یہ ایک اپنا خیال ہے۔

دیکھو! انسان کی فطرت ہی ایسی ہے کہ ہمیشہ ایک حالت پر قائم نہیں رہتی۔ پس جب تک لمبے تجربہ اور استقامت سے یہ امر بپایۂ ثبوت نہ پہنچ جاوے کہ واقعی اب تم نے خدا تعالیٰ کو مقدّم کر لیا ہے اور تمہاری حالت گناہ سوز مستقل ہو گئی ہے اور تم کو نفس امّارہ اور لوّامہ سے نکل کر نفس مطمئنہ عطا کیا گیا ہے اور عملی طور سے سچی پاکیزگی تم نے حاصل کر لی ہے۔ تب تک مطمئن ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

دیکھو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی (الاعلیٰ:15) فلاح وہ شخص پاوے گا جو اپنے نفس میں پوری پاکیزگی اور تقویٰ طہارت پیدا کر لے اور گناہ اور معاصی کے ارتکاب کا کبھی بھی اس میں دورہ نہ ہو اور ترکِ شرّ اور کسبِ خیر کے دونو مراتب پورے طور سے یہ شخص طے کر لے تب جا کر کہیں اسے فلاح نصیب ہوتی ہے۔ ایمان کوئی آسان سی بات نہیں جب تک انسان مَر ہی نہ جاوے تب تک کہاں ہو سکتا ہے کہ سچا ایمان حاصل ہو۔

دیکھو! ایمان کی دو ہی نشانیاں ہیں۔ اوّل درجہ یہ ہے کہ گناہ کو انسان چھوڑ دے اور ایسی حالت اس کو میسّر آ جاوے کہ گناہ کرنا گویا آگ میں پڑتا ہے یا کسی کالے سانپ کے منہ میں انگلی دینا ہے یا کوئی خطرناک زہر کا پیالہ پینے کے برابر ہے۔ پھر یاد رکھو کہ صرف ترکِ شرّ ہی نیکی نہیں ہے۔ نیکی اس میں ہے کہ ترکِ شرّ کے ساتھ ہی کسبِ خیر بھی ہو۔ ترکِ گناہ میں جب انسان اس درجہ تک ترقی کر جاوے تو پھر چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے منشاء کے موافق سنّتِ رسول پر بڑی سرگرمی سے نیک اعمال کو بجالاوے اور کوئی روک اس کی طبیعت میں پیدا نہ ہو اور انشراح صدر سے نیکی کرنے پر قادر ہو جاوے۔"

(ملفوظات جلد 10 ایڈیشن 1984ء۔ صفحہ 275-276)

ایمان ایک درخت ہے۔ فرمایا:

"ہمارا یہ ایمان ہے کہ کوئی فلسفہ اور سائنس خواہ وہ اپنی اس موجودہ حالت سے ہزار درجہ ترقی کر جاوے مگر قرآن ایک ایسی کامل کتاب ہے کہ یہ نئے علوم کبھی بھی اس پر غالب نہیں آسکتے۔ مگر اس شخص کی نسبت ہم کیونکر ایسی رائے قائم کرسکتے ہیں کہ جس کی نسبت ہمیں معلوم ہے کہ اس کو علوم قرآن سے مسّ ہی نہیں اور اُس نے اس طرف کبھی توجہ ہی نہیں کی بلکہ کبھی ایک سطر بھی قرآن شریف کی غور و تدبّر کی نظر سے نہیں پڑھی۔

مثال کے طور پر قرآن کی تعلیم روحانی کا ایک فلسفہ بیان ہوا ہے جو بعد الموت اعمال کے نتیجہ میں انسان کو بہشت کے رنگ میں ملے گا جس کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی۔ بظاہر یہ ایک قصّہ ہے مگر قصّہ نہیں گو کہ قصّہ کے رنگ میں آگیا ہے۔ اس کی حقیقت یہی ہے کہ اس وقت کے لوگ علوم روحانی کے نہ جاننے کی وجہ سے نادان بچوں کی طرح تھے۔ ایسے باریک اور روحانی علوم کے سمجھانے کے واسطے ان کے مناسبِ حال استعاروں سے کام لینا اور مثالوں کے ذریعہ سے اصل حقیقت کو ان کے ذہن نشین کرنا ضروری تھا۔ اسی واسطے قرآن شریف نے بہشت کی حقیقت سمجھانے کے واسطے اس طریق کو اختیار کیا اور پھر یہ بھی فرمایا کہ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ (الرعد:36) یہ ایک مثال ہے نہ کہ حقیقت۔ قرآن شریف کے ان الفاظ سے صاف عیاں ہے کہ وہ جنت کوئی اَور ہی چیز ہے اور حدیث میں صاف یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ ان ظاہری جسمانی دنیوی امور پر نعماء جنت کا قیاس نہ کیا جاوے کیونکہ وہ ایسی چیز ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی وغیرہ۔ مگر وہ باتیں جن کی مثال دے کر جنت کی نعماء کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ تو ہم دیکھتے بھی ہیں اور سنتے بھی ہیں۔ ایک مقام پر قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ جنت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (البقرہ:26)۔ اس آیت میں ایمان کو اعمالِ صالحہ کے مقابل پر رکھا ہے جنّات اور انہار یعنی ایمان کا نتیجہ تو جنّت ہے اور اعمالِ صالحہ کا نتیجہ انہار ہیں۔ پس جس طرح باغ بغیر نہر اور پانی کے جلدی برباد ہو جانے والی چیز ہے اور دیرپا نہیں اسی طرح ایمان بے عمل صالح بھی کسی کام کا نہیں۔ پھر ایک دوسری جگہ پر ایمان کو اشجار (درختوں) سے

تشبیہ دی ہے اور فرمایاہے کہ وہ ایمان جس کی طرف مسلمانوں کو بلایا جاتا ہے وہ اشجار ہیں اور اعمالِ صالحہ ان اشجار کی آبپاشی کرتے ہیں۔

غرض اس معاملہ میں جتنا جتنا تدبّر کیا جاوے اُسی قدر معارف سمجھ میں آویں گے۔ جس طرح سے ایک کسان کاشتکار کے واسطے ضروری ہے کہ وہ تخمریزی کرے۔ اسی طرح روحانی منازل کے کاشتکار کے واسطے ایمان جو کہ روحانیات کی تخمریزی ہے ضروری اور لازمی ہے اور پھر جس طرح کاشتکار کھیت یا باغ وغیرہ کی آبپاشی کرتا ہے اسی طرح سے روحانی باغِ ایمان کی آبپاشی کے واسطے اعمالِ صالحہ کی ضرورت ہے۔

یاد رکھو کہ ایمان بغیر اعمالِ صالحہ کے ایسا ہی بے کار ہے جیسا کہ ایک عمدہ باغ بغیر نہر یا دوسرے ذریعہ آبپاشی کے نکمّا ہے۔ درخت خواہ کیسے ہی عمدہ قسم کے ہوں اور اعلیٰ قسم کے پھل لانے والے ہوں مگر جب مالک آبپاشی کی طرف سے لاپروائی کرے گا تو اس کا جو نتیجہ ہو گا وہ سب جانتے ہیں۔ یہی حال روحانی زندگی میں شجرِ ایمان کا ہے۔ ایمان ایک درخت ہے جس کے واسطے انسان کے اعمالِ صالحہ روحانی رنگ میں اس کی آبپاشی کے واسطے نہریں بن کر آبپاشی کا کام کرتے ہیں۔ پھر جس طرح ہر ایک کاشتکار کو تخم ریزی اور آبپاشی کے علاوہ بھی محنت اور کوشش کرنی پڑتی ہے اسی طرح خدا تعالیٰ نے روحانی فیوض و برکات کے ثمراتِ حسنہ کے حصول کے واسطے بھی مجاہدات لازمی اور ضروری رکھے ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:70)"

(ملفوظات جلد 10 ایڈیشن 1984۔ صفحہ 394-396)

سامعین! خشک ایمان کی تفسیر کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ہم جسمانی نظام میں دیکھتے ہیں کہ جسمانی کاشتکار باوجود ہر قسم کی باقاعدہ محنت و مشقت کے بھی پھر آسمانی پانی کا محتاج ہے اور اگر اس کی محنتوں اور کوششوں کے ساتھ آسمانی پانی اس کی فصل پر نہ پڑے تو فصل تباہ اور محنت برباد ہو جاتی ہے۔ پس یہی حال روحانی رنگ میں ہے۔ انسان کو خشک ایمان کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ روحانی بارش نازل ہو کر بڑے زور کے نشانات سے اس کے اندرونی گند دھو کر اس کو صاف نہ کرے۔ چنانچہ قرآن شریف اسی کی طرف اشارہ کر کے فرماتا ہے وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ۔ یعنی قسم ہے آسمان کی جس سے بارش نازل ہوتی ہے اور قسم ہے زمین کی جس سے شگوفہ نکلتا

ہے۔ بعض لوگ اپنی نادانی کی وجہ سے کہتے ہیں کہ خدا کو قسم کی کیا ضرورت تھی مگر ایسے لوگ آخر کار اپنی جلد بازی کی وجہ سے ندامت اٹھاتے ہیں۔ قسم کا مفہوم اصل میں قائم مقام ہوتا ہے شہادت کے۔ ہم دنیوی گورنمنٹ میں بھی دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات مقدمات کے فیصلوں کا حصر ہی قسم پر رکھا جاتا ہے۔ پس اسی طرح سے خدا تعالیٰ بھی بارش آسمانی کی قسم کھا کر نظامِ جسمانی کی طرح نظامِ روحانی میں اس بات کو بطور ایک شہادت کے پیش کرتا ہے کہ جس طرح سے زمین کی سرسبزی اور کھیتوں کا ہرا بھرا ہونا آسمانی بارش پر موقوف ہے اور اگر آسمانی بارش نہ ہو تو زمین پر کوئی سبزی نہیں رہ سکتی اور زمین مُردہ ہو جاتی ہے بلکہ کنوؤں کا پانی بھی خشک ہو جاتا ہے اور دنیا زیر وزبر ہو کر ہلاکت کا باعث ہو جاتی ہے اور لوگ بھوکے پیاسے مرتے ہیں۔ قحط کی وجہ سے انسان وحیوان اور پھر چرند و پرند اور درندوغیرہ پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے بعینہٖ اسی طرح سے ایک روحانی سلسلہ بھی ہے۔

یاد رکھو کہ خشک ایمان بجز آسمانی بارش کے جو مکالمہ مخاطبہ کے رنگ میں نازل ہوتی ہے ہرگز ہرگز باعث نجات یا حقیقی راحت کا نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ روحانی بارش کے بغیر اور کسی مامور من اللہ کے بغیر نجات پا سکتے ہیں اور ان کو کسی مزکّی اور مامور من اللہ کی ضرورت نہیں۔ سب کچھ ان کے پاس موجود ہے ان کو چاہیے کہ پانی بھی اپنے گھروں میں ہی پیدا کر لیا کریں۔ اُن کو آسمانی بارش کی کیا احتیاج؟ آنکھوں کے سامنے موجود ہے کہ جسمانی چیزوں کا مدار کن چیزوں پر ہے۔ پس اس سے سمجھ لو کہ بعینہٖ اسی کے مطابق رُوحانی زندگی کے واسطے بھی لازمی اور لابُد اور ضروری ہے۔"

(ملفوظات جلد 10 ایڈیشن 1984۔ صفحہ 397-399)

معرفت کے بغیر ایمان ادھورا ہے۔ فرمایا:

"یاد رکھو کہ پاکیزگی کے مراحل بہت دُور ہیں اور وہ ان خیالات سے بالاتر ہیں۔ صرف پاکیزگی حاصل کرنا اور سچے طور سے صغائرِ کبائرِ سے بچ جانا ان لوگوں کا کام ہے جو ہر وقت خدا کو آنکھ کے سامنے رکھتے ہیں اور فرشتہ سیرت بھی وہی لوگ ہو سکتے ہیں۔ دیکھو! ایک بکری کو اگر ایک شیر کے سامنے باندھ دیں تو وہ اپنا کھانا پینا ہی بھول جاوے چہ جائیکہ وہ اِدھر اُدھر کھیتوں میں منہ مارے اور لوگوں کی محنت اور جانفشانیوں سے پیدا کی ہوئی کھیتیوں سے کھاوے۔ پس یہی حال انسان کا ہے۔ اگر اس کو یہ یقین ہو کہ مَیں خدا تعالیٰ کو

دیکھ رہا ہوں یا کم از کم خدا تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے تو بھلا پھر ممکن ہے کہ کوئی گناہ اس سے سرزد ہو سکے؟ ہرگز نہیں۔ یہ ایک فطرتی قاعدہ ہے کہ جب یقین اور قطعی علم ہو کہ اس جگہ قدم رکھنا ہلاکت ہے یا ایک سوراخ جس میں کالا سانپ ہو اور یہ خود اسے دیکھ بھی لیوے تو کیا اس میں انگلی ڈال سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ غرض یہ فطرتِ انسانی میں ہی رکھا گیا ہے کہ جہاں اس کو ہلاکت کا یقین ہوتا ہے اس جگہ سے بچتا اور پرہیز کرتا ہے جب تک اس درجہ تک خدا تعالیٰ کی معرفت نہ ہو جاوے اور یہ یقین پیدا نہ ہو جاوے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ ایک بھسم کر دینے والی آگ ہے یا ایک خطرناک زہر ہے تب تک حقیقت ایمان کو نہیں سمجھا گیا اور بغیر ایسے کامل یقین اور معرفت کے پھر ایمان بھی ادھورا ایمان ہے۔ وہ ایمان جس کا اعمال پر بھی اثر نہ ہو۔ یا جو ایمان امتحانی حالات میں ذرا بھی تبدیلی پیدا نہ کر سکے کس کام کا ایمان ہے اور اس کی کیا فضیلت ہو سکتی ہے۔"

(ملفوظات جلد 10 ایڈیشن 1984۔ صفحہ 278-279)

ایمان کے آثار آپ نے یوں بیان فرمائے:

"انسان کو جس قدر خدا تعالیٰ کے اقتدار اور سطوت کا علم ہو گا اور جس قدر یقین ہو گا کہ اس کی نافرمانی کرنے کی سخت سزا ہے اسی قدر گناہ اور نافرمانی اور حکم عدولی سے اجتناب کرے گا۔ دیکھو! بعض لوگ موت سے پہلے ہی مر رہے ہیں۔ یہ اخیار، ابدال اور اقطاب کیا ہوتے ہیں؟ اور ان میں کیا چیز زائد آجاتی ہے؟ وہ یہی یقین ہوتا ہے۔ یقینی اور قطعی علم ضرورتاً اور فطرتاً انسان کو ایک امر کے واسطے مجبور کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی نسبت ظنّ کفایت نہیں کر سکتا۔ شبہ مفید نہیں ہو سکتا۔ اثر صرف یقین ہی میں رکھا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی صفات کا یقینی علم ایک ہیبت ناک بجلی سے بھی زیادہ اثر رکھتا ہے۔ اسی کے اثر سے تو یہ لوگ سر ڈال دیتے اور گردن جھکا دیتے ہیں۔ پس یاد رکھو کہ جس قدر کسی کا یقین بڑھا ہوا ہو گا اُسی قدر وہ گناہ سے اجتناب کرتا ہو گا۔

بظاہر نظر تو گناہ سے بچنے والے اور اس قسم کا دعویٰ کرنے والے بہت ہوں گے مگر ان کی مثال وہی ہے جس طرح ایک پھوڑا جو کہ پیپ سے خوب بھر گیا ہو ظاہری جانب سے چمک اُٹھتا ہے اور باقی حصّہ جسم سے بھی اس کی چمک دمک اور روشنی بڑھی ہوئی نظر آتی ہے مگر اندر اس کے پیپ اور گندہ مواد بھرے

ہوتے ہیں۔ گناہ سے بچنے کے آثار بھی تو ساتھ ہوں۔ روشنی، دھوپ اور گرمی اس بات کے شاہد ہیں کہ آفتاب نکلا ہوا ہے۔ مگر جو شخص کہ رات کے وقت کہتا ہے کہ آفتاب چڑھا ہوا ہے حالانکہ آفتاب کے آثار نہیں۔ اب بتاؤ کہ کوئی اس کی بات کو باور کرے گا؟ ہر گز نہیں۔ پس یہی حال ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ حالانکہ اس ایمان کے آثار یعنی گناہ سے بکلّی نفرت اور پھر اس کے آثار کہ خدا تعالیٰ کے فیوض و برکات اور تائیدات اور سچی پاکیزگی، تقویٰ اور طہارت ان میں مفقود ہوتے ہیں۔ یہ بات کہ انسان خدا تعالیٰ کی رضا کے خلاف کاموں سے بالکل دست کش ہو جائے اور گناہ اور خدا تعالیٰ کی نافرمانی اُسے آگ کھانے سے بھی بدتر نظر آوے اور خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی دنیوی جاہ و جلال کا رعب داب اس پر اثر نہ کرے بلکہ یہ ماسویٰ اللہ کو بجز ارادۂ الٰہی کسی کے نفع اور ضرر پہنچانے میں ایک مرے ہوئے کیڑے کی طرح سمجھے اور ایسا ہو جائے کہ اس کا سکون اور اس کی حرکت اور اس کے تمام افعال خدا تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہو جاویں اور یہ اپنے آپ سے فنا ہو کر خدا میں محو ہو جائے۔

یہ تمام امور انسانی طاقت سے بالاتر ہیں۔ انسان کی اپنی طاقت نہیں کہ ان سب فضائل کو حاصل کر سکے اور تمام رزائل سے بکلّی پاک ہو سکے۔ سو اس غرض کے واسطے اللہ تعالیٰ کا یہ ہمیشہ سے قاعدہ ہے کہ وہ دنیا میں ایک انسان کو مامور کر کے بھیجا کرتا ہے اور اپنے عجائباتِ قدرت اس کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے۔ اس کی دعائیں قبول کر کے اس کو اطلاع دیتا ہے۔ اس پر مکالمہ مخاطبہ کا فیضان جاری کرتا ہے اور اس کے ہاتھ پر ایسے ایسے خارقِ عادت معجزات اور غیبی امور ظاہر کرتا ہے جن سے سفلی خیالات کے انسان عاجز ہوتے ہیں اور ایسے چمکتے ہوئے اور ہیبت ناک امور اس کی تائید میں ظاہر کرتا ہے کہ لوگوں کے دل نور عرفان اور لذّت یقین سے پُر ہو کر گویا خدا کو دیکھ لیتے ہیں اور اس طرح سے خدا تعالیٰ کی عظمت اور جبروت، سطوت اور ہیبت کے نظارہ کرنے سے ان کے دلوں میں سے غیرُ اللہ اور تمام گندی اور نفسانی خواہشات جو گناہ کا مبداء ہوتی ہیں جل جاتی ہیں اور خدا تعالیٰ کا جلال اور کبریائی ان کے دلوں میں بیٹھ جاتی ہے۔ غرض اس طرح سے وہ ایک جماعت پاک دل انسانوں کی تیار کر دیتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 10 ایڈیشن 1984۔ صفحہ 320-322)

ایمان بدُوں اعمال صالحہ کچھ نہیں۔ فرمایا:

”یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ جو لکھا ہے کہ بہشت میں دودھ اور شہد کی نہریں ہوں گی تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہاں گایوں کا ایک گلہ ہو گا اور بہت سارے گوالے ہوں گے جو دودھ دوھ دوھ کر ایک نہر میں ڈالتے رہیں گے یا بہت سے چھتے شہد کی مکھیوں کے ہوں گے اور پھر ان کا شہد جمع کر کے نہروں میں گرایا جائے گا۔ یہ مطلب نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو مجھ پر ظاہر کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ بات نہ ہو گی۔ اگر یہی خربوزہ اور تربوز یا انار ہوں گے تو پھر یہ بات ہی کیا ہوئی ؟ کافر بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے یہاں اس دنیا میں کھالئے۔ تم نے آگے جا کر کھائے۔ اس کی حقیقت جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کھولی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں فرمایا ہے۔ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ(البقرہ:26) یعنی جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل بجالاتے ہیں وہ ان باغوں کے وارث ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالی نے ایمان کو باغ کے ساتھ مشابہت دی جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اس آیت میں بہشت کی حقیقت اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے گویا جو رشتہ نہروں کو باغ کے ساتھ ہے۔ وہی تعلق اور رشتہ اعمال کا ایمان کے ساتھ ہوتا ہے اور جس طرح پر کوئی باغ یا درخت بغیر پانی کے سرسبز نہیں رہ سکتا اسی طرح پر کوئی ایمان بغیر اعمال صالحہ کے زندہ اور قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر ایمان ہو اور اعمالِ صالحہ نہ ہوں تو ایمان ہیچ ہے اور اگر اعمال ہوں اور ایمان نہ ہو تو وہ اعمال ریاکاری ہیں۔ پس قرآن شریف نے جو بہشت پیش کیا ہے اس کی حقیقت اور فلاسفی یہی ہے کہ وہ اس دنیا کے ایمان اور اعمال کا ایک ظلّ ہے اور ہر شخص کی بہشت اس کے اپنے اعمال اور ایمان سے شروع ہوتی ہے اور اس دنیا میں ہی اس کی لذّت محسوس ہونے لگتی ہے اور پوشیدہ طور پہ ایمان اور اعمال کے باغ اور نہریں نظر آتی ہیں۔ لیکن عالَمِ آخرت میں یہی باغ کھلے طور پر محسوس ہوں گے اور ان کا ایک خارجی وجود نظر آجائے گا۔ قرآن شریعت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ایمان کی آبپاشی اعمالِ صالحہ سے ہوتی ہے بغیر اس کے وہ خشک ہو جاتا ہے۔ پس یہاں دو باتیں بیان کی ہیں ایک یہ کہ وہ بہشت باغ ہے۔ دوسرا ان درختوں کی نہروں سے آبپاشی ہوتی ہے۔ قرآن شریف کو پڑھو اور اوّل سے آخر تک اس پر غور کرو تب اس کا مزہ آئے گا کہ حقیقت کیا ہے۔ ہم مجاز اور استعارہ ہرگز پیش نہیں کرتے بلکہ یہ حقیقت الامر ہے۔ وہ خدا تعالیٰ جس نے

عدم سے انسان کو بنایا ہے اور جو خلقِ جدید پر قادر ہے وہ یقیناً انسان کے ایمان کو اشجار سے متمثّل کرے گا اور واقعی طور پر دکھادے گا یعنی اُن کا وجود فی الخارج بھی نظر آئے گا۔“

(ملفوظات جلد 8 ایڈیشن 1984ء صفحہ 57-58)

نیکیوں کی جڑھ اللہ پر ایمان ہے۔ فرمایا:

”یہ خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی نابینا مذہب کی تائید نہیں کرتا اور کوئی نصرت اسے نہیں دی جاتی۔ اسلام کی سچائی کی یہی بڑی زبردست دلیل ہے کہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ اس کی نصرت فرماتا ہے اور اس زمانہ میں بھی خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے تا مَیں اس کی تازہ بتازہ نصرتوں کا ثبوت دوں۔ چنانچہ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جس نے خدا تعالیٰ کے نشانات نہ دیکھے ہوں۔ اس کے بالمقابل ہمیں کوئی بتائے کہ وید کیا لایا ؟ وہ تو بالکل ادھورا ہے۔ دوسرے لوگوں کو تو خواب بھی آجاتی ہے مگر وید والوں کے نزدیک خواب بھی بے حقیقت چیز ہے اور وہ بھی نہیں آسکتی جبکہ وہ دروازہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کے لئے یقینی دروازہ ہے، بند ہے تو اور وسائل خدا رسی کے کیا ہوسکتے ہیں؟

مَیں سچ کہتا ہوں کہ جہانتک مَیں نے اس فرقہ کے حالات دیکھے ہیں، ان میں شوخیوں کے سوا کچھ نہیں دیکھا یا بعض ایسے لوگ اس میں داخل ہوتے ہیں کہ انہیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ مذہب کی اصل غرض کیا ہے؟

غرض اسلام ایک ایسا پاک مذہب ہے جو ساری نیکیوں کا حقیقی سرچشمہ اور منبع ہے۔ اس لئے کہ نیکیوں کی جڑھ ہے۔ اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان اور وہ بدُوں اس کے پیدا نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور طاقتوں کے عجائبات اور نشانات تازہ بتازہ دیکھتا رہے اور یہ بجز اسلام کے کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ اگر ہے تو کوئی پیش کرے۔“

(ملفوظات جلد 8 ایڈیشن 1984ء صفحہ 316)

سچا ایمان مشکلات سے نجات دلاتا ہے، آپؑ اس بارے میں فرماتے ہیں۔

"دنیا کی لذّت خارش کی طرح ہے۔ ابتداءً لذّت آتی ہے۔ پھر جب کھجلاتا رہتا ہے تو زخم ہو کر اس میں سے خون نکل آتا ہے یہانتک کہ اُس میں پیپ پڑ جاتی ہے اور وہ ناسور کی طرح بن جاتا ہے اور اس میں درد بھی

پیدا ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ گھر بہت ہی ناپائیدار اور بے حقیقت ہے۔ مجھے کئی بار خیال آیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی مُردے کو اختیار دیدے کی وہ پھر دنیا میں چلا جاوے تو وہ یقیناً توبہ کر اُٹھے کہ مَیں اس دنیا سے باز آیا۔ خدا تعالیٰ پر سچا ایمان ہو تو انسان ان مشکلات دنیا سے نجات پا سکتا ہے کیونکہ وہ دردمندوں کی دعاؤں کو سُن لیتا ہے مگر اس کے لئے یہ شرط ہے کہ دعائیں مانگنے سے انسان تھکے نہیں تو کامیاب ہو گا۔ اگر تھک جائے گا تو نِری ناکامی نہیں بلکہ ساتھ بے ایمانی بھی ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ سے بدظنّ ہو کر سلبِ ایمان کر بیٹھے گا۔ مثلاً ایک شخص کو اگر کہا جاوے کہ تو اس زمین کو کھود۔ خزانہ نکلے گا مگر وہ دو چار پانچ ہاتھ کھودنے کے بعد اُسے چھوڑ دے اور دیکھے کہ خزانہ نہیں نکلا تو وہ اس نامرادی اور ناکامی پر ہی نہ رہے گا بلکہ بتانے والے کو بھی گالیاں دے گا۔ حالانکہ یہ اس کی اپنی کمزوری اور غلطی ہے جو اُس نے پورے طور پر نہیں کھودا۔ اسی طرح جب انسان دعا کرتا ہے اور تھک جاتا ہے تو اپنی نامرادی کو اپنی سُستی اور غفلت پر تو حمل نہیں کرتا۔ بلکہ خدا تعالیٰ پر بدظنّی کرتا ہے اور آخر بے ایمان ہو جاتا ہے اور آخر دہریہ ہو کر مرتا ہے۔

جہاں حضور بیٹھے ہوئے تھے وہاں سامنے ایک آم کا درخت تھا جس کو کچّے پھل لگے ہوئے تھے۔ ان کو دیکھ کر فرمایا۔

دیکھو! اس آم کو پھل لگا ہوا ہے مگر یہ کچّا پھل ہے۔ اگر کوئی اس کو کھانے بیٹھ جاوے اور اس کو ہی اصل مقصد سمجھ لے تو بجُز اس کے کہ اس کے کھانے سے پُھنسیاں وغیرہ نکل آویں کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔ اسی طرح پر نیم مُلّاں خطرۂ ایمان والی مثال سچ ہے۔ نارسیدہ منزل کچّے پھل کی طرح ہوتا ہے۔ وہ جو کسی کو بات سنائے گا تو اُسے گمراہ کرے گا اور اگر خود کرے گا تو آپ گمراہ ہو گا۔

خدا تعالیٰ کی راہ میں جب تک انسان بہت سی مشکلات اور امتحانات میں پورا نہ اترے وہ کامیابی کا سرٹیفکیٹ حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی لئے فرمایا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَھُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محض اتنی ہی بات پر راضی ہو جاوے کہ وہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لائے اور وہ آزمائے نہ جاویں ایسے لوگ جو اتنی بات پر اپنی کامیابی سمجھتے ہیں وہ یاد رکھیں انہیں کے لئے دوسری جگہ آیا ہے وَمَا ھُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ اور ایسا ہی ایک جگہ فرمایا قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَلٰکِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا

یعنی تم یہ نہ کہو کہ ایماندار ہو گئے بلکہ یہ کہو کہ ہم نے مقابلہ چھوڑ دیا ہے اور اطاعت اختیار کر لی ہے، بہت سے لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں۔ کامل ایماندار بننے کے لئے مجاہدات کی ضرورت ہے اور مختلف ابتلاؤں اور امتحانوں سے ہو کر نکلنا پڑتا ہے۔

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر
آرے شود و لیک بخونِ جگر شود"

(ملفوظات جلد 7 ایڈیشن 1984۔ صفحہ 23-24)

کامل الایمان، نافع الناس وجود ہوتا ہے۔ فرمایا:

"غرض طاعون نے ہمیں نقصان نہیں پہنچایا بلکہ فائدہ ہی دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مَیں یہ بھی ضرور کہتا ہوں کہ ایمان کے طبقات ہیں۔ جیسا کہ مَیں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ اس لئے ان طبقات کے لحاظ سے جو شخص کامل الایمان ہے وہ نافع الناس وجود ہے۔ تبلیغ دین کرنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قدر ہے وہ طاعون سے ضرور بچایا جائے گا۔ بعض آدمی جن کی ایمانی حالت کمزور ہوتی ہے اور وہ اس درجہ پر نہ پہنچے ہوئے ہوں جہاں اللہ تعالیٰ کسی کو مؤمن کہتا ہے اور ان کی ضرورت بھی کم ہو پھر ان میں سے کوئی اگر فوت ہو جاوے تو اس میں کیا حرج ہے۔ مَیں یہ خوب جانتا ہوں کہ ایمان کے درجات ہیں اور ہر درجہ پر برکت ملتی ہے لیکن ان میں باہم فرق ضرور ہوتا ہے۔ دیکھو! اس وقت آفتاب کی روشنی ہے۔ آنکھیں کھلی ہیں ہر ایک چیز دُور و نزدیک کی صاف اور واضح نظر آتی ہے۔ جب آفتاب کی سلطنت ختم ہو جائے گی تو رات آئے گی۔ اس وقت عالَم ہی اور ہو گا۔ اگرچہ اس وقت چاند یا ستاروں کی روشنی ہو گی مگر ان روشنیوں میں زمین آسمان کا فرق ہو گا۔ ایسا ہی ایمان کے مراتب میں فرق صریح ہے۔ ایمان بھی ایک روشنی ہے جس جس درجہ پر ایمان پہنچتا ہے اسی مرتبہ کے موافق روشنی اور پھل پاتا ہے جو چاہتا ہے کہ عمر زیادہ ہو اور اس قہری نشان میں ایک امتیاز پیدا کرے اس کو لازم ہے کہ وہ کامل الایمان ہو اور اپنے وجود کو قابل قدر بنادے اور اس کی یہی صورت ہے کہ لوگوں کو نفع پہنچاوے اور دین کی خدمت کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ (الرعد:18) یہ خوب یاد رکھو کہ عمر کھانے پینے سے

لمبی نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی اصل راہ وہی ہے جو مَیں نے بیان کی ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو صرف کھانے پینے کو ہی زندگی کی غرض وغایت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ زندگی کی یہ غرض نہیں۔"

(ملفوظات جلد 7 ایڈیشن 1984۔ صفحہ 161۔162)

مسیح موعودؑ پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے۔ فرمایا:

"مَیں پھر کہنا چاہتا ہوں کہ میری نسبت جو مخالف لوگ مخالفت کرتے ہیں اور میرا انکار کرتے ہیں۔ اگر وہ دعائیں کرتے اور خدا تعالیٰ سے میری نسبت کشف حقائق چاہتے تو ان کی آنکھیں کھل جاتیں مگر افسوس ہے کہ انہوں نے مخالفت میں حد سے زیادہ حصہ لیا اور میرے دعاوی پر نہ غور کی اور نہ میری کتابوں کو پڑھا اور نہ میری باتوں کو تعصّب سے خالی ہو کر سنا۔ وہ مجھے دجّال اور مفتری تو کہتے ہیں مگر وہ اس امر پر غور نہیں کرتے کہ کیا دجّال اور مفتری بھی اس قسم کی کامیابی حاصل کیا کرتے ہیں؟ یاد رکھو کہ اگر یہ انسان کا اپنا سلسلہ ہوتا تو کبھی کا تباہ ہو جاتا کیونکہ اس کے تباہ کرنے میں ہر طرف سے مخالفانہ کوشش ہو رہی ہے اور جب خدا تعالیٰ کے بھی خلاف ہوتا تو وہ بھی اس کا دشمن تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ بجائے تباہ ہونے کے ترقی کر رہا ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے انسانی کاروبار نہیں ہے۔ تم جانتے ہو کہ میرا یہ دعویٰ آج نہیں ہوا ہے بلکہ چوبیس سال سے مَیں دعوی کر رہا ہوں کہ خدا تعالی میرے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے اور اس نے مجھے مامور کیا ہے۔

انسانی گورنمنٹ میں اگر کوئی شخص جھوٹا ملازم سرکار بنے تو وہ فورًا پکڑا جاتا ہے اور سزا پاتا ہے۔ تو یہ کیسا اندھیر ہے کہ خدا تعالیٰ کی گورنمنٹ میں ایک شخص مامور ہونے کا مدّعی ہے اور بجائے اس کے کہ وہ پکڑا جاتا اور تباہ کیا جاتا، اُسے ترقی مل رہی ہے۔ کوئی بتاوے کیا جھوٹوں کے ساتھ ایسا معاملہ ہوتا ہے۔ براہین احمدیہ چھپی ہوئی موجود ہے۔ اس شہر میں اس کے بہت سے نسخے ہوں گے۔ اس کو پڑھو اور دیکھو کہ جو کچھ اس میں درج ہے کیا آج بہت سی باتیں ان میں سے پوری نہیں ہو چکیں؟ اور کیا کوئی منصوبہ باز کر سکتا ہے کہ اس قدر عرصہ دراز پہلے جبکہ اپنی زندگی کا بھی اعتبار نہیں ہوتا ایک بات کہے اور پھر اتنے عرصہ کے بعد جس میں ایک بچہ پیدا ہو کر بھی صاحبِ اولاد ہو سکتا ہے وہ پوری ہو جاوے۔ مَیں جانتا ہوں کہ اسی شہر میں ایسے لوگ بھی ہیں جو جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں مجھے جاننے والے کتنے تھے۔ مَیں سچ کہتا

ہوں کہ مَیں ایک گمنامی کی حالت میں تھا۔ سال بھر میں بھی کبھی ایک خط نہ آتا تھا۔ لیکن اس گمنامی کے زمانہ میں علیم و خبیر خدا نے مجھے خبر دی جو براہین احمدیہ میں موجود ہے کہ ایک زمانہ آنے والا ہے جبکہ فوج در فوج لوگ تیرے پاس آئیں گے۔ مَیں لوگوں کو کھینچ کھینچ کر لاؤں گا اور مالی نصرتیں بھی آئیں گی اور دنیا میں تیری شہرت ہو جائے گی جیسے لکھا ہے فَحَانَ أَنْ تُعَانَ وتُعرَف بَیْنَ النَّاسِ اور پھر فرمایا یَأْتُونَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ اور یَاتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ

اور پھر فرمایا۔ لَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰہِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ یعنی اب وقت آگیا ہے کہ تو لوگوں میں شناخت کیا جاوے اور تیری مدد کی جاوے۔ تیرے پاس دور دور راہوں سے لوگ آئیں گے اور دور دراز جگہوں سے تجھے تحائف اور مالی نصرتیں آئیں گی اور پھر فرمایا کہ تیرے پاس کثرت سے مخلوق آئے گی اس لئے تو تحمّل سے ان کو قبول کرنا اور ان کی کثرت سے تھک نہ جاتا۔

غرض اس قسم کے بہت سے الہامات ہیں جو نہ صرف عربی زبان میں ہوئے بلکہ فارسی میں ہوئے۔ اُردو میں ہوئے اور انگریزی میں بھی ہوئے جس کو مَیں جانتا بھی نہیں اور ایک لمبا سلسلہ ان الہامات اور پیشگوئیوں کا چلا گیا ہے اور جہاں براہین ختم ہوتی ہے وہاں یہ الہام ہوا

دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کرے گا۔"

(ملفوظات جلد 7 ایڈیشن 1984۔ صفحہ 163-164)

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی ایمان عطا فرمائے۔ آمین

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

﴿6﴾ ﴿مشاہدات۔1268﴾

ایمان کیا ہے؟

(حضرت مسیح موعودؑ کے افاضات کی روشنی میں)

(تقریر نمبر2)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا (النساء:137)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس کتاب پر بھی جو اس نے اپنے رسول پر اتاری ہے اور اس کتاب پر بھی جو اس نے پہلے اتاری تھی اور جو اللہ کا انکار کرے اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور یومِ آخر کا تو یقیناً وہ بہت ہی دُور کی گمراہی میں بھٹک چکا ہے۔

جس کو تلاش ہے کہ ملے اُس کو کردگار
اُس کیلئے حرام جو قصّوں پہ ہو نثار
اُس کا تو فرض ہے کہ وہ ڈھونڈے خدا کا نور
تا ہووے شک و شبہ سبھی اُسکے دِل سے دُور

(درثمین)

معزز سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات اور فرمودات کی روشنی میں ایمان کیا ہے؟ پر تقاریر کا سلسلہ جاری ہے۔ آج دوسری تقریر حاضر ہے۔

حضور علیہ السلام ایمان کیوں کر پیدا ہوتا ہے کے تحت فرماتے ہیں:

" قرآن شریف سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جب تک انسان کی فطرت میں سعادت اور ایک مناسبت نہ ہو ایمان پیدا نہیں ہوتا۔ خداتعالیٰ کے مامور اور مرسل اگرچہ کھلے کھلے نشان لے کر آتے ہیں مگر اِس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اِن نشانوں میں ابتلا اور اخفاء کے پہلو بھی ضرور ہوتے ہیں۔ سعید جو باریک بین اور دور بین نگاہ رکھتے ہیں، اپنی سعادت اور مناسبتِ فطرت سے اُن امور کو جو دوسروں کی نگاہ میں مخفی ہوتے ہیں دیکھ لیتے ہیں اور ایمان لے آتے ہیں لیکن جو سطحی خیال کے لوگ ہوتے ہیں اور جن کی فطرت کو سعادت اور رُشد سے کوئی مناسبت اور حصّہ نہیں ہوتا وہ انکار کرتے ہیں اور تکذیب پر آمادہ ہو جاتے ہیں جس کا بُرا نتیجہ ان کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

دیکھو! مکّہ معظمہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو ابوجہل بھی مکّہ ہی میں تھا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی مکّہ ہی کے تھے لیکن ابو بکرؓ کی فطرت کو سچائی کے قبول کرنے کے ساتھ کچھ ایسی مناسبت تھی کہ ابھی آپ شہر میں بھی داخل نہیں ہوئے تھے۔ راستہ ہی میں جب ایک شخص سے پوچھا کہ کوئی نئی خبر سناؤ اور اُس نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو اُسی جگہ ایمان لے آئے اور کوئی معجزہ اور نشان نہیں مانگا اگرچہ بعد میں بے انتہا معجزات آپؐ نے دیکھے اور خود ایک آیت ٹھہرے۔ لیکن ابوجہل نے باوجودیکہ ہزاروں نشان دیکھے لیکن وہ مخالفت اور انکار سے باز نہ آیا اور تکذیب ہی کرتا رہا۔

اِس میں کیا سِرّ تھا؟ پیدائش دونوں کی ایک ہی جگہ کی تھی۔ ایک صدیق ٹھہرتا ہے اور دوسرا جو ابوالحکم کہلاتا تھا وہ ابوجہل بنتا ہے۔ اِس میں یہی راز تھا کہ اُس کی فطرت کو سچائی کے ساتھ کوئی مناسبت ہی نہ تھی۔ غرض ایمانی امور مناسبت ہی پر منحصر ہیں۔ جب مناسبت ہوتی ہے تو وہ خود معلّم بن جاتی ہے اور امورِ حقّہ کی تعلیم دیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اصل مناسبت کا وجود بھی ایک نشان ہوتا ہے۔

مَیں بصیرت اور یقین کے ساتھ کہتا ہوں اور مَیں وہ قوّت اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور مشاہدہ کرتا ہوں مگر افسوس مَیں اس دنیا کے فرزندوں کو کیونکر دکھا سکوں کہ وہ دیکھتے ہوئے نہیں دیکھتے اور سنتے ہوئے نہیں سنتے کہ وہ وقت ضرور آئے گا کہ خداتعالیٰ سب کی آنکھ کھول دے گا اور میری سچائی روزِ روشن کی طرح

دنیا پر کھل جائے گی لیکن وہ وقت وہ ہو گا کہ توبہ کا دروازہ بند ہو جاوے گا اور پھر کوئی ایمان سود مند نہ ہو سکے گا۔

میرے پاس وہی آتا ہے جس کی فطرت میں حق سے محبت اور اہلِ حق کی عظمت ہوتی ہے۔ جس کی فطرت سلیم ہے وہ دُور سے اُس خوشبو کو جو سچائی کی میرے ساتھ ہے سونگھتا ہے اور اُسی کشش کے ذریعہ سے جو خدا تعالےٰ اپنے ماموروں کو عطا کرتا ہے میری طرف اِس طرح کھنچے چلے آتے ہیں جیسے لوہا مقناطیس کی طرف جاتا ہے لیکن جس کی فطرت میں سلامت روی نہیں ہے اور جو مُردہ طبیعت کے ہیں اُن کو میری باتیں سود مند نہیں معلوم ہوتی ہیں وہ ابتلا میں پڑتے ہیں اور انکار پر انکار اور تکذیب پر تکذیب کر کے اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہیں اور اِس بات کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے کہ اُن کا انجام کیا ہونے والا ہے۔

میری مخالفت کرنے والے کیا نفع اٹھائیں گے؟ کیا مجھ سے پہلے آنے والے صادقوں کی مخالفت کرنے والوں نے کوئی فائدہ کبھی اٹھایا ہے؟ اگر وہ نامراد اور خاسر رہ کر اِس دنیا سے اُٹھے ہیں تو میرا مخالف اپنے ایسے ہی انجام سے ڈر جاوے کیونکہ **مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مَیں صادق ہوں میرا انکار اچھے ثمرات نہیں پیدا کرے گا**۔ مبارک وہی ہیں جو انکار کی لعنت سے بچتے ہیں اور اپنے ایمان کی فکر کرتے ہیں جو حسن ظنّی سے کام لیتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے ماموروں کی صحبت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اُن کا ایمان اُن کو ضائع نہیں کرتا بلکہ برومند کرتا ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ صادق کی شناخت کے لئے بہت مشکلات نہیں ہیں۔ ہر ایک آدمی اگر انصاف اور عقل کو ہاتھ سے نہ دے اور خدا کا خوف مدّ نظر دیکھ کر صادق کو پرکھے تو وہ غلطی سے بچا لیا جاتا ہے لیکن جو تکبّر کرتا ہے اور آیاتُ اللہ کی تکذیب اور ہنسی کرتا ہے اُس کو یہ دولت نصیب نہیں ہوتی۔"

(ملفوظات جلد 5 ایڈیشن 1984ء صفحہ 11-13)

ایمان میں فراست اور ایمان سے کام لینے کے حوالہ سے فرمایا:

"اصل بات یہ ہے کہ اگر اِس قسم کی باتیں ہوں تو پھر قیامت کا نمونہ ہو جاوے اور اس دنیا کو وہ قیامت بنانا نہیں چاہتا۔ ایمان بالغیب بھی کوئی چیز ہے۔ اگر ایسا ہو تو پھر ایمان، ایمان نہیں رہتا۔ مثلاً اگر کوئی شخص سورج پر ایمان لاوے تو بتاؤ یہ ایمان اس کو کیا نفع دے گا؟ ایمان ہمیشہ اسی صورت اور حالت میں مفید اور

نتیجہ خیز ہوتا ہے جب اُس میں کوئی پہلو اخفا کا بھی ہو لیکن جب کھلی بات ہو تو پھر وہ مفید نہیں رہتا۔ دیکھو! اگر کوئی شخص پہلی رات کے چاند کو دیکھ کر بتا دے تو اُس کی تیز بینی کی تو تعریف ہو گی لیکن اگر چودھویں رات کے چاند کو جو بدر ہوتا ہے دیکھ کر شور مچا دے کہ مَیں نے چاند کو دیکھ لیا ہے تو اس کو تو سوائے مجنون کے اور کوئی خطاب نہیں ملے گا۔ اِسی طرح پر ایمان میں فراست اور تقویٰ سے کام لینا چاہئے اور قرائنِ قویّہ کو دیکھ کر تسلیم کر لینا مؤمن کا کام ہے۔ ورنہ جب بالکل پردہ برانداز معاملہ ہو گیا اور سارے گوشے کھل گئے اس وقت ایک خبیث سے خبیث انسان کو بھی اعتراف کرنا پڑے گا۔ مَیں اِس سوال پر بار بار اس لئے زور دیتا ہوں کہ لوگوں کو معلوم نہیں کہ نشانوں کی فلاسفی کیا ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے جیسا مَیں نے ابھی کہا ہے خدا تعالیٰ کبھی قیامت کا نظارہ یہاں قائم نہیں کرتا اور وہ غلطی کرتے ہیں جو ایسے نشان دیکھنے چاہتے ہیں یہ محرومی کے لچھن ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور کتاب لے آئیں تو آپ نے یہی جواب دیا ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل:94)۔ پورے انکشاف کے بعد ایمان لا کر کسی ثواب کی امید رکھنا غلطی ہے۔ اگر کوئی مٹھی کھول دی جاوے اور پھر کوئی بتا دے کہ اس میں فلاں چیز ہے تو اُس کی کوئی قدر نہ ہو گی۔ پس پہلے تقویٰ سے تو کام لو اور قرائن کو دیکھو کہ ثواب اِسی میں ہے۔ جب ساری باتیں کھل گئیں تو پھر کیا؟ جو اِس انتظار میں رہے کہ یہ دیکھوں اور وہ دیکھوں وہ ہمیشہ ایمان اور ثواب کے دائرہ سے خارج رہے ہیں۔

دیکھو! اللہ تعالیٰ نے بعض کا نام سابق مہاجر اور انصار رکھا ہے اور اُن کو رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ میں داخل کیا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو سب سے پہلے ایمان لائے اور جو بعد میں ایمان لائے ان کا نام صرف ناس رکھا ہے جیسے فرمایا۔ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَأَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ أَفْوَاجًا (النصر:2،3) یہ لوگ جو اسلام میں داخل ہوئے اگرچہ وہ مسلمان تھے مگر اُن کو وہ مراتب نہیں ملے جو پہلے لوگوں کو دیے گئے۔ اور پھر مہاجرین کی عزّت سب سے زیادہ تھی کیونکہ وہ لوگ اُس وقت ایمان لائے جب اُن کو کچھ معلوم نہ تھا کہ کامیابی ہو گی یا نہیں بلکہ ہر طرف سے مصائب اور مشکلات کا ایک طوفان آیا ہوا تھا اور کفر کا ایک دریا بہتا تھا۔ خاص مکّہ میں مخالفت کی آگ بھڑک رہی تھی اور مسلمان ہونے والوں کو سخت

اذیتیں اور تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ مگر انہوں نے ایسے وقت میں قبول کیا اور اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی بڑی بڑی تعریفیں کیں اور بڑے بڑے انعامات اور فضلوں کا وارث اُن کو بنایا۔ پس ہر ایک کو یاد رکھنا چاہیے کہ جو اِس بات کا انتظار کرتا ہے کہ فلاں وقت آئے گا اور انکشاف ہو گا تو مان لیں گے۔ وہ کسی ثواب کی امید نہ رکھے۔ ایسا تو ضرور ہو گا کہ اللہ تعالیٰ سب حجاب دور کر دے گا اور اِس معاملہ کو آفتاب کی طرح کھول کر دکھا دے گا مگر اِس وقت ماننے والوں کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ پیغمبروں کو ماننے والوں میں ثواب اَوَّلُون کو سب سے بڑھ کر ملا ہے اور انکشاف کا زمانہ تو ضرور آتا ہے لیکن آخر اُن کا نام ناس ہی ہوتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 21-23)

ایمان بڑھنے کا طریقہ بتاتے ہوئے آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

" ایمان یہی ہے کہ خدائی نصرتوں کو انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ لے جب وہ خدا تعالیٰ کی نصرتوں کو دیکھتا ہے تب اُس کا ایمان بڑھتا ہے اور معرفت اور بصیرت کی آنکھ کچھ کھلنے لگتی ہے۔ جب تک خدا تعالیٰ کی نصرتوں کی چمک نظر نہیں آتی۔ اُس وقت تک یہ حالت تذبذب میں رہتا ہے لیکن جب اُن کی چمکار نظر آجاتی ہے اُس وقت سینہ کی غلاظتیں دور ہو جاتی ہیں اور اندر ایک صفائی اور نور نظر آتا ہے۔ وہ حالت ہوتی ہے جب اُس کے لئے کہا جاتا ہے اِتَّقُوا فَرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللّٰهِ"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 373)

ایمان بعض نشانات سے بڑھتا ہے۔ فرمایا:

" ہماری جماعت تو ایمان لاتی ہے مگر اصل میں مدارِ ایمان نشانوں پر ہوتا ہے۔ اگرچہ انسان محسوس نہ کرے مگر اس کے کے اندر بعض کمزوریاں ضرور ہوتی ہیں اور جب تک وہ کمزوریاں دُور نہ ہوں اعلیٰ مراتبِ ایمان نہیں مل سکتے اور یہ کمزوریاں نشانات ہی کے ذریعہ دُور ہوتی ہیں اور اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے نشانوں سے اُن کمزوریوں کو دُور کرے اور جماعت اپنے ایمان میں ترقی کرے۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ (الحج:40) کا نمونہ دکھائے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر سے صادق اور کاذب، خائن اور مظلوم پوشیدہ نہیں ہیں۔ اب ضروری ہے کہ سب گروہ متفق ہو کر میرے استیصال کے درپے

ہوں جیسے جنگ احزاب میں ہوئے تھے۔ جو کچھ ہو رہا ہے یہ سب خدا تعالیٰ نے چاہا ہے۔ مَیں نے جو خواب میں دیکھا کہ دریائے نیل کے کنارے پر ہوں اور بعض چلّائے کہ ہم پکڑے گئے اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ایسا وقت بھی آوے جب جماعت کو کوئی یاس ہو مگر مَیں یقین رکھتا ہوں کہ خدا زور آور حملوں سے سچائی ظاہر کر دے گا۔ اُس وقت یہ پورا زور لگائیں گے تاکہ قتل کے مقدمہ کی حسرتیں نہ رہ جائیں کہ کیوں چھوٹ گیا۔ یہ لوگ ان باتوں پر یقین نہیں رکھتے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مَیں پیش کرتا ہوں مگر وہ دیکھ لیں گے کہ اکراماً عجباً کیسے ہوتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 66-67)

سامعین! ایمان کا درخت یقین سے بڑھتا ہے۔ فرمایا:

"پس جو بچنا چاہتا ہے اُس کو ضروری ہے کہ وہ اکیلا خدا کا ہو۔ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ۔ خدا تعالیٰ کبھی کسی صادق سے بیوفائی نہیں کرتا۔ ساری دنیا بھی اگر اُس کی دشمن ہو اور اُس سے عداوت کرے تو اُس کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتی۔ خدا بڑی طاقت اور قدرت والا ہے اور انسان ایمان کی قوّت کیساتھ اُس کی حفاظت کے نیچے آتا ہے اور اس کی قدرتوں اور طاقتوں کے عجائبات دیکھتا ہے۔ پھر اُس پر کوئی ذلّت نہ آوے گی۔ یاد رکھو! خدا تعالےٰ زبردست پر بھی زبردست ہے بلکہ اپنے امر پہ بھی غالب ہے۔ سچے دل سے نمازیں پڑھو اور دعاؤں میں لگے رہو۔ اور اپنے سب رشتہ داروں اور عزیزوں کو یہی تعلیم دو۔ پورے طور پر خدا کی طرف ہو کر کوئی نقصان نہیں اٹھاتا۔ نقصان کی اصل جڑ گناہ ہے۔

ساری عزتیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ دیکھو! بہت سے ابرار اخیار دنیا میں گزرے ہیں۔ اگر وہ دنیا دار ہوتے تو اُن کے گزارے ادنٰی درجہ کے ہوتے کوئی اُن کو پوچھتا بھی نہ، مگر وہ خدا کے لئے ہوئے اور خدا ساری دنیا کو اُن کی طرف کھینچ لایا۔ خدا تعالیٰ پر سچا یقین رکھو اور بدظنّی نہ کرو۔ جب اس کی بدبختی سے خدا پر بدظنّی ہوتی ہے تو پھر نہ نماز درست ہوتی ہے نہ روزہ نہ صدقات ۔ بدظنّی ایمان کے درخت کو نشوونما ہونے نہیں دیتی بلکہ ایمان کا درخت یقین سے بڑھتا ہے۔

مَیں اپنی جماعت کو بار بار اِس لئے نصیحت کرتا ہوں کہ یہ موت کا زمانہ ہے۔ اگر سچے دل سے ایمان لانے کی موت کو اختیار کرو گے تو ایسی موت سے زندہ ہو جاؤ گے اور ذلّت کی موت سے بچائے جاؤ گے۔ مؤمن

پر دو موتیں جمع نہیں ہوتیں۔ جب وہ سچے دل سے اور صدق اور اخلاص کے ساتھ خدا کی طرف آتا ہے پھر طاعون کیا چیز ہے؟ کیونکہ صدق اور وفا کے ساتھ خدا تعالیٰ کا ہونا یہی ایک موت ہے جو ایک قسم کی طاعون ہے۔ مگر اس طاعون سے ہزارہا درجہ بہتر ہے کیونکہ خدا کا ہونے سے نشانہ طعن تو ہونا ہی پڑتا ہے۔ پس جب مؤمن ایک موت اپنے اوپر اختیار کر لیوے تو پھر دوسری موت اُس کے آگے کیا شئے ہے؟ مجھے بھی الہام ہوا تھا کہ **آگ سے ہمیں مت ڈراؤ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔**

ہر مؤمن کا یہی حال ہوتا ہے۔ اگر وہ اخلاص اور وفاداری سے اس کا ہو جاتا ہے۔ تو خدا تعالیٰ اُس کا ولی بنتا ہے لیکن اگر ایمان کی عمارت بوسیدہ ہے تو پھر بیشک خطرہ ہوتا ہے۔ ہم کسی کے دل کا حال تو جانتے ہی نہیں۔ سینہ کا علم تو خدا کو ہی ہے۔ مگر انسان اپنی خیانت سے پکڑا جاتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ سے معاملہ صاف نہیں تو پھر بیعت فائدہ دے گی نہ کچھ اَور۔ لیکن جب خالص خدا ہی کا ہو جاوے تو خدا تعالیٰ اُس کی خاص حفاظت کرتا ہے۔ اگرچہ وہ سب کا خدا ہے مگر جو اپنے آپ کو خاص کرتے ہیں۔ اُن پر خاص تجلّی کرتا ہے اور خدا کے لئے خاص ہونا یہی ہے کہ نفس بالکل چکنا چُور ہو کر اُس کا کوئی ریزہ باقی نہ رہ جائے۔ اِس لئے مَیں بار بار اپنی جماعت کو کہتا ہوں کہ بیعت پر ہرگز ناز نہ کرو اگر دل پاک نہیں ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھنا کیا فائدہ دے گا جب دل دُور ہے۔ جب دل اور زبان میں اتفاق نہیں تو میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر منافقانہ اقرار کرتے ہیں۔ تو یاد رکھو ایسے شخص کو دوہرا عذاب ہو گا مگر جو سچّا اقرار کرتا ہے اُس کے بڑے بڑے گناہ بخشے جاتے ہیں اور اُس کو ایک نئی زندگی ملتی ہے۔ مَیں تو زبان ہی سے کہتا ہوں۔ دل میں ڈالنا خدا کا کام ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھانے میں کیا کسر باقی رکھی تھی؟ مگر ابو جہل اور اُس کے امثال نہ سمجھے۔ آپ کو اس قدر فکر اور غم تھا کہ خدا نے خود فرمایا لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء:4) اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر ہمدردی تھی۔ آپ چاہتے تھے کہ وہ ہلاک ہونے سے بچ جاویں مگر وہ بچ نہ سکے۔ حقیقت میں معلّم اور واعظ کا تو اتنا ہی فرض ہے کہ وہ بتا دیوے۔ دل کی کھڑکی تو خدا کے فضل سے کھلتی ہے۔ نجات اسی کو ملتی ہے جو دل کا صاف ہو۔ جو صاف دل نہیں وہ اچکّا اور ڈاکو ہے۔ خدا تعالیٰ اُسے بُری طرح مارتا ہے۔ اب یہ طاعون کے دن ہیں۔ ابھی تو

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

آخر کی خبر نہیں مگر جو ابتدائی حالت میں اپنے آپ کو درست کریں گے وہ خدا کی رحمت کا بہت بڑا حق رکھتے ہیں مگر جو لوگ صاعقہ کی طرح دیکھ کر ایمان لائیں گے ممکن ہے کہ اُن کی توبہ قبول نہ ہو یا توبہ کا موقعہ ہی نہ ملے۔ ابتدا والے ہی کا حق بڑا ہوتا ہے۔ قاعدہ کے موافق 15 یا 20 دن اور طاعون کے روزہ کے ہیں اور آرام کی شکل نظر آتی ہے مگر وقت آتا ہے کہ پھر روزہ کھولنے کا زمانہ شروع ہو گا۔ اب خدا کے سوا کوئی عاصم نہیں ہے۔ ایماندار قبول نہیں کر سکتا کہ خدا کے ارادہ کے خلاف کوئی بچ سکتا ہے۔ فائدہ اور امن کی ایک ہی راہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ایسا جھکے کہ خود محسوس کر لے کہ اب مَیں وہ نہیں رہا ہوں اور مصفّا قطرہ کی طرح ہو جاوے۔ خدا کی قدرت ہے کہ جوں جوں طاعون کا زمانہ قریب آتا جاتا ہے شور اور مفسدہ مخالفت کا بڑھتا جاتا ہے۔ اُن کو ذرا بھی خدا کا خوف نہیں ہے۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 69-72)

شرطی بیعت والے ایمان سے خدا بیزار ہے۔ فرمایا:

” اس شرط سے دین کو کبھی قبول نہ کرنا چاہئے کہ مَیں مالدار ہو جاؤں گا۔ مجھے فلاں عہدہ مل جاوے گا۔ یاد رکھو کہ شرطی ایمان لانے والے سے خدا تعالیٰ بیزار ہے۔ بعض وقت مصلحتِ الٰہی یہی ہوتی ہے کہ دنیا میں انسان کی کوئی مراد حاصل نہیں ہوتی۔ طرح طرح کے آفات، بلائیں بیماریاں اور نامرادیاں لاحق حال ہوتی ہیں مگر اُن سے گھبرانا نہ چاہیے۔ موت ہر ایک کے واسطے کھڑی ہے اگر بادشاہ ہو جاوے گا تو کیا موت سے بچ جاوے گا؟ غریبی میں بھی مرنا ہے۔ بادشاہی میں بھی مرنا ہے اس لئے سچّی توبہ کرنے والے کو اپنے ارادوں میں دنیا کی خواہش نہ ملانی چاہئے۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 301)

تکمیل ایمان کا ذریعہ، حضور علیہ السلام نے کچھ یوں بیان فرمایا ہے کہ

" اصل میں ایمان کے کمال تام کا ذریعہ الہاماتِ صحیحہ اور پیشگوئی ہوتے ہیں۔ ایمان کبھی قصّوں کہانیوں سے ترقی نہیں پکڑتے۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ انسان جس مذہب میں پیدا ہوتا ہے۔ جس راہ ورسم کا پابند اپنے آباء واجداد کو پاتا ہے اکثر اُسی کا پابند ہوا کرتا ہے۔ اگر ایک بُت پرست کے گھر میں پیدا ہوا ہو تو بُت پرستی ہی اُس کا شیوہ ہوگا اور اگر ایک عیسائی کے ہاں اُس نے تربیت پائی ہے تو وہی خوبو اُس میں پائی جاوے گی۔ مگر اُس کے مسائل اور اُس کے بنیادی عقائد کا بہت سا حصّہ ایسا ہوتا ہے کہ اُس کی عقل و فہم میں کچھ بھی نہیں آیا ہوتا۔ صرف لکیر کا فقیر ہوتا ہے بچپن اور اوائل عمر میں تو کیا کوئی اُن مذاہب کی حقیقت سے آگاہ ہوگا۔ عیسویت کے حامی تو اگر اُن سے کوئی پوری تعلیم کا پورا جوان عاقل بالغ بھی ان کی تثلیث کے راز کو پوچھے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ راز ہے جو ایشیائی دماغ کی بناوٹ کے لوگوں کی سمجھ سے بالا تر ہے اور یہی حال بُت پرست کا ہے۔ ہاں البتہ اسلام ایک دنیا میں ایسا مذہب ہے کہ جس کے عقائد ایسے ہیں کہ انسان اُن کو سمجھ سکتا ہے اور وہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اسلام کے مسائل ایسے ہیں کہ کسی خاص دماغ یا عقل کے واسطے خاص نہیں بلکہ وہ تمام دنیا کے واسطے یکساں ہیں اور ہر ایک کی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ مگر وہ زندہ ایمان کہ جس سے انسان خدا تعالیٰ کو گویا دیکھ لیتا ہے اور وہ نور جس سے انسان کی آنکھ کھل کر اس کو ایقان تام حاصل ہو جاوے وہ صرف الہام ہی پر منحصر ہے۔ الہام سے انسان کو ایک نور ملتا ہے جس سے وہ ہر تاریکی سے مبرّا ہو جاتا ہے اور ایک قسم کا اطمینان اور تسلّی اُسے ملتی ہے۔ اُس کا نفس اس دن سے خدا تعالیٰ میں آرام پانے لگتا ہے اور ہر گناہ فسق و فجور سے اس کا دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اس کا دل امید اور بیم سے بھر جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی حقیقی معرفت کی وجہ سے وہ ہر وقت ترساں و لرزاں رہتا ہے اور زندگی کو ناپائیدار جانتا اور سِفلی لذّات کی ہوس اور خواہش کو ترک کرکے خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول میں لگ جاتا ہے اور در حقیقت وہ اسی وقت گناہ کی آلودگی سے علیحدہ ہوتا ہے۔

جب تک تازہ نور انسان کو آسمان پر سے نہ ملے اور خدا تعالیٰ کا مشاہدہ نہ ہو جاوے تب تک پورا ایمان نہیں ہوتا۔ جب تک ایمان، کمال درجہ تک نہ پہنچا ہو تب تک گناہ کی قید سے رہائی ناممکن ہے۔ جو الہام کے ایمان کی تصویر لوگوں کے پاس ہوتی ہے۔ اُس کی ماہیت سے لوگ بے بہرہ اور خالی محض ہوتے ہیں۔ تعجّب

ہے کہ یورپ تو آجکل بہت سی ٹھوکریں کھا کر اِن امور کو تسلیم کر تا جاتا ہے مگر ہمارے مولوی انکار و کفر میں غرق ہیں۔ اگر الہام ہونے کا نام بھی لیا جاوے تو کفر کا فتویٰ تیار ہے۔ وحی کے نزول کا دعویٰ کرنے والا تو اکفر اور ضالّ اور دجّال ہے۔ افسوس آتا ہے کہ لوگ خدا تعالیٰ کے کلام سے کیسے دور جا پڑے ہیں اور اُن سے فہم قرآن چھین لیا گیا ہے۔ بھلا اگر خدا تعالیٰ نے اِس امت کو اِس شرف سے محروم ہی رکھنا تھا تو یہ دعا ہی کیوں سکھائی۔ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ۔ اِس دعا سے تو صاف نکلتا ہے کہ یا الٰہی! ہمیں پہلے منعم علیہم لوگوں کی راہ پر چلا اور جو اُن کو انعامات ملے ہمیں بھی وہ انعامات عطا فرما۔ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ کون تھے؟ خدا تعالیٰ نے خود ہی فرما دیا ہے۔ کہ نبی، صدیق، شہید، صالح لوگ تھے اور اُن کا برابر انعام یہی الہام اور وحی کا نزول تھا۔ بھلا اگر خدا تعالیٰ نے اس دعا کا سچا نتیجہ جو ہے اُس سے محروم ہی رکھنا تھا تو پھر کیوں ایسی دعا سکھائی؟ ہمیں تعجّب آتا ہے کہ اِن لوگوں کو کیا ہو گیا۔ یہی تو ایک چیز تھی۔ جو نہایت نازک اور روح کی غذا تھی۔ جو انسان اِس کے حصول کا پیاسا نہیں۔ ممکن نہیں کہ اِس کے اندر پاک تبدیلی آسکے اور جب تک انسان اِس طرح خدا تعالیٰ کا چہرہ نہ دیکھے اور اُس کی سریلی آواز سے بہرہ ور نہ ہو تب تک ممکن نہیں کہ گناہ کے زہر سے بچ سکے۔ خیر خود تو محروم اور بے نصیب تھے ہی مگر دوسروں کو جو اِس قسم کے خیال رکھیں کہ خدا تعالیٰ کسی سے ہمکلام ہو سکتا ہے کافر جانتے ہیں۔ وہ تو دوسروں کو کافر کہتے ہیں۔ مگر ہمیں خود اُن کے ایمان کا خطرہ ہے کہ اُن کا ایمان ہی کیا ہے جو اِس نعمت عظمیٰ سے محروم ہیں اور خدا تعالیٰ کے حضور دعا کے واسطے ہاتھ ہی کسی طرح اُٹھا سکتے ہیں۔ دو ہی چیزیں ہیں کہ جو خدا تعالیٰ تک انسان کو پہنچا سکتی ہیں۔ **دیدار**۔ جس کی موسیٰؑ نے بھی درخواست کی تھی اور وہ بھی الہام ہی کی وجہ سے تھی۔ کیونکہ جب انسان اُس کی طرف ترقی پاتا ہے تو اور مدارج کی بھی اس کے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے اور وہ زیادہ سے زیادہ ترقی کرنا چاہتا ہے۔

دوسری چیز خدا تعالیٰ تک پہنچنے کی **گفتار** ہے اور یہ فضل خدا تعالیٰ کا تو ایسا ہوا ہے کہ عورتوں تک بھی گفتار سے مشرف ہوتی رہی ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کی ماں کو بھی ہم کلامی کا شرف حاصل تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کو بھی یہ نعمت ملی ہوئی تھی۔ خضر کو بھی الہام ہوتا تھا تو کیا اسلام ہی ایسا گیا گزرا تھا؟ اور خدا تعالیٰ کی نظر میں گرا ہوا تھا؟ کہ اُسے بنی اسرائیل کی عورتوں سے بھی پیچھے پھینک دیا۔ ان وہابیوں کا تو یہ اعتقاد

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہؓ میں سے کسی کو اور نہ بعد میں آئمہ میں سے کسی کو اور نہ ہی بڑے بڑے خدا تعالیٰ کے ولیوں مثلاً حضرت شیخ عبد القادر جیلانی وغیرہ اِن میں سے کسی کو بھی الہام نہیں ہوا۔ یہ سارے کے سارے ہی خشک مُلّاں تھے اُن میں سے کسی کو بھی خدا تعالیٰ کے مکالمے مخاطبے کا شرف نہ ملا ہوا تھا۔ اُن کے ہاتھ میں بھی صرف قصّے کہانیاں ہی تھے۔ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب: 41) کے معنے ہی ان کے نزدیک یہی ہیں کہ الہام کا دروازہ آپ کے بعد ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا اور آپ کے بعد آپ کی امت سے یہ برکت کہ کسی کو مکالمات اور مخاطبات ہوں بالکل اُٹھ گئی مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہر صدی اِس امر کی منتظر ہوتی ہے کہ اِس امت میں سے چند افراد یا کوئی ایک فرد ضرور خدا تعالیٰ کی ہمکلامی سے مشرف ہوں گے۔ جو اسلام پر سے گرد و غبار کو دُور کر کے پھر اسلام کے روشن چہرے کو چمکا کر دکھایا کریں اُن لوگوں سے اگر پوچھا جاوے کہ تمہارے پاس سچائی کی دلیل ہی کونسی ہے؟ کوئی معجزات یا خارقِ عادت تمہارے پاس نہیں تو دوسروں کا حوالہ دے دیں گے۔ خود خالی اور محروم ہیں۔ صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ کر اور آپ کی صحبت کی برکت سے آنحضرت کے ہی رنگ میں رنگین ہو گئے تھے اور اُن کے ایمانوں کے واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیاں اور معجزات کثرت سے دیکھنے اور ہر وقت مشاہدہ کرنے سے اُن کے ایمانوں کا تزکیہ اور تربیت ہوتی گئی اور آخر کار ترقی کرتے کرتے وہ کمال تمام تک پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگین ہو گئے مگر اِن لوگوں کے ایمانوں کو مضبوط کرنے کے واسطے اگر اِن سے پوچھا جاوے تو کیا ہے؟ تیرہ سو برس کا حوالہ دیں گے کہ اُس وقت یہ معجزات اور خارق عادت ظاہر ہوا کرتے تھے۔ پیشگوئیاں بھی تھیں مگر اب کچھ بھی نہیں۔

مَیں نہیں سمجھتا کہ اگر خدا تعالیٰ نے اُسے شرّ الاُمم بنانا تھا تو اُس کا نام قرآن شریف میں خیر اُمّت کر کے کیوں پکارا؟ کیونکہ اِس کی موجودہ حالت بقول مولویوں کے بدترین معلوم ہوتی ہے۔ اندرونی و بیرونی حملوں سے پاش پاش ہوا جاتا ہے۔ دجّال نے آکر ہر طرف سے گھیر لیا ہے تو پھر ایسے مصیبت کے وقت میں اگر خبر گیری بھی کی تو ایک اور دجّال بھیج دیا جو دین کا حامی ہونے کی بجائے بیخ کُن ہے اور ان کے لوگ ہزاروں مجاہدے اور ریاضت زہد و تعبّد کریں مگر خدا تعالیٰ سے مکالمہ کا شرف کبھی نہیں نصیب ہوتا ہے

اور ایسے گئے گزرے ہیں کہ دوسری امّتوں کی عورتوں سے بھی درماندہ اور پس پا افتادہ ہیں۔ اُن میں تو موسوی شریعت کے خادم ہزاروں نبی آئے اور ایک زمانہ میں چار چار سو نبی بھی ہوتے رہے۔ مگر اِس امّت میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا خادم ایک بھی صاحبِ الہام نہ آیا۔ گویا کہ سارے کا سارا باغ ہی بے ثمر رہ گیا۔ پہلے لوگوں کے باغ تو مُثمر ہوئے مگر ان کے اعتقاد کے بموجب نعوذ باللہ آپ کا باغ بے برگ وبار ہوا۔ اگر اِن لوگوں کا یہی دین اور ایمان ہے تو خدا تعالیٰ دنیا پہ رحم کرے اور لوگوں کو ایسے ایمان سے نجات دیوے۔

ایمان کی نشانی ہی کیا ہے اور اس کے معنے کیا ہیں یہی کہ مان لینا اور پھر اس پر یقین آجانا۔ جب انسان ایک بات کو سچے دل سے مان لیتا ہے تو اُس کا اُس پر یقین ہو جاتا ہے اور اسی کے مطابق اُس سے اعمال بھی سرزد ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص جانتا ہے کہ سنکھیا ایک زہر ہوتا ہے اور اُس کے کھانے سے انسان مَر جاتا ہے یا ایک سانپ جان کا دشمن ہوتا ہے جس کو کاٹتا ہے اس کی جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ تو اس ایمان کے بعد نہ تو وہ سنکھیا کھاتا اور نہ ہی سانپ کے سوراخ میں انگلی ڈالتا ہے۔

آج کل طاعون کے متعلق لوگوں کو ایمان ہے کہ اس کی لاگ سے انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے جس مکان میں طاعون ہو اس سے کوسوں بھاگتے ہیں اور چھوڑ جاتے ہیں۔ غرض جس چیز پر ایمان کامل ہوتا ہے اُس کے مطابق اُس سے عمل بھی صادر ہوا کرتے ہیں مگر کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے موجود ہونے کا تو ایمان ہو اور حساب کتاب یاد ہو تو پھر گناہ باقی رہ جاوے۔ یہ مسئلہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا خدا تعالیٰ کا ایمان سانپ کے خون سے بھی گیا گزرا ہے؟ مؤمن ہونے کا دعویٰ ہے اور پھر بایں چوری، جھوٹ، زنا، بد نظری، شراب خوری، فسق وفجور میں فرق نہیں۔ نفاق اور ریاکاری کی تصدیق نہیں۔ زبانی ایمان کا دعویٰ ہے ورنہ عملی طور پر ایمان اور دین کچھ بھی چیز نہیں۔

ہم صاف مشاہدہ کرتے ہیں کہ انسان کو جس چیز کے مفید ہونے کا ایمان ہے اُسے ہر گز ہر گز ضائع نہیں کرتا۔ کوئی امیر اور کوئی غریب ہم نے نہیں دیکھا جو اپنے گھر سے اپنی جائیداد یا دولت کو جو اُس کے پاس ہے باہر نکال پھینکتا ہو بلکہ ہم نے تو کسی کو ایک پیسہ بھی پھینکتے نہیں دیکھا۔ پیسہ تو کجا ایک سوئی بھی اگر کمائی ہوئی ٹوٹ جاوے تو اُسے رنج ہوتا ہے کہ میرے کارآمد چیز تھی۔ مگر ایمان باللہ کی قدر اِن لوگوں کی نظر

میں اُس سوئی کے برابر بھی نہیں اور نہ اس کا فائدہ ایک سوئی کے برابر لوگ جانتے ہیں۔ پس جب ایمان ایسا ہوتا ہے کہ ایک سوئی کے برابر بھی اس کی قدر اِن میں نہیں ہوتی تو اسی کے مطابق اُن کو اِس سے نفع بھی نہیں پہنچتا اور نہ اُن کو وہ کمال حاصل ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اُن پر الہامات کے دروازہ سے کھول دے۔''

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 325-330)

ایمان کی حالت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

''کوئی خدا پر ایمان نہیں رکھتا جب تک کہ وہ خود نشان نہ دیکھے یا اس کی صحبت میں نہ رہے جو کہ اِن نشانوں کو دیکھنے والا ہے۔ خدا تعالیٰ اگر چاہے تو اِن سب مخالفوں کو ایک دم میں ہی ہلاک کر دے مگر پھر ہم اَور ہمارا سلسلہ بھی ساتھ ہی ختم ہو جاتا۔ یہ مخالفین کا شور و غوغا دراصل عمر کو بڑھاتا ہے۔ خدا تعالیٰ بے شک سب کچھ کرے گا اُن کو ذلیل و خوار بھی کرے گا لیکن وہ مالک ہے خواہ ایک دم کر دے خواہ رفتہ رفتہ کرے۔ خدا تعالیٰ کی عجیب در عجیب قدرت ہے کہ جب ایک شخص کو اپنی طرف سے بھیجتا ہے تو خود بخود دو گروہ بن جاتے ہیں۔ ایک شقی اَور سعید۔ مگر یہ زمانہ گاہے گاہے وہ زمانہ ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنا چہرہ دکھانا چاہتا ہے۔ دوسرا زمانہ شکوک و شبہات کا زمانہ ہے۔''

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 52۔53)

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی ایمان عطا فرمائے۔ آمین

(کمپوزڈ: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿7﴾ ﴿مشاہدات۔1269﴾

ایمان کیا ہے؟

(حضرت مسیح موعودؑ کے افاضات کی روشنی میں)

(تقریر نمبر3)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا (البقرہ:287)

یعنی اللہ کسی جان پر اُس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔

وہ تازہ قدرتیں جو خدا پر دلیل ہیں
وہ زندہ طاقتیں جو یقیں کی سبیل ہیں
ظاہر ہے یہ کہ قصوں میں اُن کا اثر نہیں
افسانہ گو کو راہِ خدا کی خبر نہیں

(درثمین)

معزز سامعین! ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبانی ایمان کی تعریف، اس کی حقیقت، ضرورت اور اہمیت کو بیان کر رہے ہیں۔ آج کی تقریر اس کی تیسری کڑی ہے۔ آپ **ایمان کی حفاظت** کے متعلق فرماتے ہیں:

”سرگرمی انسان کے اندر ہو تو ایمان رہتا ہے ورنہ نہیں۔ کافور کے ساتھ کالی مرچ اِس لیے رکھتے ہیں کہ کافور نہ اُڑے۔ اِس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ کالی مرچ میں تیزی ہوتی ہے وہ اُسے اُڑنے سے بچائے رکھتی ہے۔“

(ملفوظات جلد4ایڈیشن1984ء صفحہ216)

ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ فرمایا:

" بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر ایمان دو قسم کا ہے ایک وہ ایمان ہے جو صرف زبان تک محدود ہے اور اُس کا اثر افعال اور اعمال پر کچھ نہیں۔ دوسری قسم ایمان باللہ کی یہ ہے کہ عملی شہادتیں اُس کے ساتھ ہوں۔ پس جب تک یہ دوسری قسم کا ایمان پیدا نہ ہو۔ مَیں نہیں کہہ سکتا کہ ایک آدمی خدا کو مانتا ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کو مانتا بھی ہو اور پھر گناہ بھی کرتا ہو۔ دنیا کا بہت بڑا حصّہ پہلی قسم کے ماننے والوں کا ہے۔ مَیں جانتا ہوں کہ وہ لوگ اقرار کرتے ہیں کہ ہم خدا کو مانتے ہیں مگر یہ دیکھتا ہوں کہ اِس اقرار کے ساتھ ہی وہ دنیا کی نجاستوں میں مبتلا اور گناہ کی کدورتوں سے آلودہ ہیں۔ پھر وہ کیا بات ہے۔ کہ وہ خاصّہ جو ایمان باللہ کا ہے اُس کو حاضر ناظر مان کر پیدا نہیں ہوتا؟ دیکھو! انسان ایک ادنیٰ درجہ کے چوہڑے چمار کو حاضر ناظر دیکھ کر اُس کی چیز نہیں اٹھاتا۔ پھر اُس خدا کی مخالفت اور اُس کے احکام کی خلاف ورزی میں دلیری اور جرأت کیوں کرتا ہے جس کی بابت کہتا ہے مجھے اس کا اقرار ہے۔ میں اِس بات کو مانتا ہوں کہ دنیا کے اکثر لوگ ہیں جو اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ ہم خدا کو مانتے ہیں کوئی پر میشر کہتا ہے، کوئی گاڈ کہتا ہے، کوئی اَور نام رکھتا ہے۔ مگر جب عملی پہلو سے اُن کے اِس ایمان اور اقرار کا امتحان لیا جاوے اور دیکھا جاوے تو کہنا پڑے گا کہ وہ نِرا دعویٰ ہے جس کے ساتھ عملی شہادت کوئی نہیں۔ انسان کی فطرت میں یہ امر واقعہ ہے کہ وہ جس چیز پر یقین لاتا ہے اُس کے نقصان سے بچنے اور اُس کے منافع کو لینا چاہتا ہے۔ دیکھو! سنکھیا ایک زہر ہے اور انسان جبکہ اِس بات کا علم رکھتا ہے کہ اُس کی ایک رتّی بھی ہلاک کرنے کو کافی ہے تو کبھی وہ اُس کو کھانے کے لئے دلیری نہیں کرتا اِس لئے کہ وہ جانتا ہے اُس کا کھانا ہلاک ہونا ہے۔ پھر کیوں وہ خدا تعالیٰ کو مان کر اُن نتائج کو پیدا نہیں کرتا جو ایمان باللہ کے ہیں۔ اگر سنکھیا کے برابر بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو تو اس کے جذبات اور جوشوں پر موت وارد ہو جاوے مگر نہیں یہ کہنا پڑے گا کہ نرا قول ہی قول ہے۔ ایمان کو یقین کا رنگ نہیں دیا گیا ہے۔ یہ اپنے نفس کو دھوکا دیتا ہے اور دھوکا کھاتا ہے جو کہتا ہے کہ مَیں خدا کو مانتا ہوں۔

پس پہلا فرض انسان کا یہ ہے کہ وہ اپنے اُس ایمان کو درست کرے جو وہ اللہ پر رکھتا ہے یعنی اُس کو اپنے اعمال سے ثابت کر دکھائے کہ کوئی فعل ایسا اُس سے سرزد نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کی شان اور اُس کے احکام کے خلاف ہو۔

یہ دھوکا جو انسان کو لگتا ہے کہ وہ خدا کو مانتا ہے باوجودیکہ عملی شہادت اُس ایمان کے ساتھ نہیں ہوتی۔ در حقیقت یہ بھی ایک قسم کی مرض ہے جو خطرناک ہے۔ مرض دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک مرض مختلف ہوتی ہے۔ یہ وہ ہوتی ہے جس کا درد محسوس ہوتا ہے جیسے دردِ سر یا دردِ گردہ وغیرہ۔ دوسری قسم کی مرض، مرضِ مستوی کہلاتی ہے۔ اس مرض کا درد محسوس نہیں ہوتا اور اِس لئے مریض ایک طرح اُس کے علاج سے تساہل اور غفلت کرتا ہے۔ جیسے برص کا داغ ہوتا ہے۔ بظاہر اُس کا کوئی درد یا دکھ محسوس نہیں ہوتا لیکن آخر کو یہ خطرناک نتائج پیدا کرتا ہے۔ پس خدا پر ایسا ایمان جو عملی شہادتیں ساتھ نہیں رکھتا ہے، ایک قسم کی مرضِ مستوی ہے۔ صرف رسم وعادت کے طور پر مانتا ہے یا یہ کہ باپ دادا سے سنا تھا کہ کوئی خدا ہے اِس لئے مانتا ہے۔ اپنی ذات پر محسوس کر کے کب اُس نے اللہ کا اقرار کیا؟ یہ اقرار جس دن اس رنگ میں پیدا ہوتا ہے ساتھ ہی گناہوں کی میل کچیل کو جلا کر صاف کر دیتا ہے اور اُس کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں جب تک آثار ظاہر نہ ہوں، ماننا نہ ماننا برابر ہے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ یقین نہیں ہوتا اور یقین کے بغیر ثمرات ظاہر نہیں ہو سکتے۔ دیکھو! جن خطرات کا انسان کو یقین ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک ہرگز نہیں جاتا مثلاً یہ خطرہ ہو کہ گھر کا شہتیر ٹوٹا ہوا ہے تو وہ کبھی اُس کے نیچے جانے اور رہنے کی دلیری نہ کرے گا۔ یا یہ معلوم ہو کہ فلاں مقام پر سانپ رہتا ہے اور وہ رات کو پھرا بھی کرتا ہے تو کبھی یہ رات کو اُٹھ کر وہاں نہ جائے گا۔ کیونکہ اُس کے نتائج کا قطعی اور یقینی علم رکھتا ہے۔ پس اگر خدا کو مان کر ایک پیسہ کے سنکھیا جتنا بھی اثر اور یقین نہیں ہوتا تو سمجھ لو کہ کچھ بھی نہیں مانتا اور اصل یہ ہے کہ ساری خرابی کی جڑھ گیان کی کوتاہی ہے۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 312-313)

ایمان انسان کے نفسانی جذبات اور گناہ کی قوتوں کو سلب کرتا ہے۔

پنڈت صاحب: میرا اصل منشاء تو یہ ہے کہ خدا کی ہستی پر تو ایمان ہے مگر پھر بھی گناہ ہوتے ہیں۔

حضرت اقدس: آپ کیوں کہتے ہیں کہ ایمان ہے۔ ایمان تو انسان کے نفسانی جذبات کو مُردہ کر دیتا ہے اور گناہ کی قوّتوں کو سلب کر دیتا ہے۔ آپ کو یہ سوال کرنا چاہئے کہ گناہ سے بچنے کا کیا علاج ہے۔ مَیں یہ کبھی نہیں مان سکتا کہ ایمان بھی ہو اور گناہ بھی ہو۔ ایمان روشنی ہے اُس کے سامنے گناہ کی ظلمت رہ نہیں سکتی بھلا یہ کبھی ہو سکتا ہے کہ دن بھی چڑھا ہوا ہوا اور رات کی تاریکی بھی بدستور موجود ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ پس اصل سوال یہ رہ جاتا ہے کہ گناہ سے کیونکر بچیں۔ اُس کا علاج وہی ہے جو مَیں نے بیان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان پیدا ہو۔

پنڈت صاحب: بیشک میرا یہ کہنا کہ خدا کو مانتا ہوں اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے۔

حضرت اقدس: پس یہی اصل بات ہے جبتک عملی شہادتیں ساتھ نہ ہوں۔ یہ نفس کا دھوکا ہے جو کہتا ہے کہ مانتا ہوں سچا ایمان گناہ کو باقی نہیں رہنے دیتا اور سچا ایمان کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ آپ یاد رکھیں جو مریض طبیب کے پاس جاتا ہے تو طبیب اُس کی مرض کو تشخیص کر کے ایک علاج اُس کا بتا دیتا ہے۔ اُس کا فرض ہے کہ وہ بیمار کو متنبّہ کر دے، علاج کرنا نہ کرنا یہ مریض کا اپنا اختیار ہے۔ وہ یہ بتا دے گا کہ داغ لگانے کی جگہ ہے تو داغ دو یا جونک لگاؤ وغیرہ یعنی جو علاج ہو وہ بتا دے گا۔ اسی طرح پر ہم اصل علاج بتا دیتے ہیں کرنا نہ کرنا ہر شخص کے اپنے اختیار میں ہے۔

پس اصل بات یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ اِن آنکھوں سے نظر نہیں آتا اور نہ اِن حواس سے ہم اُس کو محسوس کر سکتے ہیں کیونکہ اگر وہ ان محسوسات میں سے ہوتا۔ جن کے لئے یہ حواس ہیں تو بے شک وہ نظر آجاتا یا محسوس ہو سکتا۔ مگر اِن حواس میں سے کوئی حسّ اُس کے لئے بکار نہیں۔ اُس کی شناخت کے خاص وسائل ہیں اور اَور حواس ہیں گو حکیموں، برہموؤں اور فلاسفروں نے بجائے خود ٹکریں ماری ہیں لیکن وہ سب غلطیوں میں مبتلا ہیں اور وہ ایمان جو انسان کی زندگی میں ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دیتا ہے اُن کو نصیب نہیں ہوا۔ جب خود اُن کی یہ حالت ہے تو وہ دوسروں کے لئے ہادی اور رہنما کیونکر ہو سکتے ہیں جو خود مشکلات میں مبتلا ہیں اور جن کو خود سکینت اور اطمینان نہ ہو وہ اَوروں کے لئے کیا اطمینان کا موجب ہوں گے۔ اس سلسلہ کی راہ کے چراغ دراصل انبیاء علیہ السلام ہیں۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ وہ نورِ ایمان حاصل کرے اُس کا فرض ہے کہ اُس راہ کی تلاش کرے اور اِس پر چلے بدُوں اس کے ممکن نہیں کہ

معرفت اور سچا گیان مل سکے جو گناہ سے بچاتا ہے اور ہر ایک شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس شئے کا اتباع اس وقت حقیقی ایمان اور گیان پیدا کر دیتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ جب انسان سچائی پر قدم مارنے لگتا ہے تو اُس کو مشکلات اور ابتلا پیش آتے ہیں۔ برادری اور قوم کا ڈر اُسے دھمکاتا ہے لیکن اگر وہ فی الحقیقت سچائی سے پیار کرتا ہے اور اُس کی قدر کرتا ہے تو وہ اِن ابتلاؤں سے نکل جاتا ہے ورنہ ابتلا اُس کا نفاق ظاہر کر دیتا ہے۔ مؤمن کے لئے ضروری ہے کہ وہ دیوانہ بنے کسی ننگ وعار کی سچائی کے لئے پروانہ کرے جب تک وہ اِن قیود کا پابند ہے وہ مؤمن نہیں ہو سکتا ہے۔

از عمل ثابت کن آں نورے کہ در ایمان تست
دل چو دادی یوسفی را راہ کنعان را گزیں"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 314-315)

سامعین! ایمان کی اصلی جڑ۔ فرماتے ہیں:

" اصل بات یہ ہے کہ دل اللہ کے اختیار میں ہے وہ جس وقت چاہتا ہے دل میں بات ڈال دیتا ہے اور اُس کو سمجھ آجاتی ہے کہ سچا سرور اور خوشحالی اِس میں ہے کہ خدا کو پہچانا جائے۔ دیکھو! مَیں اِس وقت یہ بات تو کر رہا ہوں مگر میرے اختیار میں یہ بات نہیں ہے کہ دلوں تک اُس کو پہنچا بھی دوں۔ یہ خدا ہی کا کام ہے جو دلوں کو زندہ کرتا ہے اور بیدار کرتا ہے۔ باقی تمام جوارح آنکھ، ہاتھ وغیرہ ایسے ہیں جو انسان کے اختیار میں ہیں۔ مگر دل اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ اُس وقت تک اپنے آپ کو مسلمان نہیں سمجھنا چاہیے جب تک دل مسلمان نہ ہو جاوے اور دل مسلمان نہیں ہوتا جب تک وہ لہو ولعب سے لذّت حاصل کرتا ہے۔ اُس کے مسلمان ہونے کا وہی وقت ہے جب وہ دنیوی حیثیت سے دل برداشتہ ہو گیا ہے اور دنیا کی لذّتیں اور خوشیاں ایک تلخی کا رنگ دکھائی دیتی ہیں جب یہ حالت ہو تو پھر انسان اپنے آپ کو مشاہدہ کرتا ہے کہ مَیں وہ نہیں رہا ہوں بلکہ اَور ہو گیا ہوں۔ پھر دل میں ایک کشش پاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں لذّت حاصل کرتا ہے اور ایسی محبت اسے نماز سے ہو جاتی ہے جیسے کسی اپنے عزیز کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ یہ ہے اصل جڑھ ایمان کی۔ مگر یہ انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے۔ ہم اِس بات کا نمونہ نہیں بتا سکتے اور نہ

الفاظ میں اِس کو سمجھا سکتے ہیں کیونکہ الفاظ حقیقت کے قائمقام نہیں ہوتے۔ اِس لئے جب یہ حالت آتی ہے تو پھر انسان اپنی گزشتہ زندگی پر حسرت وافسوس کرتا ہے کہ وہ یونہی ضائع ہو گئی کیوں پہلے ایسی حالت مجھ پر نہ آئی۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 321)

انسان کے ایمان کے تکمیل کے دو پہلو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

" انصاف اور ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں مسیح کو بالکل ناکامیاب ماننا پڑتا ہے۔ کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قسم کا موقع ملا ہے۔ مسیح کو نہیں ملا ہے اور یہ اُن کی بد قسمتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسیح کو کامل نمونہ ہم کہہ ہی نہیں سکتے۔ انسان کے ایمان کی تکمیل کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ اوّل یہ دیکھنا چاہئے کہ جب وہ مصائب کا تختۂ مشق ہو اُس وقت وہ خدا تعالیٰ سے کیسا تعلق رکھتا ہے ؟ کیا وہ صدقِ اخلاص ، استقلال اور سچی وفاداری کے ساتھ ان مصائب پر بھی انشراح صدر سے اللہ تعالیٰ کی رضا کو تسلیم کرتا اور اُس کی حمد وستائش کرتا ہے یا شکوہ و شکایت کرتا ہے اور دوسرے جب اُس کو عروج حاصل ہو اور اقبال اور فروغ ملے۔ تو کیا اس اقتدار اور اقبال کی حالت میں وہ خدائے تعالیٰ کو بھول جاتا ہے اور اُس کی حالت میں کوئی قابل اعتراض تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے یا اسی طرح خدا سے تعلق رکھتا اور اُس کی حمد وستائش کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کو عفو کرتا اور اُن پر احسان کر کے اپنی عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کا ثبوت دیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کو کسی نے مارا ہے اگر وہ اِس پر قادر ہی نہیں ہوا کہ اس کو سزا دے سکے اور اپنا انتقام لے پھر بھی وہ کہے کہ دیکھو! مَیں نے اُس کو کچھ بھی نہیں کہا تو یہ بات اخلاق میں داخل نہیں ہو سکتی اور اُس کا نام بردباری اور تحمّل نہیں رکھ سکتے کیونکہ اُسے قدرت ہی حاصل نہیں ہوئی بلکہ ایسی حالت ہے کہ گالی کے صدمہ سے بھی رو پڑے تو یہ سِتر بی بی از بے چادری کا معاملہ ہے۔ اس کو اخلاق اور بُردباری سے کیا تعلق !!"

(ملفوظات جلد 3 ایڈیشن 1984ء صفحہ 161)

سامعین! ایمانیات میں اخفاء کا فلسفہ یوں بیان فرمایا:

” اگر اللہ تعالیٰ سارے پر دے کھول دیتا اور کوئی امر مخفی اور پوشیدہ نہ ہوتا اور مُردے آ آکر کہہ دیتے کہ جنت و نار سب حق ہیں تو بتاؤ کہ کوئی دہریہ اور بُت پرست رہ سکتا تھا؟ مثلاً اگر یہاں ہی کے دو چار مُردے آکر حقیقت بتادیں اور اپنے پوتوں اور عزیزوں کو بتائیں تو کوئی روگردان رہ سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا۔ اب اگر کوئی آفتاب پر ایمان لاوے کہ یہ ہے اور روشنی دیتا ہے تو بتاؤ اس ایمان کا کوئی ثواب اسے مل سکتا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ نے ایمان کی قدر و قیمت اور نیکی کی جزا کے لئے یہ پسند فرمایا ہے کہ کچھ خفا بھی ہو۔ دانشمند آدمی سعادت پاتا ہے۔ بیوقوف اس سے محروم رہ جاتا ہے اور پھر کوئی ایمانی امر ایسا نہیں ہے جس میں حقیقت اور فلسفہ نہ ہو۔ اِس اخفاء میں عظیم الشان فلسفہ ہے جیسا کہ مَیں نے ابھی کہا ہے کہ اگر ایسا انکشاف ہوتا کہ کوئی چیز مخفی نہ رہ جاتی۔ معاد کا حال، خدا کی رضا کا پتہ معلوم ہو جاتا تو نیکی نیکی نہ رہتی اور نہ اُس کی کوئی قدر ہوتی۔ مشہود محسوس چیزوں پر ایمان لانے سے کوئی ثواب نہیں مل سکتا۔ مسجد پر یا درخت یا آفتاب پر ایمان لانیوالا اوران کے وجود کا اعتراف کرنے والا کسی جزا کا مستحق نہیں ہے لیکن جو مخفی کو معلوم کر کے ایمان لاتا ہے۔ وہ بیشک قابل تعریف فعل کا کرنے والا ٹھہرتا ہے اور مدح اور تعریف کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ جب بالکل انکشاف ہو گیا۔ پھر کیا؟ اسی طرح پر اگر کوئی 29 دن کے ہلال کو دیکھتا ہے تو بیشک اس کی نظر قابل تعریف ہو گی لیکن اگر کوئی چودہ دن کے بعد جبکہ بدر ہو گیا ہے اور عالمتاب روشنی نظر آتی ہے لوگوں کو کہے کہ آؤ! مَیں تمہیں چاند دکھاؤں مَیں نے دیکھ لیا ہے تو وہ مسخرہ اور فضول ٹھہرایا جائے گا۔

غرض قابلیت فراست سے ظاہر ہوتی ہے۔ خدا نے کچھ چھپایا ہے اور کچھ ظاہر کیا ہے۔ اگر بالکل ظاہر کرتا تو ایمان کا ثواب جاتا رہتا اور اگر بالکل چھپاتا تو سارے مذاہب تاریکی میں دبے رہتے اور کوئی بات قابل اطمینان نہ ہو سکتی اور آج کوئی مذہب والا دوسرے کو نہ کہہ سکتا کہ تو غلطی پر ہے اور نہ مواخذہ کا اصول قائم رہ سکتا تھا کیونکہ یہ تکلیف مالا یطاق تھی۔ مگر خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ:287)۔ پس خدا کا فضل ہے کہ ہلکا سا امتحان رکھا ہوا ہے جس میں بہت مشکلات نہیں۔ باوجودیکہ

وہ عالَم ایسا ادقّ ہے کہ جو جاتا ہے پھر واپس نہیں آتا۔ پھر بھی خدا تعالیٰ نے انوار و برکات کا ایک سلسلہ رکھا ہے جس سے اِس دنیا ہی میں پتہ لگ جاتا ہے اور وہ مخفی امور متحقّق ہو جاتے ہیں۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 147-148)

پھر اخفاء ہی کے مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

" ہمارا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ نشان دکھاتا ہے۔ جب چاہتا ہے۔ وہ دنیا کو قیامت بنانا نہیں چاہتا۔ اگر وہ ایسا کھلا ہوا ہو کہ جیسے سورج تو پھر ایمان کیا رہا اور اُس کا ثواب کیا؟ ایسی صورت میں کون بدبخت ہو گا جو انکار کرے گا۔ نشان بیّن ہوتے ہیں لیکن ان کو باریک بِین دیکھ سکتے ہیں اور کوئی نہیں۔ اور یہ دقّتِ نظر اور معرفت سعادت کی وجہ سے عطا ہوتی ہے اور تقویٰ سے ملتی ہے۔ شقی اور فاسق اُس کو نہیں دیکھ سکتا۔ ایمان اسوقت تک ایمان ہے۔ جب تک اس میں کوئی پہلو اخفاء کا بھی ہو لیکن جب بالکل پردہ برانداز ہو تو وہ ایمان نہیں رہتا۔ اگر مٹھی بند ہو اور کوئی بتاوے کہ اُس میں یہ ہے تو اُس کی فراست قابل تعریف ہو سکتی ہے لیکن جب مٹھی کھول کر دکھادی اور پھر کسی نے کہا کہ مَیں بتادیتا ہوں تو کیا ہوا۔ یا پہلی رات کا چاند اگر کوئی دیکھ کر بتائے تو البتہ اُسے تیز نظر کہیں گے لیکن جب چودھویں کا چاند ہو گیا اس وقت کوئی کہے کہ مَیں نے چاند دیکھ لیا وہ چڑھا ہوا ہے تو لوگ اُسے پاگل کہیں گے۔ غرض معجزات وہی ہوتے ہیں جس کی نظیر لانے پر دوسرے عاجز ہوں۔ انسان کا یہ کام نہیں کہ وہ اُن کی حد بند کرے کہ ایسا ہونا چاہیے یا ویسا ہونا چاہیے۔ اِس میں ضرور ہے کہ بعض پہلو اخفا کے ہوں کیونکہ نشانات کے ظاہر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ایمان بڑھے اور اُس میں عرفانی رنگ پیدا ہو جس میں ذوق ملا ہوا ہو۔ لیکن جب ایسی کھلی باتیں ہوں گی تو اُس میں ایمانی رنگ ہی نہیں آسکتا چہ جائیکہ عرفانی اور ذوقی رنگ ہو۔ پس اقتراحی نشانات سے اس لئے منع کیا جاتا ہے اور روکا جاتا ہے کہ اس میں پہلی رگ سُوءِ ادبی کی پیدا ہو جاتی ہے جو ایمان کی جڑ کاٹ ڈالتی ہے۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 209-210)

سامعین! سچا ایمان مسلمانوں کو نصیب ہے۔ فرمایا:

پھر باتوں ہی باتوں میں جناب نواب صاحب نے ذکر کیا کہ ایک شخص سے مَیں نے کہا کہ مؤمن ہی دنیا و آخرت میں سچا سکھ پاتا ہے۔ جس پر وہ شخص کہنے لگا۔ کہ پھر سب سے بڑے مؤمن تو انگریز ہیں۔ اس پر حضرت حُجۃ اللہ نے جو کچھ فرمایا۔ اس کا خلاصہ وہ عنوان ہے جو ہم نے اس نوٹ کے حاشیہ میں لکھ دیا ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ

"یہ بات غلط ہے کہ سچا سُکھ یا راحت کفّار کو حاصل ہے۔ ان لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ یہ لوگ شراب جیسی چیزوں کے ایسے غلام ہیں اور اُن کے حوصلے کیسے پست ہیں۔ اگر اطمینان اور سکینت ہو تو پھر خودکشیاں کیوں کرتے ہیں۔ ایک مؤمن کبھی خودکشی نہیں کر سکتا جیسے شراب اور دوسرے نشہ بظاہر غم غلط کرنے والے مشہور ہیں۔ اسی طرح سب سے بہتر غم غلط کرنے والا اور راحت بخشنے والا سچا ایمان ہے۔ یہ مؤمن ہی کے لئے ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (الرحمٰن:47)۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 338-339)

عام اور خاص ایمان میں فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"مَیں تو ہمیشہ دعا کرتا ہوں مگر تم لوگوں کو بھی چاہئے کہ ہمیشہ دعا میں لگے رہو۔ نمازیں پڑھو اَور توبہ کرتے رہو۔ جب یہ حالت ہو گی تو اللہ تعالیٰ حفاظت کرے گا اَور اگر سارے گھر میں ایک شخص بھی ایسا ہو گا تو اللہ تعالیٰ اُس کے باعث سے دوسروں کی بھی حفاظت کرے گا۔ کوئی بلا اَور دُکھ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے سوا نہیں آتا اَور وہ اُس وقت آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی نافرمان اَور مخالفت کی جاوے۔ ایسے وقت پر عام ایمان کام نہیں آتا بلکہ خاص ایمان کام آتا ہے۔ جو لوگ عام ایمان رکھتے ہیں وہ اُن بلاؤں سے حصّہ لیتے ہیں اَور اللہ تعالیٰ اُن کی پروا نہیں کرتا مگر جو خاص ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کی طرف رجوع کرتا ہے اَور آپ اُن کی حفاظت فرماتا ہے۔ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔ بہت سے لوگ ہیں جو زبان سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کرتے ہیں اَور اپنے اسلام اَور ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کے لئے دُکھ نہیں اُٹھاتے۔ کوئی دُکھ یا تکلیف یا مقدّمہ آجاوے تو فوراً خدا کو چھوڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں اَور اِس کی نافرمانی کر بیٹھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی کوئی پروا نہیں کرتا مگر جو خاص ایمان رکھتا ہو اَور ہر حال میں خدا کے ساتھ ہو اَور

دُکھ اُٹھانے کو تیار ہو جاوے تو خدا تعالیٰ اُس سے دُکھ اُٹھالیتا ہے اَور دو مصیبتیں اُس پر جمع نہیں کرتا۔ دُکھ کا اصل علاج دُکھ ہی ہے اَور مؤمن پر دو بلائیں جمع نہیں کی جاتیں۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 67۔68)

سامعین! عمل ایمان کا زیور ہے۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

" ہمیشہ اپنے قول اور فعل کو درست اور مطابق رکھو جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگیوں میں کر کے دکھادیا۔ ایسا ہی تم بھی اُن کے نقش قدم پر چل کر اپنے صدق اور وفا کے نمونے دکھاؤ۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نمونہ ہمیشہ اپنے سامنے رکھو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس زمانہ پر غور کرو کہ جب دشمن قریش ہر طرف سے شرارت پر تلے ہوئے تھے اور انہوں نے آپؐ کے قتل کا منصوبہ کیا۔ وہ زمانہ بڑا ابتلا کا زمانہ تھا۔ اُس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو حق رفاقت ادا کیا۔ اس کی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ یہ طاقت اور قوّت بجز صدق ایمان کے ہرگز نہیں آسکتی۔ آج جس قدر تم لوگ بیٹھے ہوئے ہو۔ اپنی اپنی جگہ سوچو کہ اگر اس قسم کا کوئی ابتلاء ہم پر آجائے تو کتنے ہیں جو ساتھ دینے کو تیار ہوں۔ مثلاً گورنمنٹ کی طرف سے ہی یہ تفتیش شروع ہو جائے کہ کس کس شخص نے اِس شخص کی بیعت کی ہے تو کتنے ہوں گے جو دلیری کیساتھ یہ کہدیں کہ ہم مبائعین میں داخل ہیں۔ مَیں جانتا ہوں کہ یہ بات سُن کر بعض لوگوں کے ہاتھ پاؤں سُن ہو جائیں گے اور اُن کو فوراً اپنی جائدادوں اور رشتہ داروں کا خیال آجائے گا کہ اُن کو چھوڑنا پڑے گا۔

مشکلات ہی کے وقت ساتھ دینا ہمیشہ کامل الایمان لوگوں کا کام ہوتا ہے۔ اِس لیے جب تک انسان عملی طور پر ایمان کو اپنے اندر داخل نہ کرے۔ محض قول سے کچھ نہیں بنتا اَور بہانہ سازی اُس وقت تک دُور ہی نہیں ہوتی۔ عملی طور پر جب مصیبت کا وقت ہو تو اُس وقت ثابت قدم نکلنے والے تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح ناصریؑ کے حواری اس آخری گھڑی میں جو اُن کی مصیبت کی گھڑی تھی۔ اُنہیں تنہا چھوڑ کر بھاگ نکلے اَور بعض نے تو منہ کے سامنے ہی آپ پر لعنت کردی۔ حقیقت میں یہ بڑی غیرت کا مقام ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر بھی ایک ایسا وقت آیا تھا کہ جب مسلمؓ نے 70 ہزار آدمیوں کو نماز

پڑھائی اور اُن سے حضرت امام حسینؓ کی رفاقت کا عہد لیا۔ مگر جب کسی شخص نے یزید کے آنے کی خبر دی توسب کے سب آپ کو تنہا چھوڑ گئے۔

اس قسم کے واقعات بہت ڈراتے ہیں۔ اس لئے اپنے ایمانوں کو وزن کرو **عمل ایمان کا زیور ہے**۔ اگر انسان کی عملی حالت دوست نہیں ہو تو ایمان بھی نہیں ہے مؤمن ایک خوبصورت ہوتا ہے جس طرح ایک خوبصورت انسان کو معمولی اور ہلکا سا زیور بھی پہنا دیا جائے تو وہ اسے زیادہ خوبصورت بنا دیتا ہے اِسی طرح پر ایک ایماندار کو اُس کا عمل نہایت خوبصورت بنا دیتا ہے اگر وہ بد عمل ہے تو پھر کچھ بھی نہیں۔ انسان کے اندر جب حقیقی ایمان پیدا ہو جاتا ہے تو اُس کو اعمال میں ایک خاص لذّت آتی ہے اور اُس کی معرفت کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ وہ اس طرح نماز پڑھتا ہے جس طرح نماز پڑھنے کا حق ہوتا ہے۔ گناہوں سے اُسے بیزاری پیدا ہو جاتی ہے۔ ناپاک مجلس سے نفرت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول کی عظمت اور جلال کے اظہار کے لئے اپنے دل میں ایک خاص جوش اور تڑپ پاتا ہے۔ ایسا ایمان اُسے حضرت مسیحؑ کی طرح صلیب پر چڑھ جانے سے بھی نہیں روکتا۔ وہ خدا کے لئے اور صرف خدا تعالیٰ کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی طرح آگ میں بھی پڑ جانے سے راضی ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی رضا کو رضاء الٰہی کے ماتحت کر دیتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ جو علیم بذات الصدور ہے اُس کا محافظ اور نگران ہو جاتا ہے اور اُسے صلیب پر سے بھی زندہ اتار لیتا ہے اور آگ میں سے بھی صحیح و سلامت نکال لیتا ہے۔ مگر ان عجائبات کو وہی لوگ دیکھا کرتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ پر پورا ایمان رکھتے ہیں۔

غرض حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا صدق اُس مصیبت کے وقت ظاہر ہوا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محاصرہ کیا گیا۔ گو بعض کفّار کی رائے اخراج کی بھی تھی۔ مگر اصل مقصد اور کثرت رائے آپ کے قتل پر تھی۔ ایسی حالت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے صدق اور وفا کا وہ نمونہ دکھلایا جو ابد الآباد تک کے لئے نمونہ رہے گا۔ اُس مصیبت کی گھڑی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انتخاب ہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صداقت اور اعلیٰ وفاداری کی ایک زبردست دلیل ہے۔ دیکھو! اگر وائسرائے ہند کسی شخص کو کسی خاص کام کے لئے انتخاب کرلے تو اس کی رائے صائب اور بہتر ہو گی یا ایک چوکیدار کی ماننا پڑیگا کہ وائسرائے کا انتخاب بہر حال موزوں اور مناسب ہو گا کیونکہ جس حال میں کہ وہ

سلطنت کی طرف سے نائب السلطنت مقرر کیا گیا ہے اور اس کی وفاداری، فراست اور پختہ کاری پر سلطنت نے اعتماد کیا ہے۔ تب ہی تو زمام سلطنت اُس کے ہاتھ میں دی ہے۔ پھر اس کی صائب تدبیری اور معاملہ فہمی کو پسِ پشت ڈال کر ایک چوکیدار کے انتخاب اور رائے کو صحیح سمجھ لینا نامناسب امر ہے۔

یہی حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتخاب کا تھا۔ اس وقت آپ کے پاس 70-80 صحابہؓ موجود تھے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مگر اُن سب میں سے آپؐ نے اپنی رفاقت کے لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہی انتخاب کیا۔ اِس میں سِرّ کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ نبی خدا تعالیٰ کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور اُس کا فہم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آتا ہے۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ نے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کشف اور الہام سے بتا دیا کہ اس کام کے لئے سب سے بہتر اور موزوں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہیں۔ ابو بکرؓ اس ساعتِ عُسر میں آپؐ کے ساتھ ہوئے۔ یہ وقت خطرناک آزمائش کا تھا۔ حضرت مسیحؑ پر جب اِس قسم کا وقت آیا تو اُن کے شاگرد اُن کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور ایک نے لعنت بھی کی۔ مگر صحابہ کرامؓ میں سے ہر ایک نے پوری وفاداری کا نمونہ دکھایا۔ غرض حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپؐ کا پورا ساتھ دیا اور ایک غار میں جس کو غار ثور کہتے ہیں آپؐ جا چُھپے۔ شریر کفّار جو آپؐ کی ایذا رسانی کے لئے منصوبے کر چکے تھے۔ تلاش کرتے ہوئے اُس غار تک پہنچ گئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اب تو یہ بالکل سر پر ہی آ پہنچے ہیں اور اگر کسی نے ذرا نیچے نگاہ کی۔ تو وہ دیکھ لیگا اور ہم پکڑے جائیں گے۔ اُس وقت آپؐ نے فرمایا۔ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کچھ غم نہ کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اِس لفظ پر غور کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اپنے ساتھ ملاتے ہیں چنانچہ فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ مَعَنَا میں آپ دونو شریک ہیں یعنی اللہ تعالیٰ تیرے اور میرے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک پلہ پر آنحضرتؐ کو اور دوسرے پر حضرت صدیقؓ کو رکھا ہے۔ اس وقت دونو ابتلا میں ہیں۔ کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں سے یا تو اسلام کی بنیاد پڑنے والی ہے یا خاتمہ ہو جانے والا ہے۔ دشمن غار پر موجود ہیں اور مختلف قسم کی رائے زنیاں ہو رہی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس غار کی تلاشی کرو کیونکہ نشانِ پا یہاں تک ہی آ کر ختم ہو جاتا ہے... لیکن اُن میں سے بعض کہتے ہیں کہ یہاں انسان کا گزر اور دخل کیسے ہو گا۔ مکڑی نے جالا تنا ہوا ہے۔ کبوتر نے انڈے دیئے ہوئے ہیں۔ اِس قسم کی باتوں کی آوازیں اندر

پہنچ رہی ہیں اور آپؐ بڑی صفائی سے اُن کو سُن رہے ہیں۔ ایسی حالت میں دشمن آئے ہیں کہ وہ خاتمہ کرنا چاہتے ہیں اور دیوانے کی طرح بڑھتے آئے ہیں۔ لیکن آپؐ کی کمال شجاعت کو دیکھو کہ دشمن سر پر ہے اور آپ اپنے رفیق صادق صدیقؓ کو فرماتے ہیں۔ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ یہ الفاظ بڑی صفائی کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ آپؐ نے زبان ہی سے فرمایا کیونکہ یہ آواز کو چاہتے ہیں۔ اشارہ سے کام نہیں چلتا۔ باہر دشمن مشورہ کر رہے ہیں اور اندر غار میں خادم و مخدوم بھی باتوں میں لگے ہوئے ہیں۔ اس امر کی پرواہ نہیں کی گئی کہ دشمن آواز سن لیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر کمال ایمان اور معرفت کا ثبوت ہے۔ خدا تعالیٰ کے وعدوں پر پورا بھروسہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت کے لئے تو یہ نمونہ کافی ہے۔ ابو بکر صدیقؓ کی شجاعت کے لئے ایک دوسرا گواہ اس واقعہ کے سوا اور بھی ہے ....جب آنحضرتؐ نے رحلت فرمائی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار کھینچ کر نکلے کہ اگر کوئی کہے گا کہ آنحضرت صلعم نے انتقال فرمایا ہے تو مَیں اسے قتل کر دوں گا ایسی حالت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بڑی جرات اور دلیری سے کلام کیا اور کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا- مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ یعنی محمد بھی اللہ تعالیٰ کے ایک رسول ہی ہیں اور آپ سے پہلے جسقدر نبی ہو گزرے ہیں سب نے وفات پائی۔

اس پر وہ جوش فرو ہوا۔ اُس کے بعد بادیہ نشین اعراب مرتد ہو گئے۔ ایسے نازک وقت کی حالت کو حضرت عائشہ صدیقہؓ نے یوں ظاہر فرمایا ہے کہ پیغمبر خدا صلعم کا انتقال ہو چکا ہے اور بعض جھوٹے مدّعی نبوت کے پیدا ہو گئے ہیں اور بعضوں نے نمازیں چھوڑ دیں اور رنگ بدل گیا ہے۔ ایسی حالت میں اور اِس مصیبت میں میرا باپ آنحضرت صلعم کا خلیفہ اور جانشین ہوا۔ میرے باپ پر ایسے ایسے غم آئے کہ اگر پہاڑوں پر آتے تو وہ بھی نابود ہو جاتے۔ اب غور کرو کہ مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ پڑنے پر بھی ہمت اور حوصلہ کو نہ چھوڑنا یہ کسی معمولی انسان کا کام نہیں۔ یہ استقامت صدق ہی کو چاہتی تھی اور صدیقؓ نے ہی دکھائی ممکن نہ تھا کہ کوئی دوسرا اِس خطرہ کو سنبھال سکتا۔ تمام صحابہؓ اُس وقت موجود تھے کسی نے نہ کہا کہ میرا حق ہے۔ وہ دیکھتے تھے کہ آگ لگ چکی ہے۔ اِس آگ میں کون پڑے۔ حضرت عمرؓ نے اِس حالت میں ہاتھ بڑھا کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر سب نے یکے بعد دیگرے بیعت کر لی۔ یہ اُن کا صدق ہی تھا کہ اِس فتنہ کو فرو کیا اور ان موذیوں کو ہلاک کیا۔ مسیلمہ کے ساتھ ایک لاکھ آدمی تھا اور اس کے مسائل اباحت کے

مسائل تھے۔ لوگ اُس کی اباحتی باتوں کو دیکھ دیکھ کر اُس کے مذہب میں شامل ہوتے جاتے تھے لیکن خدا تعالیٰ نے اپنی محبت کا ثبوت دیا اور ساری مشکلات کو آسان کر دیا۔"

(ملفوظات جلد اوّل ایڈیشن 1984ء صفحہ 374-379)

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی ایمان عطا فرمائے۔ آمین

(کمپوزڈ: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿8﴾ ﴿مشاہدات۔1270﴾

ایمان کیا ہے؟

(حضرت مسیح موعودؑ کے افاضات کی روشنی میں)

(تقریر نمبر4)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

(الصفّ:3-4)

یعنی اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم نہیں کرتے ہو۔ یہ امر کہ تم وہ باتیں کہو جن پر تم عمل نہیں کرتے خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑے غضب کا موجب ہے۔

جس کو خدائے عزوجل پر یقیں نہیں
اُس بدنصیب شخص کا کوئی بھی دیں نہیں
پر وہ سعید جو کہ نشانوں کو پاتے ہیں
وہ اُس سے مل کے دل کو اُسی سے ملاتے ہیں

(درثمین)

معزز سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایمان کیا ہے، اس کی اہمیت و برکات پر اپنے خطابات، تقاریر اور دروس میں جو فرمایا اُس کو یکجا کیا جا رہا ہے۔ آج اس ضمن میں یہ چوتھی تقریر ہے۔ آپؑ اللہ پر ایمان لانے کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”اللہ پر ایمان لانے کے معنی آپ نے کیا سمجھے ہوئے ہیں۔ کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ جو عیسیٰؑ پر ایمان لاوے وہ بھی اللہ پر ایمان لانے والا ہے؟ اللہ پر ایمان لانے کے یہ معنی ہیں کہ اسے ان تمام صفات سے موصوف مانا جاوے جن کا ذکر قرآن شریف میں ہے مثلاً رَبّ، رحمن، رحیم، تمام محامد والا، رسولوں کو

بھیجنے والا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے والا۔ اب آپ ہی بتلا دیں کہ قرآن شریف میں لفظ اللہ کے یہ معنی ہیں کہ نہیں؟ پھر جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتا۔ قرآن کو نہیں مانتا تو اس نے کیا اُس اللہ کو مانا جسے قرآن نے پیش کیا ہے۔ جیسے گلاب کے پھول سے خوشبو دُور کر دی جاوے تو پھر وہ گلاب کا پھول، پھول نہیں رہتا اور اسے پھینک دیتے ہیں۔ پس اسی طرح اللہ کو ماننے والا وہی ہو گا جو اسے اُن صفات کے ساتھ مانے جو قرآن نے بیان کئے ہیں۔"

(ملفوظات جلد 6 ایڈیشن 1984ء صفحہ 125)

ایمان کے ساتھ عمل ضروری ہے۔ فرمایا:

"اسلام کا دعویٰ کرنا اور میرے ہاتھ پر بیعتِ توبہ کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ کیونکہ جب تک ایمان کے ساتھ عمل نہ ہو کچھ نہیں۔ منہ سے دعویٰ کرنا اور عمل سے اس کا ثبوت نہ دینا خدا تعالیٰ کے غضب کو بھڑکاتا ہے اور اس آیت کا مصداق ہو جاتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصفّ: 3-4) یعنی اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم نہیں کرتے ہو۔ یہ امر کہ تم وہ باتیں کہو جن پر تم عمل نہیں کرتے خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑے غضب کا موجب ہے۔ پس وہ انسان جس کو اسلام کا دعویٰ ہے یا جو میرے ہاتھ پر توبہ کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کو اس دعویٰ کے موافق نہیں بناتا اور اس کے اندر کھوٹ رہتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے بڑے غضب کے نیچے آ جاتا ہے اس سے بچنا لازم ہے۔"

(ملفوظات جلد 6 ایڈیشن 1984ء صفحہ 28)

سامعین! ایمان کے اعمال مِثل مُردہ کے ہیں۔ فرمایا:

"تقویتِ ایمان کی بڑی ضرورت ہے۔ بغیر ایمان کے اعمال مِثل مُردہ کے ہوتے ہیں۔ ایمان ہو تو انسان کو وہ معرفت حاصل ہوتی ہے جس سے وہ آسمان کی طرف مَصعُود ہوتا ہے اور اگر یہ نہ ہو تو نہ برکات حاصل ہوتے ہیں نہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ کو دیکھنے کے بعد جب کوئی عمل کیا جاوے تو جو اس عمل کی شان ہو گی تو کیا ویسی کسی دوسرے کی ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ جس قدر امراضِ عمل کی کمزوری اور تقویٰ کی کمزوری کے دیکھے جاتے ہیں ان سب کی اصل جڑ معرفت کی کمزوری ہے۔ ایک کیڑے کی بھی معرفت

ہوتی ہے تو انسان اس سے ڈرتا ہے۔ پھر اگر خدا کی معرفت ہو تو اس سے کیوں نہ ڈرے؟ غرضکہ معرفت کی بڑی ضرورت ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ اگرچہ ہماری جماعت تو بڑھ رہی ہے لیکن ابھی پوست ہی بڑھتا ہے۔ اگر مغز بڑھے تو بات ہے۔ بار بار خیال آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا ہی قوتِ قدسیہ ہے کہ آپؐ پر ایمان لا کر صحابہ کرامؓ نے یک دفعہ ہی دنیا کا فیصلہ کر دیا۔ جان سے بڑھ کر کیا شئے ہوتی ہے۔ اپنے خون سے دین پر مہریں لگا دیں۔ اب لوگ بیعت کرتے ہیں تو دیکھا جاتا ہے کہ ساتھ ہی مخفی اغراض دنیا کے بھی لاتے ہیں کہ فلاں کام دنیا کا ہو جاوے۔ یہ ہو جاوے۔ یہ سچ ہے کہ جو مؤمن ہو جاتا ہے تو خدا تعالیٰ ہر ایک مُشکل اس کی آسان کر دیتا ہے۔ مگر سب سے اوّل معرفت ضروری ہے پھر خدا تعالیٰ خود اس کی ہر ایک ضرورت کا کفیل ہو گا۔"

(ملفوظات جلد 6 ایڈیشن 1984ء صفحہ 74-76)

ایمان کے ساتھ عمل کی ضرورت ہے۔ فرمایا:

"ایمان کے ساتھ عمل کی ضرورت ہے ورنہ ایمان بدُون عمل مُردہ ہے اور جب تک عمل نہ ہو وہ ثمرات اور نتائج پیدا نہیں ہوتے جو اعمال کے ساتھ وابستہ ہیں مگر اعمال کی قوّت اور توفیق، معرفت اور یقین سے پیدا ہوتی ہے۔ جس قدر یہ قوّت بڑھتی ہے اسی قدر اعمالِ صالحہ کی توفیق ملتی ہے اور وہ برکات حاصل ہوتی ہیں جن سے انسان آسمان کی طرف اُٹھایا جاتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہو تو یقین کے ثمرات پیدا نہیں ہوتے۔ جس قدر انسان شک و شبہ میں اور غفلت میں ہے۔ اسی قدر اس کا ایمان کمزور ہے اور اس ایمان کے موافق اس کے اعمال کمزور اور جس قدر امراضِ عمل کی کمزوری اور تقویٰ کی کمزوری سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی اصل جڑ معرفت کی کمی اور کمزوری ہے۔ ورنہ معرفت تو ایک ایسی لذیذ شئے ہے کہ یہ جس قدر بڑھتی ہے اسی قدر عمل کی طاقت ملتی ہے۔ ایک کیڑے کی معرفت بھی ہو تو انسان اُس سے ڈرتا ہے۔ اُسے علم ہو کہ چیونٹی کے کاٹنے سے درد ہوتا ہے تو اس سے بھی ڈرتا ہے اور اس کے ضرر سے بچتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کی معرفت ہو تو کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ اس سے نہ ڈرے۔ اصل یہی معرفت ہے جس کے بغیر کوئی خوشی اور برکت حاصل نہیں ہو سکتی۔"

(ملفوظات جلد 6 ایڈیشن 1984ء صفحہ 75)

ایمان سلامت رکھنا بہت بڑی بات ہے۔ فرمایا:

”ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر کوئی میرے پیچھے نماز ایک مرتبہ پڑھ لیوے تو وہ بخشا جاتا ہے۔ اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کے مصداق ہو کر نماز کو آپ کے پیچھے ادا کرتے ہیں تو وہ بخشے جاتے ہیں۔ اصل میں لوگ نماز میں دنیا کے رونے روتے رہتے ہیں اور جو اصل مقصود نماز کا قربِ الٰی اللہ اور ایمان کا سلامت لے جانا ہے اس کی فکر ہی نہیں حالانکہ ایمان سلامت لے جانا بہت بڑا معاملہ ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب انسان اس واسطے روتا ہے کہ مجھ کو باایمان اللہ تعالیٰ دنیا سے لیجاوے تو خدا تعالیٰ اس کے اُوپر دوزخ کی آگ حرام کرتا ہے اور بہشت اُن کو ملیگا جو اللہ تعالیٰ کے حضور میں حصولِ ایمان کے لئے روتے ہیں۔ مگر یہ لوگ جب روتے ہیں تو دنیا کے لئے روتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ان کو بُھلا دیگا اَور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ تم مجھ کو یاد رکھو مَیں تم کو یاد رکھوں گا۔ یعنی آرام اور خوشحالی کے وقت تم مجھ کو یاد رکھو اور میرا قرب حاصل کرو تا کہ مصیبت میں مَیں تم کو یاد رکھوں یہ ضرور یاد رکھنا چاہیئے کہ مصیبت کا شریک کوئی نہیں ہو سکتا۔ اگر انسان اپنے ایمان کو صاف کر کے اور دروازہ بند کر کے رووے بشرطیکہ پہلے ایمان صاف ہو تو وہ ہرگز بے نصیب اور نامراد نہ ہو گا۔ حضرت داؤدؑ فرماتے ہیں کہ مَیں بُڈھا ہو گیا مگر مَیں نے کبھی نہیں دیکھا کہ جو شخص صالح ہو اور باایمان ہو پھر اس کو دشواری پیش ہو اور اس کی اولاد بے رزق ہو۔“

(ملفوظات جلد 6 ایڈیشن 1984ء صفحہ 66-67)

ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ایمان اس بات کو کہتے ہیں کہ اس حالت میں مان لینا جبکہ ابھی علم کمال تک نہیں پہنچا اور شکوک اور شبہات سے ہنوز لڑائی ہے۔ پس جو شخص ایمان لاتا ہے یعنی باوجود کمزوری اور نہ مہیا ہونے کل اسبابِ یقین کے اس بات کو اغلبِ احتمال کی وجہ سے قبول کر لیتا ہے وہ حضرتِ احدیت میں صادق اور راستباز شمار کیا جاتا ہے اور پھر اس کو موہبت کے طور پر معرفتِ تامہ حاصل ہوتی ہے اور ایمان کے بعد عرفان کا جام اس کو پلایا جاتا ہے۔ اس لئے ایک مرد متقی رَسُولوں اور مامورین من اللہ کی دعوت کو سُنکر ہر ایک پہلو پر ابتداءِ امر میں ہی حملہ کرنا نہیں چاہتا بلکہ وہ حصّہ جو کسی مامور من اللہ ہونے پر بعض صاف اور کھلے کھلے

دلائل سے سمجھ آجاتا ہے اسی کو اپنے اقرار اور ایمان کا ذریعہ ٹھہرالیتا ہے اور وہ حصّہ جو سمجھ میں نہیں آتا اس میں سنّت صالحین کے طور پر استعارات اور مجازات قرار دیتا ہے اور اس طرح تناقض کو درمیان سے اُٹھا کر صفائی اور اخلاص کے ساتھ ایمان لے آتا ہے۔ تب خدا تعالیٰ اس کی حالت پر رحم کرکے اور اس کے ایمان پر راضی ہو کر اور اس کی دعاؤں کو سُنکر معرفتِ تامہ کا دروازہ اس پر کھولتا ہے اور الہام اور کشوف کے ذریعہ سے اور دوسرے آسمانی نشانوں کے وسیلہ سے یقینِ کامل تک اس کو پہنچاتا ہے۔ لیکن متعصّب آدمی جو عناد سے پُر ہوتا ہے ایسا نہیں کرتا اور نہ وہ اُن امور کو جو حق کے پہچاننے کا ذریعہ ہو سکتے ہیں تحقیر اور توہین کی نظر سے دیکھتا ہے اور ٹھٹھے اور ہنسی میں اُن کو اُڑا دیتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 6 ایڈیشن 1984ء صفحہ 201)

سامعین! ایمان بالغیب کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ایمان بالغیب کے یہ معنی ہیں کہ وہ خدا سے اَڑ نہیں باندھتے۔ بلکہ جو بات پردۂ غیب میں ہو۔ اس کو قرائنِ مرجّحہ کے لحاظ سے قبول کرتے ہیں اور دیکھ لیتے ہیں کہ صدق کے وجوہ کذب کے وجوہ پر غالب ہیں۔ یہ بڑی غلطی ہے کہ انسان یہ خیال رکھے کہ آفتاب کی طرح ہر ایک امر اس پر منکشف ہو جاوے۔ اگر ایسا ہو تو پھر بتلاؤ کہ اس کے ثواب حاصل کرنے کا کونسا موقعہ ملا؟ کیا اگر ہم آفتاب کو دیکھ کر کہیں کہ ہم اُس پر ایمان لائے تو ہم کو ثواب ملتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس میں غیب کا پہلو کوئی بھی نہیں۔ لیکن جب ملائکہ، خدا اور قیامت وغیرہ پر ایمان لاتے ہیں تو ثواب ملتا ہے۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ ان پر ایمان لانے میں ایک پہلو غیب کا پڑا ہوا ہے۔ ایمان لانے کے لئے ضروری ہے کہ کچھ اخفاء بھی ہو اور طالبِ حق چند قرائنِ صدق کے لحاظ سے ان باتوں کو مان لے۔"

(ملفوظات جلد 6 ایڈیشن 1984ء صفحہ 218-219)

نیکی کی اصل جڑ خدا تعالیٰ پر ایمان لانا ہے۔ فرمایا:

"یقیناً سمجھو کہ ہر ایک پاک بازی اور نیکی کی اصلی جڑ خدا تعالیٰ پر ایمان لانا ہے۔ جس قدر انسان کا ایمان باللہ کمزور ہوتا ہے اسی قدر اعمالِ صالحہ میں کمزوری اور سُستی پائی جاتی ہے لیکن جب ایمان قوی ہو اور اللہ تعالیٰ کو اس کی تمام صفاتِ کاملہ کے ساتھ یقین کر لیا جائے اسی قدر عجیب رنگ کی تبدیلی انسان کے

اعمال میں پیدا ہو جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ پر ایمان رکھنے والا گناہ پر قادر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ ایمان اس کی نفسانی قوتوں اور گناہ کے اعضاء کو کاٹ دیتا ہے۔ دیکھو! اگر کسی کی آنکھیں نکال دی جائیں تو وہ آنکھوں سے بد نظری کیونکر کر سکتا ہے اور آنکھوں کا گناہ کیسے کرے گا اور اگر ایسا ہی ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ پھر وہ گناہ جو ان اعضاء سے متعلق ہیں کیسے کر سکتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح پر جب ایک انسان نفسِ مطمئنہ کی حالت میں ہوتا ہے تو نفسِ مطمئنہ اُسے اندھا کر دیتا ہے اور اس کی آنکھوں میں گناہ کی قوت نہیں رہتی۔ وہ دیکھتا ہے پر نہیں دیکھتا۔ کیونکہ آنکھوں کے گناہ کی نظر سلب ہو جاتی ہے۔ وہ کان رکھتا ہے مگر بہرہ ہوتا ہے اور وہ باتیں جو گناہ کی ہیں نہیں سُن سکتا۔ اسی طرح پر اس کی تمام نفسانی اور شہوانی قوتیں اور اندرونی اعضاء کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ اس کی ساری طاقتوں پر جن سے گناہ صادر ہو سکتا تھا ایک موت واقع ہو جاتی ہے اور وہ بالکل ایک میّت کی طرح ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ ہی کی مرضی کے تابع ہوتا ہے۔ وہ اس کے سوا ایک قدم نہیں اُٹھا سکتا۔ یہ وہ حالت ہوتی ہے جب خدا تعالیٰ پر سچا ایمان ہو اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کامل اطمینان اُسے دیا جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جو انسان کا اصل مقصود ہونا چاہئے اور ہماری جماعت کو اس کی ضرورت ہے اور اطمینانِ کامل کے حاصل کرنے کے واسطے ایمانِ کامل کی ضرورت ہے پس ہماری جماعت کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان حاصل کریں۔"

(ملفوظات جلد 6 ایڈیشن 1984ء صفحہ 244-245)

حقیقی ایمان، خدا کی مرضی اپنی مرضی ہو۔ فرماتے ہیں:

"یہ بات خوب یاد رکھنی چاہیے کہ ہر شخص خدا تعالیٰ سے لڑائی رکھتا ہے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے حضور دعائیں کرتا ہے اور بہت ساری امانی اور امیدیں رکھتا ہے لیکن اس کی وہ دعائیں نہیں سُنی جاتیں یا خلافِ امید کوئی بات ظاہر ہوتی ہے تو دل کے اندر اللہ تعالیٰ سے ایک لڑائی شروع کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ پر بد ظنّی اور اُس سے ناراضگی کا اظہار کرتا ہے لیکن صالحین اور عبادُ الرحمن کی کبھی اللہ تعالیٰ سے جنگ نہیں ہوتی کیونکہ رضا بالقضا کے مقام پر ہوتے ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ حقیقی ایمان اس وقت تک پیدا ہو ہی نہیں سکتا جب تک انسان اس درجہ کو حاصل نہ کرے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی اس کی مرضی ہو جائے دل میں کوئی کدورت اور تنگی محسوس نہ ہو بلکہ شرح صدر کے ساتھ اس کی ہر تقدیر اور قضا کے ماننے کو تیار

ہو۔ اس آیت میں رَّاضِیَۃً مَّرۡضِیَّۃً کا لفظ اسی طرف اشارہ کر رہا ہے یہ رضا کا اعلیٰ مقام ہے جہاں کوئی ابتلا باقی نہیں رہتا۔ دوسرے جس قدر مقامات ہیں۔ وہاں ابتلا کا اندیشہ رہتا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ سے بالکل راضی ہو جاوے اور کوئی شکوہ شکایت نہ رہے اس وقت محبتِ ذاتی بیدار ہو جاتی ہے اور جب تک اللہ تعالیٰ سے محبتِ ذاتی پیدا نہ ہو تو ایمان بڑے خطرہ کی حالت میں ہے لیکن جب ذاتی محبت ہو جاتی ہے تو انسان شیطان کے حملوں سے امن میں آ جاتا ہے۔ اس ذاتی محبت کو دُعا سے حاصل کرنا چاہیے جب تک یہ محبت پیدا نہ ہو انسان نفسِ امّارہ کے نیچے رہتا ہے اور اس کے پنجہ میں گرفتار رہتا ہے اور ایسے لوگ جو نفسِ امّارہ کے نیچے ہیں اُن کا قول ہے ایہہ جہان مٹھا اگلا کن ڈٹھا یہ لوگ بڑی خطرناک حالت میں ہوتے ہیں اور لوّامہ والے ایک گھڑی میں ولی اور ایک گھڑی میں شیطان ہو جاتے ہیں۔ اُن کا ایک رنگ نہیں رہتا کیونکہ اُن کی لڑائی نفس کے ساتھ شروع ہوتی ہے جس میں کبھی وہ غالب اور کبھی مغلوب ہوتے ہیں تاہم یہ لوگ محل مدح میں ہوتے ہیں کیونکہ اُن سے نیکیاں بھی سرزد ہوتی ہیں اور خوفِ خدا بھی ان کے دل میں ہوتا ہے لیکن نفسِ مطمئنہ والے بالکل فتحمند ہوتے ہیں اور وہ سارے خطروں اور خوفوں سے نکل کر امن کی جگہ میں جا پہنچتے ہیں وہ اس دارالامان میں ہوتے ہیں جہاں شیطان نہیں پہنچ سکتا۔ لوّامہ والا جیسا کہ مَیں نے کہا ہے دارالامان کی ڈیوڑھی میں ہوتا ہے اور کبھی کبھی دشمن بھی اپنا وار کر جاتا ہے اور کوئی لاٹھی مار جاتا ہے اس لئے مطمئنہ والے کو کہا ہے۔ فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبٰدِیۡ وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ۔ یہ آواز اس وقت آتی ہے جب وہ اپنے تقویٰ کو انتہائی مرتبہ پہنچا دیتا ہے۔ تقویٰ کے دو درجے ہیں۔ بدیوں سے بچنا اور نیکیوں میں سرگرم ہونا یہ دوسرا مرتبہ محسنین کا ہے۔ اس درجہ کے حصول کے بغیر اللہ تعالیٰ خوش نہیں ہو سکتا اور یہ مقام اَور درجہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔"

(ملفوظات جلد 6 ایڈیشن 1984ء صفحہ 250-251)

خدا تعالیٰ کی بے نیازی پر ایمان لانے کے متعلق حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"عمر کی نسبت اگرچہ مجھے الہام بھی ہوا ہے اور خوابیں بھی آئی ہیں مگر جب اللہ تعالیٰ کی بے نیازی پر نظر پڑتی ہے تو مجھے اپنی عمر کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔ پھر مجھے لوگوں پر تعجّب آتا ہے کہ ان کو عمر کا کوئی وعدہ بھی نہیں ملا ہوا مگر پھر بھی وہ ایسے عمل کرتے ہیں جیسے کہ مطلق

موت آنی ہی نہیں۔ سعادت یہ ہے کہ موت کو قریب جانے تو سب کام خود بخود درست ہو جاویں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے بہت سے آثار بتلائے مگر تاہم اگر ذرا سخت آندھی چلتی یا بارش ہوتی تو آپؐ گھبرا جاتے اور خیال کرتے کہ کیا قیامت تو نہیں آئی۔ اس وقت آپؐ کی نظر خدا تعالیٰ کی بے نیازی پر ہوتی۔ جنگِ بدر میں فتح کا وعدہ تھا مگر تاہم رو رو کر دعائیں کرتے۔ آپؐ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ فتح کا وعدہ تو ہے مگر شاید کوئی شرط اس میں ایسی پنہاں ہو جس کا مجھے علم نہیں تو پھر فتح نہ ہو۔ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا کیا وعدے تھے مگر آخر قوم کی قوم جنگلوں میں مَر کھپ گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ الٰہی وعدے جن شرائط کے ساتھ مشروط تھے ان کے برعکس قوم نے کارروائی کی۔ جماعت کی شامتِ اعمال کا اثر مامور پر پڑتا ہے جنگِ احد میں ایک طائفہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا نہ مانا تو آپؐ کو کس قدر تکلیف ہوئی۔ زخم آپؐ کو لگے۔ دانت شہید ہوا۔ خود اس قدر سر میں دھنس گئی کہ صحابہؓ زور لگا کر اسے نکالتے نہ نکلتی۔ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کے آگے کسی کی کیا پیش چل سکتی ہے۔"

(ملفوظات جلد 6 ایڈیشن 1984ء صفحہ 313-314)

سامعین! ایمان کی سلامتی کے لئے استغفار کرتے رہیں۔ فرمایا:

"آخر عمر میں ایمان سلامت لے جانے کے لئے نہ علم کی ضرورت ہے اور نہ کسی اور شئے کی۔ استغفار بہت کرنی چاہیے اور نماز میں اُٹھتے بیٹھتے ہر حال میں دعا میں مصروف رہنا چاہیے۔"

(ملفوظات جلد 6 ایڈیشن 1984ء صفحہ 415)

ایمان ایک پودا ہے جس کی نشوونما اعمالِ صالحہ سے ہوگی۔ فرمایا:

"استقامت خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے ہم نے دعا کی ہے اور کریں گے لیکن تم بھی خدا تعالیٰ سے استقامت کی توفیق طلب کرو۔ استقامت کے یہ معنی ہیں کہ جو عہد انسان نے کیا ہے اسے پورے طور پر نبھاوے۔ یاد رکھو کہ عہد کرنا آسان ہے مگر اس کا نبھانا مشکل ہے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ باغ میں تخم ڈالنا آسان مگر اس کے نشوونما کے لئے ہر ایک ضروری بات کو ملحوظ رکھنا اور آبپاشی کے اوقات پر اس کی خبر گیری کرنی مشکل ہے **ایمان بھی ایک پودا ہے جسے اخلاص کی زمین میں بویا جاتا ہے** اور نیک اعمال سے اس کی آبپاشی کی جاتی ہے۔ اگر اس کی ہر وقت اور ہر موسم کے لحاظ سے پوری خبر گیری نہ کی جاوے تو آخر

کار تباہ اور برباد ہو جاتا ہے۔ دیکھو! باغ میں کیسے ہی عمدہ پودے تم لگاؤ لیکن اگر لگا کر بھول جاؤ اور اُسے وقت پر پانی نہ دو یا اس کے گرد باڑ نہ لگاؤ تو آخر کار نتیجہ یہی ہو گا کہ یا تو وہ خشک ہو جاویں گے یا اُن کو چور لے جاویں گے۔ ایمان کا پودا اپنے نشو و نما کے لئے اعمالِ صالحہ کو چاہتا ہے اور قرآن شریف نے جہاں ایمان کا ذکر کیا ہے وہاں اعمالِ صالحہ کی شرط لگا دی ہے کیونکہ جب ایمان میں فساد ہوتا ہے تو وہ ہر گز عند اللہ قبولیت کے قابل نہیں ہوتا۔ جیسے غذا جب باسی ہو یا سڑ جاوے تو اسے کوئی پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح ریا، عُجب، تکبّر ایسی باتیں ہیں کہ اعمال کو قبولیت کے قابل نہیں رہنے دیتیں کیونکہ اگر اعمال نیک سرزد ہوئے ہیں تو وہ بندے کی اپنی طرف سے نہیں بلکہ خاص خدا کے فضل سے ہوئے ہیں۔ پھر اس میں کیا تعلق کہ وہ دوسروں کو خوش کرنے کے لئے اُن کو ذریعہ ٹھہراتا ہے یا اپنے نفس میں خود ہی اُن سے کبر کرتا ہے جس کا نام عُجب ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔ یعنی انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے اور اس میں بذاتِ خود کوئی قوّت اور طاقت نہیں ہے جب تک خدا تعالیٰ خود عطا نہ فرمائے۔ اگر آنکھیں ہیں اور تم اُن سے دیکھتے ہو یا کان ہیں اور تم اُن سے سُنتے ہو یا زبان ہے اور تم اس سے بولتے ہو تو یہ سب خدا کا فضل ہے کہ یہ سب قویٰ اپنا اپنا کام کر رہے ہیں وگرنہ اکثر لوگ مادر زاد اندھے یا بہرے یا گونگے پیدا ہوتے ہیں۔ بعض بعد پیدائش کے دوسرے حوادثات سے ان نعمتوں سے محروم ہو جاتے ہیں مگر تمہاری آنکھیں بھی نہیں دیکھ سکتیں جب تک روشنی نہ ہو اور کان نہیں سُن سکتے جب تک ہوا نہ ہو۔ پس اس سے سمجھنا چاہیے کہ جو کچھ دیا گیا ہے جب تک آسمانی تائید اس کے ساتھ نہ ہو تب تک تم محض بیکار ہو۔ ایک بات کو تم کتنے ہی صدقِ دل سے قبول کرو مگر جب تک فضلِ الٰہی شاملِ حال نہیں تم اس پر قائم نہیں رہ سکتے۔ بیعتِ توبہ اور بیعتِ تسلیم جو تم نے آج کی ہے اور اس میں جو اقرار کیا ہے اُسے سچے دل سے بہت مضبوط پکڑو اور پختہ عہد کرو کہ مرتے دم تک تم اس پر قائم رہو گے۔ سمجھ لو کہ آج ہم نفس کی خود رَویوں سے باہر آ گئے ہیں اور جو جو ہدایت ہو گی اس پر عمل کرتے رہیں گے۔ ہم کوئی نئی ہدایت یا نیا دین یا نیا عمل نہیں لائے۔ ہدایت بھی وہی ہے دین بھی وہی ہے، عمل بھی وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دے گئے ہیں۔ کوئی نیا کلمہ تم کو تلقین نہیں کیا جاتا اور نہ کوئی نیا خاتم النبیین بنایا جاتا ہے۔ ہاں اس پر سوال ہوتا ہے کہ جب نئی بات کوئی نہیں تو پھر فرق کیا ہوا اور ایک جماعت کیوں تیار ہو رہی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ خدا نے یہ ارادہ کیا تھا

کہ وہ ایک مسیح موعود بنا کر بھیجے گا اور وہ اس وقت آوے گا جب کہ دنیا سخت تاریکی میں ہو گی۔ ہر طرف سے کفر کے حملے ہوں گے۔ اسلام کو ہر ایک پہلو سے نقصان پہنچانے کی کوشش ہو گی۔"

(ملفوظات جلد 6 ایڈیشن 1984ء صفحہ 416-417)

ایمان کیا ہے اور خدا کیا ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جس کا دل مُردہ ہو وہ خوشی کا مدار صرف دنیا کو رکھتا ہے مگر مؤمن کو خدا تعالیٰ سے بڑھ کر اور کوئی شئے پیاری نہیں ہوتی۔ جس نے یہ نہیں پہچانا کہ ایمان کیا ہے اور خدا کیا ہے۔ وہ دنیا سے کبھی آگے نکلتے ہی نہیں۔ جب تک دنیا ان کے ساتھ ہے۔ تب تک تو سب سے خوشی سے بولتے ہیں۔ بیوی سے بھی خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں۔ مگر جس دن دنیا گئی تو سب سے ناراض ہیں۔ مُنہ سوجا ہوا ہے۔ ہر ایک سے لڑائی ہے، گلہ ہے، شکوہ ہے۔ حتیٰ کہ خدا تعالیٰ سے بھی ناراض ہیں تو پھر خدا تعالیٰ ان سے کیسے راضی رہے۔ وہ بھی پھر ناراض ہو جاتا ہے۔ مگر بڑی بشارت مؤمن کو ہے یٰۤاَیَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ ارۡجِعِیۡۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً۔ اے نفس جو کہ خدا تعالیٰ سے آرام یافتہ ہے تو اپنے رب کی طرف راضی خوشی واپس آ۔ اس خوشی میں ایک کافر ہرگز شریک نہیں ہے۔ رَاضِیَةً کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی مرادات کوئی نہیں رکھتا کیونکہ اگر وہ دنیا سے خلافِ مرادات جاوے تو پھر راضی تو نہ گیا۔ اسی لئے اس کی تمام مراد خدا ہی خدا ہوتا ہے۔ اس کے مصداق صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں کہ آپ کو یہ بشارت ملی۔ اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ اور اَلۡیَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِیۡنَكُمۡ۔ بلکہ مؤمن کی خلافِ مرضی تو اس کی نزع (جان کنی) بھی نہیں ہوا کرتی۔ ایک شخص کا قصّہ لکھا ہے کہ وہ دعا کیا کرتا تھا کہ مَیں طوس میں مروں۔ لیکن ایک دفعہ وہ ایک اور مقام پر تھا کہ سخت بیمار ہوا اور کوئی امید زیست کی نہ رہی تو اس نے وصیت کی کہ اگر مَیں یہاں مر جاؤں تو مجھے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کرنا۔ اسی وقت سے وہ رُوبصحت ہونا شروع ہو گیا حتیٰ کہ بالکل تندرست ہو گیا۔ لوگوں نے اس کی وصیت کی وجہ پوچھی تو کہا کہ مؤمن کی علامت ایک یہ بھی ہے کہ اس کی دعا قبول ہو۔ اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَكُمۡ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ میری دعا تھی کہ طوس میں مروں۔ جب دیکھا کہ موت تو یہاں آتی ہے تو اپنے مؤمن ہونے پر مجھے شک ہوا اس لئے مَیں نے یہ وصیت کی کہ اہلِ اسلام کو دھوکا نہ دوں غرضکہ رَاضِیَةً مَّرۡضِیَّةً صرف مؤمنوں کے لئے ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے

مالداروں کی موت سخت نامرادی سے ہوتی ہے دنیادار کی موت کے وقت ایک خواہش پیدا ہوتی ہے اور اسی وقت اُسے نزع ہوتی ہے۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے کہ اس وقت بھی اُسے عذاب دیوے اور اس کی حسرت کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں تا کہ انبیاء کی موت جو کہ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً کی مصداق ہوتی ہے۔ اس میں اور دنیادار کی موت میں ایک بیّن فرق ہو۔ دنیادار کتنی ہی کوشش کرے مگر اس کی موت کے وقت حسرت کے اسباب ضرور پیش ہو جاتے ہیں۔ غرضکہ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً کی موت مقبولین کی دولت ہے۔ اس وقت ہر ایک قسم کی حسرت دُور ہو کر اُن کی جان نکلتی ہے۔ راضی کا لفظ بہت عمدہ ہے اور ایک مؤمن کی مرادیں اصل میں دین کے لئے ہوا کرتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کی کامیابی اور اس کے دین کی کامیابی اس کا اصل مدعا ہوا کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بہت ہی اعلیٰ ہے کہ جن کو اس قسم کی موت نصیب ہوئی۔"

(ملفوظات جلد 6 ایڈیشن 1984ء صفحہ 64-65)

سامعین! موٹا اور باریک ایمان کی تشریح کرتے ہوئے آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"ایمان دو قسم کا ہوتا ہے۔ موٹا اور باریک۔ موٹا ایمان تو یہی ہے کہ دینُ العجائز پر عمل کرے اور باریک ایمان یہ ہے کہ میرے پیچھے ہو لے۔"

(ملفوظات جلد اوّل ایڈیشن 1984ء صفحہ 2)

ایمان لانے کی مختلف وجوہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

" فاسق آدمی جو انبیاء کے مقابلہ پر تھے۔ خصوصاً وہ لوگ جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر تھے۔ اُن کا ایمان لانا معجزات پر منحصر نہ تھا اور نہ معجزات اور خوارق اُن کی تسلّی کا باعث تھے۔ بلکہ وہ لوگ آنحضرتؐ کے اخلاق فاضلہ کو ہی دیکھ کر آپؐ کی صداقت کے قائل ہو گئے تھے۔ اخلاقی معجزات وہ کام کر سکتے ہیں جو اقتداری معجزات نہیں کر سکتے۔ الاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْکَرَامَۃِ کا یہی مفہوم ہے اور تجربہ کر کے دیکھ لو کہ استقامت کیسے کرشمے دکھاتی ہے۔ کرامت کی طرف تو چنداں اِلتفات ہی نہیں ہوتا۔ خصوصاً آج کل کے زمانہ میں۔ لیکن اگر پتہ لگ جائے کہ فلاں شخص با اخلاق آدمی ہے۔ تو اس کی طرف جس قدر رجوع ہوتا ہے۔ وہ کوئی مخفی امر نہیں اخلاقِ حمیدہ کی زد اُن لوگوں پر بھی پڑتی ہے جو کئی قسم کے

نشانات کو دیکھ کر بھی اطمینان اور تسلّی نہیں پاسکتے۔ بات یہ ہے کہ بعض آدمی ظاہری معجزات اور خوارق کو دیکھ کر ایمان لاتے ہیں اور بعض حقائق اور معارف کو دیکھ کر۔ مگر اکثر لوگ وہ ہوتے ہیں جن کی ہدایت اور تسلّی کا موجب اخلاق فاضلہ اور التفات ہوتے ہیں۔''

(ملفوظات جلد اوّل ایڈیشن 1984ء صفحہ 81-82)

ایمان لانے والا فرزند کا حکم رکھتا ہے۔ فرمایا:

'' جو شخص اپنے ہمسایہ کو اپنے اخلاق میں تبدیلی دکھاتا ہے کہ پہلے کیا تھا اور اب کیا ہے۔ وہ گویا ایک کرامت دکھاتا ہے۔ اُس کا اثر ہمسایہ پر بہت اعلیٰ درجہ کا پڑتا ہے۔ ہماری جماعت پر اعتراض کرتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ کیا ترقی ہوگئی ہے اور تہمت لگاتے ہیں کہ افتراء، غیظ و غضب میں مبتلا ہیں۔ کیا یہ اُن کے لئے باعث ندامت نہیں ہے کہ انسان عمدہ سمجھ کر اِس سلسلہ میں آیا تھا۔ جیسا کہ ایک رشید فرزند اپنے باپ کی نیکنامی ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ بیعت کرنے والا فرزند کے حکم میں ہوتا ہے اور اسی لئے آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات کو اُمّہات المؤمنین کہا ہے گویا کہ حضورؐ عامۃ المؤمنین کے باپ ہیں۔ جسمانی باپ زمین پر لانے کا موجب ہوتا ہے اور حیات ظاہری کا باعث۔ مگر روحانی باپ آسمان پر لے جاتا اور اس مرکز اصلی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ کوئی بیٹا اپنے باپ کو بدنام کرے؟ طوائف کے ہاں جاوے؟ اور قمار بازی کرتا پھرے۔ شراب پیوے یا اَور ایسے افعال قبیحہ کا مرتکب ہو جو باپ کی بدنامی کا موجب ہوں۔ مَیں جانتا ہوں کوئی آدمی ایسا نہیں ہوسکتا جو اِس فعل کو پسند کرے لیکن جب وہ ناخلف بیٹا ایسا کرتا ہے تو پھر زبانِ خلق بند نہیں ہوسکتی۔ لوگ اُس کے باپ کی طرف نسبت کرکے کہیں گے کہ یہ فلاں شخص کا بیٹا فلاں بدکام کرتا ہے۔ پس وہ ناخلف بیٹا خود ہی باپ کی بدنامی کا موجب ہوتا ہے۔ اسی طرح پر جب کوئی شخص ایک سلسلہ میں شامل ہوتا ہے اور اُس سلسلہ کی عظمت اور عزت کا خیال نہیں رکھتا اور اُس کے خلاف کرتا ہے تو وہ عند اللہ ماخوذ ہوتا ہے کیونکہ وہ صرف اپنے آپ ہی کو ہلاکت میں نہیں ڈالتا بلکہ دوسروں کے لئے ایک بڑا نمونہ ہو کر اُن کو سعادت اور ہدایت کی راہ سے محروم رکھتا ہے۔ پس جہاں تک آپ لوگوں کی طاقت ہے۔ خدا تعالیٰ سے مدد مانگو اور اپنی پوری طاقت اور ہمت سے اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کرو۔ جہاں عاجز آجاؤ وہاں صدق اور یقین سے ہاتھ اٹھاؤ کیونکہ خشوع اور خضوع سے

اُٹھائے ہوئے ہاتھ جو صدق اور یقین کی تحریک سے اُٹھتے ہیں خالی واپس نہیں ہوتے۔ ہم تجربہ سے کہتے ہیں کہ ہماری ہزارہا دعائیں قبول ہوئی ہیں اور ہورہی ہیں۔‘‘

(ملفوظات جلد اوّل ایڈیشن 1984ء صفحہ 146-147)

سامعین! قوی ایمان کے ساتھ اعمال کو قوّت ملتی ہے۔ فرمایا

’’ اگرچہ مَیں جانتا ہوں کہ اعمال کی توفیق رفتہ رفتہ ملتی ہے لیکن اِس میں کوئی شک نہیں کہ جب تک ایمان قوی نہ ہو کچھ نہیں ہوتا جس قدر ایمان قوی ہوتا ہے اُسی قدر اعمال میں بھی قوّت آتی ہے یہانتک کہ اگر یہ قوّت ایمانی پورے طور پر نشوونما پاجاوے تو پھر ایسا مؤمن شہید کے مقام پر ہوتا ہے۔ کیونکہ کوئی امر اس کے سدِّراہ نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنی عزیز جان تک دینے میں بھی تامّل اور دریغ نہ کرے گا۔‘‘

(ملفوظات جلد اوّل ایڈیشن 1984ء صفحہ 339-340)

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی ایمان عطا فرمائے۔ آمین

(کمپوزڈ: تمثیل احمد)

۞۞۞۞

﴿9﴾ ﴿مشاہدات۔ 1271﴾

ایمان کیا ہے؟

(حضرت مسیح موعودؑ کے افاضات کی روشنی میں)

(تقریر نمبر 5)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرہ:83)

یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے یہی ہیں جو اہلِ جنت ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

وہ اُس کے ہوگئے ہیں اُسی سے وہ جیتے ہیں
ہر دم اُسی کے ہاتھ سے اِک جام پیتے ہیں
جس مے کو پی لیا ہے وہ اُس مے سے مست ہیں
سب دشمن اُن کے اُن کے مقابل میں پست ہیں

(درثمین)

معزز سامعین! ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبانی ایمان کی تعریف، اس کی حقیقت، ضرورت اور اہمیت کو بیان کر رہے ہیں۔ آج اس سلسلہ کی پانچویں تقریر ہے۔

مشکلات کے وقت ساتھ دینا ہمیشہ کامل الایمان لوگوں کا کام ہوتا ہے۔ فرمایا:

”مشکلات ہی کے وقت ساتھ دینا ہمیشہ کامل الایمان لوگوں کا کام ہوتا ہے۔ اِس لیے جبتک انسان عملی طور پر ایمان کو اپنے اندر داخل نہ کرے محض قول سے کچھ نہیں بنتا اور بہانہ سازی اُس وقت تک دور ہی نہیں ہوتی۔ عملی طور پر جب مصیبت کا وقت ہو تو اس وقت ثابت قدم نکلنے والے تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔

حضرت مسیح ناصری کے حواری اُس آخری گھڑی میں جو اُن کی مصیبت کی گھڑی تھی انہیں تنہا چھوڑ کر بھاگ نکلے اور بعض نے تو منہ کے سامنے ہی آپ پر لعنت کر دی۔

حقیقت میں یہ بڑی غیرت کا مقام ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر بھی ایک ایسا وقت آیا تھا جب مسلم نے 70 ہزار آدمیوں کو نماز پڑھائی اور اُن سے حضرت امام حسین کی رفاقت کا عہد لیا۔ مگر جب کسی شخص نے یزید کے آنے کی خبر دی تو سب کے سب آپ کو تنہا چھوڑ گئے۔"

ایمان کی درستی صحبتِ صالحین سے ہوتی ہے۔ فرمایا:

" بات یہ ہے کہ مُردوں سے مدد مانگنے کے طریق کو ہم نہایت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ ضعیف الایمان لوگوں کا کام ہے کہ مُردوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور زندوں سے دُور بھاگتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں لوگ اُن کی نبوّت کا انکار کرتے رہے اور جس روز انتقال کر گئے تو کہا کہ آج نبوّت ختم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی مُردوں کے پاس جانے کی ہدایت نہیں فرمائی۔ بلکہ کُونُوا مَعَ الصَّادِقِین کا حکم دے کر زندوں کی صحبت میں رہنے کا حکم یا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے دوستوں کو بار بار یہاں آنے اور رہنے کی تاکید کرتے ہیں اور ہم جو کسی دوست کو یہاں رہنے کے واسطے کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ محض اُس کی حالت پر رحم کر کے ہمدردی اور خیر خواہی سے کہتے ہیں۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ایمان درست نہیں ہوتا جب تک انسان صاحبِ ایمان کی صحبت میں نہ رہے اور یہ اِس لئے کہ چونکہ طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ایک ہی وقت میں ہر قسم کی طبیعت کے موافقِ حال تقریر ناصح کے منہ سے نہیں نکلا کرتی۔ کوئی وقت ایسا آجاتا ہے کہ اُس کی سمجھ اور فہم کے مطابق اُس کے مذاق پر گفتگو ہو جاتی ہے۔ جس سے اس کو فائدہ پہنچ جاتا ہے اور اگر آدمی بار بار نہ آئے اور زیادہ دنوں تک نہ رہے تو ممکن ہے کہ ایک وقت ایسی تقریر ہو جو اُس کے مذاق کے موافق نہیں ہے اور اُس سے اس کی بد دلی پیدا ہو اور وہ حُسنِ ظنّ کی راہ سے دُور جا پڑے اور ہلاک ہو جاوے۔

غرض قرآن کریم کے منشا کے موافق تو زندوں ہی کی صحبت میں رہنا ثابت ہوتا ہے اور استعانت کے متعلق یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ اصل استمداد کا حق اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔"

(ملفوظات جلد 2 ایڈیشن 1984ء صفحہ 53)

ایمان، مؤمن اور اللہ کے درمیان ایک راز ہے۔ فرمایا:

"یاد رکھو! ایمان ایک راز ہوتا ہے جو مؤمن اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتا ہے اور جس کو مخلوق میں سے اُس مؤمن کے سوا دوسرا نہیں جان سکتا۔ آنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ کی حقیقت یہی ہے بعض اوقات وہ لوگ جو علومِ حقّہ اور معارف الٰہیہ سے بہرہ ور نہیں ہوتے۔ کسی مؤمن کے ان تعلقات کے عدمِ علم کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کو ہوتے ہیں۔ اُس کی بعض حالتوں مثلاً معاملات رزق و معاش پر حیرت اور تعجّب ظاہر کرتے ہیں اور کبھی یہ تعجّب اُن کو بدظنّی اور گمراہی تک لے جاتا ہے۔ اِس لئے اُن کی نظر اپنے ہی محدود اسباب تک ہوتی ہے اور وہ اس راز اور سرّ سے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ رکھتا ہے ناواقف ہوتے ہیں۔ مَیں چاہتا ہوں کہ ہمارے دوست اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے اِس راز کو ایسا بنائیں جو صحابہ کرامؓ کا تھا۔"

(ملفوظات جلد 2 ایڈیشن 1984ء صفحہ 98)

سامعین! اہلِ ایمان کی علامات۔ فرمایا:

" یہ تو ہر ایک قوم کا دعویٰ ہے کہ بہتیرے ہم میں سے ہیں کہ خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔ مگر ثبوت طلب یہ بات ہے کہ خدا تعالیٰ اُن سے محبت رکھتا ہے یا نہیں اور خدا تعالیٰ کی محبت یہ ہے کہ پہلے تو اُن دلوں سے پردہ اُٹھا دے جس پردہ کی وجہ سے اچھی طرح انسان خدا تعالیٰ کے وجود پر یقین نہیں رکھتا اور ایک دُھندلی سی اور تاریک معرفت کے ساتھ اس کے وجود کا قائل ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات امتحان کے وقت اُس کے وجود سے ہی انکار کر بیٹھتا ہے اور یہ پردہ اٹھایا جانا بجز مکالمہ الٰہیہ کے اور کسی صورت میں میسّر نہیں آسکتا۔ پس انسان حقیقی معرفت کے چشمہ میں اُس دن غوطہ مارتا ہے جس دن خدا تعالیٰ اُس کو مخاطب کر کے اَنَا الْمَوْجُوْد کی اس کو خود بشارت دیتا ہے تب انسانیت کی معرفت صرف اپنے قیاسی ڈھکوسلہ یا محض منقولی خیالات تک محدود نہیں رہتی بلکہ خدا تعالیٰ سے ایسا قریب ہو جاتا ہے کہ گویا اُس کو دیکھتا ہے اور یہ سچ اور بالکل سچ ہے کہ خدا تعالیٰ پر کامل ایمان اُسی دن اُس کو نصیب ہوتا ہے کہ جب اللہ جلّ شانُہٗ اپنے وجود سے اُس کو آپ خبر دیتا ہے اور پھر دوسری علامت خدا تعالیٰ کی محبت کی یہ ہے کہ اپنے پیارے بندوں کو صرف اپنے وجود کی خبر ہی نہیں دیتا بلکہ اپنی رحمت اور فضل کے آثار بھی خاص طور پر اُن پر ظاہر کرتا ہے اور وہ اس طرح پر کہ اُن کی دعائیں جو ظاہری امیدوں سے بڑھ کر ہوں قبول فرما کر اپنے الہام اور کلام

کے ذریعہ سے اُن کو اطلاع دیتا ہے۔ تب اُن کے دل تسلّی پکڑ جاتے ہیں کہ یہ ہمارا قادر خدا ہے جو ہماری دعائیں سنتا ہے اور ہم کو اطلاع دیتا اور مشکلات سے ہمیں نجات دیتا ہے۔ اسی روز سے نجات کا مسئلہ بھی سمجھ میں آتا ہے اور خدا تعالیٰ کے وجود کا بھی پتہ لگتا ہے اگرچہ جگانے اور متنبّہ کرنے کے لئے کبھی کبھی غیروں کو بھی سچی خواب آسکتی ہے۔ مگر اس طریق کا مرتبہ اور شان اور رنگ اَور ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا مکالمہ ہے جو خاص مقرّبوں ہی سے ہوتا ہے اور جب مقرّب انسان دعا کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اپنی خدائی کے جلال کے ساتھ اُس پر تجلّی فرماتا ہے اور اپنی روح اُس پر نازل کرتا ہے اور اپنی محبت سے بھرے ہوئے لفظوں کے ساتھ اُس کو قبولیتِ دعا کی بشارت دیتا ہے اور جس کسی سے یہ مکالمہ کثرت سے وقوع میں آتا ہے اس کو نبی یا محدّث کہتے ہیں اور سچے مذہب کی یہی نشانی ہے کہ اِس مذہب کی تعلیم سے ایسے راستباز پیدا ہوتے ہیں جو محدّث کے درجہ تک پہنچ جائیں جن سے خدا تعالیٰ آمنے سامنے کلام کرے اور اسلام کی حقیقت اور حقانیّت کی اوّل نشانی یہی ہے کہ اُس میں ہمیشہ ایسے راستباز جن سے خدا تعالیٰ ہم کلام ہو پیدا ہوتے ہیں۔ تَتَنَزَّلُ عَلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا۔ (حٰم سجدہ: 31) سو یہی معیار حقیقی سچے اور زندہ اور مقبول مذہب کا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ نُور صرف اسلام میں ہے۔ دوسرے مذاہب اِس روشنی سے بے نصیب ہیں اور اُن مذاہب کے بطلان کے لئے یہی دلیل ہزار دلائل سے بڑھ کر ہے کہ مُردہ ہرگز زندہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ اندھا سُوجاکھے کے ساتھ پورا اُتر سکتا ہے (ونعم ما قیل)

کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشان دکھلائے
یہ ثمر باغ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے"

(ملفوظات جلد 2 ایڈیشن 1984ء صفحہ 130-132)

صحابہ کا ایمان۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

" مَیں پھر صحابہؓ کی حالت کو نظیر کے طور پر پیش کر کے کہتا ہوں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر اپنی عملی حالت میں دکھایا کہ وہ خدا جو غیب الغیب ہستی ہے اور جو باطل پرست مخلوق کی نظروں سے پوشیدہ اور نہاں ہے۔ انہوں نے اپنی آنکھ سے ہاں آنکھ سے دیکھ لیا ہے۔ ورنہ بتاؤ تو سہی کہ

وہ کیا بات تھی جس نے ان کو ذرا بھی پرواہ نہیں ہونے دی کہ قوم چھوڑی، مُلک چھوڑا۔ جائیدادیں چھوڑیں۔ احباب اور رشتہ داروں سے قطع تعلق کیا۔ وہ صرف خدا ہی پر بھروسہ تھا اور ایک خدا پر بھروسہ کر کے انہوں نے وہ کر کے دکھایا کہ اگر تاریخ کی ورق گردانی کریں تو انسان حیرت اور تعجّب سے بھر جاتا ہے۔ ایمان تھا اور صرف ایمان تھا اور کچھ نہ تھا۔ ورنہ بالمقابل دنیاداروں کے منصوبے اور تدبیریں اور پوری کوششیں اور سرگرمیاں تھیں پر وہ کامیاب نہ ہوسکے۔ اُن کی تعداد، جماعت، دولت سب کچھ زیادہ تھا مگر ایمان نہ تھا اور صرف ایمان ہی کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ ہلاک ہوئے اور کامیابی کی صورت نہ دیکھ سکے۔ مگر صحابہؓ نے ایمانی قوّت سے سب کو جیت لیا۔ انہوں نے جب ایک شخص کی آواز سنی جس نے باوصفیکہ اُمّی ہونے کی حالت میں پرورش پائی تھی۔ مگر اپنے صدق اور امانت اور راستبازی میں شہرت یافتہ تھا جب اُسؐ نے کہا کہ مَیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں یہ سنتے ہی ساتھ ہو گئے اور پھر دیوانوں کی طرح اُس کے پیچھے چلے۔ مَیں پھر کہتا ہوں کہ وہ صرف ایک ہی بات ایمان تھی جس نے اُن کی یہ حالت بنادی اور وہ ایمان تھا۔ یادرکھو۔ خدا پر ایمان بڑی چیز ہے۔"

(ملفوظات جلد 2 ایڈیشن 1984ء صفحہ 154)

سامعین! ایمان کی علامات۔ فرمایا:

" خدا کی راہ میں سختی کا برداشت کرنا، مصائب اور مشکلات کے جھیلنے کے لئے ہمہ تن تیار ہو جانا ایمانی تحریک ہی سے ہوتا ہے۔ ایمان ایک قوّت ہے جو سچی شجاعت اور ہمّت انسان کو عطا کرتا ہے۔ اِس کا نمونہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوئے تو وہ کونسی بات تھی کہ اس طرح پر ایک بیکس ناتوان انسان کے ساتھ ہو جانے سے ہم کو کوئی ثواب ملے گا۔ ظاہری آنکھ تو اس کے سوا کچھ نہ دکھاتی تھی کہ اِس ایک کے ساتھ ہونے سے ساری قوموں کو اپنا دشمن بنالیا ہے جس کا نتیجہ صریح یہ معلوم ہوتا تھا کہ مصائب اور مشکلات کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑے گا اور وہ چکنا چور کر ڈالے گا۔ اسی طرح پر ہم ضائع ہو جائیں گے مگر کوئی اَور آنکھ بھی تھی جس نے ان مصائب اور مشکلات کو ہیچ سمجھا تھا اور اس راہ میں مَر جانا اُس کی نگاہ میں ایک راحت اور سرُور کا موجب تھا۔ اُس نے وہ کچھ دیکھا تھا جو ان ظاہر بین آنکھوں کے نظارہ سے نہاں در نہاں اور بہت ہیدُور تھا۔ وہ ایمانی آنکھ تھی اور ایمانی قوّت تھی جو اُن ساری تکلیفوں اور دُکھوں کو بالکل ہیچ دکھاتی تھی۔ آخر ایمان ہی غالب

آیا اور ایمان نے وہ کرشمہ دکھایا کہ جس پر ہنستے تھے جس کو ناتواں اور بیکس کہتے تھے اُس نے اُس ایمان کے ذریعہ اُن کو کہاں پہنچا دیا۔ وہ ثواب اور اجر جو پہلے مخفی تھا پھر ایسا آشکارا ہوا کہ اُس کو دنیا نے دیکھا اور محسوس کیا کہ ہاں یہ اسی کا ثمرہ ہے۔ ایمان کی بدولت وہ جماعت صحابہؓ کی نہ تھکی اور نہ ماندہ ہوئی۔ بلکہ قوّتِ ایمانی کی تحریک سے بڑے بڑے عظیم الشان کام کر دکھائے اور پھر بھی کہا تو یہی کہا کہ جو حق کرنے کا تھا نہیں کیا۔ ایمان نے اُن کو وہ قوّت عطا کی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں سر کا دینا اور جانوں کا قربان کر دینا ایک ادنیٰ سی بات تھی اور اہل اسلام میں جبکہ ابھی کوئی بیّن نتائج نظر نہ آئے تھے۔ دیکھو! کس قدر مسلمانوں نے دشمنوں کے ہاتھوں سے کیسی کیسی تکلیفیں اور مصیبتیں محض لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنے کے بدلے برداشت کیں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ سر دینا کوئی بڑی بات نہ تھی اور یا ایک یہ زمانہ ہے کہ ایسانی قوّت باوجود اِس کے کہ مخالف اس قسم کی اذیّتیں نہیں دیتے، ایک عادل گورنمنٹ کے سائے میں رہتے ہیں۔ سلطنت کسی قسم کا تعرّض نہیں کرتی۔ علوم دین حاصل کرنے کے پورے سامان میسّر ہیں۔ ارکان مذہبی ادا کرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ ایک سجدہ کا کرنا بارِ گراں معلوم ہوتا ہے غور تو کرو۔ کہاں سرُور اور کہاں ایک سجدہ! اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آج ایمان کیسا انحطاط کی حالت میں ہے اور پھر ایسی حالت میں کہ نماز کا پڑھنا اور وضو کا کرنا طبّی فوائد بھی اپنے ساتھ رکھتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 2 ایڈیشن 1984ء صفحہ 151)

ایمان کے ساتھ ہی عظمتِ الٰہی مؤمن میں داخل ہو جاتی ہے۔ فرمایا:

" یہ سچی بات ہے کہ جب ایمان انسان کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔ تو اُس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی عظمت یعنی جلال تقدّس کبریائی قدرت اور سب سے بڑھ کر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا حقیقی مفہوم داخل ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اُس کے اندر سکونت اختیار کرتا ہے اور شیطانی زندگی پر ایک موت وارد ہو جاتی ہے اور گناہ کی فطرت مَر جاتی ہے۔ اُس وقت ایک نئی زندگی شروع ہوتی ہے اور وہ روحانی زندگی ہوتی ہے یا یہ کہو کہ آسمانی پیدائش کا پہلا دن وہ ہوتا ہے۔ جب شیطانی زندگی پر موت وارد ہوتی ہے اور روحانی زندگی کا تولّد ہوتا ہے جیسے بچہ کا تولّد ہوتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 2 ایڈیشن 1984ء صفحہ 169)

خدا پر ایمان لانے سے انسان فرشتہ بن جاتا ہے۔ فرمایا:

" دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو خدا کو مانتے ہیں اور دوسرے وہ جو نہیں مانتے اور دہریّہ کہلاتے ہیں۔ جو مانتے ہیں اُن میں بھی دہریت کی ایک رگ ہے۔ کیونکہ اگر وہ خدا کو کامل یقین کے ساتھ مانتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس قدر فسق و فجور اور بے حیائی میں ترقی ہو رہی ہے۔ ایک انسان کو مثلاً سنکھیا یا سٹرکنیا دیا جاوے جبکہ اُس کو اس بات کا علم ہے کہ یہ زہر قاتل ہے تو وہ اُس کو کبھی نہیں کھائے گا۔ خواہ اس کے ساتھ تم اُسے کسی قدر بھی لالچ روپیہ کا دو اِس لئے کہ اُس کو اس بات کا یقین ہے کہ مَیں نے اس کو کھایا اور ہلاک ہوا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ گناہ سے ناراض ہوتا ہے اور پھر بھی اس زہر کے پیالے کو پی لیتے ہیں۔ جھوٹ بولتے، زنا کرتے ہیں، دُکھ دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ بارہ بارہ آنہ یا ایک روپیہ کے زیور پر معصوم بچوں کو مار ڈالتے ہیں۔ اِس قدر بے باکی اور شرارت و شوخی کا پیدا ہونا سچے علم اور پورے یقین کے بعد تو ممکن نہیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ اُن کو یہ ہرگز معلوم نہیں کہ یہ بدی کا زہر ہلاک کرنے میں سنکھیا یا سٹرکنیا کے زہر سے بھی بڑھ کر ہے۔ اگر اُن کا ایمان اِس بات پر ہوتا کہ خدا ہے اور وہ بدی سے ناراض ہوتا ہے اور اُس کی پاداش میں سخت سزا ملتی ہے تو گناہ سے بیزاری ظاہر کرتے اور بدیوں سے ہٹ جاتے لیکن چونکہ گناہ کی زندگی عام ہوتی جاتی ہے اور بدی اور فسق و فجور سے نفرت کی بجائے محبت بڑھتی جاتی ہے اِس لئے مَیں یہی کہوں گا اور یہی سچ ہے کہ آج کل دہریّہ مت پھیلا ہوا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک گروہ زبان سے کہتا ہے کہ خدا ہے مگر مانتا نہیں اور دوسرا گروہ صاف انکار کرتا ہے حقیقت میں دونو ملے ہوئے ہیں۔

اس لئے مَیں خدا تعالیٰ پر ایسا ایمان پیدا کرانا چاہتا ہوں کہ جو خدا تعالیٰ پر ایمان لاوے وہ گناہ کی زہر سے بچ جاوے اور اُس کی فطرت اور سرشت میں ایک تبدیلی ہو جاوے۔ اُس پر موت وارد ہو کر ایک نئی زندگی اُس کو ملے۔ گناہ سے لذّت پانے کی بجائے اُس کے دل میں نفرت پیدا ہو۔ جس کی یہ صورت ہو جاوے وہ کہہ سکتا ہے کہ مَیں نے خدا کو پہچان لیا ہے۔ خدا خوب جانتا ہے کہ اس زمانہ میں یہی حالت ہو رہی ہے کہ خدا کی معرفت نہیں رہی۔ کوئی مذہب ایسا نہیں رہا جو اُس منزل پر انسان کو پہنچا دے اور یہ فطرت اُس میں پیدا کرے۔ ہم کسی خاص مذہب پر کوئی افسوس نہیں کر سکتے۔ یہ بلا عام ہو رہی ہے اور یہ وبا خطرناک طور

پر پھیلی ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں۔ خدا پر ایمان لانے سے انسان فرشتہ بن جاتا ہے بلکہ ملائکہ کا وجود ہو جاتا ہے، نورانی ہو جاتا ہے۔"

(ملفوظات جلد2 ایڈیشن1984ء صفحہ 276-277)

ایمان کی حقیقت اور اثرات بیان کرتے ہوئے آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

" ایمان بڑی دولت ہے اور ایمان اِس بات کو کہتے ہیں کہ اِس حالت میں مان لیا جاوے جبکہ علم ابھی کمال کے درجہ تک نہ پہنچا ہو اور ابھی شکوک اور شبہات سے ایک جنگ شروع ہو۔ پس اسی حالت میں جو شخص تصدیقِ قلبی اور تصدیقِ لسانی سے کام لیتا ہے وہ مؤمن ہے۔ اور حضرت احدیث میں اس کا نام راستباز اور صادق رکھا جاتا ہے اور اس کے اس فعل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے موہبت کے طور پر معرفت تامہ کے مراتب اس پر کھولے جاتے ہیں اور اصل بہشت اسی ایمان سے شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف نے جہاں بہشت کا تذکرہ فرمایا ہے وہاں پہلے ایمان کا تذکرہ کیا ہے۔ اور پھر اعمال صالحہ کا اور ایمان اور اعمال صالحہ کی جزا جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ کہا ہے یعنی ایمان کی جزاء جنت اور اس جنت کو ہمیشہ سرسبز رکھنے کے لئے چونکہ نہروں کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے وہ نہریں اعمالِ صالحہ کا نتیجہ ہیں اور اصل حقیقت یہی ہے کہ وہ اعمالِ صالحہ اس دوسرے جہان میں انہارِ جاریہ کے رنگ میں متمثّل ہو جائیں گے۔ دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر انسان اعمالِ صالحہ میں ترقی کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچتا ہے اور سرکشی اور حدود اللہ سے اعتداء کرنے کو چھوڑتا ہے اسی قدر ایمان اُس کا بڑھتا ہے اور ہر جدید عملِ صالح پر اُس کے اطمینان میں ایک رسوخ اور دل میں ایک قوّت آتی جاتی ہے۔ خدا کی معرفت میں اسے لذّت آنے لگتی ہے اور پھر یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ مؤمن کے دل میں ایک ایسی کیفیت محبّتِ الٰہی عشقِ خداوندی کی اللہ تعالیٰ ہی کی موہبت اور فیض سے پیدا ہو جاتی ہے کہ اُس کا سارا وجود اِس محبت اور سرور سے جو اس کا نتیجہ ہوتا ہے لبالب پیالہ کی طرح بھر جاتا ہے اور انوارِ الٰہی اس کے دل پر بکلّی احاطہ کر لیتے ہیں اور ہر قسم کی ظلمت اور تنگی اور قبض دُور کر دیتے ہیں۔ اس حالت میں تمام مصائب اور مشکلات بھی جو خدا تعالیٰ کی راہ میں اُن کے لئے آتی ہیں وہ انہیں ایک لحظہ کے لئے پراگندہ دل اور منقبض خاطر نہیں کر سکتے بلکہ وہ بجائے خود محسوسُ اللّذات ہوتے ہیں۔ یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔

ایمان کے انواع اوّلیہ بھی سات ہیں اور ایک اَور آخری درجہ ہے۔ جو **موہبت الٰہی** سے عطا کیا جاتا ہے۔ اس بہشت کے بھی سات ہی دروازے ہیں اور آٹھواں دروازہ فضل کے ساتھ کھلتا ہے۔ غرض یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بہشت اور دوزخ جو اس جہاں میں موجود ہوں گی وہ کوئی نئی بہشت و دوزخ نہ ہوں گی بلکہ انسان کے ایمان اور اعمال ہی کا وہ ایک ظلّ ہیں اور یہی اس کی سچی فلاسفی ہے۔ وہ کوئی ایسی چیز نہیں جو باہر سے آکر انسان کو ملے گی بلکہ انسان کے اندر ہی سے وہ نکلتی ہیں۔ مؤمن کے لئے ہر حال میں اسی دنیا میں بہشت موجود ہوتا ہے۔ اسی عالَم کا بہشت موجود دوسرے عالَم میں اس کے لئے بہشت موعود کا حکم رکھتا ہے۔ پس یہ کیسی سچی اور صاف بات ہے کہ ہر ایک کا بہشت اُس کا ایمان اور اعمالِ صالحہ ہیں جن کی اس دنیا میں لذّت شروع ہو جاتی ہے اور یہی ایمان اور اعمال دوسرے رنگ میں باغ اور نہریں دکھائی دیتی ہیں۔ مَیں سچ کہتا ہوں اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ اسی دنیا میں باغ اور نہریں نظر آتی ہیں اور دوسرے عالَم میں بھی باغ اور نہریں کھلے طور پر محسوس ہوں گی۔ اسی طرح پر جہنم بھی انسان کی بے ایمانی اور بداعمالی کا نتیجہ ہے۔ جیسے جنت میں انگور انار وغیرہ پاک درختوں کی مثال دی ہے ویسے ہی جہنم میں زقّوم کے درخت کا وجود بتایا ہے اور جیسے بہشت میں نہریں، سلسبیل اور زنجبیلی اور کافوری نہریں ہوں گی اسی طرح جہنم میں گرم پانی اور پیپ کی نہریں بتائی ہیں۔ اُن پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ایمان منکسر المزاجی اور اپنی رائے کو چھوڑ دینے سے پیدا ہوا ہے۔ اسی طرح پر بے ایمانی تکبّر اور انانیّت سے پیدا ہوتی ہے اس لئے اُس کے نتیجہ میں زقّوم کا درخت دوزخ میں ہوا اور وہ بداعمالیاں اور شوخیاں جو اس تکبّر وخود بینی سے پیدا ہوتی ہیں وہ وہی کھولتا ہوا پانی یا پیپ ہو گی جو دوزخیوں کو ملے گی۔

اب یہ کیسی صاف بات ہے کہ جیسے بہشتی زندگی اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے اسی طرح پر دوزخ کی زندگی بھی یہاں ہی سے انسان لے جاتا ہے۔ جیسا کہ دوزخ کے باب میں فرمایا۔ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ (الھمزہ:7-8) یعنی دوزخ وہ آگ ہے جو خدا کا غضب اس کا منبع ہے اور وہ گناہ سے پیدا ہوتی اور پہلے دل پر غالب ہوتی ہے۔ اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس آگ کی جڑ وہ ہُموم غُموم اور حسرتیں ہیں جو انسان کو آگھیرتی ہیں۔ کیونکہ تمام روحانی عذاب پہلے دل سے ہی شروع ہوتے ہیں۔ جیسے تمام روحانی سروروں کا منبع بھی دل ہے اور دل ہی سے شروع ہونے بھی چاہئیں کیونکہ دل ہی ایمان یا بے ایمانی کا منبع

ہے۔ ایمان یا بے ایمانی کا شگوفہ بھی پہلے دل ہی سے نکلتا ہے اور پھر تمام بدن اور اعضاء پر اس کا عمل ہوتا ہے اور سارے جسم پر محیط ہو جاتا ہے۔ پس یاد رکھو کہ بہشت اور دوزخ اسی دنیا سے انسان ساتھ لے جاتا ہے اور یہ بات بھولنی نہ چاہئے کہ بہشت اور دوزخ اِس جسمانی دنیا کی طرح نہیں بلکہ ان دونوں کا مبداء اور منبع روحانی امور ہیں۔ ہاں یہ سچی بات ہے کہ عالَم معاد میں وہ جسمانی شکل پر ضرور متشکّل ہو کر نظر آئیں گے۔ یہ ایک بڑا ضروری مضمون ہے جس پر ساری قوموں نے دھوکا کھایا ہے اور اس کی حقیقت کے نہ سمجھنے کی وجہ سے کوئی خدا ہی کا منکر ہو بیٹھا ہے اور کوئی تناسخ کا قائل ہو گیا۔ کسی نے کچھ تجویز کیا اور کسی نے کچھ۔ اگر خدا تعالیٰ نے ہمیں موقع دیا تو ہمارا ارادہ ہے کہ اس پر بسط کے ساتھ بڑی بحث کریں۔ اسی کی مرضی اور توفیق پر موقوف ہے ورنہ ہم تو ایک لفظ بھی بول نہیں سکتے۔"

(ملفوظات جلد 2 ایڈیشن 1984ء صفحہ 386-389)

سامعین! خدا کی آیات دیکھے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ فرمایا:

" دنیا چند روزہ ہے۔ شہادت کو چھپانا اچھا نہیں۔ دیکھو! بادشاہ کے پاس جب کوئی تحفہ لے کر جائے مثلاً سیب ہی ہو اور سیب ایک طرف سے داغی ہو تو وہ اس تحفہ پر کیا حاصل کر سکے گا۔ مخفی ہونے میں بہت سے حقوق تلف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً نماز با جماعت، بیمار کی عیادت، جنازہ کی نماز، عیدین کی نماز وغیرہ۔ یہ سب حقوق مخفی رہ کر کیونکر ادا کئے جاسکتے ہیں مخفی رہنے میں ایمان کی کمزوری ہے۔ انسان اپنے ظاہری فوائد کو دیکھتا ہے مگر وہ بڑی غلطی کرتا ہے۔ کیا تم ڈرتے ہو کہ سچی شہادت کے ادا کرنے سے تمہاری روزی جاتی رہے گی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ـ وَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ (الذریٰت: 23۔24) تمہارا رزق آسمان میں ہے۔ ہمیں اپنی ذات کی قسم ہے۔ یہ سچ ہے زمین پر خدا کے سوا کون ہے جو اس رزق کو بند کر سکے یا کھول سکے۔ فرماتا ہے۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ نیکوں کا وہ آپ والی بن جاتا ہے۔ پس کون ہے جو مرد صالح کو ضرر دے سکے اور اگر کوئی مصیبت یا تکلیف انسان پر آپڑے مَن يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا جو خدا کے آگے تقویٰ اختیار کرتا ہے خدا اُس کے لئے ہر ایک تنگی اور تکلیف سے نکلنے کی راہ بنا دیتا ہے اور فرمایا۔ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ وہ متقی کو ایسی راہ سے رزق دیتا ہے۔ جہاں سے رزق آنے کا خیال و گمان بھی نہیں ہوتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں۔ وعدوں کے سچا کرنے

میں خدا سے بڑھ کر کون ہے۔ پس خدا پر ایمان لاؤ۔ خدا سے ڈرنے والے ہر گز ضائع نہیں ہوتے۔ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجاً۔ یہ ایک وسیع بشارت ہے۔ تم تقویٰ اختیار کرو۔ خدا تمہارا کفیل ہو گا۔ اُس کا جو وعدہ ہے وہ سب پورا کر دے گا۔ مخفی رہنا ایمان میں ایک نقص ہے جو مصیبت آتی ہے اپنی کمزوری سے آتی ہے۔ دیکھو! آگ دوسروں کو کھا جاتی ہے پر ابراہیمؑ کو نہ کھا سکی۔ مگر خدا کی راہ بغیر تقویٰ کے نہیں کھلتی. معجزات دیکھنے ہوں تو تقویٰ اختیار کرو۔ ایک وہ لوگ ہیں جو ہر وقت معجزات دیکھتے ہیں۔ دیکھو! آج کل مَیں عربی کتاب اور اشتہار لکھ رہا ہوں۔ اُس کے لکھنے میں سطر سطر میں معجزہ دیکھتا ہوں جبکہ مَیں لکھتا لکھتا اٹک جاتا ہوں تو مناسب موقع فصیح و بلیغ پُر معانی و معارف فقرات و الفاظ خدا کی طرف سے الہام ہوتے ہیں اور اِس طرح عبارتیں کی عبارتیں لکھی جاتی ہیں۔ اگرچہ مَیں اِس کو لوگوں کی تسلّی کے لئے پیش نہیں کر سکتا مگر میرے لئے یہ ایک کافی معجزہ ہے۔ اگر مَیں اِس بات پر قسم بھی کھا کر کہوں کہ مجھ سے پچاس ہزار معجزہ خدا نے ظاہر کرایا۔ تب بھی جھوٹ ہر گز نہ ہو گا۔ ہر ایک پہلو میں ہم پر خدا کی تائیدات کی بارش ہو رہی ہے عجب تر اُن لوگوں کے دل ہیں جو ہم کو مفتری کہتے ہیں۔ مگر وہ کیا کریں۔ ولی را ولی سے شناسد کوئی تقویٰ کے بغیر ہمیں کیونکہ پہچانے۔ رات کو چور چوری کے لئے نکلتا ہے۔ اگر راہ میں گوشہ کے اندر وہ کسی ولی کو بھی دیکھے جو عبادت کر رہا ہو وہ بھی سمجھے گا کہ یہ بھی میری طرح کوئی چور ہے۔

خدا عمیق در عمیق چھپا ہوا ہے اور ایسا ہی وہ ظاہر در ظاہر ہے۔ اس کا ظہور اتنا ہوا کہ وہ مخفی ہو گیا جیسا سورج کہ اُس کی طرف کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ خدا کا پتہ حق الیقین کے ساتھ نہیں پا سکتے جبتک کہ تقویٰ کی راہ میں قدم نہ ماریں۔ دلائل کے ساتھ ایمان قوی نہیں ہو سکتا۔ بغیر خدا کی آیات دیکھنے کے ایمان پورا نہیں ہو سکتا۔ یہ اچھا نہیں کہ کچھ خدا کا ہو اور کچھ شیطان کا ہو صحابہؓ کو دیکھو کس طرح اپنی جانیں نثار کیں۔ ابو بکرؓ جب ایمان لایا تو اس نے دنیا کا کونسا فائدہ دیکھا تھا۔ جان کا خطرہ تھا اور ابتلا بڑھتا جاتا تھا۔ مگر صحابہ نے صدق خوب دکھایا۔ ایک صحابی کا ذکر ہے۔ وہ کملی اوڑھے بیٹھا تھا کسی نے اس کو کچھ کہا۔ عمرؓ پاس سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا اِس شخص کی عزت کرو۔ میں نے اِس کو دیکھا ہے کہ یہ گھوڑے پر سوار ہوتا تھا اور اِس کے آگے پیچھے کئی نوکر چلتے تھے صرف دین کی خاطر اِس نے سب سے ہجرت کی۔ در اصل یہ آنحضرت کی روحانیت کا زور تھا جو صحابہؓ میں داخل ہوا۔ اس کا کوئی جھوٹ ثابت نہیں۔ ہر امر میں ایک

کشش ہوتی ہے۔ دیکھو! دیوار کی اینٹوں میں ایک کشش ہے ورنہ اینٹ اینٹ الگ ہو جاوے۔ ایسی ہی جماعت میں ایک کشش ہوتی ہے یہ ہوتا آیا ہے کہ ہر نبی کی جماعت میں کچھ لوگ مرتد بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ ایسا ہی موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور آنحضرتؐ کی جماعت کے ساتھ ہوا۔ اُن لوگوں کا مادہ خبیث ہوتا ہے اور اُن کا حصّہ شیطان کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو لوگ اس صداقت کے وارث ہوتے ہیں وہ اس میں قائم رہتے ہیں۔

غرض خدا کی راہ میں شجاع بنو۔ انسان کو چاہیے کبھی بھروسہ نہ کرے کہ ایک رات مَیں زندہ رہوں گا۔ بھروسہ کرنے والا ایک شیطان ہوتا ہے۔ انسان بہادر بنے۔ یہ بات زورِ بازو سے نہیں ملتی۔ دُعا کرے اور دعا کراوے۔ صادقوں کی صحبت اختیار کرے۔ سارے کے سارے خدا کے ہو جاؤ۔ دیکھو! کوئی کسی کی دعوت کرے اور نجس ٹھیکرے میں روٹی لے جائے اُسے کون کھائے گا وہ تو الٹا مار کھائے گا۔ باطن بھی سنوارو اور ظاہر بھی درست کرو۔ انسان اعمال سے ترقی نہیں کر سکتا۔ آنحضرتؐ کا رتبہ سمجھنے سے ترقی کر سکتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 2 ایڈیشن 1984ء صفحہ 392-394)

دنیا میں چار موٹی باتوں پر ایمان ضروری ہے۔ فرمایا:

"دنیا میں چار موٹی باتیں ماننے کے قابل ہیں۔ ملائکہ، روح انسانی اور اس کا بقا بعد از مرگ، جنّات کا وجود، خدا تعالیٰ کا وجود۔ لوگوں نے سب سے پہلے جنّات کا انکار کیا۔ پھر ملائکہ کا۔ پس دو باتوں کو اُڑا کر اپنی اور خدا کی روح کے قائل ہو بیٹھے یعنی کچھ کرنا اور کچھ نہ کرنا ۔اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (البقرہ:86)۔ اس میں پھر دہریوں نے ہی کمال کیا ہے کہ کچھ بھی نہ مانو اور سب کا انکار کرو۔"

(ملفوظات جلد 7 ایڈیشن 1984۔ صفحہ 98)

ایمان، عرفان کیسے ہوتا ہے۔ فرمایا:

" یہ پیشگوئیاں جو ہیں یہ ایمان کو قوی کر کے عرفان بنا دیتی ہیں۔ نِری باتوں سے ایمان قوی نہیں ہو سکتا۔ جبتک اُس میں قوّت کی شعاعیں نہ پڑیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے اِن نشانات سے پیدا ہوتی ہیں۔ پس ان پیشگوئیوں کو خوب کان کھول کر سننا چاہئے۔ دوسرے وقت جب یہ پوری ہوتی ہیں تو ایمان کی تقویت کا

باعث ہو کر اس کو عرفان بنا دیتی ہیں۔ اِس لئے جو امر پیشگوئی پر مشتمل ہو مَیں اس کو ضرور سنا دیا کرتا ہوں اور میری غرض اِس سے یہی ہوتی ہے۔ یہ ایک نور بخشتی ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور نازل نہ ہو انسان غلطی میں پڑا رہتا ہے۔“

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 351-352)

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی ایمان عطا فرمائے۔ آمین

(کمپوزڈ: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴾10﴿ ﴾مشاہدات۔1085﴿

ایمان اور اُس کی حفاظت؟

اللہ تعالیٰ قرآنِ شریف میں بیان فرماتا ہے:

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ (التوبۃ:124)

یعنی جب بھی کوئی سورت اتاری جاتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ تم میں سے کون ہے جسے اس (سورت) نے ایمان میں بڑھا دیا ہو۔ پس وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں انہیں تو اس نے ایمان میں بڑھا دیا ہے اور وہ (آئندہ کے متعلق) خوشخبریاں حاصل کرتے ہیں۔

کوئی اس پاک سے جو دل لگاوے
کرے پاک آپ کو تب اس کو پاوے
پسند آتی ہے اس کو خاکساری
تذلل ہی رہِ درگاہِ باری

معزز سامعین! مجھے آج ایمان اور اُس کی حفاظت کرنے کے بارے میں کچھ کہنا ہے۔ انسان اپنی مادّی پونجی اور اپنے سرمایہ کی حفاظت کرتا ہے۔ انسان کو اپنی روحانی پونجی اور سرمایہ کو بھی محفوظ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور ایک مؤمن اس فکر میں رہتا ہے کہ جس طرح مَیں بطور تاجر اپنے سرمایہ کو بڑھانے کی سوچ رکھتا ہوں جس کے لئے مَیں تگ و دَو بھی کرتا ہوں۔ اِسی طرح روحانی سرمایہ کو بھی مجھے روحانی تجارت پر لگانا چاہیے۔ تاکہ وہ بھی بڑھتا رہے اور میرے روحانی سرمایہ میں اضافہ ہو اور ثواب و اجر زیادہ ملے۔ ایک مؤمن کے روحانی سرمایہ کو ہم مختلف نام دے سکتے ہیں۔ لیکن ایک وسیع اور بلیغ معنوں میں اگر روحانی پونجی اور سرمایہ کو کوئی نام دیا جاسکتا ہے تو وہ "ایمان" کا لفظ ہے۔ جس کے بارہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی 70 سے اوپر کچھ شاخیں ہیں۔ اِن میں سے سب سے افضل لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا

اقرار کرنا ہے اور سب سے چھوٹی شاخ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔

(حدیقۃ الصالحین حدیث:168)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن بیان فرمودہ الفاظ پر اگر غور کریں تو ایمان کو مذہبِ اسلام کی تمام تعلیمات پر فوقیت حاصل ہے۔ ستّر (70) کا لفظ دنیا کی معروف زبانوں میں کثرت کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے مائیں اپنے بچوں کو کوئی بات کثرت سے کہیں جو گنی نہ جاسکے تو وہ کہتی ہیں کہ مَیں نے تمہیں ستّر بار کہا ہے یعنی کثرت سے کہا ہے۔ یہ کثرت اَنگنت ہوتی ہے۔ ویسے بھی یہ معنٰی فرمانِ رسولؐ کے الفاظ سے بھی عیاں ہوتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا 70 سے اوپر شاخیں ہیں یعنی اَنگنت شاخیں ہیں۔ جس میں ایمان باللہ کو سرفہرست رکھا اور ادنیٰ ترین شاخ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا قرار دیا۔

"شاخ" کے لفظ پر اگر غور کریں تو "ایمان" ایک ایسا وسیع و عریض درخت ہے جس کی بے شمار ٹہنیاں ہیں جو اوّل تو گنی نہ جاسکیں اور دوم۔ اُن پر خوشبودار، ذائقہ دار، مزے دار اور مٹھاس سے بھرپور پھل لگے جس سے مؤمن فائدہ اُٹھائیں۔ ایک اَور مقام پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "ایمان" کو دِل کی معرفت قرار دیتے ہوئے زبان سے اقرار اور اسلام کے ارکان پر عمل کا نام دیا ہے۔

(حدیقۃ الصالحین حدیث:167)

احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک محفل میں حضرت جبرائیلؑ انسان کی شکل میں متمثّل ہو کر آئے اور آپؐ سے سوالیہ رنگ میں پوچھنے لگے کہ اے محمدؐ! "ایمان" کسے کہتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے رسولوں پر، آخرت پر، خیر اور شر کی تقدیر پر، ایمان لانے کو "ایمان" کہتے ہیں۔ (ان چھ امور کو ارکانِ ایمان کا نام دیا گیا ہے)

(حدیقۃ الصالحین حدیث:166)

سامعین! اگر اِن معنوں کو سامنے رکھ کر اسلام کی تعلیمات کا احاطہ کیا جائے تو تمام اسلامی تعلیمات کو حرزِ جان بنانا، اُن پر عمل کرنا ایمان کا حصہ ہے کیونکہ ہم ابھی سُن آئے ہیں کہ ایمان، زبان سے اقرار اور

اُن اقوال کو عملی شکل دینے کا نام ہے۔ ہر فعل اور عمل سے قبل اقرار ضروری ہے۔ خواہ وہ دل ہی میں ہو۔ اس لئے ایمان کے معنی اس قدر وسیع ہیں کہ تمام اسلامی امور پر احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اسلام پر ایمان لانے والا "مؤمن" کہلاتا ہے اور مؤمن کی تعریف کرتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْمُؤْمِنُ مَنْ یَّاْمَنُہُ النَّاس کہ مؤمن وہ ہے کہ جس سے تمام لوگ امن میں رہیں۔

(سنن ابن ماجہ حدیث 3934)

پھر فرمایا:

مؤمنوں کی مثال ایک دوسرے سے محبت کرنے، ایک دوسرے پر رحم کرنے اور ایک دوسرے پر شفقت کرنے میں ایک بدن کی سی ہے۔ جب ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو اِس کی وجہ سے باقی سارا بدن بیداری اور بخار میں شامل ہوتا ہے۔

(حدیقۃ الصالحین حدیث: 169)

اِسی کے ذیل میں پیارے رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ملتا ہے کہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصّہ دوسرے حصّہ کو مضبوط کئے ہوئے ہے۔ آپؐ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پِرو کر دکھایا۔

(حدیقۃ الصالحین حدیث: 170)

سامعین! آئیں! آج کی تقریر کے عنوان کے دوسرے حصّے میں داخل ہوتے ہیں یعنی اگر ایمان کی اِس قدر فضیلت اور اُس کا مقام ہے۔ اُس کی اہمیت بہت بلند و بالا ہے تو پھر اِس کی حفاظت کی طرف بھی اُسی قدر توجہ دینی ہوگی جو اِس کی اہمیت اَور افادیت تقاضا کرتی ہے۔ ہم اِس دنیا میں دیکھتے ہیں کہ انسان جو بھی کام کرتا ہے اُس کو محفوظ کرنے کی وہ سعی بھی کرتا ہے جیسے مختلف ملکوں میں جو درخت لگائے یا فصل بوئی جاتی ہے۔ کھیت یا درخت کا مالک اُن کو بھیڑ بکریوں، چرند پرند اور کیڑے مکوڑوں سے محفوظ رکھنے کے لئے مختلف حیلے اور جتن کرتا ہے۔ ننھے مُنّے پودوں کے ارد گرد باڑ لگاتا ہے۔ برطانیہ میں تو کھیتوں کے ارد گرد باڑ لگی نظر آتی ہے ورنہ ایشین ممالک میں کسی بوسیدہ انسانی قمیص کو لکڑی کی صلیب بنا کر اس پر لٹکا دیا جاتا ہے تا پرندے اور دیگر جانور اُسے انسان سمجھ کر فصل کے قریب نہ جائیں۔ نیز ہمارے ایشین معاشرے

میں اگر پَودے قیمتی ہوں تو اُن کے ارد گرد گملوں کی طرز پر اینٹوں سے دیوار بنائی جاتی ہے اور اِن پَودوں کو، فصلوں کو آندھی اور تیز بارش سے بچاؤ کے سامان کئے جاتے ہیں۔ الغرض جس قدر پودا قیمتی ہو گا یا وہ چیز قیمتی ہو گی اُسی قدر اُس کی حفاظت کے سامان زیادہ کئے جاتے ہیں۔ روحانی دنیا میں ہم اوپر سُن آئے ہیں کہ "ایمان" بہت ہی قیمتی چیز ہے۔ جس کی حفاظت کے لئے ہمیں وہ تمام طریق آزمانے ہوں گے جو قرآن واحادیث میں بیان ہوئے ہیں اور آج کے دَور میں حضرت مسیح موعودؑ اور آپؑ کے خلفاء ہمیں اس حوالہ سے توجہ دلاتے رہتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ رمضان میں ایک خطبہ کے دوران فرمایا تھا کہ چوہے وہیں نقب لگاتے ہیں جہاں گودام میں قیمتی اناج پڑا ہو۔ اِسی طرح رمضان میں ہم نے روحانیت کی فصل کاٹی ہے اگر ہم اِسے کسی محفوظ گودام میں نہ رکھیں گے تو شیطان نقب لگائے گا اور بہت سا قیمتی سامان جو ہم نے رمضان میں جمع کیا تھا اُسے چوری کر لے جائے گا۔ تو بعض اوقات انسان ہی ایک دوسرے کے کھیت کو ارادی طور پر یا غیر ارادی طور پر نقصان پہنچا جاتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

"اصل بات یہ ہے کہ بعض اوقات حب دنیا کا غلبہ بھی سلب ایمان کا باعث ہو جایا کرتا ہے لہٰذا دنیوی امور میں بہت انہماک اور دنیوی امور کو اتنی اہمیت دے دینا کہ گویا دین ایمان اور آخرت کی پرواہی نہ رہے یہ بھی خطرناک زہریلا مرض ہے۔ یہ تو وہ زمانہ ہے جس کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے جاؤ، درختوں کے تنوں سے لگ جاؤ اور جس طرح سے بن پڑے زمانہ کے فتن سے اپنے ایمان کو سلامت رکھنے کی کوشش کرو۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 526، ایڈیشن 1988ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے 9 جون 1922ء کو ایک خطبہ جمعہ میں ایمان کی حفاظت کا مضمون بیان فرمایا تھا۔ آپؓ اِس خطبہ میں فرماتے ہیں:

"عقلمندوں کا قاعدہ ہے کہ اپنی ہر ایک چیز کی حفاظت کرتے ہیں اور کبھی غفلت نہیں کرتے اور ہر ایک شخص سوائے مجنون کے اپنی چیز کی نگہداشت کرتا اور نقصان سے بچاتا ہے۔ ایک زمیندار کھیت میں بیج بونے سے لے کر غلّہ گھر لے جانے تک حفاظت کرتا ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ ایمان کا بیج ایسا ہے جس کو بو

کر اکثر لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں اور اس کی حفاظت کی پرواہ نہیں کرتے۔ لوگ درخت لگاتے ہیں اُس کی حفاظت کرتے ہیں، کھیت بوتے ہیں اُس کی حفاظت کا سامان کرتے ہیں، مکان بناتے ہیں اس کی نگرانی کرتے ہیں مگر ایمان کی کھیتی ہی ایسی ہے جس کی حفاظت نہیں کرتے۔ حالانکہ اگر کھیتی تباہ ہو جائے، کسی کے کھلیان جَل کر راکھ ہو جائیں تو وہ کسی سے قرض لے کر گزارہ کر سکتا ہے اور ایمان ایسی چیز ہے کہ کسی سے قرض نہیں ملتا نہ کسی کا ایمان کسی دوسرے کے لئے کفایت کر سکتا ہے... ایمان کا پوادا ایسا ہے کہ اس کو بو کر چھوڑ دیا جاتا ہے اور اِس کی حفاظت کی فکر نہیں کی جاتی۔ بہت لوگ ہیں جو ایمان حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر جب ایمان حاصل ہو جائے تو اِس کی حفاظت کی کوشش نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے آپ کو ایمان حاصل کرنے کے بعد محفوظ خیال کر لیتے ہیں۔ حالانکہ نازک وقت یہی ہوتا ہے جب ایمان حاصل ہو جائے کیونکہ کئی دشمن پیدا ہو جاتے ہیں جو ایمان کے درپے ہوتے ہیں۔ کہیں شیطان ایمان پر حملہ کرتا ہے۔ کہیں کوئی اپنے فائدہ کے لئے اس کے ایمان کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ کہیں کچھ لوگ اپنی نادانی اور جہالت سے اس کے ایمان کے درپے ہوتے ہیں۔ مگر بہت لوگ ہیں جو اِن حملوں سے غافل ہیں اور نہیں سوچتے کہ متاعِ ایمان جب گم ہو جائے تو پھر اِس کا ملنا مشکل ہو تا ہے۔ دیکھو! خدا تعالیٰ نے جہاں ایمان کے حصول کی دعا سکھلائی وہاں اس کی حفاظت کی بھی دعا سکھلائی ہے۔ چنانچہ جہاں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ آیا ہے وہیں یہ بھی ہے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ بہت لوگ ایمان حاصل کرتے ہیں مگر اس کی حفاظت نہیں کرتے اور کافر مر جاتے ہیں۔"

(الفضل 15/ جون 1922ء)

سامعین! ایمان کے مختلف Stages اَور درجات ہوتے ہیں۔ پہلے تو ایک بیج ہوتا ہے جو کسی نبی کی آمد یا خلیفہ کے چناؤ کے وقت انسان کے دل میں بویا جاتا ہے۔ اس کیفیت میں اِس کے ضائع ہونے کے امکانات ذرا کم ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ مخالفین کو دکھائی کم دیتا ہے تاہم اس کی حفاظت بہر حال ضروری ہے۔ لیکن جب یہ بیج دل کی کھیتی میں کونپل بن کر نمودار ہوتا ہے اور فصل بننے کی طرف ایک قدم آگے بڑھاتا ہے تو پھر اِس کی حفاظت کی طرف توجہ ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہئے کیونکہ اب یہ دشمنوں کی نظر میں آجاتا ہے۔ وہ اِس کی بیخ کُنی کے لئے کوششیں بھی کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جب فصل بسا اوقات تیز بارش یا تیز آندھی

سے زمین پر لیٹ جاتی ہے اور پھر کچھ وقت کے بعد وہ کھڑی ہو کر لہلہانے لگتی ہے اِسی طرح ایمان کم ہوتا اور بڑھتا بھی ہے۔ ایک دفعہ صحابہؓ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا یہ مسئلہ لے کر حاضر ہوئے کہ حضورؐ! ہمارا ایمان کم بھی ہوتا ہے جس پر ہم فکر مند ہوتے ہیں اور جب آپؐ کی محفل میں ہوں تو ایمان بڑھ بھی جاتا ہے۔ اِس لئے آج کے دَور میں جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اندر موجود نہیں تو ہمیں آپؐ کے ورثہ میں چھوڑی ہوئی باتوں اور چیزوں کی جلو میں رہنا چاہیے۔ جیسے قرآن کریم کے مطالعہ، تلاوت کی مسلسل کوشش کرنی چاہیے اور کَانَ خُلُقُهُ الْقُرآنِ کے تحت ہمیں اپنے اخلاق کو قرآن کریم میں بیان اخلاق جیسا کرنا چاہیے تا ہم اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین پہنچ سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں سورۃ الانفال آیت 3 میں تلاوت قرآن سے ازدیادِ ایمان کا ذکر فرمایا ہے۔

سامعین! اسی طرح ایمان میں بڑھوتڑی کے لئے خلافت کی آغوش میں رہنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ بھی اُس نبّوت کا تتمّہ ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوئی۔ اِس لئے اِس خلافت کو خلافت علی منہاج النبوۃ بولا گیا ہے۔ پھر ایمان کی حفاظت کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ نماز کا قیام ہے جس سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہم اوپر سُن آئے ہیں کہ ایمان اور مؤمن کا تعلق زیادہ تر حقوق العباد سے ہے۔ اِس لئے معاشرہ میں بسنے والے ہر شخص سے نرمی، خوش خلقی سے پیش آنا ضروری ہے۔ اگر ہمارا رویّہ کسی سے غیر اسلامی ہے تو ہم اُس وقت تک اللہ تعالیٰ کی سزا کی پاداش میں ہیں جب تک وہ شخص ہمیں معاف نہیں کر دیتا جس کے ساتھ ہم نے اچھا سلوک نہیں کیا۔ اِس لئے ہم سب پر ایمان کی نہ صرف حفاظت لازم ہے بلکہ ہمیں کوشش کرنی ہے کہ ہر وہ چھوٹی سے چھوٹی نیکی پر عمل پیرا ہوں جس سے ہمارا ایمان پنپے، بڑھے اور نشوونما پائے تا ہمارا خاتمہ بالخیر ہو اور ہم جب اپنے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے جا رہے ہوں تو وہ ہم سے راضی ہو اور اپنی محبت کی بانہوں میں ہمیں لپیٹ لے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

”جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی رؤیت حاصل ہو اور وہ کوئی مادی چیز نہیں کہ اُس کو دیکھا جائے بلکہ اس کے فعل کا دل پر اثر ہو اور دل اس کو محسوس کرے، وہ خدا کا ہو جائے اور خدا اُس کا ہو جائے اور اُس کا نفس اُس کے

ماتحت ہو جائے تو ان کا ایمان تمام خطروں سے نکل جاتا ہے اور کسی عزیز رشتہ دار کی جدائی اس کے لئے ایمان کو متزلزل کرنے والی نہیں ہوتی۔ پس جب ایمان حاصل ہو جائے تو غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ کا مقام بھی حاصل ہونا چاہیے۔ یعنی مشاہدہ کا مقام ہو کہ وہاں سے کوئی دلیل، کوئی تکلیف اس کو نہ ہٹا سکے۔ آگ دلیل سے مانی ہوئی ہو تو اس کا انکار ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر آگ میں ہاتھ ڈالا ہو اور وہ جل گیا ہو، اس پر کھانا پک گیا ہو، بجھائی ہو تو بجھ کر کوئلے ہو گئے ہوں۔ اس قدر مشاہدات کے جمع ہو جانے سے آگ کا کیسے انکار ہو سکتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں کتنے ہی دلائل ہوں مگر ایسا مشاہدہ کرنے والا آگ کے وجود کا اور اس کی تأثیر کا منکر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جب ایمان مشاہدہ کے درجہ تک پہنچ جائے تو پھر اُس کو مال و دولت، علم اور عزت، رشتہ داری اور دوسرے ہر ایک قسم کے تعلقاتِ دین سے نہیں پھرا سکتے۔ وہ ایسا محفوظ ہو جاتا ہے جیسا کہ بچہ ماں کی گود میں ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ پر ہی کفایت نہ ہو بلکہ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ پر بھی عمل ہو۔ یعنی ایمان کی حفاظت کی جائے۔ کوئی عقلمند پسند نہیں کرے گا بڑی جدوجہد اور سخت تکلیف کے ساتھ موتی نکالے اور نکال کر کُتّے کے آگے ڈال دے۔ اگر کوئی ایسا کرے تو وہ بے وقوف ہو گا۔ تم نے ہر ایک قسم کے اعتراض سنے اور ان سب کو طے کر کے حق کو قبول کیا اور ایمان پایا۔ اب ایمان کو دشمنوں کے آگے مت پڑا رہنے دو تا ایسا نہ ہو کہ تباہ ہو جائے اور تمہاری مثال اُس عورت کی سی نہ ہو جس کے متعلق آیا ہے الَّتِیۡ نَقَضَتۡ غَزۡلَہَا (النحل:93) جو سُوت کات کر ضائع کر دیتی تھی۔ پس جب تم نے ایمان حاصل کیا ہے تو اس کی حفاظت کی فکر بھی کرو اور ہر ایک مخالف اثر سے بچاؤ۔ مشاہدہ کا مقام حاصل کرو جس کے بعد کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ “

(الفضل 15 جون 1922ء)

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

” سرگرمی انسان کے اندر ہو تو ایمان رہتا ہے ورنہ نہیں۔ کافور کے ساتھ کالی مرچ اس لیے رکھتے ہیں کہ کافور نہ اڑے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ کالی مرچ میں تیزی ہوتی ہے وہ اسے اڑنے سے بچائے رکھتی ہے۔ “

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 388-389 ایڈیشن 2022ء)

ایمان کی حفاظت کے لیے ضروری ہے کہ شریعت کی کامل پیروی کی جائے اور خلاف شرع امور سے اپنے آپ کو بچایا جائے، کیوں کہ نیکی اور بُرائی کا اثر انسان کے دل پر پڑتا ہے اور دل کی خرابی کا اثر سارے جسم پر ہوتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث آتا ہے:

اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ۔

(صحیح بخاری)

یعنی خبر دار! بلاشبہ بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ ٹکڑا صالح رہتا ہے تو تمام بدن میں صالحیت رہتی ہے اور جب اس میں فساد پیدا ہوتا ہے تو پورے جسم کا نظام بگڑ جاتا ہے، خبر دار! اور وہ ٹکڑا دل ہے۔

جتنے ہمارے اعمال نیک ہوں گے اتنا ہی ہمارا ایمان بھی مضبوط ہو گا اور جتنی بُرائیاں زیادہ ہوں ایمان اُتنا ہی کمزور ہوتا چلا جائے گا اور کمزور ایمان سے بچنے کا بہترین ذریعہ دعا ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"اگر کبھی کوئی ایسا موقع آجائے کہ دوسرے کو ہدایت دیتے دیتے تمہارے اپنے ایمان کے ضائع ہو جانے کا بھی خطرہ ہو تو ایسی حالت میں تم دوسرے کو بے شک ہلاک ہونے دو اور اپنے ایمان کی حفاظت کرو۔

دیال سنگھ کالج کے بانی کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ بالکل اسلام کے قریب پہنچ گئے تھے مگر جو شخص انہیں تبلیغ کر رہا تھا اس نے ایک دفعہ صرف اس آیت پر تھوڑی دیر کے لئے عمل چھوڑ دیا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسلام سے منحرف ہو گئے۔ سردار دیال سنگھ صاحب جن کے نام پر لاہور میں کالج بنا ہوا ہے سکھ مذہب سے سخت متنفّر تھے کسی مولوی سے انہیں اسلام کا علم ہوا اور جب اسلامی تعلیم پر انہوں نے غور کیا تو وہ بہت ہی متاثر ہوئے اور انہوں نے اپنی مجلس میں اسلام کی خوبیوں کا اظہار کرنا شروع کر دیا اور کہنے لگ گئے کہ مَیں اب اسلام قبول کرنے والا ہوں۔ ان کا ایک ہندو دوست تھا جو بڑا چالاک تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ یہ مسلمان ہونے لگے ہیں تو اس نے انہیں کہا کہ سردار صاحب ہاتھی کے دانت کھانے کے اَور ہوتے ہیں اور دکھانے کے اَور۔ یہ تو محض مسلمانوں کی باتیں ہیں کہ اسلام بڑا اچھا مذہب ہے ورنہ عمل کے لحاظ سے کوئی مسلمان بھی اسلامی تعلیم پر کاربند نہیں۔ اگر آپ کو میری اس بات پر اعتبار نہ ہو تو جو مولوی آپ کو اسلام کی تبلیغ کرنے کے لئے آتا ہے آپ اس کے سامنے ایک سو روپیہ رکھ دیں اور کہیں کہ ایک دن تو میری خاطر

شراب پی لے۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ وہ شراب پیتا ہے یا نہیں۔ انہوں نے کہا بہت اچھا چنانچہ جب دوسرے دن وہی مولوی آیا تو انہوں نے سو روپیہ کی تھیلی اس کے سامنے رکھ دی اور کہا مولوی صاحب! اب تو مَیں نے مسلمان ہو ہی جانا ہے۔ ایک دن تو آپ بھی میرے ساتھ شراب پی لیں اور دیکھیں! مَیں نے آپ کی کتنی باتیں مانی ہیں کیا آپ میری اتنی معمولی سی بات بھی نہیں مان سکتے۔ اس کے بعد تو مَیں نے شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگانا۔ صرف آج شراب پی لیں۔ اس نے سو روپیہ کی تھیلی لے لی اور شراب کا گلاس اٹھا کر پی لیا۔ سردار دیال سنگھ صاحب پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ وہ بجائے مسلمان ہونے کے برہمو سماج سے جا ملے اور انہوں نے اپنی ساری جائداد اس کے لئے وقف کر دی۔ یہ نتیجہ تھا در حقیقت اس آیت کی خلاف ورزی کا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ لَا یَضُرُّکُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ (المائدۃ:106) اگر روٹی کا سوال ہو تو بے شک خود بھوکے رہو اور دوسرے کو کھانا کھلاؤ۔ لیکن جہاں ہدایت کا سوال آ جائے اور تمہیں محسوس ہو کہ اگر تمہارا قدم ذرا بھی ڈگمگایا تو تم خود بھی ہدایت سے دُور ہو جاؤ گے تو تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ایسی صورت میں تمہیں مضبوطی سے ہدایت پر قائم رہنا چاہیے اور دوسرے کی گمراہی کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔“

(سیر روحانی جلد اوّل صفحہ 153–154)

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”یقیناً سمجھو کہ ہر ایک پاکبازی اور نیکی کی اصلی جڑ خدا پر ایمان لانا ہے جس قدر انسان کا ایمان باللہ کمزور ہوتا ہے اسی قدر اعمالِ صالحہ میں کمزوری اور سستی پائی جاتی ہے لیکن جب ایمان قوی ہو اور اللہ تعالیٰ کو اس کی تمام صفات کاملہ کے ساتھ یقین کر لیا جائے اسی قدر عجیب رنگ کی تبدیلی انسان کے اعمال میں پیدا ہو جاتی ہے۔ خدا پر ایمان رکھنے والا گناہ پر قادر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ ایمان اس کی نفسانی قوتوں اور گناہ کے اعضا کو کاٹ دیتا ہے۔ دیکھو! اگر کسی کی آنکھیں نکال دی جاویں تو وہ آنکھوں سے بد نظری کیونکر کر سکتا ہے اور آنکھوں کا گناہ کیسے کرے گا اور اگر ایسا ہی ہاتھ کاٹ دیئے جاویں یا شہوانی قویٰ کاٹ دیئے جاویں۔ پھر وہ گناہ جو اُن اعضا سے متعلق ہیں کیسے کر سکتا ہے؟ ٹھیک اسی طرح پر جب ایک انسان نفس مطمئنہ کی حالت میں ہوتا ہے تو نفس مطمئنہ اسے اندھا کر دیتا ہے اور اس کی آنکھوں میں گناہ کی

قوت نہیں رہتی۔ وہ دیکھتا ہے پھر نہیں دیکھتا۔ کیونکہ آنکھوں کے گناہ کی نظر سلب ہو جاتی ہے۔ وہ کان رکھتا ہے مگر بہرہ ہوتا ہے اور وہ باتیں جو گناہ کی ہیں نہیں سن سکتا۔ اسی طرح پر اس کی تمام نفسانی اور شہوانی قوتیں اور اندرونی اعضا کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ اس کی ان ساری طاقتوں پر جن سے گناہ صادر ہو سکتا تھا ایک موت واقع ہو جاتی ہے اور وہ بالکل ایک میت کی طرح ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ ہی کی مرضی کے تابع ہوتا ہے۔ وہ اس کے سوا ایک قدم نہیں اُٹھا سکتا۔ یہ وہ حالت ہوتی ہے جب خدا تعالیٰ پر سچا ایمان ہو اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کامل اطمینان اسے دیا جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جو انسان کا اصل مقصود ہونا چاہیے اور ہماری جماعت کو اسی کی ضرورت ہے اور اطمینان کامل کے حاصل کرنے کے واسطے ایمانِ کامل کی ضرورت ہے۔ پس ہماری جماعت کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان حاصل کریں۔"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 244-245 ایڈیشن 1984ء)

تقریر کے آخر پر لفظِ "ایمان" اور "مؤمن" کی طرف لوٹتے ہوئے قرآن کریم کے حوالہ سے ذکر کر دیتا ہوں تا ایک بار پھر "ایمان" کی حفاظت کے لئے اُس کے معانی ذہنوں میں اجاگر ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے بارہا اِس امر کی تنبیہ فرمائی ہے کہ ایمان کے بعد کفر پر آنا بہت گھاٹے اور نقصان کا سودا ہے۔ ایمان کے بعد فسوق کی طرف نہ لوٹنے کا حکم ہے۔ ایمان کو ظلم سے نہ ملانے کا ارشاد ہے۔ ایمان کو بڑھانے والوں کو بشارات کی نوید دی گئی ہے جبکہ ایمان کی طرف توجّہ نہ دینے والوں کو خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا سامنا کرنے کا ذکر ہے۔

بس ہمارا ایمان "**اللہ ہے**" کے مشاہدہ پر یقین پر ہو۔ ہمارا ایمان اُن مشاہدات کے مجموعہ کا نام ہو جو ہم روزانہ دنیا میں دیکھتے ہیں جیسے آگ بھسم کرتی ہے۔ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ کونین بخار کو ہلکا کرتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہمارا اللہ پر یہ یقین کامل ہو کہ وہ ہمارے ایمان کو بڑھائے گا اور اُسی طرح ہمیں جنت میں لے جائے گا جس طرح صحابہؓ کو لے گیا تھا۔

سامعین! حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

" ایمان کیا ہے؟ یا حقیقی مؤمن کون ہے؟ اس کی گہرائی میں جب ہم جائیں تو خوف سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ کیا ہمارا ایمان اس قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیقی ایمان کہلا سکے؟ یا کیا ہم حقیقی

مؤمن کے زُمرے میں آتے ہیں؟ ہم پر خدا تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اس زمانہ میں ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں شامل کیا جنہوں نے قدم قدم پر ہماری راہنمائی فرمائی۔ ہمیں سیدھے راستے پر رکھنے اور حقیقی مؤمن بننے کے لئے بے شمار اور مختلف ذریعوں سے ہماری راہنمائی فرمائی۔ ایک جگہ آپؑ فرماتے ہیں کہ مؤمن وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے اعمال ان کے ایمان پر گواہی دیتے ہیں۔ جن کے دل پر ایمان لکھا جاتا ہے اور جو اپنے خدا اور اس کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم کر لیتے ہیں اور تقویٰ کی باریک اور تنگ راہوں کو خدا کے لئے اختیار کرتے ہیں اور اس کی محبت میں محو ہو جاتے ہیں اور ہر ایک چیز جو بُت کی طرح خدا سے روکتی ہے خواہ وہ اخلاقی حالت ہو یا اعمال فاسقانہ ہوں یا غفلت اور کسل ہو سب سے اپنے تئیں دور تر لے جاتے ہیں۔ پس یہ وہ ایمان ہے جو ہمیں کامل الایمان بنائے گا۔ فاسقانہ اعمال کے بارے میں تو کسی احمدی کے متعلق سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ لیکن اگر ہمارے اخلاق میں ادنیٰ سی بھی کمزوری ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک ہمیں اپنی حالت کی طرف توجہ کرنی چاہئے کہ یہ ہمارے ایمان میں کمزوری پیدا کر سکتی ہے۔ لیکن ہمارا ہر عمل اور فعل اگر خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے ہے تو پھر ہم امید رکھ سکتے ہیں کہ ہماری یہ کمزوریاں بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دور فرماتا چلا جائے گا اور یہی بات پھر ایمان میں مضبوطی بھی پیدا کرتی ہے۔ ہم اگر آپس کے روزمرہ کے تعلقات نبھا رہے ہیں، خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے ایک دوسرے کے حق ادا کر رہے ہیں تو یہ باتیں ہمارے ایمان میں اضافے کا باعث بنانے والی ہوں گی۔ پس ان معیاروں کو حاصل کرنے کی ہر احمدی کو کوشش کرنی چاہئے۔ بعض دفعہ بعض عمل جان بوجھ کر ایک انسان نہیں کرتا لیکن غفلت اور سستی راہ میں حائل ہو جاتی ہے۔ اس میں عبادت کی ادائیگی میں کمزوری بھی ہے اور دوسری ایسی باتیں بھی ہیں جو خدا تعالیٰ کو ناپسند ہیں جن کے بارے میں خدا تعالیٰ نے ہمیں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ تمہارے فرائض ہیں، انہیں پورا کرو۔ اگر انسان لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے انہیں پورا نہیں کرتا تو آہستہ آہستہ یہ چیزیں پھر ایمان کی کمزوری اور شرک کی طرف لے جاتی ہیں۔ پس ایک احمدی کو ہر قسم کے حقوق کی ادائیگی کے لئے ہر وقت اپنے جائزے لیتے رہنا چاہئے۔ کیونکہ کسی بھی قسم کی نیکی سے جن کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے غفلت برتنا یا ان کے کرنے میں سستی دکھانا مؤمن کا شیوہ نہیں ہے۔"

(خطبہ جمعہ 17/ اکتوبر 2008ء)

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"نرے ایمان کے دعوے اور اظہار اور اس کی جڑ کی مضبوطی کا اعلان کسی کام کا نہیں جب تک اعمال صالحہ کی سر سبز شاخیں اور پھل خوبصورتی نہ دکھارہی ہوں اور فیض نہ پہنچارہی ہوں۔ اور جب یہ خوبصورتی اور فیض رسانی ہو تو پھر دنیا بھی متوجہ ہوتی ہے اور اس کے گرد جمع بھی ہوتی ہے اور ان کی حفاظت کے لئے پھر کوشش بھی کرتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو صرف ایمان میں مضبوطی کا نہیں کہا بلکہ تقریباً ہر جگہ جہاں ایمان کا ذکر آیا ہے ایمان کو اعمال صالحہ کے ساتھ جوڑ کر مشروط کیا اور یہ حالت پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ انبیاء بھی بھیجتا ہے۔ یہ حالت مؤمنوں میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب زمانے کے نبی کے ساتھ تعلق بھی پیدا ہو۔ جیسا کہ مَیں نے کہا بڑے بڑے گروہ ہیں جو دین کے نام پر اور ایمان کے نام پر اپنی مضبوط جڑوں کا اظہار کرتے ہیں لیکن ہو کیا رہا ہے؟ ان کی نہ صرف آپس میں نفرتیں بڑھ رہی ہیں اور ایک گروہ دوسرے گروہ پر اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے جو بھی کوشش ہو سکتی ہے جائز ناجائز طریقے سے، ظلم سے، وہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے بلکہ غیر مسلم بھی پریشان ہو کر ان کی وجہ سے اسلام سے خوفزدہ ہو رہے ہیں۔ وہ مذہب جس نے غیر مسلموں کی محبتوں کو سمیٹا اور مسلمان حکومتوں کی حفاظت کے لئے غیر مسلم بھی مسلمانوں کی طرف سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس کی یہ حالت ہے کہ غیروں کو تو کیا کھینچنا ہے خود مسلمانوں کی آپس کی حالت اعمال صالحہ کی کمی کی وجہ سے قُلُوۡبُہُمۡ شَتّٰی (الحشر:15) کا نظارہ پیش کر رہی ہے۔ دل ان کے پھٹے ہوئے ہیں۔ آج ان صحیح اعمال کی تصویر پیش کرنا ہر احمدی کا کام ہے جس نے زمانے کے امام اور نبی کو مانا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت ہی وہ خدا تعالیٰ کا لگایا ہوا درخت ہے جس کی جڑیں مضبوط ہیں اور شاخیں بھی سر سبز، خوبصورت اور پھلدار ہیں جو دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں حقیقی اسلام کی تعلیم سے آشنا کیا ہے۔ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ پر چلنے کی طرف ترغیب دلائی، زور دیا، توجہ دلائی، اُس کی اہمیت واضح کی۔

پس یہ جماعت احمدیہ ہی ہے جس کی جڑیں بھی مضبوط ہیں اور شاخیں بھی سر سبز و خوبصورت ہیں اور پھلدار ہیں جو دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یہ وہ درخت ہے جس کو دیکھ کر دنیا کے ہر خطے میں بسنے

والے لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ کون سا اسلام ہے جو تم پیش کرتے ہو۔ ... پس جیسا کہ مَیں نے کہا کہ زمانے کے امام کو ماننے کی وجہ سے ہر احمدی کا فرض ہے کہ ایمان کی مضبوطی کے ساتھ سر سبز شاخیں بن جائے۔ سر سبز شاخوں کے خوبصورت پتے بن جائے۔ اُن پر لگنے والے خوبصورت پھول اور پھل بن جائے۔ جو دنیا کو نہ صرف خوبصورت نظر آئے بلکہ فیض رساں بھی ہو۔ فیض پہنچانے والا بھی ہو۔ ورنہ ایمان ویقین میں کامل ہونا بغیر عمل کے بے فائدہ ہے ... ہم احمدی ہونے کا حق اس وقت ادا کر سکتے ہیں جب ہم اپنے اعمال صالحہ کی وجہ سے ہر طرف اعلیٰ اخلاق دکھانے کا مظاہرہ کرنے والے ہوں۔ جب ہم اپنے محلے اور شہر اور اپنے ملک میں اعمال صالحہ کی وجہ سے اسلام کی خوبصورتی دکھانے والے بنیں۔ ہر قسم کے فسادوں، جھگڑوں، چغلی کرنے کی عادتوں، دوسروں کی تحقیر کرنے، رحم سے عاری ہونے، احسان کر کے پھر جتانے والے لوگوں میں شامل نہ ہوں بلکہ ان چیزوں سے بچنے والے ہوں اور اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرنے والے ہوں۔"

(خطبہ جمعہ 19ء ستمبر 2014ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں نہ صرف سچا ایمان نصیب کرے بلکہ زندگی کے آخری دم تک ایمان پر قائم بھی رکھے۔ آمین

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

﴾11﴿ ﴾مشاہدات۔41﴿

احمدی خواتین ایمان کی محافظ ہیں

اماء اللہ لجنہ وعدے ہیں تم نے جو کئے
اماء اللہ لجنہ سارے وہ ہیں کرنے پورے
اماء اللہ لجنہ تمہارے سپرد ہیں بہت کام
اماء اللہ لجنہ سارے سے ابھی کرلو پلان

میری بہنو! میرا موضوع سخُن ہے ”**احمدی خواتین ایمان کی محافظ ہیں**“
قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نیک عورتوں کی صفات کے بارہ میں فرماتا ہے:
مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ

(التحریم:6)

مسلمان، ایمان والیاں، فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزے رکھنے والیاں۔
سامعات! احمدی خواتین اپنے ایمان و ایقان کے لحاظ سے دنیا میں ایک الگ مقام اور پہچان رکھتی ہیں اور دراصل یہ مقام ان کو اپنے اس روحانی اتصال سے نصیب ہوا ہے جو ان کا صحابیات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لاکر ”**صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا**“ نے ان کے ایمان کو بھی صحابہ کے رنگ میں رنگین کر دیا ہے۔
ہر احمدی خاتون یہ عہد کرتی ہے کہ

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

میں اقرار کرتی ہوں کہ اپنے مذہب اور قوم کی خاطر اپنی جان ومال، وقت اور اولاد کو قربان کرنے کے لیے ہر دم تیار رہوں گی اور سچائی پر ہمیشہ قائم رہوں گی اور خلافت احمدیہ کے قائم رکھنے کے لیے ہر قربانی کے لیے تیار رہوں گی۔ (ان شاء اللہ)

یہ عہد دوہرانے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری مائیں، بہنیں، بیٹیاں کس طرح اپنے عہد کو پورا بھی کرتیں ہیں۔

میری پیاری بہنو! چند پھول میں نے آج آپ کے لئے اور اپنے لئے جمع کئے ہیں۔ آئیں! ان پھولوں کی مہک سے لطف اندوز ہوں۔

ہر انسان سب سے پہلے اپنے والدین کی طرف دیکھتا ہے۔ میں نے سب سے پہلے ایمان کی پختگی کا اندازہ کرنے کے لئے اپنی ماں کو ہی دیکھا۔ اُس ماں کو جو میری بھی ماں ہیں اور آپ کی بھی ماں ہیں یعنی ام المؤمنین حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا۔

جب حضرت مرزا مبارک احمد صاحب کی وفات ہوئی اس وقت حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا نے جو صبر ورضا کا نمونہ دکھایا اس کے متعلق محمود عرفانی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت اُمّ المؤمنین نے اس وقت فرمایا:

”میں خدا کی تقدیر پر راضی ہوں“

جب اس طرح آپ نے اس امتحان کو قبول کر لیا تو آسمان پر حضرت اُمّ المؤمنین کے اس امتحان کا رزلٹ بذریعہ وحی الٰہی نازل ہوا۔

”خدا خوش ہو گیا!“

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ الہام جب حضرت اُمّ المؤمنین کو سنایا تو آپ نے فرمایا:

”مجھے اس الہام سے اس قدر خوشی ہوئی ہے کہ دو ہزار مبارک احمد بھی مر جاتا تو میں پرواہ نہ کرتی۔“

(سیرۃ حضرت سیدۃ النساء ام المؤمنین نصرت جہاں بیگم صفحہ 269)

میری بہنو! دوسرا موقع بھی حضرت اماں جان کی زندگی کا ہے کہ جب محمدی بیگم والی پیشگوئی کے پورا ہونے کے لئے رو رو کر دعائیں کر رہیں تھیں۔

حضرت عرفانی کبیر نے آپؓ کے الفاظ نوٹ کئے ہیں کہ فرمایا:

"آپ نے بارہا خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ گو میری زنانہ فطرت کراہت کرتی ہے۔ مگر صدق دل اور شرح صدر سے چاہتی ہوں کہ خدا کے منہ کی باتیں پوری ہوں اور ان سے اسلام اور مسلمانوں کی عزت اور جھوٹ کا زوال وابطال ہو۔"

(سیرۃ حضرت سیدۃ النساء ام المؤمنین نصرت جہاں بیگم صفحہ 219)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر کسی جزع فزع کا اظہار نہ کرنا اور خدا کے حضور صرف یہی عرض کرنا

"اے خدا! یہ تو ہمیں چھوڑ چلے ہیں پر تو ہمیں نہ چھوڑیو۔"

(سیرۃ حضرت سیدۃ النساء ام المؤمنین نصرت جہاں بیگم صفحہ 362)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"یہ جو رات دن مسلمانوں کو کلمہ طیبہ کہنے کے واسطے تحریص اور تاکید ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ بغیر اس کے کوئی شجاعت پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب آدمی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتا ہے تو تمام انسانوں اور چیزوں اور حاکموں اور افسروں اور دشمنوں اور دوستوں کی قوت اور طاقت ہیچ ہو کر انسان صرف اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور اُس کے سوائے سب اُس کی نظروں میں ہیچ ہو جاتے ہیں۔ پس وہ شجاعت اور بہادری سے کام کرتا ہے اور کوئی ڈرانے والا اس کو ڈرا نہیں سکتا۔"

(ملفوظات جلد اول صفحہ 259، ایڈیشن 1988ء)

یہ عشق و وفا کے کھیت کبھی خوں سینچے بغیر نہ پنپیں گے
اس راہ میں جان کی کیا پروا جاتی ہے اگر تو جانے دو

میری عزیز بہنو! ذرا یاد کرو۔ اہلیہ حاجی میران بخش، عالم بی بی، چراغ بی بی، جان بی بی، گلاب بی بی، زہرہ بی بی، انڈونیشیا کی دو خواتین اڈوٹ صاحبہ اور اونیہ صاحبہ، رشیدہ بیگم، مبارکہ بیگم، شریفہ شوکت، ڈاکٹر نورین شیراز۔ یہ وہ چند نام ہیں جنہوں نے اپنے خون سے اپنے ایمان کا ثبوت دیا۔

یہی نہیں کہ احمدی خواتین نے خود جانی قربانی دی بلکہ اپنے بیٹوں، بھائیوں، باپوں اور سہاگوں کی قربانی کے مواقع پر اپنے ایمان میں لغزش نہ آنے دی۔

لاہور کے دردناک سانحہ کے بعد ایک احمدی ماں کے بہادری کے جذبات کو جنابِ انصر رضا نے اس طرح پیش کیا ہے

نماز جمعہ کو پچھلے جمعے جہاں گئے تھے تمہارے بابا
اسی جگہ پہ نماز پڑھنا جہاں کھڑے تھے تمہارے بابا
نشان منزل نہیں ہے بیٹا نشان راہ ہیں یہ سرخ چھینٹے
وہاں سے آغاز تم کروگے جہاں رکے تھے تمہارے بابا

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

احمدی مستورات قربانیوں میں ہرگز اپنے مردوں سے پیچھے نہیں ہیں۔ شہادت میں وہ بیویاں جو بیوگی کی زندگی بسر کرنے کے لئے پیچھے رہ جاتی ہیں اُن کے متعلق یہ گمان کرنا کہ ان کے خاوند ثواب پاگئے اور وہ محروم رہ گئیں، وہ آگے نکل گئے اور یہ پیچھے رہ گئیں یہ بالکل غلط خیال ہے۔ مردوں کی شہادت کی عظمت کے اندر ان کی بیواؤں کی قربانیوں کی عظمت داخل ہوتی ہے۔ ان ماؤں کو آپ کیسے بھلا سکتے ہیں جن کے بچے شہید ہوئے اور اللہ کی رضا کی خاطر وہ راضی رہیں اور بڑے حوصلے اور صبر کے نمونے دکھائے۔ ان بہنوں کو آپ کیسے فراموش کر سکتے ہیں جن کے ویر ہاتھ سے جاتے رہے۔ بہت ہی پیار سے ان کو دیکھا کرتی تھیں، بڑی محبت سے ان کا استقبال کیا کرتی تھیں اور جانتی ہیں کہ اب کوئی گھر میں واپس نہیں آئے گا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ خواتین، یہ بوڑھیاں، یہ بچیاں، یہ جوان عورتیں یہ ساری قربانیوں سے محروم ہیں اور صرف شہید ہونے والے قربانیوں میں آگے نکل گئے۔"

(خطبات طاہر جلد 5 صفحہ 436-440)

میری بہنو! احمدی خواتین نے اپنے ایمان کی پختگی کا ثبوت اشاعت اسلام کے لئے مردوں کو فکروں سے آزاد کر کے بھی دیا۔ اگر ایمان پختہ نہ ہو تو کیسے ممکن ہے کہ خدا کی راہ میں قربانی پیش کی جا سکے۔

ایک خاتون محترمہ سردار بیگم صاحبہ دختر شیخ محمد حسین صاحب سب جج زیرہ ضلع فیروز پور نے لکھا:

”مرد اکثر اوقات کسی نیک کام کرنے سے اس لئے بھی رُک جاتے ہیں کہ اُن کی عورتیں راہ میں حائل ہو جاتی ہیں۔ پیاری بہنو اور بزرگو! خبردار! اس کام کے کرنے میں ہرگز حائل نہ ہونا ورنہ جہنم کا منہ دیکھنا پڑے گا تم خود مردوں سے کہو کہ نکلو! اسلام کی عزت رکھنے کا وقت ہے ...جو بہنیں اپنے مردوں کو بھیجنے کے ذریعے سے مدد نہیں کر سکتیں وہ اپنے مال سے مدد کریں“

(تاریخ لجنہ اماء اللہ جلد اول صفحہ 111)

سامعات! ہماری احمدی خواتین نے جو مثالیں قائم کیں ان کی ایک جھلک حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے یوں پیش فرمائی۔ فرمایا:

”ہمارے کئی مربی ایسے ہیں جو دس دس پندرہ پندرہ سال تک بیرونی ممالک میں فریضہ تبلیغ ادا کرتے رہے اور وہ اپنی نئی بیاہی ہوئی بیویوں کو پیچھے چھوڑ گئے۔ ان عورتوں کے بال اب سفید ہو چکے ہیں لیکن انہوں نے اپنے خاوندوں کو کبھی یہ طعنہ نہیں دیا کہ وہ انہیں شادی کے بعد چھوڑ کر لمبے عرصے کے لیے باہر چلے گئے تھے۔ ہمارے ایک مبلغ مولوی جلال الدین صاحب شمس ہیں وہ شادی کے تھوڑا عرصہ بعد ہی یورپ چلے گئے تھے۔ ان کے واقعات سن کر انسان کو رقت آ جاتی ہے۔ ایک دن انکا بیٹا گھر آیا اور اپنی والدہ سے کہا کہ امی ابا کسے کہتے ہیں؟ ہمیں پتہ نہیں ہمارا ابا کہاں گیا ہے؟ کیونکہ وہ بچے ابھی تین تین چار چار سال کے تھے کہ شمس صاحب یورپ تبلیغ کے لیے چلے گئے اور جب واپس آئے تو وہ بچے 17،17، 18،18 سال کے ہو چکے تھے۔ اب دیکھو یہ ان کی بیوی کی ہمت اور اس بیوی کی ہمت ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ ایک لمبے عرصے تک تبلیغ کا کام کرتے رہے۔ اگر وہ انہیں اپنی درد بھری کہانیاں لکھتی رہتیں تو وہ یا تو خود بھاگ آتے یا سلسلے کو مجبور کرتے کہ انہیں بلا لیا جائے۔“

(محسنات صفحہ 122 تا 123)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"مجھ سے خدا تعالیٰ باتیں کرتا ہے اور مجھ سے ہی نہیں جو شخص میری اتباع کرے گا اور میرے نقش قدم پر چلے گا اور میری تعلیم کو مانے گا اور میری ہدایت کو قبول کرے گا خدا تعالیٰ اس سے بھی باتیں کرے گا... لکھا ہے کہ مسیح موعود کے ظہور کے وقت یہ انتشار نورانیت اس حد تک ہو گا کہ عورتوں کو بھی الہام شروع ہو جائے گا اور نابالغ بچے نبوت کریں گے اور عوام الناس روح القدس سے بولیں گے اور یہ سب کچھ مسیح موعود کی روحانیت کا پرتَو ہو گا۔"

(ضرورۃ الامام، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 475)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے احمدی خواتین کے تعلق باللہ کے متعلق فرمایا:

"احمدی خواتین میں بڑی بڑی اولیاء اللہ پیدا ہوئی ہیں۔ بعض ایسی ہیں جن کو خدا تعالیٰ الہامات سے نوازتا رہا ہے۔ کشوف عطا فرماتا ہے۔ سچے رؤیا دکھاتا ہے۔ مصیبت کے وقت ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور قبولیت سے متعلق پہلے سے اطلاع دی کہ یہ واقعہ اس طرح ہو گا اور اسی طرح ہوا۔ یہ وہ آخری منزل ہے جس کی طرف ہر احمدی خاتون کو لے کر ہم نے آگے بڑھنا ہے۔ تعلق باللہ کے سوا مذہب کی اَور کوئی جان نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عبادت بھی اللہ سے محبت اور تعلق پیدا کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔"

(مستورات سے خطاب 12 ستمبر 1992ء جلسہ سالانہ جرمنی)

رغبتِ دل سے ہو پابند نماز و روزہ
نظر انداز کوئی حصۂ احکام نہ ہو

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے احمدی خواتین کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے عورتو! تمہارے لئے آزادی کا وقت آگیا ہے خدا تعالیٰ نے احمدیت کے ذریعے تمہارے لئے ترقی کے بے انتہا راستے کھول دئے ہیں اگر اس وقت بھی تم نہیں اُٹھو گی تو کب اُٹھو گی؟ اگر اس وقت بھی تم اپنے مقام اور درجہ کے حصول کے لئے جدجہد نہیں کرو گی تو کب کرو گی؟... اگر تمہارے مرد تمہاری بات

نہیں مانتے اور وہ دین کی خدمت کے لئے تیار نہیں ہوتے تو تم ان کو چھوڑ دو اور انہیں بتادو کہ تمہارا تعلق ان سے اُس وقت تک ہے جب تک کہ وہ دین کی خدمت کرتے ہیں۔"

(الازھار لذوات الخمار حصہ دوم صفحہ 83)

چنانچہ ہماری احمدی مستورات سے ہر آن اپنے ایمان کی حفاظت کرتے ہوئے اپنا قدم خدا تعالیٰ کی محبت میں آگے سے آگے بڑھایا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ لجنہ اماء اللہ کو سراہتے ہوئے فرمایا:

"ایک کھلا چیلنج ہے تمام دنیا کی خواتین کے لیے احمدی خواتین سی کوئی اور خواتین تولا کر دکھاؤ۔ کتنی عظمت کی زندگی ہے۔ کتنے اعلیٰ مقاصد کے لیے وقف ہیں اور ان کی لذتوں کے معیار بدل چکے ہیں۔ تمہیں جو لذت سنگھار پٹار میں ملتی ہے۔ دکھاوے نمائش اور ناچ گانوں میں ملتی ہے اس سے بہت بہتر اور بہت اعلیٰ درجے کی لذتیں احمدی خواتین کی زندگی کو منور رکھتی ہیں اور ان کے دلوں میں ایسی باقی رہنے والی لذات ہیں جو اس زندگی میں بھی اس کا ساتھ دیتی ہیں اور اُس دنیا میں بھی جہاں تم سب نے مر کر پہنچنا ہے...... احمدی خواتین دنیا میں مثبت اقدام کے طور پر کیا کچھ کر رہی ہیں قوموں کی زندگی میں کتنا بھرپور حصہ لے رہی ہیں اور جیسا کہ میں نے پہلے ہی کہا ہے دنیا بھر کی تمام خواتین سے مقابلہ کر کے دیکھ لیں کہ کسی قوم میں خواتین کی اتنی بھاری تعداد اتنے مثبت اور مفید کاموں میں مصروف دکھائی نہیں دیں گی جیسے کہ احمدی خواتین دکھائی دیتی ہیں اپنے خلفائے کرام کے زیر سایہ صبر و رضائے الٰہی، توکل، زُہد اور تقویٰ کی دولت سے مالامال نہ صرف مردوں کے شانہ بشانہ چلتی جارہی ہیں بلکہ اولادوں کی اعلیٰ تربیت کر کے نئی نسلوں کے ذریعے جماعت کو ایک نئی اور عظیم قوت فراہم کرتی چلی جارہی ہیں۔ آج میں احمدی عورت کو اپنے دائیں بھی لڑتے دیکھ رہا ہوں اور بائیں بھی اور آگے بھی اور پیچھے بھی۔ آج احمدی خواتین بیدار ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی ہیں احمدی خواتین نے ہر میدان میں میرا ساتھ دیا ہے۔ بگڑے ہوئے معاشرے کا بہترین جواب احمدی خواتین ہیں۔"

(الفضل 30/جولائی 1999ء)

میری بہنو! ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ ہمیں ہماری ذمہ داریوں کے متعلق توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''خواتین کا معاشرے میں ایک اہم کردار ہے۔ایک عورت کا بنیادی کردار اس کے گھر سے شروع ہوتا ہے جہاں وہ ایک بیوی اور ایک ماں کی حیثیت سے عمل کر رہی ہوتی ہے یا مستقبل کی ماں کی حیثیت سے اگر ابھی شادی نہیں ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہماری توجہ اس طرف مبذول کروائی ہے کہ ہمیشہ تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو۔ اگر عورتیں اس بات کو سمجھ لیں اور خدا کا خوف کرنے لگیں اور تقویٰ کی راہوں پر چلیں تو وہ اس قابل ہو جائیں گی کہ ایک انقلاب معاشرے میں پیدا کر دیں۔''

(جلسہ سالانہ گھانا 2004ء۔ اَلْاَزْھَارُ لِذَوَاتِ الْخِمَار۔ جلد سوم حصہ اول)

اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی یہ توفیق دے کہ ہم خدا تعالیٰ کی حقیقی عبد بنیں اور ہمیشہ ہم اور ہماری آئندہ نسلیں تا قیامت مضبوطی سے حبل اللہ کو پکڑ کر اپنے ایمان پر قائم رہیں۔ آمین۔

(بتعاون: عائشہ نصرت جہاں)

﴿12﴾ ﴿مشاہدات۔1214﴾

اٰمَنُوْا اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کا حسین امتزاج

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ

یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے یہی ہیں جو اہلِ جنت ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار
اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب
لگاتے ہیں دل اپنا اس پاک سے
وہی پاک جاتے ہیں اس خاک سے

(درثمین)

معزز سامعین! آج مجھے اِس محفل میں قرآنِ کریم کی آیات میں **اٰمَنُوْا** کے ساتھ **عَمِلُوْا الصَّالِحَات** کے الفاظ کے عمیق تعلق کو بیان کرنا ہے۔ جو 50 کے آیات میں بیان ہوا ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ نے یؤمنون کے درج ذیل تین معانی فرمائے ہیں۔ اوّل تصدیق کرتے ہیں۔ دوم اعتراف کرتے ہیں اور سوم پختہ یقین اور اعتماد رکھتے ہیں۔

(تفسیر کبیر جلد اول صفحہ 97 زیر لفظ یؤمنون)

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بارہا لفظِ اٰمَنُوْا کو عَمِلُوْا الصّٰلِحَات کے ساتھ باندھ کر گویا ایمان کے اعمالِ صالحہ کے ساتھ گہرے تعلق کو بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ اوپر آیت میں بیان ہوا ہے جس کی مَیں نے تقریر کے آغاز میں تلاوت کی ہے۔ اِس مضمون کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے جہاں مؤمنوں اور اعمالِ صالحہ بجالانے والوں کو انعامات، افضال، مغفرت، بخشش، اجر اور جنت کی بشارت دی وہاں جہنم سے دوری اور آگ سے نجات کی خوشخبری بھی سنائی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے عمل اور ایمان کے رشتے کو بہت اچھوتے اور اچھے انداز میں مختلف جگہوں پر بیان فرمایا ہے جیسے ایمان، اعمالِ صالحہ کے بغیر ادھورا ہے۔ بغیر ایمان کے عمل مِثل مُردہ کے ہے۔

آپؑ فرماتے ہیں۔

”ایمان کے ساتھ عمل کی ضرورت ہے ورنہ ایمان بدُوں عمل مُردہ ہے اور جب تک عمل نہ ہو وہ ثمرات اور نتائج پیدا نہیں ہوتے جو اعمال کے ساتھ وابستہ ہیں۔ مگر اعمال کی قوت اور توفیق معرفت اور یقین سے پیدا ہوتی ہے۔ جس قدر یہ قوت بڑھتی ہے اُسی قدر اعمالِ صالحہ کی توفیق ملتی ہے اور وہ برکات حاصل ہوتی ہیں جن سے انسان آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔“

(الحکم 10 اگست 1903ء صفحہ 20)

ایمان اور عمل کے درمیان رشتے کو آپؑ نے ایک اور جگہ یوں بیان فرمایا ہے:

”ایمان اور اعمال کی مثال قرآن شریف میں درختوں سے دی گئی ہے۔ ایمان کو درخت بتایا ہے اور اعمال اس کی آبپاشی کے لئے بطور نہروں کے ہیں۔ جب تک اعمال سے ایمان کے پودہ کی آبپاشی نہ ہو اس وقت تک وہ شیریں پھل حاصل نہیں ہوتے۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 225۔226 ایڈیشن 2016ء)

آپؑ ایک اَور موقع پر جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”دیکھو! جب مالی بوٹا لگاتا ہے پھر اس کو پانی دیتا ہے اور اس سے اس کی تکمیل کرتا ہے۔ اسی طرح ایمان ایک بوٹا ہے اور اس کی آبپاشی عمل سے ہوتی ہے اس لیے ایمان کی تکمیل کے لیے عمل کی از حد ضرورت

ہے ۔ اگر ایمان کے ساتھ عمل نہیں ہو ں گے تو بوٹے خشک ہو جائیں گے اور وہ غائب و خاسر رہ جائیں گے۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 296۔ حاشیہ ایڈیشن 2022ء)

اوپر بیان فرمودہ ارشادات میں نمبر ایک آپؑ نے ایمان کو عمل کے بِنَا ایک مُردار اور ایسا درخت قرار دیا ہے جس کو نیک اور صالح اعمال کا پانی سیر اب نہ کر رہا ہو اور اُس کے سڑنے اور گَلنے کے امکانات موجود ہوں۔ گویا اعمال ایسا پانی ہے جو ایمان کو ہرا بھرا رکھتا ہے۔ اِس لئے ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے ایمان کو اپنے اعمال سے سیر اب کرتے رہیں۔ اللہ کی طرف جھکیں، نمازیں پڑھیں، تلاوتِ قرآن کیا کریں۔ اللہ کی مخلوق سے پیار اور محبت سے پیش آئیں۔ بالخصوص اپنے اہل خانہ اور عزیز و اقارب سے شفقت اور محبت کا سلوک کریں ۔ ایسا نہ ہو کہ ہم آج کے دور میں غیروں کے نزدیک تو غیر مسلم ٹھہرے ہی ہیں اپنے غیر اسلامی اعمال ہونے کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے دربار میں بھی اسلام کو اپنی طرف منسوب نہ کر سکیں۔

سامعین! دوسرے نمبر پر حضورؑ نے ایمان کو بوٹا، پوداا ور درخت سے تشبیہ دے کر اعمال کو نہر اور پانی قرار دیا ہے۔ جس طرح ایک پودا پھلنے، پھولنے اور پھل، پھول دینے کے لئے مادّی پانی کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح روحانی پودے "ایمان" کو روحانی پانی "اعمال" کی ضرورت ہو گی۔ کہتے ہیں۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اِن تشبیہات میں بیان مضمون کو لے کر آگے بڑھیں تو ایک بڑی ہی حسین اَور سبق آموز حقیقت سامنے آتی ہے۔ پودا، بیج سے شروع ہو کر بڑھتا ہے اور اتنا پھیل جاتا ہے کہ وہ جب پھل سے لدّ جاتا ہے تو اُس کی شاخیں جُھک جاتی ہیں، وہ خوبصورت اور بَھلا لگتا ہے۔ لوگ اُس کے لذیذ اور رس بھرے پھلوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بعض درختوں کے گھنے سایہ میں آرام کرتے اور ستاتے ہیں بعینیہ ایمان ایک بیج کی مانند کسی نیک اور سعادت مند کے دل و دماغ میں بویا جاتا ہے، جہاں وہ پرورش پاتا ہے اور ایمان کا حامل انسان جب مذہبی تعلیمات کے مطابق اعمال بجالاتا ہے تو اُس کا ایمان اُسی طرح دل پھاڑ کر باہر آتا ہے جیسے ایک پودا

زمین پھاڑ کر باہر آتا اَور بڑھنے لگتا ہے اور آہستہ آہستہ وہ پھلوں اور پھولوں سے مزیّن ہونے لگتا ہے اِسی طرح ایمان جب اعمال سے مزیّن ہوتا جاتا ہے اور ایمان پھل دینے لگتا ہے۔ وہ مؤمن اپنے خالق کے قریب ہونے لگتا ہے۔ اُس کے رسول سے محبت بڑھنے لگتی ہے۔ قرآن سے عشق ہو جاتا ہے۔ اللہ کی مخلوق سے عزت و احترام کا سلوک کرنے لگتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء سے محبت اور اُن کے فرمودات کو حرزِ جان بنائے رکھنا بھی ایمان کے پھلوں میں شمار ہوتا ہے۔

ایمان کو ایک اَور مثال سے بھی بیان کیا جاسکتا ہے اور وہ ہے "چنگاری"۔ جس طرح ایک چنگاری ایک اگ کو بھڑکا سکتی جو بعض اَوقات بُجھنے کا نام نہیں لیتی اِسی طرح ایمان جب پیدا ہو جاتا ہے تو بڑھنے لگتا ہے۔

میرے بھائیو! الغرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایمان اور عمل اور قول و فعل میں مطابقت کو نہایت پیارے انداز میں مختلف جگہوں پر بیان فرمایا ہے۔ جن میں سے چند ایک ارشادات کو مَیں نے اپنی تقریر کی زینت بنایا ہے۔ حضورؑ اِس اہم مضمون کو ایک اور مثال سے سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"قول اور عمل کی مثال دانہ کی ہے۔ اگر کسی کو ایک دانہ دیا جاوے اور وہ اسے لے جا کر رکھ چھوڑے اور استعمال نہ کرے تو آخر اُسے پڑے پڑے گھن لگ جاوے گا۔ ایسے ہی اگر قول ہو اور اس پر عمل نہ ہو تو آہستہ آہستہ وہ قول بھی نہ رہے گا۔ اسی لیے اعمال کی طرف سبقت کرنی چاہیے۔"

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 117 ایڈیشن 1984ء)

پھر قول اور فعل کی اہمیت کو مثالوں سے سمجھانے کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فیصلہ کی جو آسان ترین راہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک قول ہوتا ہے اور ایک فعل۔ اگر قول میں اختلاف ہے تو اب فعل کی انتظار چاہیے۔ قول پر اگر فیصلہ کا مدار رکھا جاوے تو اس کی نظیر دوسری جگہ نکل آتی ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ مجھے یہ الہام ہوا ہے کہ تم کذّاب ہو۔ لیکن فعل کو کہاں چھپائیں گے۔ اس کی مثال تو ایک سُورج کی ہے جس کی رؤیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے۔ قول سے مراد ہماری وحی الٰہی ہے اور فعل سے نصرت اور تائیدات الٰہیہ۔"

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 303-304 ایڈیشن 1984ء)

پھر حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اپنے ایمان کا وزن کرو۔ عمل ایمان کا زیور ہے۔ اگر عملی حالت درست نہیں ہے تو حقیقت میں ایمان بھی نہیں ہے۔ مؤمن حسین ہوتا ہے جیسے ایک خوبصورت کو معمولی اور ہلکا سا کپڑا بھی پہنا دیا جاوے تو وہ اُسے زیادہ خوبصورت بنا دیتا ہے۔ اِسی طرح پر ایماندار کو عمل اور بھی خوبصورت دکھاتا ہے اور اگر بد عمل ہے تو کچھ بھی نہیں"

(ملفوظات جلد اول صفحہ 340 ایڈیشن 2016ء)

اب تک مَیں حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کی زُبانی چھ مثالیں دے آیا ہوں اور پہلی تین مثالوں کی وضاحت اپنی زبان میں پیش بھی کی ہیں۔ اب جہاں تک دوسری تین مثالوں کا تعلق ہے وہ بھی آسان فہم ہیں لیکن آپ سامعین کے لئے تجربات سے وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ پہلے نمبر پر حضورؑ نے دانے یعنی اناج کی مثال دی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کسان فصل کا دانہ بننے سے پہلے یا دانہ بنتے ہی بلکہ باغبان اپنے اپنے باغ میں لگے پودوں پر پھل لگنے سے پہلے اُس کے پھولوں پر کیڑے مار ادویات کا سپرے کروا دیتے ہیں تا اُن کی فصل اور پھل محفوظ رہے اور جب فصل کٹائی کے بعد گھروں میں یا اسٹورز میں رکھی جاتی ہے تو کیڑے مار ادویات گولیوں یا پوٹلیوں میں بند کر کے جگہ جگہ رکھی جاتی ہیں تا اُن ادویات کی بُو سے کیڑے فصل سے دور رہیں اور فصل کو گھن نہ لگے۔ جب مادّی فصل کی حفاظت کے لئے اتنی تگ ودَو کرنی پڑتی ہے تو روحانی فصل یعنی اعمال کو اعمالِ حسنہ میں تبدیل کرنے کے لئے کتنی محنت کی ضرورت ہو گی۔ اعمال کو گھن بھی مادّی فصل سے ذرا جلدی لگتا ہے جس کے لئے بد صحبت کی ایک دو مجلسیں ہی کافی ہوتی ہیں۔ ایک مؤمن اپنے قول یعنی ایمان کو اپنے اعمال سے ہی خوبصورت بنا سکتا ہے جسے حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام نے ایمان کا زیور قرار دیا ہے۔ زیور خوبصورتی کا باعث ہوتا ہے، حُسن میں اضافہ ہو جاتا ہے اِسی طرح عمل، ایمان کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ یہ زیور گولڈ کا بھی ہو سکتا ہے، سلور کا یا کانچ کا بھی ہو سکتا ہے۔ نماز ایک مؤمن کا زیور ہے لیکن اگر وہ مسجد میں جا کر باجماعت ادا کرنے کی بجائے گھر میں ادا کرے گا تو وہ زیور تو ہو سکتا ہے لیکن گولڈ کا نہیں ہو گا۔ حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام نے یہ نصیحت بھی فرمائی کہ اپنے ایمان کا وزن کرتے رہو یعنی اپنے جائزے لیتے رہو اور ترازو کے ایک پلڑے میں ایمان اور دوسرے پلڑے میں

اپنے اعمال ڈال کر وزن کرتے رہو۔ اعمال کا پلڑا، ایمان کے پلڑے سے بھاری ہو یا کم از کم برابر ہو۔ پھر حضورؑ نے تیسری مثال میں قول کو وحی الٰہی اور اعمال کو سورج یعنی تائیداتِ الٰہی ونصرتِ الٰہی کہا ہے جو سورج کی طرح ہر ایک کو نظر آتی ہیں۔ یہی کیفیت ایمان اور عمل کی ہے۔ ایک مؤمن کے اعمال سورج کی طرح روشن اور چمکدار ہوں کہ دوسروں کی آنکھوں کو خیرہ کر دیں اور وہ کہہ اُٹھے کہ یہ سچا، کامل مؤمن ہے۔

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام زُبان سے ایمان کے اظہار کو اپنے اعمال سے سجانے کے حوالے سے فرماتے ہیں:

”انسان سمجھتا ہے کہ نِرا زبان سے کلمہ پڑھ لینا ہی کافی ہے یا نِرا اَستغفر اللہ کہہ دینا ہی کافی ہے مگر یاد رکھو! زبانی لاف وگزاف کافی نہیں۔ خواہ انسان زبان سے ہزار مرتبہ اَستغفر اللہ کہے یا سو مرتبہ تسبیح پڑھے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ خدا نے انسان کو انسان بنایا ہے، طوطا نہیں بنایا۔ یہ طوطا کا کام ہے کہ وہ زبان سے تکرار کرتا رہے اور سمجھے خاک بھی نہیں۔ انسان کا کام تو یہ ہے کہ جو کچھ منہ سے کہتا ہے اُس کو سوچ کر کہے اور پھر اُس کے موافق عمل درآمد بھی کرے۔ لیکن اگر طوطا کی طرح بولتا جاتا ہے تو یاد رکھو! نِری زبان سے کوئی برکت نہیں ہے۔ جب تک دل سے اُس کے ساتھ نہ ہو اور اُس کے موافق اعمال نہ ہوں۔ وہ نِری باتیں سمجھی جائیں گی جن میں کوئی خوبی اور برکت نہیں کیونکہ وہ نِرا قول ہے خواہ قرآن شریف اور استغفار ہی کیوں نہ پڑھتا ہو۔ خدا تعالیٰ اعمال چاہتا ہے اس لئے بار بار یہی حکم دیا کہ اعمال صالحہ کرو۔ جب تک یہ نہ ہو خدا کے نزدیک نہیں جاسکتے۔ بعض نادان کہتے ہیں کہ آج ہم نے دن بھر میں قرآن ختم کر لیا ہے۔ لیکن کوئی اُن سے پوچھے کہ اس سے کیا فائدہ ہوا؟ نِری زبان سے تم نے کام لیا مگر باقی اعضاء کو بالکل چھوڑ دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام اعضاء اس لئے بنائے ہیں کہ اُن سے کام لیا جاوے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ بعض لوگ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور قرآن اُن پر لعنت کرتا ہے کیونکہ اُن کی تلاوت نِرا قول ہی قول ہوتا ہے اور اِس پر عمل نہیں ہوتا۔“

(ملفوظات، جلد 6 صفحہ 398-399 ایڈیشن 1984ء)

پھر آپ علیہ السلام ”جماعت کو عمل کی ضرورت ہے“ کے تحت فرماتے ہیں:

”یاد رکھو کہ ہماری جماعت اس بات کے لئے نہیں ہے جیسے عام دنیادار زندگی بسر کرتے ہیں۔ نرا زبان سے کہہ دیا کہ ہم اسلام میں داخل ہیں اور عمل کی ضرورت نہ سمجھی جیسے بدقسمتی سے مسلمانوں کا حال ہے کہ پوچھو! تم مسلمان ہو؟ تو کہتے ہیں شکر الحمد للہ۔ مگر نماز نہیں پڑھتے اور شعائرُ اللہ کی حرمت نہیں کرتے۔ پس مَیں تم سے یہ نہیں چاہتا کہ صرف زبان سے ہی اقرار کرو اور عمل سے کچھ نہ دکھاؤ یہ نِکّمی حالت ہے۔ خدا تعالیٰ اِس کو پسند نہیں کرتا...... پس اب اگر کوئی میرے ساتھ تعلق رکھ کر اپنی حالت کی اصلاح نہیں کرتا اور عملی قوتوں کو ترقی نہیں دیتا بلکہ زبانی اقرار ہی کو کافی سمجھتا ہے۔ وہ گویا اپنے عمل میں میری عدم ضرورت پر زور دیتا ہے۔ پھر تم اگر اپنے عمل سے ثابت کرنا چاہتے ہو کہ میرا آنا بے سُود ہے تو پھر میرے ساتھ تعلق کرنے کے کیا معنے ہیں؟ میرے ساتھ تعلق پیدا کرتے ہو تو میری اغراض اور مقاصد کو پورا کرو اور وہ یہی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے حضور اپنا اخلاص اور وفاداری دکھاؤ اور قرآن شریف کی تعلیم پر اُسی طرح عمل کرو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرکے دکھایا اور صحابہؓ نے کیا۔ قرآن شریف کے صحیح منشا کو معلوم کرو اور اِس پر عمل کرو۔ خدا تعالیٰ کے حضور اتنی ہی بات کافی نہیں ہو سکتی کہ زبان سے اقرار کر لیا اور عمل میں کوئی روشنی اور سرگرمی نہ پائی جاوے۔ یاد رکھو کہ وہ جماعت جو خدا تعالیٰ قائم کرنی چاہتا ہے وہ عمل کے بدُوں زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ وہ عظیم الشّان جماعت ہے جس کی تیاری حضرت آدمؑ کے وقت سے شروع ہوئی ہے کہ کوئی نبی دنیا میں نہیں آیا جس نے دعوت کی خبر نہ دی ہو۔ پس اِس کی قدر کرو اور اِس کی قدر یہی ہے کہ اپنے عمل سے ثابت کرکے دکھاؤ کہ اہلِ حق کا گروہ تم ہی ہو۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 163-164، ایڈیشن 1984ء)

اِس ارشاد سے واضح طور پر اِس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ صحابہ کے نیک اعمال دراصل اُن ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے سے تیار ہوئے تھے جو صحابہؓ نے براہ راست آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے تھے جن پر عمل کرکے وہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کے مصداق ٹھہرے۔ انسان کے عمل یا اس کے فعل سے اس کی شخصیت کی ایک تصویر بنتی یا اُبھرتی ہے۔ جس سے وہ جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ اسی لئے تو کہتے ہیں کہ اگر انسان کی شخصیت کو پہچاننا ہو تو اس کے کردار کو دیکھو نہ کہ گفتار کو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”ایک دفعہ ایک شخص نے ابو بکرؓ کو پیغمبر جان کر ان سے مصافحہ کیا اور تعظیم و تکریم کرنے لگا۔ آخر ابو بکرؓ اُٹھ کر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پنکھا جھلنے لگ گئے اور اپنے قول سے نہیں بلکہ فعل سے بتلا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں مَیں تو خادم ہوں“

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 411 ایڈیشن 1984ء)

آپؑ نے ایک موقع پر بیعت لینے کے بعد نو مبائعین کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

”تم لوگوں نے اِس وقت جو بیعت کی ہے اِس کا زبان سے کہہ دینا اور اقرار کر لینا تو بہت ہی آسان ہے مگر اِس اقرارِ بیعت کا نبھانا اور اِس پر عمل کرنا بہت ہی مشکل ہے ......یاد رکھو! نِری بیعت سے کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اِس رسم سے راضی نہیں ہوتا جب تک کہ حقیقی بیعت کے مفہوم کو ادا نہ کرے۔ اِس وقت تک یہ بیعت، بیعت نہیں نری رسم ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ بیعت کے حقیقی منشا کو پورا کرنے کی کوشش کرو۔ یعنی تقویٰ اختیار کرو۔ قرآن شریف کو خوب غور سے پڑھو اور اِس پر تدبّر کرو اور پھر عمل کرو کیونکہ سنت اللہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نرے اقوال اور باتوں سے کبھی خوش نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حاصل کرنے کے واسطے ضروری ہے کہ اُس کے احکام کی پیروی کی جاوے اور اُس کے نواہی سے بچتے رہو اور یہ ایک ایسی صاف بات ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان بھی نری باتوں سے خوش نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی خدمت ہی سے خوش ہوتا ہے“

(ملفوظات جلد ششم صفحہ 392-405 ایڈیشن 1984ء)

میرے بھائیو! حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآنی آیت فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا کی تشریح میں عملِ صالح کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (النحل:111) عمل صالح سے یہاں یہ مراد ہے کہ اس میں کسی قسم کی بدی کی آمیزش نہ ہو۔ صلاحیت ہی صلاحیت ہو۔ نہ عُجب ہو۔ نہ کبر ہو۔ نہ نخوت ہو۔ نہ تکبر ہو۔ نہ نفسانی اغراض کا حصّہ ہو۔ نہ رو بخلق ہو۔ حتّٰی کہ دوزخ اور بہشت کی خواہش بھی نہ ہو۔ صرف خدا تعالیٰ کی محبت سے وہ عمل صادر ہو

جب تک دوسری قسم کی غرض کو دخل ہے تب تک ٹھوکر کھائے گا اور اس کا نام شرک ہے کیونکہ وہ دوستی اور محبت کس کام کی جس کی بنیاد صرف ایک پیالہ چائے یا دوسری خالی محبوبات تک ہی ہے۔ ایسا انسان جس دن اس میں فرق آتا دیکھے گا اسی دن قطع تعلق کر دے گا۔ جو لوگ خدا تعالیٰ سے اس لیے تعلق باندھتے ہیں کہ ہمیں مال ملے یا اولاد حاصل ہو یا ہم فلاں فلاں امور میں کامیاب ہو جاویں اُن کے تعلقات عارضی ہوتے ہیں اور ایمان بھی خطرہ میں ہے۔ جس دن اُن کے اغراض کو کوئی صدمہ پہنچا، اُسی دن ایمان میں فرق آجاوے گا۔ اِس لیے پکا مؤمن وہ ہے جو کسی سہارے پر خدا تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتا۔"

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 132 ایڈیشن 1984ء)

پھر فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ کوئی بُرا عمل کرے خواہ کتنا ہی کیوں نہ کرے اس کی پاداش اس کو ملے گی یہاں کوئی تخصیص ذات اور قوم کی نہیں اور پھر دوسری جگہ فرمایا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرّم وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ پس ذاتوں پر گھمنڈ نہ کرو کہ یہ نیکی کے لیے روک کا باعث ہو جاتا ہے۔ ہاں ضروری یہ ہے کہ تقویٰ میں ترقی کرو۔ خدا تعالیٰ کے فضل اور برکات اسی راہ سے آتے ہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ ہماری جماعت اور ہم جو کچھ ہیں اسی حال میں اللہ تعالیٰ کی تائید اور اُس کی نصرت ہمارے شاملِ حال ہو گی کہ ہم صراطِ مستقیم پر چلیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اور سچی اتباع کریں۔ قرآن شریف کی پاک تعلیم کو اپنا دستور عمل بناویں اور ان باتوں کو ہم اپنے عمل اور حال سے ثابت کریں نہ صرف قال سے۔ اگر ہم اس طریق کو اختیار کریں گے تو یقیناً یاد رکھو کہ ساری دنیا بھی مِل کر ہم کو ہلاک کرنا چاہے تو ہم ہلاک نہیں ہو سکتے اس لیے کہ خدا ہمارے ساتھ ہو گا۔

لیکن اگر ہم خدا تعالیٰ کے نافرمان اور اس قطع تعلق کر چکے ہیں تو ہماری ہلاکت کے لیے کسی کو منصوبہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ کسی مخالفت کی حاجت نہیں۔ وہ سب سے پہلے خود ہم کو ہلاک کر دے گا۔"

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 189 ایڈیشن 1984ء)

”ہماری جماعت میں عمدہ اور اعلیٰ درجہ کے نیک چال چلن کے لوگ ہیں اور وہ سب حسنہ صفات سے متّصف ہیں اور ایسے ہی لوگوں کو ہم ساتھ رکھتے ہیں۔“

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 163 ایڈیشن 2022ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”حقیقت میں اس امر کی بہت بڑی ضرورت ہے کہ انسان کا قول اور فعل باہم ایک مطابقت رکھتے ہوں۔ اگر ان میں مطابقت نہیں تو کچھ بھی نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (البقرہ: 45) یعنی تم لوگوں کو تو نیکی کا امر کرتے ہو مگر اپنے آپ کو اس امر نیکی کا مخاطب نہیں بناتے، بلکہ بھول جاتے ہو اور پھر دوسری جگہ فرمایا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف: 3) مؤمن کو دورنگی اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ یہ بزدلی اور نفاق اس سے ہمیشہ دور ہوتا ہے۔ ہمیشہ اپنے قول اور فعل کو درست رکھو اور ان میں مطابقت دکھاؤ۔ جیسا کہ صحابہؓ نے اپنی زندگیوں میں دکھایا، ایسا ہی تم بھی ان کے نقش قدم پر چل کر اپنے صدق ووفا کے نمونے دکھاؤ“

(ملفوظات جلد اول صفحہ 338-339 ایڈیشن 2016ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”جب ہم اِس پہلو کی طرف دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام ہم میں جو عملی تبدیلی پیدا کرنا چاہتے ہیں، اُس کی حالت کیا ہے؟ تو پھر فکر پیدا ہوتی ہے۔ سوال اُٹھتا ہے کہ کیا ہم میں سے ہر ایک معاشرے کی ہر برائی کا مقابلہ کر کے اُسے شکست دے رہا ہے؟ کیا ہم میں سے ہر ایک کے ہر عمل کو دیکھ کر اُس سے تعلق رکھنے والا اور اُس کے دائرے اور ماحول میں رہنے والا اُس سے متاثر ہو رہا ہے، یا پھر ہم ہی معاشرے کے اثر سے متاثر ہو کر اپنی تعلیم اور اپنی روایات کو بھولتے چلے جارہے ہیں۔ کیا ہم میں سے ہر ایک بھرپور کوشش کرتے ہوئے اپنی اِس طرح عملی اصلاح کر رہا ہے جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ہمیں تعلیم دی ہے جو ہم سے یہ تقاضا کرتی ہے، یہ پوچھتی ہے کہ کیا ہم نے سچائی کے وہ معیار قائم کر لئے ہیں کہ جھوٹ اور فریب ہمارے قریب بھی نہ پھٹکے؟ کیا ہم نے اپنے دنیاوی معاملات سے واسطہ رکھتے ہوئے آخرت پر بھی نظر رکھی ہوئی ہے؟ کیا ہم حقیقت میں دین کو دنیا پر مقدم کرنے والے ہیں؟ کیا ہم ہر ایک بدی سے اور بد عملی سے انتہائی محتاط ہو کر بچنے کی کوشش کرنے والے ہیں؟ کیا ہم کسی کا

حق مارنے سے بچنے والے اور ناجائز تصرف سے بچنے والے ہیں؟ کیا ہم پنجگانہ نماز کا التزام کرنے والے ہیں؟ کیا ہم ہمیشہ دعا میں لگے رہنے والے اور خدا تعالیٰ کو انکسار سے یاد کرنے والے ہیں؟ کیا ہم ہر ایسے بدرفیق اور ساتھی کو جو ہم پر بد اثر ڈالتا ہے، چھوڑنے والے ہیں؟ کیا ہم اپنے ماں باپ کی خدمت اور اُن کی عزت کرنے والے اور امورِ معروفہ میں اُن کی بات ماننے والے ہیں؟ کیا ہم اپنی بیوی اور اُس کے رشتہ داروں سے نرمی اور احسان کا سلوک کرنے والے ہیں؟ کیا ہم اپنے ہمسائے کو ادنیٰ ادنیٰ خیر سے محروم تو نہیں کر رہے؟ کیا ہم اپنے قصور وار کا گناہ بخشنے والے ہیں؟ کیا ہمارے دل دوسروں کے لئے ہر قسم کے کینے اور بُغض سے پاک ہیں؟ کیا ہر خاوند اور ہر بیوی ایک دوسرے کی امانت کا حق ادا کرنے والے ہیں؟ کیا ہم عہدِ بیعت کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی حالتوں کی طرف نظر رکھنے والے ہیں؟ کیا ہماری مجلسیں دوسروں پر تہمتیں لگانے اور چغلیاں کرنے سے پاک ہیں؟ کیا ہماری زیادہ تر مجالس اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کرنے والی ہیں؟

اگر ان کا جواب نفی میں ہے تو ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی تعلیم سے دُور ہیں اور ہمیں اپنی عملی حالتوں کی فکر کرنی چاہئے۔ اگر اس کا جواب ہاں میں ہے تو ہم میں سے وہ خوش قسمت ہیں جن کو یہ جواب ہاں میں ملتا ہے کہ ہم اپنی عملی حالتوں کی طرف توجہ دے کر بیعت کا حق ادا کرنے والے ہیں۔"

(خطبہ جمعہ 6/دسمبر 2013ء)

حضرت خلیفۃُ المسیح الثانیؓ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص مجھے ملنے آتا ہے تو مجھے یہ علم دے دیا جاتا ہے کہ یہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ اِس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔ حتّٰی کہ اُس کے کردار و افعال کی بھی اطلاع دے دی جاتی ہے۔ اِس لئے جہاں اپنے اعمال کو صالح اور حسین بناتے رہنے کی ہمیں ضرورت ہے وہاں خلیفۃُ المسیح کے پاس جانے سے قبل صدقہ ضرور دینا چاہیے۔ آمین

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے ایمانوں کو اعمالِ حسنہ سے مزیّن کرنے کی توفیق دے۔ اللہ، اُس کے رسول، اُس کی کتاب، آخری دَور کے مامور اور اُس کے بعد قائم ہونے والی خلافت سے وفا کا تعلق تو "پتھروں کو بھی وفا پھول بنا سکتی ہے"۔ پس ہم میں سے ہر ایک چاہئے کہ ہم اپنے ایمان کو اعمال اور وفا سے سجاتے رہیں۔

۞۞۞۞

﴿13﴾ ﴿مشاہدات۔93﴾

عمل، ایمان کا زیور ہے

ہے عمل میں کامیابی موت میں ہے زندگی
جا لپٹ جا لہر سے دریا کی کچھ پروا نہ کر

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓٮِٕكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ‌ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے یہی ہیں جو اہلِ جنت ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

سامعین! آج میری تقریر کا عنوان حضرت مسیح موعودؑ کا ایک ارشاد "**عمل، ایمان کا زیور ہے**" ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بارہا لفظ اٰمَنُوۡا کے ساتھ عَمِلُوا الصَّالِحَات کے الفاظ لا کر ایمان کا تعلق اعمالِ صالحہ کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ اُس آیت میں بیان ہوا ہے جس کی مَیں نے تقریر کے آغاز میں تلاوت کی ہے۔ اِس مضمون کے حوالے سے پچاس کے قریب آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہاں مؤمنوں اور اعمالِ صالحہ بجالانے والوں کو انعامات، افضال، مغفرت، بخشش، اجر اور جنت کی بشارت دی وہاں جہنم سے دوری اور آگ سے نجات کی خوشخبری بھی دی ہے۔ اِسی لئے حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ عمل ایمان کا زیور ہے۔ زیور خوبصورتی کا باعث ہوتا ہے اور حُسن میں اضافہ ہو جاتا ہے اِسی طرح عمل، ایمان کو چار چاند لگا دیتا ہے۔

حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اپنے ایمان کا وزن کرو۔ عمل ایمان کا زیور ہے۔ اگر عملی حالت درست نہیں ہے تو حقیقت میں ایمان بھی نہیں ہے۔ مؤمن حسین ہوتا ہے جیسے ایک خوبصورت کو معمولی اور ہلکا سا کڑا بھی پہنا دیا جاوے تو وہ اُسے

زیادہ خوبصورت بنا دیتا ہے۔ اِسی طرح پر ایماندار کو عمل اور بھی خوبصورت دکھاتا ہے اور اگر بد عمل ہے تو کچھ بھی نہیں"

(ملفوظات جلد اول صفحہ 340 ایڈیشن 2016ء)

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

میرے بھائیو اور بہنو! حضرت مسیح موعودؑ نے عمل اور ایمان کے رشتے کو بہت اچھوتے اور اچھے انداز میں مختلف جگہوں پر بیان فرمایا ہے جیسے ایمان، اعمالِ صالحہ کے بغیر ادھورا ہے۔ بغیر ایمان کے عمل مِثل مُردہ کے ہے۔

فرمایا:

"ایمان کے ساتھ عمل کی ضرورت ہے ورنہ ایمان بدُوں عمل مُردہ ہے اور جب تک عمل نہ ہو وہ ثمرات اور نتائج پیدا نہیں ہوتے جو اعمال کے ساتھ وابستہ ہیں۔ مگر اعمال کی قوت اور توفیق معرفت اور یقین سے پیدا ہوتی ہے۔ جس قدر یہ قوت بڑھتی ہے اُسی قدر اعمالِ صالحہ کی توفیق ملتی ہے اور وہ برکات حاصل ہوتی ہیں جن سے انسان آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔"

(الحکم 10 اگست 1903ء صفحہ 20)

ایمان اور عمل کے درمیان رشتے کو آپؑ نے ایک اور جگہ یوں بیان فرمایا ہے:

"ایمان اور اعمال کی مثال قرآن شریف میں درختوں سے دی گئی ہے۔ ایمان کو درخت بتایا ہے اور اعمال اس کی آبپاشی کے لئے بطور نہروں کے ہیں۔ جب تک اعمال سے ایمان کے پودہ کی آبپاشی نہ ہو اس وقت تک وہ شیریں پھل حاصل نہیں ہوتے۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 225-226 ایڈیشن 2016ء)

الغرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایمان اور عمل، قول و فعل میں مطابقت کو نہایت پیارے انداز میں مختلف جگہوں پر بیان فرمایا ہے۔ جن میں سے چند ایک ارشادات کو اپنی اِس تقریر میں بیان

کر رہا/رہی ہوں۔ اوپر بیان فرمودہ دو ارشادات میں آپؑ نے ایمان کو عمل کے بِنَا ایک مُردار اور ایسا درخت قرار دیا ہے جس کو نیک اور صالح اعمال کا پانی سیر اب نہ کر رہا ہو اور اُس کے سڑنے اور گَلنے کے امکانات موجود ہوں۔ گویا اعمال ایسا پانی ہے جو ایمان کو ہرا بھرا رکھتا ہے۔ اِس لئے ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے ایمان کو اپنے اعمال سے سجائیں۔ اللہ کی طرف جھکیں، نمازیں پڑھیں، تلاوتِ قرآن کیا کریں۔ اللہ کی مخلوق سے پیار اور محبت سے پیش آئیں۔ بالخصوص اپنے اہل خانہ اور عزیز و اقارب سے شفقت اور محبت کا سلوک کریں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم آج کے دور میں غیروں کے نزدیک تو غیر مسلم ٹھہرے ہی ہیں اپنے اعمال نہ ہونے کی وجہ سے خدا کے دربار میں بھی اسلام کو اپنی طرف منسوب نہ کر سکیں۔

قول و عمل مثل دانہ

میرے بھائیو اور بہنو! حضورؑ اِس اہم مضمون کو ایک اور مثال سے سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"قول اور عمل کی مثال دانہ کی ہے۔ اگر کسی کو ایک دانہ دیا جاوے اور وہ اسے لے جا کر رکھ چھوڑے اور استعمال نہ کرے تو آخر اُسے پڑے پڑے گھُن لگ جاوے گا۔ ایسے ہی اگر قول ہو اور اس پر عمل نہ ہو تو آہستہ آہستہ وہ قول بھی نہ رہے گا۔ اسی لیے اعمال کی طرف سبقت کرنی چاہیے۔"

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 117 ایڈیشن 1984ء)

فعل کی مثال سورج سے

پھر قول اور فعل کی اہمیت کو مثالوں سے سمجھانے کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فیصلہ کی جو آسان ترین راہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک قول ہوتا ہے اور ایک فعل۔ اگر قول میں اختلاف ہے تو اب فعل کی انتظار چاہیے۔ قول پر اگر فیصلہ کا مدار رکھا جاوے تو اس کی نظیر دوسری جگہ نکل آتی ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ مجھے یہ الہام ہوا ہے کہ تم کذّاب ہو۔ لیکن فعل کو کہاں چھپائیں گے۔ اس کی مثال تو ایک سُورج کی ہے جس کی رویت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے۔ قول سے مراد ہماری وحی الٰہی ہے اور فعل سے نصرت اور تائیدات الٰہیہ۔"

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 303-304 ایڈیشن 1984ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام زُبان سے ایمان کے اظہار کو اپنے اعمال سے سجانے کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"انسان سمجھتا ہے کہ نِرا زبان سے کلمہ پڑھ لینا ہی کافی ہے یا نِرا اَستغفِراللّٰہ کہہ دینا ہی کافی ہے مگر یادرکھو! زبانی لاف و گزاف کافی نہیں۔ خواہ انسان زبان سے ہزار مرتبہ اَستغفِراللّٰہ کہے یا سو مرتبہ تسبیح پڑھے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ خدا نے انسان کو انسان بنایا ہے، طوطا نہیں بنایا۔ یہ طوطا کا کام ہے کہ وہ زبان سے تکرار کرتا رہے اور سمجھے خاک بھی نہیں۔ انسان کا کام تو یہ ہے کہ جو کچھ منہ سے کہتا ہے اُس کو سوچ کر کہے اور پھر اُس کے موافق عمل درآمد بھی کرے۔ لیکن اگر طوطا کی طرح بولتا جاتا ہے تو یادرکھو! نِری زبان سے کوئی برکت نہیں ہے۔ جب تک دل سے اُس کے ساتھ نہ ہو اور اُس کے موافق اعمال نہ ہوں۔ وہ نِری باتیں سمجھی جائیں گی جن میں کوئی خوبی اور برکت نہیں کیونکہ وہ نِرا قول ہے خواہ قرآن شریف اور استغفار ہی کیوں نہ پڑھتا ہو۔ خدا تعالیٰ اعمال چاہتا ہے اس لئے بار بار یہی حکم دیا کہ اعمال صالحہ کرو۔ جب تک یہ نہ ہو خدا کے نزدیک نہیں جاسکتے۔ بعض نادان کہتے ہیں کہ آج ہم نے دن بھر میں قرآن ختم کر لیا ہے۔ لیکن کوئی اُن سے پوچھے کہ اس سے کیا فائدہ ہوا؟ نری زبان سے تم نے کام لیا مگر باقی اعضاء کو بالکل چھوڑ دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام اعضاء اس لئے بنائے ہیں کہ اُن سے کام لیا جاوے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ بعض لوگ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور قرآن اُن پر لعنت کرتا ہے کیونکہ اُن کی تلاوت نرا قول ہی قول ہوتا ہے اور اِس پر عمل نہیں ہوتا۔"

(ملفوظات، جلد 6 صفحہ 398-399 ایڈیشن 1984ء)

پھر آپ علیہ السلام "جماعت کو عمل کی ضرورت ہے" کے تحت فرماتے ہیں:

"یادرکھو کہ ہماری جماعت اس بات کے لئے نہیں ہے جیسے عام دنیادار زندگی بسر کرتے ہیں۔ نرا زبان سے کہہ دیا کہ ہم اسلام میں داخل ہیں اور عمل کی ضرورت نہ سمجھی جیسے بدقسمتی سے مسلمانوں کا حال ہے کہ پوچھو! تم مسلمان ہو؟ تو کہتے ہیں شکر الحمدللہ۔ مگر نماز نہیں پڑھتے اور شعائرُ اللہ کی حرمت نہیں کرتے۔ پس مَیں تم سے یہ نہیں چاہتا کہ صرف زبان سے ہی اقرار کرو اور عمل سے کچھ نہ دکھاؤ یہ نکمّی حالت ہے خدا تعالیٰ اِس کو پسند نہیں کرتا...... پس اب اگر کوئی میرے ساتھ تعلق رکھ کر اپنی حالت کی اصلاح نہیں

کرتا اور عملی قوتوں کو ترقی نہیں دیتا بلکہ زبانی اقرار ہی کو کافی سمجھتا ہے۔ وہ گویا اپنے عمل میں میری عدم ضرورت پر زور دیتا ہے۔ پھر تم اگر اپنے عمل سے ثابت کرنا چاہتے ہو کہ میرا آنا بے سُود ہے تو پھر میرے ساتھ تعلق کرنے کے کیا معنے ہیں؟ میرے ساتھ تعلق پیدا کرتے ہو تو میری اغراض اور مقاصد کو پورا کرو اور وہ یہی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے حضور اپنا اخلاص اور وفاداری دکھاؤ اور قرآن شریف کی تعلیم پر اُسی طرح عمل کرو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھایا اور صحابہؓ نے کیا۔ قرآن شریف کے صحیح منشا کو معلوم کرو اور اِس پر عمل کرو۔ خدا تعالیٰ کے حضور اتنی ہی بات کافی نہیں ہو سکتی کہ زبان سے اقرار کر لیا اور عمل میں کوئی روشنی اور سرگرمی نہ پائی جاوے۔ یاد رکھو کہ وہ جماعت جو خدا تعالیٰ قائم کرنی چاہتا ہے وہ عمل کے بدُوں زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ وہ عظیم الشّان جماعت ہے جس کی تیاری حضرت آدمؑ کے وقت سے شروع ہوئی ہے کہ کوئی نبی دنیا میں نہیں آیا جس نے دعوت کی خبر نہ دی ہو۔ پس اِس کی قدر کرو اور اِس کی قدر یہی ہے کہ اپنے عمل سے ثابت کر کے دکھاؤ کہ اہلِ حق کا گروہ تم ہی ہو۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 163-164، ایڈیشن 1984ء)

اِس ارشاد سے واضح طور پر اِس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ صحابہ کے نیک اعمال دراصل اُن ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے سے تیار ہوئے تھے جو صحابہؓ نے براہ راست آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے تھے جن پر عمل کر کے وہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کے مصداق ٹھہرے۔ انسان کے عمل یا اس کے فعل سے اس کی شخصیت کی ایک تصویر بنتی یا ابھرتی ہے۔ جس سے وہ جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ اسی لئے تو کہتے ہیں کہ اگر انسان کی شخصیت کو پہچاننا ہو تو اس کے کردار کو دیکھو نہ کہ گفتار کو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ایک دفعہ ایک شخص نے ابو بکرؓ کو پیغمبر جان کر ان سے مصافحہ کیا اور تعظیم و تکریم کرنے لگا۔ آخر ابو بکرؓ اُٹھ کر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو پنکھا جھلنے لگ گئے اور اپنے قول سے نہیں بلکہ فعل سے بتلا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں میں تو خادم ہوں"

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 411 ایڈیشن 1984ء)

میرے بھائیو اور بہنو! آپؑ نے ایک موقع پر بیعت لینے کے بعد نو مبائعین کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"تم لوگوں نے اِس وقت جو بیعت کی ہے اِس کا زبان سے کہہ دینا اور اقرار کر لینا تو بہت ہی آسان ہے مگر اِس اقرارِ بیعت کا نبھانا اور اِس پر عمل کرنا بہت ہی مشکل ہے ......یاد رکھو! نِری بیعت سے کچھ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اِس رسم سے راضی نہیں ہوتا جب تک کہ حقیقی بیعت کے مفہوم کو ادا نہ کرے۔ اِس وقت تک یہ بیعت، بیعت نہیں نری رسم ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ بیعت کے حقیقی منشا کو پورا کرنے کی کوشش کرو۔ یعنی تقویٰ اختیار کرو۔ قرآن شریف کو خوب غور سے پڑھو اور اِس پر تدبّر کرو اور پھر عمل کرو کیونکہ سنت اللہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نرے اقوال اور باتوں سے کبھی خوش نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حاصل کرنے کے واسطے ضروری ہے کہ اُس کے احکام کی پیروی کی جاوے اور اُس کے نواہی سے بچتے رہو اور یہ ایک ایسی صاف بات ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان بھی نری باتوں سے خوش نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی خدمت ہی سے خوش ہوتا ہے"

(ملفوظات جلد ششم صفحہ 392-405 ایڈیشن 1984ء)

بیعت اور توبہ آپس میں لازم ملزوم ہے اِس حوالے سے توبہ اور عمل کا تعلق بھی بیان ہونا ضروری ہے۔ آپؑ جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اگر توبہ کے ثمرات چاہتے ہو تو عمل کے ساتھ توبہ کی تکمیل کرو۔ دیکھو! جب مالی بوٹا لگاتا ہے پھر اس کو پانی دیتا ہے اور اس سے اس کی تکمیل کرتا ہے۔ اسی طرح ایمان ایک بوٹا ہے اور اس کی آبپاشی عمل سے ہوتی ہے اس لیے ایمان کی تکمیل کے لیے عمل کی از حد ضرورت ہے۔ اگر ایمان کے ساتھ عمل نہیں ہوں گے تو بوٹے خشک ہو جائیں گے اور وہ غائب و خاسر رہ جائیں گے۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 296۔ حاشیہ ایڈیشن 2022ء)

میرے بھائیو اور بہنو! حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآنی آیت فَلۡیَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا کی تشریح میں عملِ صالح کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلۡيَعۡمَلۡ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشۡرِكۡ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا (النحل:111) عمل صالح سے یہاں یہ مراد ہے کہ اس میں کسی قسم کی بدی کی آمیزش نہ ہو۔

صلاحیت ہی صلاحیت ہو۔ نہ عُجب ہو۔ نہ کبر ہو۔ نہ نخوت ہو۔ نہ تکبر ہو۔ نہ نفسانی اغراض کا حصّہ ہو۔ نہ روبخلق ہو۔ حتّٰی کہ دوزخ اور بہشت کی خواہش بھی نہ ہو۔ صرف خدا تعالیٰ کی محبت سے وہ عمل صادر ہو جب تک دوسری قسم کی غرض کو دخل ہے تب تک ٹھوکر کھائے گا اور اس کا نام شرک ہے کیونکہ وہ دوستی اور محبت کس کام کی جس کی بنیاد صرف ایک پیالہ چائے یا دوسری خالی محبوبات تک ہی ہے۔ ایسا انسان جس دن اس میں فرق آتا دیکھے گا اسی دن قطع تعلق کر دے گا۔ جو لوگ خدا تعالیٰ سے اس لیے تعلق باندھتے ہیں کہ ہمیں مال ملے یا اولاد حاصل ہو یا ہم فلاں فلاں امور میں کامیاب ہو جاویں اُن کے تعلقات عارضی ہوتے ہیں اور ایمان بھی خطرہ میں ہے۔ جس دن اُن کے اغراض کو کوئی صدمہ پہنچا، اُسی دن ایمان میں فرق آجاوے گا۔ اِس لیے پکا مؤمن وہ ہے جو کسی سہارے پر خدا تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتا۔"

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 132 ایڈیشن 1984ء)

میرے بھائیو اور بہنو! پھر فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں یہ فرماتا ہے مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ کوئی برا عمل کرے خواہ کتنا ہی کیوں نہ کرے اس کی پاداش اس کو ملے گی یہاں کوئی تخصیص ذات اور قوم کی نہیں اور پھر دوسری جگہ فرمایا اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرّم وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ پس ذاتوں پر گھمنڈ نہ کرو کہ یہ نیکی کے لیے روک کا باعث ہو جاتا ہے۔ ہاں ضروری یہ ہے کہ تقویٰ میں ترقی کرو۔ خدا تعالیٰ کے فضل اور برکات اسی راہ سے آتے ہیں۔ میں خوب جانتا ہوں کہ ہماری جماعت اور ہم جو کچھ ہیں اسی حال میں اللہ تعالیٰ کی تائید اور اُس کی نصرت ہمارے شاملِ حال ہوگی کہ ہم صراطِ مستقیم پر چلیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اور سچی اتباع کریں۔ قرآن شریف کی پاک تعلیم کو اپنا دستور عمل بناویں اور ان باتوں کو ہم اپنے عمل اور حال سے ثابت کریں نہ صرف قال سے۔ اگر ہم اس طریق کو اختیار کریں گے تو یقیناً یاد رکھو کہ ساری دنیا بھی مِل کر ہم کو ہلاک کرنا چاہے تو ہم ہلاک نہیں ہو سکتے اس لیے کہ خدا ہمارے ساتھ ہو گا۔

لیکن اگر ہم خدا تعالیٰ کے نافرمان اور اس قطع تعلق کر چکے ہیں تو ہماری ہلاکت کے لیے کسی کو منصوبہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ کسی مخالفت کی حاجت نہیں۔ وہ سب سے پہلے خود ہم کو ہلاک کر دے گا۔"

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 189 ایڈیشن 1984ء)

’’ہماری جماعت میں عمدہ اور اعلیٰ درجہ کے نیک چال چلن کے لوگ ہیں اور وہ سب حسنہ صفات سے متصف ہیں اور ایسے ہی لوگوں کو ہم ساتھ رکھتے ہیں۔‘‘

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 163 ایڈیشن 2022ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’حقیقت میں اس امر کی بہت بڑی ضرورت ہے کہ انسان کا قول اور فعل باہم ایک مطابقت رکھتے ہوں۔ اگر ان میں مطابقت نہیں تو کچھ بھی نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (البقرہ: 45) یعنی تم لوگوں کو تو نیکی کا امر کرتے ہو مگر اپنے آپ کو اس امر نیکی کا مخاطب نہیں بناتے، بلکہ بھول جاتے ہو اور پھر دوسری جگہ فرمایا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف: 3) مؤمن کو دورنگی اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ یہ بزدلی اور نفاق اس سے ہمیشہ دور ہوتا ہے۔ ہمیشہ اپنے قول اور فعل کو درست رکھو اور ان میں مطابقت دکھاؤ۔ جیسا کہ صحابہؓ نے اپنی زندگیوں میں دکھایا، ایسا ہی تم بھی ان کے نقش قدم پر چل کر اپنے صدق ووفا کے نمونے دکھاؤ‘‘

(ملفوظات جلد اول صفحہ 338-339 ایڈیشن 2016ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’جب ہم اِس پہلو کی طرف دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام ہم میں جو عملی تبدیلی پیدا کرنا چاہتے ہیں، اُس کی حالت کیا ہے؟ تو پھر فکر پیدا ہوتی ہے۔ سوال اُٹھتا ہے کہ کیا ہم میں سے ہر ایک معاشرے کی ہر برائی کا مقابلہ کر کے اُسے شکست دے رہا ہے؟ کیا ہم میں سے ہر ایک کے ہر عمل کو دیکھ کر اُس سے تعلق رکھنے والا اور اُس کے دائرے اور ماحول میں رہنے والا اُس سے متاثر ہو رہا ہے، یا پھر ہم ہی معاشرے کے اثر سے متاثر ہو کر اپنی تعلیم اور اپنی روایات کو بھولتے چلے جارہے ہیں۔ کیا ہم میں سے ہر ایک بھرپور کوشش کرتے ہوئے اپنی اِس طرح عملی اصلاح کر رہا ہے جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ہمیں تعلیم دی ہے جو ہم سے یہ تقاضا کرتی ہے، یہ پوچھتی ہے کہ کیا ہم نے سچائی کے وہ معیار قائم کر لئے ہیں کہ جھوٹ اور فریب ہمارے قریب بھی نہ پھٹکے؟ کیا ہم نے اپنے دنیاوی معاملات سے واسطہ رکھتے ہوئے آخرت پر بھی نظر رکھی ہوئی ہے؟ کیا ہم حقیقت میں دین کو دنیا پر مقدم کرنے والے

ہیں؟ کیا ہم ہر ایک بدی سے اور بد عملی سے انتہائی محتاط ہو کر بچنے کی کوشش کرنے والے ہیں؟ کیا ہم کسی کا حق مارنے سے بچنے والے اور ناجائز تصرف سے بچنے والے ہیں؟ کیا ہم پنجگانہ نماز کا التزام کرنے والے ہیں؟ کیا ہم ہمیشہ دعا میں لگے رہنے والے اور خدا تعالیٰ کو انکسار سے یاد کرنے والے ہیں؟ کیا ہم ہر ایسے بد رفیق اور ساتھی کو جو ہم پر بد اثر ڈالتا ہے، چھوڑنے والے ہیں؟ کیا ہم اپنے ماں باپ کی خدمت اور اُن کی عزت کرنے والے اور امورِ معروفہ میں اُن کی بات ماننے والے ہیں؟ کیا ہم اپنی بیوی اور اُس کے رشتہ داروں سے نرمی اور احسان کا سلوک کرنے والے ہیں؟ کیا ہم اپنے ہمسائے کو ادنیٰ ادنیٰ خیر سے محروم تو نہیں کر رہے؟ کیا ہم اپنے قصوروار کا گناہ بخشنے والے ہیں؟ کیا ہمارے دل دوسروں کے لئے ہر قسم کے کینے اور بُغض سے پاک ہیں؟ کیا ہر خاوند اور ہر بیوی ایک دوسرے کی امانت کا حق ادا کرنے والے ہیں؟ کیا ہم عہدِ بیعت کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی حالتوں کی طرف نظر رکھنے والے ہیں؟ کیا ہماری مجلسیں دوسروں پر تہمتیں لگانے اور چغلیاں کرنے سے پاک ہیں؟ کیا ہماری زیادہ تر مجالس اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کرنے والی ہیں؟

اگر ان کا جواب نفی میں ہے تو ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی تعلیم سے دُور ہیں اور ہمیں اپنی عملی حالتوں کی فکر کرنی چاہئے۔ اگر اس کا جواب ہاں میں ہے تو ہم میں سے وہ خوش قسمت ہیں جن کو یہ جواب ہاں میں ملتا ہے کہ ہم اپنی عملی حالتوں کی طرف توجہ دے کر بیعت کا حق ادا کرنے والے ہیں۔

(خطبہ جمعہ 6/ دسمبر 2013ء)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے ایمانوں کو اعمالِ حسنہ سے مزیّن کرنے کی توفیق دے۔ آمین

﴿14﴾ ﴿مشاہدات۔990﴾

چھ ارکانِ ایمان

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (البقرۃ:178)

کہ نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق یا مغرب کی طرف پھیرو۔ بلکہ نیکی اسی کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخرت پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور نبیوں پر۔

دینِ خدا وہی ہے جو دریائے نور ہے
جو اس سے دور ہے وہ خدا سے بھی دور ہے
دینِ خدا وہی ہے جو ہے وہ خدا نما
کس کام کا وہ دیں جو نہ ہووے گرہ کشا

معزز سامعین! مَیں آج ایمان کے چھ ارکان کے حوالہ سے گفتگو کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

”حضرت عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا جس کے کپڑے بہت سفید تھے اور بالوں کا رنگ بہت سیاہ تھا اس پر سفر کی کوئی علامت دکھائی نہیں دیتی تھی اور نہ ہم میں سے کوئی اُسے پہچانتا تھا۔ وہ آیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنے کے ساتھ اپنا گھٹنا ملا کر (مؤدب) بیٹھ گیا اور عرض کیا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایمان کسے کہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، یوم آخرت کو مانے اور خیر اور شر کی تقدیر اور اس کے صحیح صحیح اندازے پر یقین رکھے۔“

(حدیقۃُ الصالحین حدیث نمبر166)

اسلام اپنی بعض تعلیمات پر زیادہ توجہ مرکوز کروانے کے لئے رکن یا ارکان کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ جیسے رُکنِ یمانی، ارکانِ اسلام یا ارکانِ ایمان وغیرہ۔ مجھے چونکہ آج ارکانِ ایمان پر گفتگو کرنی ہے اس لئے مَیں اپنی بات کو اِسی پر محدود رکھوں گا۔ رُکن، ستون یا تھَم کو کہتے ہیں جو عمارتوں کی تعمیر میں چھت کو مضبوط رکھنے کے لئے تیار کئے جاتے ہیں اور ایک مؤمن کو باور کرایا جارہا ہے کہ آپ کا ایمان ایک عمارت کی طرح ہے جس کے چھ ستون ہیں اپنے ایمان کی چھت کو مضبوط رکھنے کے لئے اِس کے چھ Pillars کو مضبوط رکھیں۔ اِن کی مرمتیں کرتے رہیں۔ جس قدر ستون مضبوط ہوں گے اُسی قدر ہمارے "ایمان" کی چھت مضبوط ہوتی جائے گی اور اُس کو اپنوں یا غیروں سے کوئی خطرہ نہ ہوگا۔ اِن چھ ستونوں کی تشریح اور تفصیل میں جانے سے قبل معلوم ہوتا ہے کہ "ایمان" کے لفظ پر غور کر لیا جائے۔ "ایمان" عربی زبان کا لفظ ہے جو "امن" سے نکلا ہے اور جو شخص اسلام پر ایمان لا کر مؤمن بنے گا تو وہ بلاؤں اور رسومات وغیرہ سے خود بھی امن میں ہوگا اور اپنے ضرر سے، اپنے ہاتھ سے دوسروں کو بھی امن میں رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں متعدد جگہ ایمان لانے کا ذکر فرما کر ذمہ داریوں اور فرائض سے آگاہ فرمایا ہے۔ مجھے جو لفظِ ایمان کی مکمل تعریف قرآن کریم میں نظر آئی وہ سورۃ البقرہ آیت 178 میں بیان ہوئی ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:

"تمہارا مشرق اور مغرب کی طرف مُنہ پھیرنا کوئی بڑی نیکی نہیں ہے لیکن کامل نیک وہ شخص ہے جو اللہ، روزِ آخرت، ملائکہ (الٰہی) کتاب اور سب نبیوں پر ایمان لایا اور اس (اللہ) کی محبت کی وجہ سے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر اور سوالیوں کو نیز غلاموں (کی آزادی) کے لیے (اپنا) مال دیا اور نماز کو قائم رکھا اور زکوٰۃ کو ادا کیا اور اپنے عہد کو جب بھی (کوئی) عہد کر لیں پُورا کرنے والے اور (خاص کر) تنگی اور بیماری میں اور جنگ کے وقت برداشت سے کام لینے والے (کامل نیک) ہیں یہی لوگ ہیں جو (اپنے قول کے) سچے اور یہی لوگ کامل متقّی ہیں۔"

حضرت مصلح موعودؓ اِس آیت کو تفسیرِ صغیر کے انڈیکس میں ارکانِ ایمان کے تحت لائے ہیں۔ ایمان سے متعلق تمام فروعات کا ذکر اس آیت میں موجود ہے۔ جہاں تک سب سے بڑے مفسّرِ قرآن حضرت محمد

صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان بارے میں ارشادات کا تعلق ہے ۔ آپؐ نے ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

اَلْاِیْمَانُ مَعْرِفَۃٌ بِالْقَلْبِ وَقَوْلٌ بِاللِّسَانِ وَعَمَلٌ بِالْاَرْکَانِ (ابن ماجہ) کہ ایمان دل کی معرفت، زبان کے اقرار اور اسلام کے ارکان پر عمل کا نام ہے۔ (ترجمہ حضرت ملک سیف الرحمن صاحب) جو یہ ہیں کلمہ طیّبہ پر یقین، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ۔ جبکہ ایمان کے ارکان اِس کے علاوہ ہیں جو یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، اُس کی کتابوں پر ایمان، اُس کے رسولوں پر ایمان، یوم آخرت پر ایمان اور خیر وشر کی تقدیر اور قضاو قدر پر یقین رکھنا۔

سامعین! ہم عمومی طور پر اسلام کے پانچ ارکان کو الگ بیان کرتے ہیں اور ایمان کے چھ ارکان کو الگ بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن محوّلہ بالا حدیث کے مطابق ایمان کے چھ ارکان تو ہیں ہی لیکن اسلام کے پانچ ارکان بھی اِس میں شامل ہیں اور یوں ایمان کے 11 ارکان ہوئے۔

ایک اور موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے 70 حصّے یا 70 کے قریب شاخیں بیان فرمائی ہیں۔ سب سے افضل شاخ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار ہے جو ارکانِ ایمان میں اوّل نمبر پر ہے اور ایمان کی سب سے کمتر شاخ راستے سے تکلیف دہ چیز اُٹھانا ہے اور حیاء بھی ایمان ہی کی ایک شاخ ہے۔

(حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 168)

مَیں اوپر ایمان کی تعریف میں کہہ آیا ہوں کہ ایک مؤمن اپنی ذات کے لئے بھی امن میں رہے اور دوسروں کو بھی امن کا پیغام دیتا رہے اور اِس کی تائید میں احادیث میں لکھا ہے کہ اَلْمُؤْمِنُ مَنْ آمَنَہُ النّاسُ کہ مؤمن وہ ہے جس کی ذات سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں۔ پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اِنَّ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہُ بَعْضًا وَشَبَّکَ اَصَابِعَہُ

(بخاری کتاب الصلوٰۃ)

کہ مؤمن، مؤمن کے لئے عمارت کی طرح ہے۔ جس کا ایک حصّہ دوسرے حصّہ کو مضبوط کئے رکھتا ہے اور آپؐ نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پِرو دیا۔

پھر ایک روایت میں ہے کہ مؤمنوں کی مثال ایک دوسرے سے محبت کرنے اور ایک دوسرے پر رحم کرنے اور ایک دوسرے پر شفقت کرنے میں ایک بدن کی سی ہے۔ جب ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو اس کی وجہ سے باقی سارا بدن تکلیف، درد اور بخار محسوس کرتا ہے۔

(مسلم کتاب البرّ والصلۃ)

سامعین! حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے نے اپنی کتاب "چالیس جواہر پارے" میں اوّل تو اِس حدیث پر "چھ شرائط ایمان" عنوان باندھا ہے اور اپنے اِس مجموعہ احادیث میں اِس حدیث کو پہلے نمبر پر لائے ہیں اور پانچ ارکانِ اسلام کو دوسرے نمبر پر۔ حالانکہ بظاہر ترتیب ارکانِ اسلام اور ارکانِ ایمان بنتی ہے کیونکہ اسلام ہوگا اور ایک انسان مسلمان بنے گا تو ایمان ہوگا۔ لیکن ایمان کی اہمیت، افادیت اور فضیلت کے پیش نظر اِس کو ارکانِ اسلام پر ترجیح دی ہے اور "شرائط" کا لفظ اپنی ذات میں ایمان کے اہمیت کو اُجاگر کر رہا ہے۔ مطلب اِس کا یہ ہوگا کہ ایک کامل مؤمن بننے کے لئے اِن چھ شرائط پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اِن میں سے نمبر 1 یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ پر ایمان الانا:

اللہ تعالیٰ پر ایمان کو درجہ اوّل پر رکھ کر ہمیں بتایا ہے کہ یہی وہ اعلیٰ ذات ہے جس نے انسان کو پیدا کیا۔ یہی وہ عظیم ذات ہے جس نے تمام مذاہب بنائے اور دنیا کی اصلاح کے لئے انبیاء بھیجے۔ اللہ تعالیٰ کا لفظ خدائے واحد و یگانہ کے علاوہ کسی اور کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے 70 شعبے بیان فرمائے اور سب سے پہلی اور بڑی شرط لا الہ الا اللہ کا اقرار ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا سب سے بہترین اظہار لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار ہے۔ اِس کا بار بار اعادہ ہے۔ اِسے دل و جان سے پڑھنا اور دہرانا ہے۔

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ہر نماز کے بعد تینتیس دفعہ سبحان اللہ کہا اور تینتیس دفعہ الحمدللہ کہا اور تینتیس دفعہ اللہ اکبر کہا تو یہ مل کر ننانوے ہوئے۔ سو کا عدد پورا کرنے کے لئے کہا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ... اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہت اُسی کی ہے۔ تمام تعریف اُسی کے لئے ہے اور وہ

ہر ایک چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے۔ اس کی تمام خطائیں معاف کر دی جائیں گی اگرچہ وہ سمندر کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔"

(حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر:16)

اللہ تعالیٰ پر ایمان اِس حد تک یقین کے ساتھ ہو کہ وہ خدا سب سے بلند شان والا ہے وُہ ہماری دعاؤں کو سنتا بھی ہے۔ وہ بولتا بھی ہے۔ وہ حمد والا اور بے نیاز ہے۔ اُسے کسی نے پیدا کیا نہ وہ جنا گیا۔ وہ رحمن اور رحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان کے ضمن میں یہ بھی ضروری ہے کہ اُس کی تمام صفات پر بھی مکمل ایمان ہو اور جب ہم اللہ تعالیٰ سے دُعائیں مانگیں تو متعلقہ صفات کو سامنے رکھ کر اور اُسے اِن صفاتی ناموں سے پکار کر، اِن صفاتی ناموں کا واسطہ دے کر دعائیں کریں۔

سامعین! ارکانِ ایمان میں سے دوسرے نمبر پر **فرشتوں پر ایمان لانا ہے۔** حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اِس کے تحت لکھتے ہیں:

"جو (یعنی فرشتے) خدا کی ایک نہ نظر آنے والی مگر نہایت اہم مخلوق ہے۔ فرشتے خدا کے حکم کے ماتحت اس کارزمانہ، عالَم کو چلانے والے اور خدا کی طرف سے پیدا کئے ہوئے اسباب کے نگران ہیں اور فرشتے خدا اور اُس کے رسولوں کے درمیان پیغام رسانی کا واسطہ بھی بنتے ہیں۔"

(چالیس جواہر پارے صفحہ 14)

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ملائکہ پر ایمان لازم قرار دیا اور ملائکہ کے انکار کو گمراہی قرار دیا۔ سورۃ البقرۃ 178 فرشتوں پر ایمان پکڑنے کا ذکر ہے۔ جبکہ سورۃ النساء آیت 137 میں ملائکہ کے انکار کو گمراہی قرار دیا ہے۔ ملائکہ کی ایک ایسی فوج ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی معاونت کے لئے تیار کر رکھی ہے اور اُن کے ذمہ مختلف کام تفویض ہیں۔

سامعین! تیسرے نمبر پر اللہ تعالیٰ کی بھجوائی ہوئی تمام **کتابوں پر ایمان لانا** ضروری قرار دیا ہے۔ جس کا تاکیدی حکم قرآن کریم کی اِس آیت میں ملتا ہے جس کی تلاوت تقریر کے آغاز میں مَیں کر آیا ہوں۔ اسلام کی یہ خوبصورت تعلیم ہے جو ہر مسلمان کے ماتھے کا جھومر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام الہامی کتابوں اور

رسولوں پر یکساں طور پر ایمان لانا ہے اور اِن کتابوں میں سے آخری اور دائمی کتاب قرآن شریف ہے۔ جس کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ

(بخاری کتاب فضائل القرآن)

کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن کریم سیکھتا اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔ خداتعالیٰ نے اِس کی لفظی و معنوی حفاظت کا ذمہ خود اُٹھایا ہے۔ نہ اِس کا کوئی شعشہ منسوخ ہوا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہ مسلمانوں کی مقدّس اور مبارک کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس کے فضائل اور برکات کا ذکر قرآن کریم میں کثرت سے کیا ہے۔ اس کو فصاحت و بلاغت کے ساتھ اُتارا۔ اِس کی تلاوت کے آداب کا تفصیل سے ذکر کیا۔ اِسے ''الفرقان''، ''کتاب مسطور''، ''کتاب مکنون'' اور ''ذکرِ مبارك'' کہا۔ یہی وہ کتاب ہے جس نے تمام سابقہ کتب کی تائید کی۔

سامعین! چوتھے نمبر پر **اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان** بھی رکنِ ایمان ہے۔ ان انبیاء کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ اور دیگر انبیاء سے ہوتا ہوا سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ صرف ختم ہوا بلکہ آپؐ کے فیض سے برکت پا کر آپؐ کی روحانی فرزند حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان بھی ضروری قرار دیا ہے۔ آنحضورؐ نے فرمایا ہے کہ پہاڑوں اور برفانی تودوں کو عبور کر کے بھی اگر میرا سلام مسیح و مہدی کو پہنچانا پڑے تو ضرور ایسا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر رُسل اور بعض نبیوں کا ذکر کر کے ایمان لانے کا ذکر فرمایا ہے اور سورۃ مریم آیت 55 میں حضرت اسماعیلؑ کے لئے رسول اور نبی کا لفظ استعمال فرما کر اس عُقدہ کو حل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں چند ایک انبیاء کا ذکر فرمایا ہے ورنہ تو انبیاء کی تعداد تاریخ میں ایک لاکھ چوبیس ہزار درج ہے۔ اِن میں بعض انبیاء تشریعی ہیں یعنی اِن کے ساتھ شریعت نازل ہوئی یعنی الہامی کتاب اور اکثریت اِن انبیاء کی غیر تشریعی ہیں جو اپنے پیشرو کے تابع رہ کر اصلاحِ احوال کا کام کرتے رہے اور انبیاء میں یہ بھی خوبی رہی ہے کہ وہ اپنے سے پہلے انبیاء کی تصدیق بھی کرتے رہے اور آئندہ آنے والے انبیاء کی پیش خبری بھی بتاتے رہے۔

سامعین ! صحیح مسلم کی حدیث جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے اُس میں پانچویں نمبر پر **یوم آخر پر ایمان** لانے کا ذکر ہے۔ جو مؤمنوں کی ایک شان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن کریم میں آخرت پر ایمان کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اس پر ایمان اِس قدر اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی ابتداء میں جن امور پر ایمان لانے کو ضروری قرار دیا ہے۔ اُن میں سے ایک آخرت پر ایمان ہے جیسا کہ فرمایا وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ (البقرۃ:5) کہ مؤمن آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہمیں بتایا ہے کہ ہر نبی نے بعث بعد الموت پر ایمان لانے کی تعلیم دی ہے۔ کیونکہ اِس دنیا کے بعد ہر انسان کو دوسری زندگی ملنے والی ہے۔ جو انسان کے مرنے کے بعد ملے گی۔ انسان نے اِس دنیا میں جو اعمال بجالائے ہیں۔ اُن کا ثمر اُنہیں وہاں ملے گا۔ اگر اچھے عمل کئے ہیں تو جنت اور اگر عمل اچھے نہیں تو اُس کو اُخروی زندگی میں بھگتنا ہو گا۔ جیسا کہ مَیں پہلے کہہ آیا ہوں کہ انسان کو دوسری زندگی ملنے والی ہے۔ یہ تمام مذاہب کا عقیدہ ہے۔ بعض مذاہب تو اِس حد تک گئے ہیں کہ اگلی زندگی میں اپنے اعمال کی وجہ سے وہ مختلف جون میں یعنی بندر اور دیگر جانوروں کی شکل اختیار کریں گے۔
اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعمال نامے کا ذکر قرآن کریم میں بہت کھول کر کر دیا ہے کہ ہر شخص کا اعمال نامہ اُس کی گردن میں لٹکا دیا جائے گا۔ (بنی اسرائیل:14) اور یہی اُخروی زندگی ہی اصل زندگی ہو گی۔ (العنکبوت:65)

سامعین! اور آخری ستون اور تھم ایمان کا **قضاء وقدر پر ایمان** ہے۔ بعض لوگ اِس کے انکاری ہیں۔ اِسے قرآنی اصطلاح میں تقدیر اور قدر کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے یہ ایک حقیقت ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بے شمار جگہوں پر رزق اور وقت کے مقدّر ہونے کا ذکر کیا ہے اور مصیبت و مشکل کے مقدّر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ الحدید آیت 23 میں بیان فرمایا:
”زمین پر کوئی مصیبت نہیں آتی اور نہ تمہاری جانوں پر کوئی مصیبت آتی ہے۔ لیکن اس کے ظہور سے بھی پہلے ہم نے اسے مقرر کر دیا ہوتا ہے۔ یہ بات اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔“

حضرت خلیفۃُ المسیح الثانیؓ اِس آیت کے نیچے فُٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

”یہ مطلب نہیں کہ ہر بُرا اچھا بدلہ مقدّر ہے اور قسمت میں لکھا ہوا ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ ہر کام کا انجام ہم نے مقرر کیا ہوا ہے۔ اس لیے جیسا کام کوئی کرتا ہے، اس کا مقرر بدلہ اُسے مل جاتا ہے پس بدلہ کا پیدا کرنے والا انسان خود ہے نہ کہ خدا۔ خدا تعالیٰ تو محض اصول کا پیدا کرنے والا ہے۔“

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایمان کے اِس ستون کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ:

”(ششم) تقدیر خیر و شر پر ایمان لانا جو خدا کی طرف سے دنیا میں جاری شدہ قانون کی صورت میں قائم ہے یعنی اس بات پر یقین رکھنا کہ دنیا کا قانون قدرت اور قانون شریعت ہر دو خدا کے بنائے ہوئے قانون ہیں اور خدا ہی اس سارے مادی اور روحانی نظام کا بانی اور نگران ہے۔ خدا نے ہر کام کے متعلق خواہ وہ روحانی ہے یا مادی یہ اصول مقرر کر رکھا ہے کہ اگر یوں کرو گے تو اس کا اس طرح اچھا نتیجہ نکلے گا اور اگر یوں کرو گے تو اس کا اس طرح خراب نتیجہ نکلے گا اور پھر خدا اپنے قانون کا مالک بھی ہے اور ایسے امور میں جو اس کی کسی بیان کردہ سنت یا وعدہ یا صفت اور پھر خدا کے خلاف نہ ہوں وہ اس قانون میں اپنے رسولوں اور نیک بندوں کی خاطر خاص حالات میں استثنائی طور پر تبدیلی بھی کر سکتا ہے۔ چنانچہ معجزات کا سلسلہ عموماً اس استثنائی قانون سے تعلق رکھتا ہے۔“

(چالیس جواہر پارے صفحہ 15)

پس **سامعین**! وقت کی مناسبت سے ان چھ شرائط، اصول اور ارکان کو قدرے تفصیل سے مَیں نے حسبِ توفیق اور حسبِ استطاعت بیان کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مضمون کو سمجھنے کی توفیق دے۔

حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”پہلی بات یا خصوصیت جو ایک مؤمن کی بیان فرمائی گئی ہے وہ غیب پر ایمان ہے، اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان کہ وہ سب قدرتوں والا ہے۔ جب یہ کامل ایمان ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اپنے وجود کا پتہ ایک سچے مؤمن کو مختلف طریقوں سے دیتا ہے۔ اسی طرح فرشتوں پر ایمان ہے، مرنے کے بعد کی زندگی پر ایمان ہے، یہ سب ایمان کی مثالیں ہیں۔ پھر غیب پر ایمان یہ ہے کہ ہر حالت میں اپنے ایمان کو مضبوطی سے

پکڑے رکھنا۔ نیک اعمال جو کرنے ہیں وہ کسی کو دکھانے کے لئے نہیں کرنے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر حالت میں مجھے دیکھ رہا ہے، ان پر عمل کرنا ہے۔

... مؤمن ہونے کے لئے دوسری اہم شرط نمازوں کا قیام ہے۔ نمازوں کا قیام یہ ہے کہ ایک توجہ کے ساتھ اپنی نمازوں کی نگرانی رکھنا، ان میں باقاعدگی اختیار کرنا کیونکہ اگر نمازوں میں باقاعدگی نہیں ہے، کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی، کبھی نیند آرہی ہے تو عشاء کی نماز ضائع ہو گئی اور بغیر پڑھے سو گئے، کبھی گہری نیند سو رہے ہیں تو فجر کی نماز پر آنکھ نہ کھلی... حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مؤمن تو وہ لوگ ہیں جو نمازوں کا قیام کرتے ہیں اور قیام کس طرح کرتے ہیں، عَلٰی صَلَاتِہِمْ دَآئِمُوْنَ (المعارج:24)

پھر ایک سچے مؤمن کی ایک نشانی یہ ہے کہ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ (البقرۃ:4) اور جو کچھ اللہ نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے بھی خرچ کرتے ہیں اور یہ خرچ دولت کا بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیتیں دی ہیں، جو کسی کو بھی دوسرے سے زیادہ عطا کی ہیں اس کو دوسروں کی بہتری کے لئے خرچ کرتے ہیں... ایک مؤمن کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تعلیم اتری ہے اسے ماننا ضروری ہے۔ آپؐ کو خاتم الانبیاء ماننا ضروری ہے۔ اس یقین پر قائم ہوں اور یہ ایمان ہو کہ قرآن کریم آخری شرعی کتاب ہے اور اس کے تمام احکامات ہمارے لئے ہیں اور ہمیں اس پر ایمان لانا اور ماننا اور عمل کرنا ضروری ہے۔"

(خطبہ جمعہ 13 جولائی 2007ء)

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

﴿15﴾ ﴿مشاہدات۔1216﴾

ایمان اور اُس کی ستّر شاخیں

(تقریر نمبر1)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحجرات:16)

مؤمن وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے کبھی شک نہیں کیا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں۔

ایمان مجھ کو دے دے عرفان مجھ کو دے دے
قربان جاؤں تیرے قرآن مجھ کو دے دے
دل پاک کر دے میرا دنیا کی چاہتوں سے
سُبُّوحیّت سے حصہ سبحان مجھ کو دے دے

(کلام محمود)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: الإِيْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ شُعْبَةً، فَأَفْضَلُهَا: قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَدْنَاهَا: إِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الإِيْمَان

(صحیح بخاری کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایمان کی ستّر سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں جن میں سب سے افضل لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ (یعنی وحدانیتِ الٰہی) کا اقرار کرنا ہے اور

ان میں سب سے نچلا درجہ کسی تکلیف دہ چیز کا راستے سے دور کر دینا ہے اور حیاء بھی ایمان کی ایک (اہم) شاخ ہے۔

امام ابو بکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "شُعَبُ الْاِیمان" میں ایمان کی شاخوں میں سے سَتّتر (77) شاخیں ذکر فرمائی ہیں۔ یہ شاخیں مختصراً حسب ذیل ہیں:

1: اللہ تعالیٰ پر ایمان۔2: انبیاء ورسل پر ایمان۔3: فرشتوں پر ایمان۔4: قرآن کریم اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان۔5:تقدیر پر ایمان ۔6:یوم آخرت پر ایمان۔7:مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان۔8:اس بات پر ایمان کہ مؤمنوں کا ٹھکانہ جنت اور کافروں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔9:اللہ تعالیٰ کی محبت پر ایمان۔10:اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے پر ایمان۔11: اللہ تعالیٰ سے امید رکھنے کے وجوب پر ایمان۔ 12:اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکّل کرنے کے وجوب پر ایمان۔13: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے واجب ہونے پر ایمان۔14: غلوّ کئے بغیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور احترام کے واجب ہونے پر ایمان۔15: آدمی کا اپنے دین سے محبت کرنا۔16: طلبِ علم:یعنی دلائل کی روشنی میں اللہ تعالیٰ، اس کے دین اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کا حصول۔17: علم کی نشرو اشاعت اور لوگوں کو اس کی تعلیم دینا۔18: قرآن کریم سیکھ کر،دوسروں کو سکھا کر،اس کے حدود و احکام کی حفاظت کرکے، اس کے حلال و حرام کی معرفت حاصل کرکے، اس کے متبعین کی عزت و تکریم کرکے نیز اس کو حفظ کرکے اس کی تعظیم کرنا۔19: طہارت و پاکی اور وضو کی پابندی کرنا۔20: پنجوقتہ نمازوں کی پابندی کرنا۔21: زکوٰۃ ادا کرنا۔22: فرض اور نفل روزے رکھنا۔23:اعتکاف کرنا۔24:خانۂ کعبہ کا حج کرنا۔25: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔26: اللہ کی راہ میں مرابطہ (سازو سامان اور ہتھیار لے کر اسلامی حدود کی نگرانی کرنا)۔27:دشمن کے سامنے ثابت قدم رہنا اور میدان جنگ سے نہ بھاگنا۔28:مال غنیمت حاصل کرنے والوں کا اپنے امام یا اس کے نائب کو مال غنیمت کا پانچواں حصہ ادا کرنا29: اللہ کی خاطر غلام آزاد کرنا۔30:جنایات (جرائم) پر واجب ہونے والے کفاروں کی ادائیگی جو کتاب و سنت میں چار ہیں: قتل کا کفارہ، ظہار کا کفارہ، قسم کا کفارہ اور ماہ رمضان (کے دن) میں بیوی سے ہمبستری کرنے کا کفارہ۔31:معاملات (عہد و پیمان) کو پورا کرنا۔32: اللہ پاک کی نعمتوں کا شمار اور اس پر واجب شکر

گزاری۔ 33: غیر ضروری (لایعنی) چیزوں سے زبان کی حفاظت کرنا۔ 34: امانتوں کی حفاظت اور انہیں ان کے مستحقین کو ادا کرنا۔ 35 کسی جان کے قتل اور اس پر ظلم کرنے کو حرام جاننا۔ 36: شرمگاہوں کی حفاظت اور ان میں لازم عفّت و عصمت اختیار کرنا۔ 37: حرام اموال سے ہاتھ روک لینا، اور اس میں چوری' رہزنی' رشوت خوری اور شرعاً ناجائز مال کھانے کی حرمت وغیرہ شامل ہے۔ 38: کھانے پینے میں احتیاط کا وجوب اور کھانے پینے کی ناجائز اشیاء سے اجتناب۔ 39: حرام اور مکروہ لباس' وضع قطع اور حرام کردہ برتنوں سے اجتناب کرنا۔ 40: شریعتِ اسلامیہ کے مخالف کھیل کود اور تفریحی اشیاء کو حرام جاننا۔ 41: خرچ میں میانہ روی اپنانا اور باطل طریقہ سے مال کھانے کو حرام جاننا۔ 42: بغض و حسد سے اجتناب۔ 43: لوگوں کی عزت و ناموس کی حرمت اور ان میں نہ پڑنے کا وجوب۔ 44: اللہ پاک کے لئے اخلاص عمل اور ریاکاری سے اجتناب۔ 45: نیکی پر مسرّت و شادمانی اور گناہ پر رنج و غم (کا احساس)۔ 46: توبۂ نصوح (خالص توبہ) سے ہر گناہ کا علاج کرنا۔ 47 : تقرب الٰہی کے اعمال، اجمالی طور پر یہ ہدِی، قربانی اور عقیقہ ہیں۔ 48: اولو الامر (ائمہ، امراء اور حکام) کی اطاعت۔ 49: "جماعت" کے عقیدہ و منہج کی پابندی۔ 50: لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرنا۔ 51: بھلائی کا حکم دینا اور بُرائی سے منع کرنا۔ 52: نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں باہمی تعاون۔ 53: شرم و حیا۔ 54: والدین کے ساتھ حسن سلوک۔ 55: صلہ رحمی (رشتہ جوڑنا)۔ 56: حسن اخلاق۔ 57: غلاموں کے ساتھ حسن سلوک۔ 58: غلاموں پر ان کے آقاؤں (مالکان) کے حقوق۔ 59: اہل و عیال اور بچوں کے حقوق کی ادائیگی۔ 60: دین داروں سے قربت، ان سے محبت اور ان سے سلام و مصافحہ کرنا۔ 61: سلام کا جواب دینا۔ 62: بیمار کی عیادت کرنا۔ 63: اہل قبلہ میں سے مرنے والوں پر نماز جنازہ کی ادائیگی۔ 64: چھینکنے والے کو جواب دینا (یعنی اس کے "الحمدللہ" کے جواب میں "یرحمك اللہ" کہنا)۔ 65: کفار اور فسادیوں سے دوری اختیار کرنا اور ان کے ساتھ سختی کا معاملہ کرنا۔ 66: پڑوسی کی عزت کرنا۔ 67: مہمان کی عزت و تکریم۔ 68: گنہگاروں کی پردہ پوشی کرنا۔ 69: مصائب پر صبر اور جن لذتوں اور خواہشات کی طرف نفس کا میلان ہوتا ہے، ان سے رک جانا۔ 70 دنیا سے بے رغبتی اور قلّتِ آرزو۔ 71: غیرت کا مظاہرہ اور بے جا نرمی سے پرہیز۔ 72: غلوّ سے اجتناب۔ 73: سخاوت و فیاضی۔ 74: چھوٹے پر شفقت اور

بڑے کا احترام۔75: باہمی اختلافات کی اصلاح۔76: آدمی اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے اور اس کے لئے اس چیز کو ناپسند کرے جسے خود اپنے لئے ناپسند کرتا ہے۔ 77:اس میں راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹانا بھی شامل ہے جس کی طرف (ایمان کی شاخوں والی) حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

سامعین! مندرجہ بالا حدیث کے مطابق ایمان کی ستّر سے کچھ زائد شاخیں ہیں۔ یہ مضمون اتنا طویل ہو سکتا ہے کہ شاید مواد کو کنٹرول اور سکیڑ کر بیان کرنے سے بھی 10 کے قریب تقاریر تیار ہو جائیں۔ اس تناظر میں یہ پہلی کڑی "ایمان اور اس کی شاخیں" کے بارے میں ہے یعنی ایمان کیا ہے اور اُس کی شاخوں سے کیا مراد ہے۔

ایمان کے لغوی معنی یقین رکھنا اور اصطلاحی معنی زبان اور قلب سے کسی امر کی تصدیق کرنا اور اسے قبول کرنا ہے اور شاخوں سے مراد عقائد و اعمال اور اخلاق ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک محفل میں حضرت جبرائیلؑ انسان کی شکل میں متمثّل ہو کر آئے اور آپؐ سے سوالیہ رنگ میں پوچھنے لگے کہ اے محمدؐ! "ایمان" کسے کہتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے رسولوں پر، آخرت پر، خیر اور شر کی تقدیر پر، ایمان لانے کو "ایمان" کہتے ہیں۔ (ان چھ امور کو ارکانِ ایمان کا نام دیا گیا ہے)

(حدیقۃ الصالحین حدیث:166)

سامعین! اگر اِن معنوں کو سامنے رکھ کر اسلام کی تعلیمات کا احاطہ کیا جائے تو تمام بنیادی اسلامی تعلیمات اور فروعات کو حرزِ جان بنانا، اُن پر عمل کرنا ایمان کا حصہ ہے کیونکہ ہم ابھی سُن آئے ہیں کہ ایمان، زبان سے اقرار اور اُن اقوال کو عملی شکل دینے کا نام ہے۔ ہر فعل اور عمل سے قبل اقرار ضروری ہے۔ خواہ وہ دل ہی میں ہو۔ اس لئے ایمان کے معنی اس قدر وسیع ہیں کہ تمام اسلامی امور پر احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اسلام پر ایمان لانے والا "مؤمن" کہلاتا ہے اور مؤمن کی تعریف کرتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْمُؤْمِنُ مَنْ یَّامَنَہُ النَّاس کہ مؤمن وہ ہے کہ جس سے تمام لوگ امن میں رہیں۔

(سنن ابن ماجہ حدیث 3934)

ایک اَور مقام پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ایمان'' کو دِل کی معرفت قرار دیتے ہوئے زبان سے اقرار اور اسلام کے ارکان پر عمل کا نام دیا ہے۔

(حدیقۃ الصالحین حدیث:167)

انسان اپنی مادّی پونجی اور اپنے سرمایہ کی حفاظت کرتا ہے۔ انسان کو اپنی روحانی پونجی اور سرمایہ کو بھی محفوظ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور ایک مؤمن اس فکر میں رہتا ہے کہ جس طرح مَیں بطور تاجر اپنے سرمایہ کو بڑھانے کی سوچ رکھتا ہوں جس کے لئے مَیں تگ و دَو بھی کرتا ہوں۔ اِسی طرح روحانی سرمایہ کو بھی مجھے روحانی تجارت پر لگانا چاہیے۔ تاکہ وہ بھی بڑھتا رہے اور میرے روحانی سرمایہ میں اضافہ ہو اور ثواب و اجر زیادہ ملے۔ ایک مؤمن کے روحانی سرمایہ کو ہم مختلف نام دے سکتے ہیں۔ لیکن ایک وسیع اور بلیغ معنوں میں اگر روحانی پونجی اور سرمایہ کو کوئی نام دیا جاسکتا ہے تو وہ ''ایمان'' کا لفظ ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن بیان فرمودہ الفاظ پر اگر غور کریں تو ایمان کو مذہبِ اسلام کی تمام تعلیمات پر فوقیت حاصل ہے۔

ستَّر (70) کا لفظ دنیا کی معروف زبانوں میں کثرت کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے مائیں اپنے بچوں کو کوئی بات کثرت سے کہیں جو گِنی نہ جاسکے تو وہ کہتی ہیں کہ مَیں نے تمہیں ستّر بار کہا ہے یعنی کثرت سے کہا ہے۔ یہ کثرت اَنگنت ہوتی ہے۔ ویسے بھی یہ معنٰی فرمانِ رسولؐ کے الفاظ سے بھی عیاں ہوتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا 70 سے اوپر شاخیں ہیں یعنی اَنگنت شاخیں ہیں۔ جس میں ایمان باللہ کو سرفہرست رکھا اور ادنیٰ ترین شاخ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا قرار دیا۔

''شاخ'' کے لفظ پر اگر غور کریں تو ''ایمان'' ایک ایسا وسیع و عریض سدا بہار درخت ہے جس کی بے شمار شاخیں ہیں جو اوّل تو گِنی نہ جاسکیں اور دوم۔ اُن پر خوشبودار، ذائقہ دار، مزے دار اور مٹھاس سے بھرپور پھل لگے جس سے مؤمن فائدہ اُٹھائیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں شاخ کا لفظ بولا ہے ٹہنی کا نہیں حالانکہ ٹہنی بھی تو درخت کا حصّہ ہوتی ہے لیکن وہ مُردہ ہوتی ہے، اُس کے اندر جان نہیں ہوتی، وہ پھل و پھول نہیں دیتی، وہ درخت سے غذا نہیں لیتی اور flexible نہ ہونے کی وجہ سے مڑتی نہیں اور اپنی اکڑ قائم رکھتی ہے گویا اطاعت اور فرنبرداری کا مادّہ نہیں رکھتی۔ جبکہ شاخ سرسبز و شاداب ہوتی ہے۔ اپنی

ماں یعنی Base سے غذا حاصل کر کے نہ صرف سر سبز رہتی ہے بلکہ پھل دیتی ہے جو دیکھنے والوں کو بَھلی محسوس ہوتی ہے اور اپنے مختلف و مزید ار ذائقوں والے پھلوں سے لوگ لطف اندوز ہوتے ہیں اور جس طرف چاہیں مڑنے کی صلاحیت رکھتی ہے یعنی اطاعت کرنا جانتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایمان اور اعمال کو شاخیں قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایمان اور اعمال کی مثال قرآن شریف میں درختوں سے دی گئی ہے۔ ایمان کو درخت بتایا ہے اور اعمال اس کی آبپاشی کے لئے بطور نہروں کے ہیں۔ جب تک اعمال سے ایمان کے پودہ کی آبپاشی نہ ہو اس وقت تک وہ شیریں پھل حاصل نہیں ہوتے۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 225-226 ایڈیشن 2016ء)

پھر آپؑ جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اگر توبہ کے ثمرات چاہتے ہو تو عمل کے ساتھ توبہ کی تکمیل کرو۔ دیکھو! جب مالی بوٹا لگاتا ہے پھر اس کو پانی دیتا ہے اور اس سے اس کی تکمیل کرتا ہے۔ اسی طرح ایمان ایک بوٹا ہے اور اس کی آبپاشی عمل سے ہوتی ہے اس لیے ایمان کی تکمیل کے لیے عمل کی از حد ضرورت ہے۔ اگر ایمان کے ساتھ عمل نہیں ہوں گے تو بوٹے خشک ہو جائیں گے اور وہ غائب و خاسر رہ جائیں گے۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 296۔ حاشیہ ایڈیشن 2022ء)

الغرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایمان اور عمل، قول و فعل میں مطابقت کو نہایت پیارے انداز میں مختلف جگہوں پر بیان فرمایا ہے۔ جن میں سے چند ایک ارشادات کو اپنی اِس تقریر میں بیان کر رہا ہوں۔ اوپر بیان فرمودہ دو ارشادات میں آپؑ نے ایمان کو عمل کے بِنَا ایک مُردار اور ایسا درخت قرار دیا ہے جس کو نیک اور صالح اعمال کا پانی سیر اب نہ کر رہا ہو اور اُس کے سڑنے اور گَلنے کے امکانات موجود ہوں۔ گویا اعمال ایسا پانی ہے جو ایمان کو ہرا بھرا رکھتا ہے۔ اِس لئے ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے ایمان کو اپنے اعمال سے جو اُس کی شاخیں ہیں، سجائیں۔ اللہ کی طرف جھکیں، نمازیں پڑھیں، تلاوتِ قرآن کیا کریں۔ اللہ کی مخلوق سے پیار اور محبت سے پیش آئیں۔ بالخصوص اپنے اہل خانہ اور عزیز و اقارب سے شفقت اور

محبت کا سلوک کریں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم آج کے دور میں غیروں کے نزدیک تو غیر مسلم ٹھہرے ہی ہیں اپنے اعمال نہ ہونے کی وجہ سے خدا کے دربار میں بھی اسلام کو اپنی طرف منسوب نہ کر سکیں۔

سامعین! ہم ایمان اور درخت کی بات کر رہے تھے۔ دنیا میں جو درخت لگائے جاتے ہیں یا فصل بوئی جاتی ہے۔ کھیت یا درخت کا مالک اُن کو بھیڑ بکریوں، چرند پرند اور کیڑے مکوڑوں سے محفوظ رکھنے کے لئے مختلف حیلے اور جتن کرتا ہے۔ ننھے مُنّے پودوں کے ارد گرد باڑ لگاتا ہے۔ بعض جگہوں میں کسی بوسیدہ انسانی قمیص کو لکڑی کی صلیب بنا کر اس پر لٹکا دیا جاتا ہے تا پرندے اور دیگر جانور اُسے انسان سمجھ کر فصل کے قریب نہ جائیں۔ نیز ہمارے ایشین معاشرے میں اگر پودے قیمتی ہوں تو اُن کے ارد گرد گملوں کی طرز پر اینٹوں سے دیوار بنائی جاتی ہے اور اِن پودوں کو، فصلوں کو آندھی اور تیز بارش سے بچاؤ کے سامان کئے جاتے ہیں۔ الغرض جس قدر پودا قیمتی ہو گا یا وہ چیز قیمتی ہو گی اُسی قدر اُس کی حفاظت کے سامان زیادہ کئے جاتے ہیں۔ روحانی دنیا میں ہم اوپر سُن آئے ہیں کہ ”ایمان“ بہت ہی قیمتی چیز ہے۔ جس کی حفاظت کے لئے ہمیں وہ تمام طریق آزمانے چاہئے جو قرآن واحادیث میں بیان ہوئے ہیں اور آج کے دَور میں حضرت مسیح موعودؑ اور آپؑ کے خلفاء ہمیں اس حوالہ سے توجہ دلاتے رہتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک دفعہ رمضان میں ایک خطبہ کے دوران فرمایا تھا کہ چوہے وہیں نقب لگاتے ہیں جہاں گودام میں قیمتی اناج پڑا ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایمان کی حفاظت اور سلامت رکھنے کے لئے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

”اصل بات یہ ہے کہ بعض اوقات حب دنیا کا غلبہ بھی سلب ایمان کا باعث ہو جایا کرتا ہے لہٰذا دنیوی امور میں بہت انہماک اور دنیوی امور کو اتنی اہمیت دے دینا کہ گویا دین ایمان اور آخرت کی پرواہی نہ رہے یہ بھی خطرناک زہریلا مرض ہے۔ یہ تو وہ زمانہ ہے جس کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے جاؤ، درختوں کے تنوں سے لگ جاؤ اور جس طرح سے بن پڑے زمانہ کے فتن سے اپنے ایمان کو سلامت رکھنے کی کوشش کرو۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 526، ایڈیشن 1988ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے 9 جون 1922ء کو ایک خطبہ جمعہ میں ایمان کی حفاظت کا مضمون بیان فرمایا تھا۔ آپؓ اِس خطبہ میں فرماتے ہیں:

"عقلمندوں کا قاعدہ ہے کہ اپنی ہر ایک چیز کی حفاظت کرتے ہیں اور کبھی غفلت نہیں کرتے اور ہر ایک شخص سوائے مجنون کے اپنی چیز کی نگہداشت کرتا اور نقصان سے بچاتا ہے۔ ایک زمیندار کھیت میں بیج بونے سے لے کر غلّہ گھر لے جانے تک حفاظت کرتا ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ ایمان کا بیج ایسا ہے جس کو بو کر اکثر لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں اور اس کی حفاظت کی پرواہ نہیں کرتے۔ لوگ درخت لگاتے ہیں اُس کی حفاظت کرتے ہیں، کھیت بوتے ہیں اُس کی حفاظت کا سامان کرتے ہیں، مکان بناتے ہیں اس کی نگرانی کرتے ہیں مگر ایمان کی کھیتی ہی ایسی ہے جس کی حفاظت نہیں کرتے۔ حالانکہ اگر کھیتی تباہ ہو جائے، کسی کے کھلیان جَل کر راکھ ہو جائیں تو وہ کسی سے قرض لے کر گزارہ کر سکتا ہے اور ایمان ایسی چیز ہے کہ کسی سے قرض نہیں ملتا نہ کسی کا ایمان کسی دوسرے کے لئے کفایت کر سکتا ہے... ایمان کا پودا ایسا ہے کہ اس کو بو کر چھوڑ دیا جاتا ہے اور اِس کی حفاظت کی فکر نہیں کی جاتی۔ بہت لوگ ہیں جو ایمان حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر جب ایمان حاصل ہو جائے تو اِس کی حفاظت کی کوشش نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے آپ کو ایمان حاصل کرنے کے بعد محفوظ خیال کر لیتے ہیں۔ حالانکہ نازک وقت یہی ہوتا ہے جب ایمان حاصل ہو جائے کیونکہ کئی دشمن پیدا ہو جاتے ہیں جو ایمان کے درپے ہوتے ہیں۔ کہیں شیطان ایمان پر حملہ کرتا ہے۔ کہیں کوئی اپنے فائدہ کے لئے اس کے ایمان کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ کہیں کچھ لوگ اپنی نادانی اور جہالت سے اس کے ایمان کے درپے ہوتے ہیں۔ مگر بہت لوگ ہیں جو اِن حملوں سے غافل ہیں اور نہیں سوچتے کہ متاعِ ایمان جب گم ہو جائے تو پھر اِس کا ملنا مشکل ہوتا ہے۔ دیکھو! خدا تعالیٰ نے جہاں ایمان کے حصول کی دعا سکھلائی وہاں اس کی حفاظت کی بھی دعا سکھلائی ہے۔ چنانچہ جہاں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ آیا ہے وہیں یہ بھی ہے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ۔ بہت لوگ ایمان حاصل کرتے ہیں مگر اس کی حفاظت نہیں کرتے اور کافر مر جاتے ہیں۔"

(الفضل 15 جون 1922ء)

سامعین! ایمان کے مختلف Stages اَور درجات ہوتے ہیں۔ پہلے تو ایک بیج ہوتا ہے جو کسی نبی کی آمد یا خلیفہ کے چناؤ کے وقت انسان کے دل میں بویا جاتا ہے۔ اس کیفیت میں اِس کے ضائع ہونے کے امکانات ذرا کم ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ مخالفین کو دکھائی کم دیتا ہے تاہم اس کی حفاظت بہر حال ضروری ہے۔ لیکن جب یہ بیج دل کی کھیتی میں کونپل بن کر نمودار ہوتا ہے اور فصل بننے کی طرف ایک قدم آگے بڑھاتا ہے تو پھر اِس کی حفاظت کی طرف توجہ ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہئے کیونکہ اب یہ دشمنوں کی نظر میں آجاتا ہے۔ وہ اِس کی بیخ کُنی کے لئے کوششیں بھی کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جب فصل بسا اوقات تیز بارش یا تیز آندھی سے زمین پر لیٹ جاتی ہے اور پھر کچھ وقت کے بعد وہ کھڑی ہو کر لہلہانے لگتی ہے اِسی طرح ایمان کم ہوتا اور بڑھتا بھی ہے۔ ایک دفعہ صحابہؓ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا یہ مسئلہ لے کر حاضر ہوئے کہ حضورؐ! ہمارا ایمان کم بھی ہوتا ہے جس پر ہم فکر مند ہوتے ہیں اور جب آپؐ کی محفل میں ہوں تو ایمان بڑھ بھی جاتا ہے۔ اِس لئے آج کے دَور میں جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اندر موجود نہیں تو ہمیں آپؐ کے ورثہ میں چھوڑی ہوئی باتوں اور چیزوں کی جلو میں رہنا چاہیے۔ جیسے قرآن کریم کے مطالعہ، تلاوت کی مسلسل کوشش کرنی چاہیے اور کَانَ خُلُقُهُ القُرآنِ کے تحت ہمیں اپنے اخلاق کو قرآن کریم میں بیان اخلاق جیسا کرنا چاہیے تاہم اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین پہنچ سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں سورۃ الانفال آیت 3 میں تلاوت قرآن سے ازدیادِ ایمان کا ذکر فرمایا ہے۔

سامعین! اسی طرح ایمان میں بڑھوتری کے لئے خلافت کی آغوش میں رہنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ بھی اُس نبوّت کا تتمّہ ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوئی۔ اِس لئے اِس خلافت کو خلافت علی منہاج النبوۃ بولا گیا ہے۔ پھر ایمان کی حفاظت کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ نماز کا قیام ہے جس سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہم اوپر سُن آئے ہیں کہ ایمان اور مؤمن کا تعلق زیادہ تر حقوق العباد سے ہے۔ اِس لئے معاشرہ میں بسنے والے ہر شخص سے نرمی، خوش خلقی سے پیش آنا ضروری ہے۔ اگر ہمارا رویّہ کسی سے غیر اسلامی ہے تو ہم اُس وقت تک اللہ تعالیٰ کی سزا کی پاداش میں ہیں جب تک وہ شخص ہمیں معاف نہیں کر دیتا جس کے ساتھ ہم نے اچھا سلوک نہیں کیا۔ اِس لئے ہم سب پر ایمان کی نہ صرف حفاظت لازم ہے

بلکہ ہمیں کوشش کرنی ہے کہ ہر وہ چھوٹی سے چھوٹی نیکی پر عمل پیرا ہوں جس سے ہمارا ایمان پنپے، بڑھے اور نشو و نما پائے تا ہمارا خاتمہ بالخیر ہو اور ہم جب اپنے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے جارہے ہوں تو وہ ہم سے راضی ہو اور اپنی محبت کی بانہوں میں ہمیں لپیٹ لے۔

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''یقیناً سمجھو کہ ہر ایک پاکبازی اور نیکی کی اصلی جڑ خدا پر ایمان لانا ہے جس قدر انسان کا ایمان باللہ کمزور ہوتا ہے اسی قدر اعمالِ صالحہ میں کمزوری اور سستی پائی جاتی ہے لیکن جب ایمان قوی ہو اور اللہ تعالیٰ کو اس کی تمام صفات کاملہ کے ساتھ یقین کر لیا جائے اسی قدر عجیب رنگ کی تبدیلی انسان کے اعمال میں پیدا ہو جاتی ہے۔ خدا پر ایمان رکھنے والا گناہ پر قادر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ ایمان اس کی نفسانی قوتوں اور گناہ کے اعضاء کو کاٹ دیتا ہے۔ دیکھو! اگر کسی کی آنکھیں نکال دی جاویں تو وہ آنکھوں سے بد نظری کیونکر کر سکتا ہے اور آنکھوں کا گناہ کیسے کرے گا اور اگر ایسا ہی ہاتھ کاٹ دیئے جاویں یا شہوانی قویٰ کاٹ دیئے جاویں۔ پھر وہ گناہ جو اُن اعضاء سے متعلق ہیں کیسے کر سکتا ہے؟ ٹھیک اسی طرح پر جب ایک انسان نفس مطمئنہ کی حالت میں ہوتا ہے تو نفس مطمئنہ اسے اندھا کر دیتا ہے اور اس کی آنکھوں میں گناہ کی قوت نہیں رہتی۔ وہ دیکھتا ہے پھر نہیں دیکھتا۔ کیونکہ آنکھوں کے گناہ کی نظر سلب ہو جاتی ہے۔ وہ کان رکھتا ہے مگر بہرہ ہوتا ہے اور وہ باتیں جو گناہ کی ہیں نہیں سن سکتا۔ اسی طرح پر اس کی تمام نفسانی اور شہوانی قوتیں اور اندرونی اعضاء کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ اس کی ان ساری طاقتوں پر جن سے گناہ صادر ہو سکتا تھا ایک موت واقع ہو جاتی ہے اور وہ بالکل ایک میت کی طرح ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ ہی کی مرضی کے تابع ہوتا ہے۔ وہ اس کے سوا ایک قدم نہیں اُٹھا سکتا۔ یہ وہ حالت ہوتی ہے جب خدا تعالیٰ پر سچا ایمان ہو اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کامل اطمینان اسے دیا جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جو انسان کا اصل مقصود ہونا چاہیے اور ہماری جماعت کو اسی کی ضرورت ہے اور اطمینان کامل کے حاصل کرنے کے واسطے ایمانِ کامل کی ضرورت ہے۔ پس ہماری جماعت کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان حاصل کریں۔''

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 244-245، ایڈیشن 1984ء)

تقریر کے آخر پر لفظِ "ایمان" اور "مؤمن" کی طرف لوٹتے ہوئے قرآن کریم کے حوالہ سے ذکر کر دیتا ہوں تا ایک بار پھر "ایمان" کی حفاظت کے لئے اُس کے معانی ذہنوں میں اجاگر ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے بارہااِس امر کی تنبیہ فرمائی ہے کہ ایمان کے بعد کفر پر آنا بہت گھاٹے اور نقصان کا سودا ہے۔ ایمان کے بعد فسوق کی طرف نہ لوٹنے کا حکم ہے۔ ایمان کو ظلم سے نہ ملانے کا ارشاد ہے۔ ایمان کو بڑھانے والوں کو بشارات کی نوید دی گئی ہے جبکہ ایمان کی طرف توجّہ نہ دینے والوں کو خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا سامنا کرنے کا ذکر ہے۔

بس ہمارا ایمان "**اللہ ہے**" کے مشاہدہ پر یقین پر ہو۔ ہمارا ایمان اُن مشاہدات کے مجموعہ کا نام ہو جو ہم روزانہ دنیا میں دیکھتے ہیں جیسے آگ بھسم کرتی ہے۔ پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ کونین بخار کو ہلکا کرتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہمارا اللہ پر یہ یقین کامل ہو کہ وہ ہمارے ایمان کو بڑھائے گا اور اُسی طرح ہمیں جنت میں لے جائے گا جس طرح صحابہؓ کو لے گیا تھا۔

سامعین! حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

" ایمان کیا ہے؟ یا حقیقی مؤمن کون ہے؟ اس کی گہرائی میں جب ہم جائیں تو خوف سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ کیا ہمارا ایمان اس قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیقی ایمان کہلا سکے؟ یا کیا ہم حقیقی مؤمن کے زُمرے میں آتے ہیں؟ ہم پر خدا تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اس زمانہ میں ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں شامل کیا جنہوں نے قدم قدم پر ہماری راہنمائی فرمائی۔ ہمیں سیدھے راستے پر رکھنے اور حقیقی مؤمن بننے کے لئے بے شمار اور مختلف ذریعوں سے ہماری راہنمائی فرمائی۔ ایک جگہ آپؑ فرماتے ہیں کہ مؤمن وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے اعمال ان کے ایمان پر گواہی دیتے ہیں۔ جن کے دل پر ایمان لکھا جاتا ہے اور جو اپنے خدا اور اس کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم کر لیتے ہیں اور تقویٰ کی باریک اور تنگ راہوں کو خدا کے لئے اختیار کرتے ہیں اور اس کی محبت میں محو ہو جاتے ہیں اور ہر ایک چیز جو بُت کی طرح خدا سے روکتی ہے خواہ وہ اخلاقی حالت ہو یا اعمال فاسقانہ ہوں یا غفلت اور کسل ہو سب سے اپنے تئیں دور تر لے جاتے ہیں۔ پس یہ وہ ایمان ہے جو ہمیں کامل الایمان بنائے گا۔ فاسقانہ اعمال کے بارے میں تو کسی احمدی کے متعلق سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ لیکن اگر ہمارے اخلاق میں ادنیٰ سی بھی کمزوری

ہے تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک ہمیں اپنی حالت کی طرف توجہ کرنی چاہئے کہ یہ ہمارے ایمان میں کمزوری پیدا کر سکتی ہے۔ لیکن ہمارا ہر عمل اور فعل اگر خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے ہے تو پھر ہم امید رکھ سکتے ہیں کہ ہماری یہ کمزوریاں بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دور فرماتا چلا جائے گا اور یہی بات پھر ایمان میں مضبوطی بھی پیدا کرتی ہے۔ ہم اگر آپس کے روزمرہ کے تعلقات نبھا رہے ہیں، خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے ایک دوسرے کے حق ادا کر رہے ہیں تو یہ باتیں ہمارے ایمان میں اضافے کا باعث بنانے والی ہوں گی۔ پس ان معیاروں کو حاصل کرنے کی ہر احمدی کو کوشش کرنی چاہئے۔ بعض دفعہ بعض عمل جان بوجھ کر ایک انسان نہیں کرتا لیکن غفلت اور سستی راہ میں حائل ہو جاتی ہے۔ اس میں عبادت کی ادائیگی میں کمزوری بھی ہے اور دوسری ایسی باتیں بھی ہیں جو خدا تعالیٰ کو ناپسند ہیں جن کے بارے میں خدا تعالیٰ نے ہمیں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ تمہارے فرائض ہیں، انہیں پورا کرو۔ اگر انسان لاپرواہی اور غفلت کی وجہ سے انہیں پورا نہیں کرتا تو آہستہ آہستہ یہ چیزیں پھر ایمان کی کمزوری اور شرک کی طرف لے جاتی ہیں۔ پس ایک احمدی کو ہر قسم کے حقوق کی ادائیگی کے لئے ہر وقت اپنے جائزے لیتے رہنا چاہئے۔ کیونکہ کسی بھی قسم کی نیکی سے جن کا خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے غفلت برتنا یا ان کے کرنے میں سستی دکھانا مؤمن کا شیوہ نہیں ہے۔"

(خطبہ جمعہ 17ء اکتوبر 2008ء)

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"نرے ایمان کے دعوے اور اظہار اور اس کی جڑ کی مضبوطی کا اعلان کسی کام کا نہیں جب تک اعمال صالحہ کی سرسبز شاخیں اور پھل خوبصورتی نہ دکھا رہی ہوں اور فیض نہ پہنچا رہی ہوں۔ اور جب یہ خوبصورتی اور فیض رسانی ہو تو پھر دنیا بھی متوجہ ہوتی ہے اور اس کے گرد جمع بھی ہوتی ہے اور ان کی حفاظت کے لئے پھر کوشش بھی کرتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو صرف ایمان میں مضبوطی کا نہیں کہا بلکہ تقریباً ہر جگہ جہاں ایمان کا ذکر آیا ہے ایمان کو اعمال صالحہ کے ساتھ جوڑ کر مشروط کیا اور یہ حالت پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ انبیاء بھی بھیجتا ہے۔ یہ حالت مؤمنوں میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب زمانے کے نبی کے ساتھ تعلق بھی پیدا ہو۔ جیسا کہ مَیں نے کہا بڑے بڑے گروہ ہیں جو دین کے نام پر اور ایمان کے نام

پر اپنی مضبوط جڑوں کا اظہار کرتے ہیں لیکن ہو کیا رہا ہے؟ ان کی نہ صرف آپس میں نفرتیں بڑھ رہی ہیں اور ایک گروہ دوسرے گروہ پر اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے جو بھی کوشش ہو سکتی ہے جائز ناجائز طریقے سے، ظلم سے، وہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے بلکہ غیر مسلم بھی پریشان ہو کر ان کی وجہ سے اسلام سے خوفزدہ ہو رہے ہیں۔ وہ مذہب جس نے غیر مسلموں کی محبتوں کو سمیٹا اور مسلمان حکومتوں کی حفاظت کے لئے غیر مسلم بھی مسلمانوں کی طرف سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس کی یہ حالت ہے کہ غیروں کو تو کیا کھینچنا ہے خود مسلمانوں کی آپس کی حالت اعمال صالحہ کی کمی کی وجہ سے قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى (الحشر:15) کا نظارہ پیش کر رہی ہے۔ دل ان کے پھٹے ہوئے ہیں۔ آج ان صحیح اعمال کی تصویر پیش کرنا ہر احمدی کا کام ہے جس نے زمانے کے امام اور نبی کو مانا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت ہی وہ خدا تعالیٰ کا لگایا ہوا درخت ہے جس کی جڑیں مضبوط ہیں اور شاخیں بھی سر سبز، خوبصورت اور پھلدار ہیں جو دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں حقیقی اسلام کی تعلیم سے آشنا کیا ہے۔ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ پر چلنے کی طرف ترغیب دلائی، زور دیا، توجہ دلائی، اُس کی اہمیت واضح کی۔

پس یہ جماعت احمدیہ ہی ہے جس کی جڑیں بھی مضبوط ہیں اور شاخیں بھی سر سبز و خوبصورت ہیں اور پھلدار ہیں جو دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یہ وہ درخت ہے جس کو دیکھ کر دنیا کے ہر خطے میں بسنے والے لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ کون سا اسلام ہے جو تم پیش کرتے ہو... پس جیسا کہ مَیں نے کہا کہ زمانے کے امام کو ماننے کی وجہ سے ہر احمدی کا فرض ہے کہ ایمان کی مضبوطی کے ساتھ سر سبز شاخیں بن جائے۔ سر سبز شاخوں کے خوبصورت پتے بن جائے۔ اُن پر لگنے والے خوبصورت پھول اور پھل بن جائے۔ جو دنیا کو نہ صرف خوبصورت نظر آئے بلکہ فیض رساں بھی ہو۔ فیض پہنچانے والا بھی ہو۔ ورنہ ایمان و یقین میں کامل ہونا بغیر عمل کے بے فائدہ ہے ... ہم احمدی ہونے کا حق اس وقت ادا کر سکتے ہیں جب ہم اپنے اعمال صالحہ کی وجہ سے ہر طرف اعلیٰ اخلاق دکھانے کا مظاہرہ کرنے والے ہوں۔ جب ہم اپنے محلے اور شہر اور اپنے ملک میں اعمال صالحہ کی وجہ سے اسلام کی خوبصورتی دکھانے والے بنیں۔ ہر قسم کے فسادوں، جھگڑوں، چغلی کرنے کی عادتوں، دوسروں کی تحقیر کرنے، رحم سے عاری ہونے، احسان کر کے پھر جتانے

والے لوگوں میں شامل نہ ہوں بلکہ ان چیزوں سے بچنے والے ہوں اور اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرنے والے ہوں۔"

(خطبہ جمعہ 19، ستمبر 2014ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں نہ صرف سچا ایمان نصیب کرے بلکہ زندگی کے آخری دم تک ایمان پر قائم بھی رکھے۔ آمین

(کمپوزڈ: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿16﴾ ﴿مشاہدات۔1217﴾

ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر2)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (البقرۃ:178)

کہ نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق یا مغرب کی طرف پھیرو۔ بلکہ نیکی اسی کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخرت پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور نبیوں پر۔

قریب تھا کہ میں گر جاؤں بارِ عصیاں سے
بنا ہے لیک عصا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
گرہ نہیں رہی باقی کوئی مرے دل کی
ہوا ہے عقدہ کشا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ
ہزاروں بلکہ ہیں لاکھوں علاج روحانی
مگر ہے روحِ شفا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

(کلام محمود)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: الإِيْمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُوْنَ شُعْبَةً، فَأَفْضَلُهَا: قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَدْنَاهَا: إِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الإِيْمَانِ

(صحیح بخاری کتاب الإیمان، باب أمور الإیمان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایمان کی ستّر سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں جن میں سب سے افضل لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (یعنی وحدانیتِ الٰہی) کا اقرار کرنا ہے اور ان میں سب سے نچلا درجہ کسی تکلیف دہ چیز کا راستے سے دور کر دینا ہے اور حیاء بھی ایمان کی ایک (اہم) شاخ ہے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک محفل میں حضرت جبرائیلؑ انسان کی شکل میں متمثّل ہو کر آئے اور آپؐ سے سوالیہ رنگ میں پوچھنے لگے کہ اے محمدؐ! "ایمان" کسے کہتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پر، اُس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے رسولوں پر، آخرت پر، خیر اور شر کی تقدیر پر، ایمان لانے کو "ایمان" کہتے ہیں۔ (ان چھ امور کو ارکانِ ایمان کا نام دیا گیا ہے)

(حدیقۃ الصالحین حدیث:166)

اللہ پر ایمان

معزز سامعین! آج مجھے ایمان کی کچھ شاخوں پر بات کرنی ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے جب حضرت جبرائیلؑ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کی شاخوں کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے فرمایا اللہ پر اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ سب سے افضل شاخ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان کو درجہ اوّل پر رکھ کر ہمیں بتایا ہے کہ یہی وہ اعلیٰ ذات ہے جس نے انسان کو پیدا کیا۔ یہی وہ عظیم ذات ہے جس نے تمام مذاہب بنائے اور دنیا کی اصلاح کے لئے انبیاء بھیجے۔ اللہ تعالیٰ کا لفظ خدائے واحد و یگانہ کے علاوہ کسی اور کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے 70 شعبے بیان فرمائے اور سب سے پہلی اور بڑی شرط لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا سب سے بہترین اظہار لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اقرار ہے۔ اِس کا بار بار اعادہ ہے۔ اِسے دل و جان سے پڑھنا اور دہرانا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ہر نماز کے بعد تینتیس دفعہ سبحان اللہ کہا اور تینتیس دفعہ الحمدللہ کہا اور تینتیس دفعہ اللہ اکبر کہا تو یہ مل کر ننانوے ہوئے۔ سو کا عدد پورا کرنے کے لئے کہا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہت اُسی کی ہے۔ تمام تعریف اُسی کے لئے ہے اور وہ ہر ایک چیز پر خوب قدرت رکھتا ہے۔ اس کی تمام خطائیں معاف کر دی جائیں گی اگرچہ وہ سمندر کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

(حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر:16)

اللہ تعالیٰ پر ایمان اِس حد تک یقین کے ساتھ ہو کہ وہ خدا سب سے بلند شان والا ہے وُہ ہماری دعاؤں کو سنتا بھی ہے۔ وہ بولتا بھی ہے۔ وہ حمد والا اور بے نیاز ہے۔ اُسے کسی نے پیدا کیا نہ وہ جنا گیا۔ وہ رحمن ور حیم ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے ضمن میں یہ بھی ضروری ہے کہ اُس کی تمام صفات پر بھی مکمل ایمان ہو اور جب ہم اللہ تعالیٰ سے دُعائیں مانگیں تو متعلقہ صفات کو سامنے رکھ کر اور اُسے اِن صفاتی ناموں سے پکار کر، اِن صفاتی ناموں کا واسطہ دے کر دعائیں کریں۔

سامعین ! جہاں تک قیام توحید کا تعلق ہے آپؐ کا اوڑھنا بچھونا توحید تھا۔ صبح و شام آپؐ توحید الٰہی کا دم بھرتے تھے۔ صبح کی دُعاؤں میں جو حضورؐ نے امّت کو سکھائیں توحید کا غلبہ ہے اور شام کو پڑھنے کے لیے صحابہ کو یاد کروائیں اُن میں قیام توحید کا ذکر ہے ۔ مصیبت آتی تو لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ العَظِيمُ الحَلِيمُ کی دُعا کرتے۔

(مسلم)

اپنی اُمّت کو توحید کے ترانے اور نغمے الاپنے کی اس لالچ کے ساتھ نصیحت فرماتے کہ اگر اتنی تعداد میں یہ پڑھو گے تو اتنا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ فرمایا کہ جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَعَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ پڑھے تو گویا اُس کو 10 غلاموں کی آزادی کے برابر ثواب ملے گا۔

(صحیح بخاری)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:

”ہمارے مذہب کا خلاصہ اور لُبّ لباب یہ ہے کہ لَآاِلٰہَ اِلاَّاللّٰہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ ہمارا اعتقاد جو ہم اس دنیوی زندگی میں رکھتے ہیں جس کے ساتھ ہی ہم بفضل و توفیق باری تعالیٰ اس عالمِ گزران سے کُوچ کریں گے یہ ہے کہ حضرت سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین و خیر المرسلین ہیں جن کے ہاتھ سے اکمالِ دین ہو چکا اور وہ نعمت بمرتبہ اتمام پہنچ چکی جس کے ذریعہ سے انسان راہ راست کو اختیار کر کے خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔“

(ازالہ اوہام حصہ اوّل روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 137)

فرشتوں پر ایمان

سامعین! دوسری اہم شاخ اللہ کے فرشتوں پر ایمان لانا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے بعد بہت سی شرعی نصوص میں اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان کا ذکر ہے تو اس کی حکمت میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کی جانب فرشتوں کے ذریعہ سے ہی وحی فرماتا ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ

یُنَزِّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوۡحِ مِنۡ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرُوۡۤا اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوۡنِ

(النحل:3)

یعنی وہ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے فرشتوں کو روح القدس کے ساتھ اتارتا ہے کہ خبردار کرو کہ یقیناً میرے سوا کوئی معبود نہیں پس مجھ ہی سے ڈرو۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اِس کے تحت لکھتے ہیں:

”جو (یعنی فرشتے) خدا کی ایک نہ نظر آنے والی مگر نہایت اہم مخلوق ہے۔ فرشتے خدا کے حکم کے ماتحت اس کا زمانہ، عالَم کو چلانے والے اور خدا کی طرف سے پیدا کئے ہوئے اسباب کے نگران ہیں اور فرشتے خدا اور اُس کے رسولوں کے درمیان پیغام رسانی کا واسطہ بھی بنتے ہیں۔“

(چالیس جواہر پارے صفحہ 14)

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ملائکہ پر ایمان لازم قرار دیا اور ملائکہ کے انکار کو گمراہی قرار دیا۔ سورۃ البقرۃ 178 فرشتوں پر ایمان پکڑنے کا ذکر ہے۔ جبکہ سورۃ النساء آیت 137 میں ملائکہ کے انکار کو گمراہی قرار دیا ہے۔ ملائکہ کی ایک ایسی فوج ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی معاونت کے لئے تیار کر رکھی ہے اور اُن کے ذمہ مختلف کام تفویض ہیں۔

کتابوں پر ایمان

سامعین ! تیسرے نمبر پر اللہ تعالیٰ کی بھجوائی ہوئی تمام **کتابوں پر ایمان لانا** ضروری قرار دیا ہے۔ جس کا تاکیدی حکم قرآن کریم کی اِس آیت میں ملتا ہے جس کی تلاوت تقریر کے آغاز میں مَیں کر آیا ہوں۔ اسلام کی یہ خوبصورت تعلیم ہے جو ہر مسلمان کے ماتھے کا جھومر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام الہامی کتابوں اور رسولوں پر یکساں طور پر ایمان لانا ہے اور اِن کتابوں میں سے آخری اور دائمی کتاب قرآن شریف ہے۔ جس کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ (بخاری کتاب فضائل القرآن) کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن کریم سیکھتا اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اِس کی لفظی و معنوی حفاظت کا ذمہ خود اُٹھایا ہے۔ نہ اِس کا کوئی شعشہ منسوخ ہوا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہ مسلمانوں کی مقدّس اور مبارک کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس کے فضائل اور برکات کا ذکر قرآن کریم میں کثرت سے کیا ہے۔ اس کو فصاحت و بلاغت کے ساتھ اُتارا۔ اِس کی تلاوت کے آداب کا تفصیل سے ذکر کیا۔ اِسے ”الفرقان“، ”کتاب مسطور“، ”کتاب مکنون“ اور ”ذکرِ مبارک“ کہا۔ یہی وہ کتاب ہے جس نے تمام سابقہ کتب کی تائید کی۔

اللہ کے رسولوں پر ایمان

سامعین ! چوتھے نمبر پر **اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان** بھی رکنِ ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ (الحدید: 8) یعنی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔ رُسُل، رسول کی جمع ہے۔ اس کے معنی مرسَل، یعنی پیغمبر، مبعوث اور فرستادہ کے ہیں۔ جو کسی شئے کو پہنچانے کے لیے بھیجا گیا ہو۔ یاد رہے کہ یہاں ”رُسُل“ سے مراد انسانوں میں سے وہ ہستیاں ہیں جن کی طرف بذریعہ وحی شریعت نازل کی گئی اور انہیں اس تبلیغ کا حکم بھی دیا گیا ان انبیاء کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور

حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ اور دیگر انبیاء سے ہوتا ہوا سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ صرف ختم ہوا بلکہ آپؐ کے فیض سے برکت پاکر آپؐ کے روحانی فرزند حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان بھی ضروری قرار دیا ہے۔ آنحضورؐ نے فرمایا ہے کہ پہاڑوں اور برفانی تودوں کو عبور کر کے بھی اگر میر اسلام مسیح و مہدی کو پہنچانا پڑے تو ضرور ایسا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر رُسُل اور بعض نبیوں کا ذکر کر کے ایمان لانے کا ذکر فرمایا ہے اور سورۃ مریم آیت 55 میں حضرت اسماعیلؑ کے لئے رسول اور نبی کا لفظ استعمال فرما کر اس عُقدہ کو حل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں چند ایک انبیاء کا ذکر فرمایا ہے ورنہ تو انبیاء کی تعداد تاریخ میں ایک لاکھ چوبیس ہزار درج ہے۔ اِن میں بعض انبیاء تشریعی ہیں یعنی اِن کے ساتھ شریعت (الہامی کتاب) نازل ہوئی اور اکثریت اِن انبیاء کی غیر تشریعی ہیں جو اپنے پیشرو کے تابع رہ کر اصلاحِ احوال کا کام کرتے رہے اور انبیاء میں یہ بھی خوبی رہی ہے کہ وہ اپنے سے پہلے انبیاء کی تصدیق بھی کرتے رہے ہیں اور آئندہ آنے والے انبیاء کی پیش خبری بھی بتاتے رہے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”نوع انسان کے لیے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن، اور تمام آدم زادوں کے لیے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ وجلال کے نبیؐ کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہو گی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے کہ خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اَور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اَور کتاب ہے۔ اور کسی کے لیے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے۔ مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لیے زندہ ہے۔“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 13)

یومِ آخرت پر ایمان

سامعین! صحیح مسلم کی حدیث جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے اُس میں پانچویں نمبر پر **یوم آخر پر ایمان** لانے کا ذکر ہے۔ جو مؤمنوں کی ایک شان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن کریم میں آخرت پر ایمان کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اس پر ایمان اِس قدر اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی ابتداء میں جن امور پر ایمان لانے کو ضروری قرار دیا ہے۔ اُن میں سے ایک آخرت پر ایمان ہے جیسا کہ فرمایا وَبِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ يُوۡقِنُوۡنَ (البقرۃ:5) کہ مؤمن آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہمیں بتایا ہے کہ ہر نبی نے بعث بعد الموت پر ایمان لانے کی تعلیم دی ہے۔ کیونکہ اِس دنیا کے بعد ہر انسان کو دوسری زندگی ملنے والی ہے۔ جو انسان کے مرنے کے بعد ملے گی۔ انسان نے اِس دنیا میں جو اعمال بجالائے ہیں۔ اُن کا ثمر اُنہیں وہاں ملے گا۔ اگر اچھے عمل کئے ہیں تو جنت اور اگر عمل اچھے نہیں تو اُس کو اُخروی زندگی میں بھگتنا ہوگا۔ جیسا کہ مَیں پہلے کہہ آیا ہوں کہ انسان کو دوسری زندگی ملنے والی ہے۔ یہ تمام مذاہب کا عقیدہ ہے۔ بعض مذاہب تو اِس حد تک گئے ہیں کہ اگلی زندگی میں اپنے اعمال کی وجہ سے وہ مختلف جون میں یعنی بندر اور دیگر جانوروں کی شکل اختیار کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اعمال نامے کا ذکر قرآن کریم میں بہت کھول کر کر دیا ہے کہ ہر شخص کا اعمال نامہ اُس کی گردن میں لٹکا دیا جائے گا۔ (بنی اسرائیل:14) اور یہی اُخروی زندگی ہی اصل زندگی ہوگی۔ (العنکبوت:65)

قضاء وقدر پر ایمان

سامعین! ایمان کی ایک شاخ **قضاء و قدر پر ایمان** ہے۔ بعض لوگ اِس کے انکاری ہیں۔ اِسے قرآنی اصطلاح میں تقدیر اور قدر کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے یہ ایک حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بے شمار جگہوں پر رزق اور وقت کے مقدّر ہونے کا ذکر کیا ہے اور مصیبت و مشکل کے مقدّر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ الحدید آیت 23 میں بیان فرمایا:

”زمین پر کوئی مصیبت نہیں آتی اور نہ تمہاری جانوں پر کوئی مصیبت آتی ہے۔ لیکن اس کے ظہور سے بھی پہلے ہم نے اسے مقرر کر دیا ہوتا ہے۔ یہ بات اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔“

حضرت خلیفۃُ المسیح الثانیؓ اِس آیت کے نیچے فُٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

”یہ مطلب نہیں کہ ہر بُرا اچھا بدلہ مقدّر ہے اور قسمت میں لکھا ہوا ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ ہر کام کا انجام ہم نے مقرر کیا ہوا ہے۔ اس لیے جیسا کام کوئی کرتا ہے، اس کا مقرر بدلہ اُسے مل جاتا ہے پس بدلہ کا پیدا کرنے والا انسان خود ہے نہ کہ خدا۔ خدا تعالیٰ تو محض اصول کا پیدا کرنے والا ہے۔“

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایمان کے اِس ستون کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ:

”(ششم) تقدیر خیر و شر پر ایمان لانا جو خدا کی طرف سے دنیا میں جاری شدہ قانون کی صورت میں قائم ہے یعنی اس بات پر یقین رکھنا کہ دنیا کا قانون قدرت اور قانون شریعت ہر دو خدا کے بنائے ہوئے قانون ہیں اور خدا ہی اس سارے مادی اور روحانی نظام کا بانی اور نگران ہے۔ خدا نے ہر کام کے متعلق خواہ وہ روحانی ہے یا مادی یہ اصول مقرر کر رکھا ہے کہ اگر یوں کرو گے تو اس کا اس طرح اچھا نتیجہ نکلے گا اور اگر یوں کرو گے تو اس کا اس طرح خراب نتیجہ نکلے گا اور پھر خدا اپنے قانون کا مالک بھی ہے اور ایسے امور میں جو اس کی کسی بیان کردہ سنت یا وعدہ یا صفت اور پھر خدا کے خلاف نہ ہوں وہ اس قانون میں اپنے رسولوں اور نیک بندوں کی خاطر خاص حالات میں استثنائی طور پر تبدیلی بھی کر سکتا ہے۔ چنانچہ معجزات کا سلسلہ عموماً اس استثنائی قانون سے تعلق رکھتا ہے۔“

(چالیس جواہر پارے صفحہ 15)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ ایمان بالغیب پر ایمان لانے کے بارے میں فرماتے ہیں:

” مذہب کے معاملہ میں بعض امور بڑے واضح ہوتے ہیں جو آسانی سے سمجھ آجاتے ہیں لیکن بعض امور کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لامحدود علم کی بناء پر ایمان بالغیب کے پردہ میں رکھا ہے، جن کی حقیقت کو سمجھنا یا ان کا احاطہ کرنا انسان کے بہت ہی محدود علم کے بس کی بات نہیں۔ لہٰذا مذہبی احکامات کے معاملہ میں جس طرح ہم آسانی سے سمجھ آجانے والے احکامات کی پابندی کرتے اور ان کو اپنی زندگیوں کا حصہ بناتے ہیں، اسی طرح ہمارا یہ بھی فرض ہے کہ ان احکامات کی بھی اسی طرح اطاعت کریں جن کا ایمان بالغیب کے ساتھ تعلق ہے اور ان کے بارہ میں بلاوجہ اپنے ذہنوں میں شکوک و شبہات کو جگہ نہ دیں۔“

(الفضل انٹرنیشنل 3 فروری 2023ء صفحہ 12)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایمان کے بارے میں فرماتے ہیں:

”خوب یاد رکھنا چاہیے! اگر کوئی شخص زبان سے کہتا ہے کہ میں خدا کو وحدہ لاشریک مانتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاتا ہوں اور ایسا ہی اور ایمانی امور کا قائل ہوں لیکن اگر یہ اقرار صرف زبان ہی تک ہے اور دل معترف نہیں تو یہ زبانی باتیں ہوں گی اور نجات اس سے نہیں مل سکے گی جب تک انسان کا دل ایمان نہ لائے اور اس کا ایمان لانا یہی ہوگا کہ وہ عملی حالت میں ان امور کو ظاہر کردے۔ اس وقت تک کوئی بات بنتی نہیں۔“

(ملفوظات جلد 9 صفحہ 13)

حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”پہلی بات یا خصوصیت جو ایک مؤمن کی بیان فرمائی گئی ہے وہ غیب پر ایمان ہے، اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان کہ وہ سب قدرتوں والا ہے۔ جب یہ کامل ایمان ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اپنے وجود کا پتہ ایک سچے مؤمن کو مختلف طریقوں سے دیتا ہے۔ اسی طرح فرشتوں پر ایمان ہے، مرنے کے بعد کی زندگی پر ایمان ہے، یہ سب ایمان کی مثالیں ہیں۔ پھر غیب پر ایمان یہ ہے کہ ہر حالت میں اپنے ایمان کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔ نیک اعمال جو کرنے ہیں وہ کسی کو دکھانے کے لئے نہیں کرنے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر حالت میں مجھے دیکھ رہا ہے، ان پر عمل کرنا ہے۔

...ایک مؤمن کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تعلیم اتری ہے اسے ماننا ضروری ہے۔ آپؐ کو خاتم الانبیاء ماننا ضروری ہے۔ اس یقین پر قائم ہوں اور یہ ایمان ہو کہ قرآن کریم آخری شرعی کتاب ہے اور اس کے تمام احکامات ہمارے لئے ہیں اور ہمیں اس پر ایمان لانا اور ماننا اور عمل کرنا ضروری ہے۔“

(خطبہ جمعہ 13 / جولائی 2007ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(کمپوزڈ: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿17﴾ ﴿مشاہدات۔1218﴾

ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر3)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ

(الاعراف:206)

تُو اپنے ربّ کو اپنے دل میں کبھی گڑ گڑاتے ہوئے اور کبھی ڈرتے ڈرتے اور بغیر اونچی آواز کئے صبحوں اور شاموں کے وقت یاد کیا کر اور غافلوں میں سے نہ ہو۔

دھل جائیں دل بدی سے سینے ہوں نُور سے پُر
امراضِ روح کا وہ دَرمان مجھ کو دے دے
دجال کی بڑائی کو خاک میں ملا دوں
قوت مجھے عطا کر سلطان مجھ کو دے دے

(کلام محمود)

معزز سامعین! آج کی تقریر میں خاکسار ایمان کی ستّر شاخوں میں سے چند ایک شاخیں بیان کرنے کی کوشش کرے گا۔ اِس سے قبل تقریر نمبر 2 میں چھ شاخیں بیان ہو چکی ہیں۔ اب اِس تقریر میں مزید پانچ شاخوں کا ذکر ہو گا۔ ان شاء اللہ۔ تقریر نمبر 1 میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ

محدّث امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”شُعَبُ الایمان“ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی روشنی میں ایمان کی ستّر (70) سے اوپر مجموعی طور پر 77 شاخیں گنوائی ہیں۔ جن کا ذکر مَیں وہاں کر آیا ہوں۔ بعد میں گوگل سرچ کرتے ان کی تفصیل تین زُمروں میں ملی ہے۔ جس کا ذکر یہاں خارج از فائدہ نہ ہو گا کیونکہ ان کا مقصد مکمل اسلامی طرزِ زندگی کو اپنانا ہے۔

1. دل سے تعلق رکھنے والے اعمال یا شاخیں (ایمانیات وعقائد)

جن کی تعداد 30 ہے اور اِن کا تعلق نیّت، تصدیق اور باطنی کیفیات سے ہے۔

اللہ کی ذات، صفات اور وحدانیت پر ایمان۔ فرشتوں، تمام آسمانی کتابوں اور انبیاء کرام پر ایمان۔ تقدیر پر ایمان (کہ اچھی اور بُری تقدیر اللہ کی طرف سے ہے)۔ یومِ آخرت، جنّت، دوزخ اور دوبارہ اٹھائے جانے پر ایمان۔ اللہ سے محبت، خوف اور اس کی رحمت کی اُمید رکھنا۔ اللہ پر توکّل اور بھروسہ کرنا اور اُس کے فیصلوں پر راضی رہنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور آپ کی تعظیم کرنا۔ اخلاص پیدا کرنا اور ریاکاری (دکھاوے) سے بچنا۔ توبہ کرنا، حسد، کینہ اور غرور سے بچنا۔

2. زبان سے تعلق رکھنے والے اعمال یا شاخیں

ان کی تعداد 7 ہے اور اِن کا تعلق زبان کے کلمات اور ذکر واذکار سے ہے۔

کلمہ طیبہ (لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ) کا اقرار کرنا۔ تلاوتِ کلام پاک اور قرآن مجید سیکھنا سکھانا۔ علمِ دین حاصل کرنا اور اسے دوسروں تک پہنچانا۔ دعا، استغفار اور اللہ کا ذکر کرنا۔ سچ بولنا، اور جھوٹ، غیبت، چغلی اور گالی گلوچ سے پرہیز کرنا۔

3. جسم اور اعضاء سے تعلق رکھنے والے اعمال یا شاخیں

ان کی تعداد 40 ہے اور تعلق انسان کی ظاہری عبادات، معاملات اور اخلاق سے ہے۔ جیسے

عبادات: طہارت وپاکیزگی کا خیال رکھنا، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اعتکاف اور صدقہ وخیرات ادا کرنا۔ **معاملات:** دیانت داری کے ساتھ تجارت کرنا، امانت لوٹانا، قرض کی ادائیگی، اور یتیموں کے حقوق کا خیال رکھنا۔ **حقوق العباد:** والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، صلہ رحمی (رشتے داروں سے اچھا برتاؤ)، غلاموں/ماتحتوں پر شفقت۔ **اخلاق:** حیا (ایمان کی سب سے بڑی شاخ)، مہمان نوازی، عفت وپاکدامنی۔ **معاشرتی فلاح:** راستے سے تکلیف دہ چیز (مثلاً کانٹا، پتھر) ہٹا دینا (ایمان کا سب سے ادنیٰ شعبہ)، لوگوں میں صلح کروانا اور بُرائی سے روکنا۔

سامعین! آئیں! اِسی ترتیب کے مطابق ان شاخوں کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

اللہ سے محبت، خوف اور اس کی رحمت کی اُمید رکھنا۔

جو لوگ صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں، اعمالِ صالحہ اختیار کرتے ہیں، اپنی توجہ مکمل طور پر اللہ کی طرف موڑ لیتے ہیں، اُس کے حضور جھک جاتے ہیں اور اُس کی محبت کو اپنی زندگی کا مرکز بنا لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُنہیں یہ اطمینان عطا فرماتا ہے کہ جب وہ اُن سے راضی ہو جائے گا تو اُنہیں ایسی عظیم نعمت عطا کرے گا جس میں نہ خوف باقی رہے گا اور نہ غم۔ اللہ سے محبت بھی اہل ایمان کا وصف بیان ہوا ہے اور بن دیکھے ڈرتے رہنا بھی ایک مؤمن کی صفت بیان ہوئی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے بغض رکھنا افضل اعمال میں سے ہیں۔

(سنن ابی داوُد، کتاب السنة جلد سوم:4599)

اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی خود اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی اور فروتنی اختیار کی جائے، اس کی پکڑ اور عذاب کا خوف محسوس کیا جائے وہاں اس کے ساتھ شدید محبت اور چاہت بھی پیدا ہو جاتی ہے اَور ہونی بھی چاہئے۔

جہاں تک خدا تعالیٰ کے خوف ہونے کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ مؤمن صرف وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔ خشیت اُس خوف کو کہتے ہیں جو کسی کی عظمت کی وجہ سے پیدا ہو اور صرف کسی کی اپنی کمزوری کی وجہ سے یہ ڈر پیدا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی خشیت یقیناً ایسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار بھی ہے اور ایک کمزور بندے کی اپنی کم مائیگی کا اظہار بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کیا ہے؟ یہ یقین رکھنا کہ اللہ تعالیٰ سب طاقتوں کا مالک ہے اور اُس نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ ہر چیز اُس کی پیدا کردہ ہے اور اُس کے ذریعہ سے قائم ہے۔ اُسی کی ملکیت ہے اور اُس کے چاہنے سے ہی ملتی ہے۔ پس جب ایسے قادر اور مقتدر خدا پر ایمان ہو اور اُس کی خشیت دل میں پیدا ہو تو پھر ہی انسان اُس کی قدرتوں سے حقیقی فیض پا سکتا ہے۔ انسان باخدا انسان نہیں بن سکتا جب تک کہ اُس میں خدا تعالیٰ کی خشیت پیدا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا خوف انسان کو نیکی طرف مائل کرتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اَللّٰہ جَلَّ شَانُہٗ سے وہ لوگ ڈرتے ہیں جو اس کی عظمت اور قدرت اور احسان اور حسن اور جمال پر علم کامل رکھتے ہیں خشیت اور اسلام در حقیقت اپنے مفہوم کے رُو سے ایک ہی چیز ہے کیونکہ کمال خشیت کا مفہوم اسلام کے مفہوم کو مستلزم ہے۔ پس اس آیتِ کریمہ کے معنوں کا مآل اور ماحصل یہی ہوا کہ اسلام کے حصول کا وسیلہ کاملہ یہی علم عظمت ذات وصفات باری ہے۔"

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 185)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" جس کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا اور ذات کا علم ہو جائے وہی عالِم بن جاتا ہے۔ پس ایک حقیقی مسلمان بننے کے لئے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اُس کی صفات کا علم ضروری ہے اور یہ بغیر خشیت کے نہیں ہو سکتا اور اس کے لئے کوئی تخصیص نہیں کہ یہ خاص گروہ حاصل کرے اور باقی نہ کریں۔ اپنی اپنی استعدادوں کے مطابق ہر مؤمن کے لئے اُس کے حصول کی کوشش ضروری ہے، تبھی ایمان میں ترقی ہوتی ہے، تبھی اللہ تعالیٰ کے تعلق میں ترقی ہوتی ہے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 3 اگست 2012ء)

سامعین! ایک مؤمن ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اُس کی رحمت کی امید رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان لوگوں کے قریب ہے جو جان بوجھ کر گناہ کرنے والے نہیں ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کو اپنے گناہوں کی سزا کے خوف سے ہمیشہ پکارتے رہتے ہیں اور اپنے گناہوں کی سزا کے خوف سے اس کی یاد دل میں رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جو جان بوجھ کر گناہ کرنے والے نہیں ہیں بلکہ انجانے میں اگر کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا تقویٰ اختیار کرتے ہوئے پکارتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت ان پر نازل ہوتی ہے۔ ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے کہ وہ دعائیں قبول فرماتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" اسلام کے احکامات تو ایسے ہیں کہ کسی طرف سے بھی ان پر عمل شروع کریں یا اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم کو پکڑیں یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی حکم کو دیکھیں یا ارشاد کو دیکھیں تو وہ سب کو گھیر کر

اکٹھا کر کے ہمیں جس طرف لے کے جائیں گے وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی ہے۔ ہم خواہش تو بہت کرتے ہیں کہ ہماری دعائیں بھی قبول ہوں اور ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بھی وارث ہوں اور اس کے مورد بنیں لیکن ان کے حصول کے لئے ہم اس مقام کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے یا اکثریت ہم میں سے نہیں کرتی یا باقاعدگی سے ہم کوشش نہیں کرتے جو ایک مؤمن کو کرنی چاہئے ..... پس ہمیں اس رحمت کو جذب کرنے کی کوشش کی ضرورت ہے اور کوشش کرنی چاہئے جو ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے نہ کہ عارضی اور وقتی طور پر سزا سے بچالے اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ہم پہلی حالت میں آجائیں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 10 جولائی 2015ء)

اللہ پر توکّل و بھروسہ کرنا اور اس کے فیصلوں پر راضی رہنا۔

سامعین! اللہ پر توکّل کرنا اور اس کے فیصلوں پر راضی رہنا بھی مؤمن کی ایک خصوصیت ہے اور ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق:4)

اور جو اللہ پر توکّل کرے تو وہ اُس کے لئے کافی ہے۔

انسان کو ہر لمحہ خدا کی مدد چاہیے ہوتی ہے اور ایک مؤمن کو خدا کی مدد کا طلبگار رہنا چاہیے اور اُس پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان ہر کام اللہ پر چھوڑ کر خود کچھ نہ کرے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ اپنی طرف سے صدقِ دل سے کوشش کرتے تھے اور پھر کام کے انجام کو خالقِ حقیقی کے سپرد کر دیتے اور کامیابی کے لئے دعا میں لگ جاتے۔ آپؐ سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ مَیں اپنے اونٹ کو باندھ کر اللہ پر توکّل کروں یا کھُلا چھوڑ کر۔ آپؐ نے فرمایا کہ پہلے اونٹ کا گھٹنا باندھو اور پھر اللہ پر توکّل کرو۔

(جامع ترمذی کتاب صفۃ القیامۃ)

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ

"توکّل یہی ہے کہ اسباب جو اللہ تعالیٰ نے کسی امر کے حاصل کرنے کے واسطے مقرر کئے ہوئے ہیں ان کو حتّی المقدور جمع کرو اور پھر خود دعاؤں میں لگ جاؤ کہ اے خدا! تو ہی اس کا انجام بخیر کر۔ صدہا آفات ہیں

اور ہزاروں مصائب ہیں جو اُن اسباب کو بھی برباد اور تہ وبالا کر سکتے ہیں، اُن کی دست بُرد سے بچا کر ہمیں سچی کامیابی اور منزل مقصود پر پہنچا“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 146۔ جدید ایڈیشن)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توکّل علی اللہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

” آپؐ کو تو پہلے سے ہی خدا پر اس قدر یقین تھا اور توکّل تھا کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ آپؐ نے تو توکّل کے اُس وقت بھی اعلیٰ معیار قائم کئے تھے جب آپؐ کے ساتھی کمزور تھے اور دشمن کے مقابلے کے لئے ہاتھ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ آپؐ نے تو اس وقت بھی توکّل کے نمونے دکھائے جب آپؐ اکیلے تھے اور اکیلے ہی دوسرے شہروں میں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لئے چلے جایا کرتے تھے۔ آپؐ کو تو اس وقت بھی خدا تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ تھا اور توکّل اور یقین تھا کہ آخر کار جیت میری ہی ہونی ہے اور آپؐ نے تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق یہی آواز بلند کی ۔قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ(الرعد:31) کہ تُو کہہ دے وہ میرا ربّ ہے کوئی معبود اس کے سوا نہیں، اسی پر مَیں توکّل کرتا ہوں اور اسی کی طرف میرا عاجزانہ جھکنا ہے۔ پس یہ آپؐ کے توکّل کی قرآنی گواہی ہے... پس یہ وہ متوکّل انسان تھا جس کا نام سینکڑوں ہزاروں سال پہلے سے اللہ تعالیٰ نے مُتوکّل رکھ دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف خود توکّل کے اعلیٰ نمونے دکھائے بلکہ اپنے ماننے والوں میں، اپنی امت میں بھی یہ وصف پیدا کرنے کی کوشش فرمائی...... توکّل کہتے کسے ہیں؟ کیا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانے کو؟ کچھ کام نہ کرنے کو؟ اور صرف یہ کہنا کہ ہم بیٹھے ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری ضروریات پوری کر دے گا!۔ یہ توکّل نہیں ہے۔ بلکہ تمام وسائل کو بروئے کار لا کر، استعمال کر کے پھر اللہ تعالیٰ پر انحصار کرنا اور اس کے آگے جھکنا، یہ توکّل ہے۔“

(خطبہ جمعہ 8/اپریل 2005ء)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور آپؐ کی تعظیم کرنا۔

سامعین! خدا تعالیٰ سے محبت کے بعد ایک مؤمن کو سب سے زیادہ محبت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونی چاہیے اور یہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

(آل عمران:32)

تو کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

جب ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کریں گے، آپؐ کی پیروی کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پھر وہ ہمارے گناہ بھی بخش دے گا اور ہم سے محبت بھی کرے گا اور ہماری دینی اور دنیاوی بھلائیوں کے سامان بھی پیدا کرے گا۔ تو گویا اب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے تمام راستے بند ہو گئے اور اگر کوئی راستہ کھلا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کرکے آپ کے پیچھے چل کر ہی خدا تعالیٰ تک پہنچا جا سکتا ہے، یہی ایک راستہ ہے جو کھلا ہے۔ یاد رکھیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ مبارک اللہ تعالیٰ کا سب سے پیارا وجود ہے۔ زمین و آسمان اس کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی اسی کام پر لگے ہوئے ہیں کہ اللہ کے اس پیارے نبی پر رحمت بھیجتے رہیں اور دعائیں کرتے رہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"دعائیں قبول کروانا چاہتے ہو تو جو دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اس کی پیروی کرو، آپؐ سے محبت کرو اور اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو تاکہ اس محبت میں خود بھی بڑھو اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت بھی حاصل کرو اور پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ کے آگے جھکو، اس سے بخشش طلب کرو، اس کی عبادت کرو، سب غیر اللہ کو چھوڑ دو۔ تو یہ تین چیزیں ہیں اگر پیدا ہو جائیں گی تو سمجھو کہ تم اللہ تعالیٰ کا قرب پانے والے ہو گے اور دنیا اور آخرت سنور جائے گی۔"

(حضرت اقدس کی ایک تقریر اور مسئلہ وحدت الوجود پر ایک خط صفحہ 23 از خطبہ جمعہ 10/دسمبر 2004ء)

حضرت مرزا سلطان احمد جو حضرت مسیح موعود کی پہلی بیوی سے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ آپ حضور کی زندگی میں جماعت احمدیہ میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کے زمانہ میں بیعت کی۔ آپ کے قبول احمدیت سے پہلے زمانہ کی بات ہے کہ اُن سے ایک دفعہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے حضرت مسیح موعود کے اخلاق و عادات کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اس پر فرمایا کہ

"ایک بات مَیں نے والد صاحب (یعنی حضرت مسیح موعود) میں خاص طور پر دیکھی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف والد صاحب ذرا سی بات بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے اگر کوئی شخص آنحضرتؐ کی شان کے خلاف ذرا سی بات بھی کہتا تھا تو والد صاحب کا چہرہ سُرخ ہو جاتا تھا اور غصّے سے آنکھیں متغیّر ہونے لگتی تھیں اور فوراً ایسی مجلس سے اُٹھ کر چلے جاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو والد صاحب کو عشق تھا۔ ایسا عشق مَیں نے کسی شخص میں نہیں دیکھا اور مرزا سلطان احمد صاحب نے اس بات کو بار بار دُہرایا۔"

(سیرۃ طیبہ صفحہ 34)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" ایک روایت میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم کہ جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مؤمن نہیں کہلا سکتا جب تک مَیں اُسے اپنے والد اور اولاد سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔ (بخاری کتاب الایمان باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان) تو یہ معیار بتایا ہے دنیاوی رشتوں کی مثال دے کر کہ صرف پیروی کا دعویٰ ہی نہیں کرنا بلکہ یہ جو دنیاوی رشتے ہیں، والدین اور بچے، ان سب سے زیادہ مَیں تمہارا پیارا بنوں۔ مجھے تم سب سے زیادہ پیار کرنے والے بنو۔ صحابہ نے جن میں بچے بھی تھے بوڑھے بھی تھے جوان بھی تھے انہوں نے اسی طرح قربانیاں دی ہیں اور اسی طرح پیار کیا ہے۔ بچوں نے اپنے والدین کو چھوڑنا گوارا کر لیا مگر آپؐ کا دَر نہ چھوڑا۔ پس آج ہمیں بھی وہی مثالیں قائم کرنی ہیں، ان شاء اللہ۔ جس طرح آپؐ نے فرمایا، جو اسلام کی تعلیم ہے، اس کو ماننا ہے، اس پر عمل کرنا ہے اور دنیا کی کوئی پرواہ نہیں کرنی۔ آپؐ کے لئے جو غیرت اور محبت اور عشق ہمارے دلوں میں ہونا چاہئے اس کے مقابلے میں ہر دوسری چیز اور ہر دوسرا رشتہ اور ہر قسم کی غیرت جو بھی ہو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہونی چاہئے۔"

(خطبہ جمعہ 10 / دسمبر 2004ء)

اخلاص پیدا کرنا اور ریاکاری (دکھاوے) سے بچنا۔

حضرت عیاض بن حمار سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ انکساری اختیار کرو اس حد تک کہ تم میں سے کوئی کسی پر فخر نہ کرے۔

ایک مؤمن کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بلند مقام عاجزی سے ہی ملتا ہے۔ اچھا باغبان یا مالک ہو باغ کا وہ ہمیشہ درخت کی اُس شاخ کی قدر کرتا ہے جو پھلوں سے لدی ہو اور زمین کے ساتھ لگی ہو۔ اسی طرح خدا تعالیٰ جو زمین اور آسمان کا مالک ہے اُس سر کی قدر کرتا ہے جو زمین کی طرف جھکتا ہے۔ اُس کی رضا کی خاطر اخلاص اور اُس کی محبت میں اُس کے سامنے جھکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”خدا تعالیٰ کی طرف قدم اٹھاؤ اور پرہیز گاری کی باریک راہوں کی رعایت رکھو۔ سب سے اوّل اپنے دلوں میں انکسار اور صفائی اور اخلاص پیدا کرو اور سچ مچ دلوں کے حلیم اور سلیم اور غریب بن جاؤ کہ ہر یک خیر اور شر کا بیج پہلے دل ہی میں پیدا ہوتا ہے۔ اگر تیرا دل شر سے خالی ہو تو تیری زبان بھی شر سے خالی ہو گی اور ایسا ہی تیری آنکھ اور تیرے سارے اعضاء۔ ہر یک نور یا اندھیرا پہلے دل میں ہی پیدا ہوتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ تمام بدن پر محیط ہو جاتا ہے۔ سو اپنے دلوں کو ہر دم ٹٹولتے رہو۔“

(ترجمہ عربی عبارت اعجاز المسیح از تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد اول صفحہ 203)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

” اپنے دل کو ٹٹولتے رہو، اس کو پاک رکھنے کی کوشش کرو، اپنا خود محاسبہ کرتے رہو۔ کسی کے لئے بھی دل میں کینہ، نفرت، بغض، حسد وغیرہ نہ ہو۔ کیونکہ اگر یہ چیزیں دل میں ہیں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ دل بڑائی اور تکبّر سے بھرا ہوا ہے اور اس میں عاجزی نہیں ہے۔ پھر کسی کو اپنی باتوں سے دکھ نہ دو اور ہر ایک کی عزت کرو۔ چاہے کوئی غریب ہو، فقیر ہو، کم طاقت کا ہو یا ماتحت ہو یا ملازم ہو سب کی عزت کرو۔ پھر سلام کہنے کی عادت ڈالو۔ اس سے بھی معاشرے میں محبت اور بھائی چارے کی فضا پیدا ہوتی ہے اور عاجزی اور انکساری بڑھنے کے مواقع پیدا ہوتے ہیں، اپنے اندر بھی اور دوسرے ماحول میں بھی۔ تو فرمایا کہ یہ کام

توبہت مشکل ہے اور یہ تب ہی کر سکتے ہو جب گویا کہ اپنے آپ کو مار لیا، اپنے نفس کو بالکل ختم کر دیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر نہیں ہو سکتا اس لئے ہمیشہ اس کا فضل مانگتے رہو۔ اس کے سامنے جھکے رہو اور دعائیں کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عاجزی اور انکساری کے اعلیٰ معیار قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 2/ جنوری 2004ء)

توبہ کرنا، حسد، کینہ اور غرور سے بچنا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: **فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا** (النصر:4) یعنی اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ (اس کی) تسبیح کر اور اُس سے مغفرت مانگ۔ یقیناً وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

باوجود اس کے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس دنیا میں ہی جنّت کی بشارت ملی لیکن آپؐ ساری ساری رات اپنے ربّ کے حضور سجدہ ریز رہتے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ مَیں روزانہ اللہ کے حضور ستّر سے زیادہ مرتبہ استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔

(بخاری)

پس اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرتے ہوئے جھکنا، غلطیوں پر نادم ہو کر استغفار کرنا دل کی صفائی کا باعث اور ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین امور یا تین چیزیں وہ ہیں جو تمام گناہوں کی جڑ ہیں۔ پس ان تینوں سے بچو اور ان تینوں سے ہوشیار رہو۔ دیکھو! تکبّر سے بچو کیونکہ ابلیس کو تکبّر ہی نے اس بات پر انگیخت کیا کہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی فرمانبرداری سے انکار کر دیا اور حرص سے بچو کیونکہ یہ حرص اور لالچ ہی تھا جس نے آدم علیہ السلام کو درختِ ممنوعہ کا پھل کھانے پر اکسایا اور حسد سے بچو کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے ایک کو حسد نے ہی اس بات پر آمادہ کیا کہ اس نے اپنے ساتھی کو قتل کر دیا۔

(مسلم کتاب البر والصلۃ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

" مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ قیامت کے دن شرک کے بعد تکبّر جیسی اور کوئی بلا نہیں۔ یہ ایک ایسی بلا ہے جو دونوں جہانوں میں انسان کو رسوا کرتی ہے۔ خدا تعالیٰ کا رحم ہر ایک موحّد کا تدارک کرتا ہے مگر متکبّر کا نہیں۔ شیطان بھی موحّد ہونے کا دم مارتا ہے مگر چونکہ اس کے سر میں تکبّر تھا اور آدم کو جو خدا تعالیٰ کی نظر میں پیارا تھا جب اس نے توہین کی نظر سے دیکھا اور اس کی نکتہ چینی کی اس لئے وہ مارا گیا اور طوق لعنت اس کی گردن میں ڈالا گیا۔ سو پہلا گناہ جس سے ایک شخص ہمیشہ کے لئے ہلاک ہوا تکبّر ہی تھا۔"

(آئینہ کمالات اسلام)

تیسری بُرائی جس سے بچنا ایمان کی ایک شاخ ہے وہ ہے حسد۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطرناک بُرائی کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔

"اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ"

(مشکوۃ کتاب الادب)

یعنی حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے کہ آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

" حسد انسان میں ایک بہت بُرا خلق ہے جو چاہتا ہے کہ ایک شخص سے ایک نعمت زائل ہو کر اسکو مل جائے۔ لیکن اصل کیفیت حسد کی صرف اس قدر ہے کہ انسان اپنے کسی کمال کے حصول میں یہ روا نہیں رکھتا کہ اس کمال میں اس کا کوئی شریک بھی ہو۔ پس در حقیقت یہ صفت خدا تعالیٰ کی ہے جو اپنے تئیں ہمیشہ وحدہ لاشریک دیکھنا چاہتا ہے۔"

(نسیم دعوت، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 390)

سامعین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر انسان کے سر کے ساتھ دو زنجیریں بندھی ہوئی ہیں۔ ایک زنجیر آسمان کی طرف ہے اور ایک زنجیر زمین کی طرف ہے۔ جب بندا عاجزی اور فروتنی اختیار کرتا ہے تو وہ فرشتہ جس کے ہاتھ میں آسمان والی زنجیر ہے وہ اُس زنجیر کو اوپر اٹھا لیتا ہے اور جب وہ غرور اور تکبّر کرتا ہے تو زمین والی زنجیر اسے نیچے کھینچ لیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے:

لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (لقمان:19)

اس کا ترجمہ یہ ہے: (نخوت سے) انسانوں کے لئے اپنے گال نہ پُھلا اور زمین میں یونہی اکڑتے ہوئے نہ پھر۔ اللہ کسی تکبّر کرنے والے (اور) فخر ومباہات کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ اِس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" جیسا کہ اس آیت سے بھی ظاہر ہے اللہ تعالیٰ ہمیں فرمارہاہے کہ یونہی تکبّر کرتے ہوئے نہ پھرو۔ اپنے گال پھلا کر، ایک خاص انداز ہوتا ہے تکبّر کرنے والوں کا اور گردن اکڑا کر پھرنا اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اپنے سے کم درجہ والوں کے سامنے اکڑ دکھارہے ہوتے ہیں اور اپنے سے اوپر والے کے سامنے بچھتے چلے جاتے ہیں۔ تو ایسے لوگوں میں منافقت کی بُرائی بھی ظاہر ہو رہی ہوتی ہے۔ تو یہ تکبّر جو ہے بہت سی اخلاقی بُرائیوں کا باعث بن جاتا ہے اور نیکی میں ترقی کے راستے آہستہ آہستہ بالکل بند ہو جاتے ہیں۔ اور پھر دین سے بھی دور ہو جاتے ہیں، نظام جماعت سے بھی دور ہو جاتے ہیں اور جیسے جیسے ان کا تکبّر بڑھتا ہے ویسے ویسے وہ اللہ اور رسول کے قرب سے، اس کے فضلوں سے بھی دور چلے جاتے ہیں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 29/ اگست 2003ء)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کی اِن شاخوں پر مضبوطی سے قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(بتعاون: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿18﴾ ﴿مشاہدات۔1219﴾

ایمان کی ستّرؔ شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر4)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝

(بنی اسرائیل:79-80)

سورج کے ڈھلنے سے شروع ہو کر رات کے چھا جانے تک نماز کو قائم کر اور فجر کی تلاوت کو اہمیت دے۔ یقیناً فجر کو قرآن پڑھنا ایسا ہے کہ اُس کی گواہی دی جاتی ہے۔اور رات کے ایک حصہ میں بھی اس (قرآن) کے ساتھ تہجد پڑھا کر۔ یہ تیرے لئے نفل کے طور پر ہو گا۔ قریب ہے کہ تیرا رب تجھے مقامِ محمود پر فائز کر دے۔

دل پاک کر دے میرا دنیا کی چاہتوں سے
سُبُّوحیّت سے حصہ سبحان مجھ کو دے دے
دل جل رہا ہے میرا فرقت سے تیری ہر دم
جامِ وصال اپنا اے جان مجھ کو دے دے

(کلامِ محمود)

سامعین! آج میری تقریر ایمان کی ستّرؔ شاخوں کے سلسلے کی چوتھی تقریر ہے۔اس کو خاکسار نے **زبان سے تعلق رکھنے والے اعمال میں شامل کیا ہے۔** اِن اعمال کی تعداد 7 ہے، جن کا تعلق زبان کے کلمات اور ذکر واذکار سے ہے۔ آج یہاں تین اذکار کا ذکر کیا جائے گا۔

- کلمہ طیبہ (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ) کا اقرار کرنا۔

- تلاوتِ کلام پاک اور قرآن مجید سیکھنا سکھانا۔
- علمِ دین حاصل کرنا اور اسے دوسروں تک پہنچانا۔

1۔ کلمۂ طیبہ (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ) کا اقرار کرنا۔

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ

اِنَّھُمْ کَانُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَھُمْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۙ یَسْتَکْبِرُوْنَ (الصافات:36)

یعنی یقیناً وہ ایسے تھے کہ جب انہیں کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ استکبار کرتے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مَیں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ نہیں پڑھ لیتے، جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھ لے گا اس نے مجھ سے اپنی جان اور مال کو محفوظ کر لیا مگر اس کے حق کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا تو تکبّر کرنے والی ایک قوم کا ذکر کر کے فرمایا: یقیناً جب انہیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا جاتا ہے تو تکبّر کرتے ہیں۔

(التعلیقات الحسان علی صحیح ابن حبان، الإیمان)

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار کرنا اسلام کے بنیادی عقیدے میں شامل ہے۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد توحید و رسالت پر ہے۔ اسلام میں داخل ہونے کے لیے جس طرح توحید کا اقرار ضروری ہے، اُسی طرح رسالت کا اقرار بھی لازمی ہے۔ توحید و رسالت کا اقرار "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" میں موجود ہے۔ توحید و رسالت کے اعلان کے طور پر عہد نبوی میں "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کے الفاظ استعمال ہوتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو آگ پر حرام کر دیا جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھا۔

(صحیح البخاری کتاب الصلاۃ باب المساجد فی البیوت... حدیث 425)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

" قرآن کی تعلیم کا اصل مقصد یہی ہے کہ خدا جیسا کہ واحد لاشریک ہے ایسا ہی اپنی محبت کے رو سے بھی اس کو واحد لاشریک ٹھہراؤ۔ جیسا کہ کلمہ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جو ہر وقت مسلمانوں کو ورد زبان رہتا ہے اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کیونکہ اِلٰہُ۔ ولاہ سے مشتق ہے اور اس کے معنے ہیں ایسا محبوب اور معشوق جس کی پرستش کی جائے۔ یہ کلمہ نہ توریت نے سکھلایا اور نہ انجیل نے صرف قرآن نے سکھلایا اور یہ کلمہ اسلام سے ایسا تعلق رکھتا ہے کہ گویا اسلام کا تمغہ ہے۔ یہی کلمہ پانچ وقت مساجد کے مناروں میں بلند آواز سے کہا جاتا ہے جس سے عیسائی اور ہندو سب چڑتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو محبت کے ساتھ یاد کرنا ان کے نزدیک گناہ ہے۔ یہ اسلام ہی کا خاصّہ ہے کہ صبح ہوتے ہی اسلامی مؤذن بلند آواز سے کہتا ہے کہ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ یعنی مَیں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی ہمارا پیارا اور محبوب اور معبود بجز اللہ کے نہیں۔ پھر دوپہر کے بعد یہی آواز اسلامی مساجد سے آتی ہے۔ پھر عصر کو بھی یہی آواز پھر مغرب کو بھی یہی آواز اور پھر عشاء کو بھی یہی آواز گونجتی ہوئی آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے۔ کیا دنیا میں کسی اور مذہب میں بھی یہ نظارہ دکھائی دیتا ہے؟"

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب، روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 366-367)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" پس لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ صرف ایک معبود ہونے کا خیال ہی دل میں پیدا نہیں کرتا بلکہ اس بات کو بھی دل میں راسخ کرتا ہے اور کرنا چاہیے کہ ہمارا خدا وہ واحد خدا ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا اور ہر مخلوق کا خالق ہے اور اس کے اذن سے ہی یہ تمام نظامِ کائنات چل رہا ہے اور تمام حاجات کے لیے ہم نے اس کے حضور ہی جھکنا ہے۔ پس جب یہ ایمان کی حالت ہو جائے تو وہ کامل ایمان ہوتا ہے جس میں شرک کی ملونی ہو ہی نہیں سکتی اور یہی وہ ایمان ہے جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خالص ہو کر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پر ایمان لانے والوں پر جہنم کی آگ حرام ہے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 14/اپریل 2023ء)

2۔ تلاوتِ کلام پاک اور قرآن مجید سیکھنا سکھانا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (النحل:99)

کہ جب تُو قرآن پڑھے تو دھتکارے ہوئے شیطان سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کر۔

سامعین! اسلام کی تعلیم انسان کی نفسیات کے عین مطابق ہے۔ اسلام ظاہر و باطن دونوں پر زور دیتا ہے۔ موقع اور محل کے مطابق حکم دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ظاہری تلاوت پر زور نہیں دیا بلکہ تمام ان برکات کا حصول جو قرآن کریم میں بیان ہوئیں ہیں تلاوت کا مقصد بیان کیا۔ ورنہ جس کی زندگی قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہو وہ اس سے عمداً روگردانی کر رہا ہوتا ہے۔ زبان سے خواہ ہزار دفعہ قرآن کریم پڑھ لے اُس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

مَنْ قَرَءَ الْقُرْآنَ فَسْتَظْهَرَهٗ فَاَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ

(ترمذی فضائل القرآن)

یعنی جس نے قرآن کریم کی تلاوت کی اور خوب اس پر قادر ہو گیا۔ پس اس نے قرآن کی حلال کردہ کو حلال کر دکھایا اور اس کی حرام چیزوں کو حرام کر دیا۔ پس جس نے اس کے حکموں پر عمل کیا اور اس کے نواہی سے اجتناب کیا اسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا۔

قرآن کریم پڑھنے کا مطلب یہ ہوا کہ ایک مؤمن قرآن کے حکموں پر عمل کرنے والا بن جائے اور اپنے عمل سے خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والا ہو۔ لیکن اِس کا مطلب یہ نہیں کہ جب عمل نہیں کرنا تو قرآن کریم سیکھنے یا پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔؟ سیکھنا، پڑھنا اور اُس پر عمل کرنا ہی جنت کا حقدار بناتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

”جو مؤمن قرآن کریم پڑھتا ہے اس کی مثال لیموں جیسی ہے جس کی خوشبو بھی اچھی ہے اور ذائقہ بھی اچھا ہے اور جو مؤمن قرآن کریم نہیں پڑھتا وہ کھجور کی طرح ہے جس کی خوشبو نہیں ہوتی لیکن ذائقہ میٹھا ہوتا ہے اور وہ منافق جو قرآن کریم پڑھتا ہے وہ اس پھول کی طرح ہے جس کی خوشبو تو ہے لیکن ذائقہ

کڑواہے اور وہ منافق جو قرآن نہیں پڑھتا وہ تُمّہ جیسا ہے جس کی خوشبو نہیں ہوتی اور ذائقہ بھی کڑوا ہوتا ہے۔“

(مسلم کتاب فضائل القرآن)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآن کے پڑھنے اور اُس کے احکامات پر عمل کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں:

”تم ہوشیار رہو اور خدا کی تعلیم اور قرآن کی ہدایت کے بر خلاف ایک قدم بھی نہ اُٹھاؤ۔ مَیں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سو حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے۔ حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظلّ تھے۔ سو تم قرآن کو تدبّر سے پڑھو اور اُس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی نے نہ کیا ہو۔ کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں۔ یہی بات سچ ہے۔ افسوس اُن لوگوں پر جو کسی اَور چیز کو اُس پر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدّق یا مکذّب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں جو بلاواسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔ خدا نے تم پر بہت احسان کیا ہے جو قرآن جیسی کتاب تمہیں عنایت کی۔“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 26-27)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی برکات و فضائل کا ذکر کر کے صحابہؓ کو قرآن کریم کی تلاوت کرنے، اِس کی تعلیمات پر غور کرنے کی دعوت دیا کرتے تھے۔ جیسے فرمایا:

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ

(بخاری کتاب الفضائل)

کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن کریم سیکھتا اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

سامعین! پھر ایک دلچسپ حدیث یوں ملتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مسجدِ نبوی میں تشریف لائے۔ صحابہ دو گروہوں میں بیٹھے تھے۔ ایک گروہ تلاوتِ قرآن میں مصروف دُعا کر رہا تھا جبکہ دوسرا قرآن کا علم سیکھ رہا اور سکھلا بھی رہا تھا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے گروہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔(ابن ماجہ)

حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ قرآن کریم کو کثرت سے پڑھتے اور اس کے مضامین پر غور کرتے۔ آپ کے بڑے بیٹے بیان کرتے ہیں کہ حضرت اقدس کے پاس ایک قرآن تھا اس کو آپ پڑھتے اور اس پر نشان کرتے رہتے تھے۔ بلامبالغہ آپ نے اس کو دس ہزار مرتبہ پڑھا ہو گا۔ خدا تعالیٰ اپنا قرب ایسے ہی عطا نہیں فرماتا۔ اس کے لئے انسان کو بہت کوشش کرنی پڑتی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔

"قرآن شریف تدبّر و تفکّر و غور سے پڑھنا چاہیے۔ تلاوت کرتے وقت قرآن کریم کی آیت رحمت پر گزر ہو تو وہاں خدا تعالیٰ سے رحمت طلب کی جاوے اور جہاں کسی قوم کے عذاب کا ذکر ہو تو وہاں خدا تعالیٰ کے عذاب سے خدا تعالیٰ کے آگے پناہ کی درخواست کی جاوے اور تدبّر و غور سے پڑھنا چاہیے اور اس پر عمل کیا جاوے۔"

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 157)

پھر فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ ایک لاثانی موتی ہے اس کا ظاہر بھی نور ہے اس کا باطن بھی نور ہے اور اس کے ہر لفظ اور کلمہ میں نور ہے وہ ایک روحانی جنت ہے جس کے خوشے پھلوں سے جھکے ہوئے ہیں اور اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں...اگر قرآن نہ ہوتا تو مجھے میری زندگی کا مزہ نہ آتا۔ مَیں نے اس کے حسن کو ہزاروں یوسفوں سے بڑھ کر پایا۔"

(ترجمہ از عربی۔ آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 545)

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں۔

"قرآن کریم پڑھنے کے بعد سوچنے کی عادت ڈالو اور سوچنے کے بعد اس پر عمل کرو۔ اگر تم ایسا کروگے تو ایک زندہ فعّال قوم نظر آنے لگ جاؤ گے۔"

(تفسیر کبیر جلد 7 صفحہ 640)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"آج ہم احمدیوں کی زمہ داری ہے کہ وہ قرآنی تعلیم پر نہ صرف عمل کرنے والے ہوں۔ اپنے اوپر لاگو کرنے والے ہو اور آگے بھی پھیلائے۔ ہمیشہ حضرت مسیح موعودؑ کا یہ فقرہ ہمارے ذہن میں ہونا چاہیے۔ جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ ہم ہمیشہ قرآن کریم کے ہر حکم اور ہر لفظ کو عزّت دینے والے ہوں۔ قرآن کی عزّت اور ادب اس وقت ہو گا۔ اس کی تلاوت کا ادب اس وقت ہو گا جب ہم اس پر عمل کر رہے ہوں گے۔ اگر ہم اس طرح کریں گے تو قرآن کریم ہمیں ہر پریشانی سے نجات دلانے والا اور ہمارے لئے رحمت کی چھڑی ہو گا۔"

(مشعل راہ جلد 5 صفحہ 133)

3۔ علمِ دین حاصل کرنا اور اسے دوسروں تک پہنچانا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (طٰہٰ:115)

اور یہ کہا کر کہ اے میرے ربّ! مجھے علم میں بڑھادے۔

سامعین! حصولِ علم اور اضافہ علم کے لیے یہ دُعا اتنی جامع دُعا ہے کہ ہم میں سے ہر بڑے چھوٹے بالخصوص طالب علم کو پڑھتے رہنا چاہیے۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ یعنی ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم حاصل کرے۔ اس کے علاوہ عِلم کو مہد یعنی پنگھوڑے سے لے کر لحد یعنی قبر تک تعلیم حاصل کرنے کی تعلیم بھی ملتی ہے۔ ہمارے رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دُعا ترمذی کتاب الدعوات میں ملتی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ

اے اللہ! مجھے جو علم تُونے سکھایا ہے اُس کے ذریعہ مجھے نفع دے اور مجھے ایسا علم دے جو مجھے نفع پہنچائے اور زِدْنِیْ عِلْمًا مجھے علم میں بڑھاتا رہ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"علم و حکمت ایسا خزانہ ہے جو تمام دولتوں سے اشرف ہے۔ دنیا کی تمام دولتوں کو فنا ہے لیکن علم و حکمت کو فنا نہیں۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 161)

ہمیں اپنا دینی علم بڑھانے کے لیے کوششیں کرتے رہنا چاہیے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے ایک ایک حدیث کی خاطر ہزاروں میل کا سفر طے کیا، دعائیں بھی کیں اور اللہ سے مدد بھی چاہی جس کی وجہ سے آج ایک ایسا خزانہ ہمارے پاس اور ہماری نسلوں کے لیے چھوڑ گئے ہیں جو رہتی دنیا تک مفید ثابت ہو گا۔ قرآن، احادیث اور فقہ کی کتب کا مطالعہ سے علم بڑھتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب، خلفا کے خطبات و خطابات سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ دنیا میں سینکڑوں علم ہیں ان کو سمجھنے اور اُن سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔ آجکل کے نئے دَور میں سوشل میڈیا اور گوگل سے بھی اس سلسلہ میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ علم کو ایک دوسرے تک پہنچانا بھی ضروری ہے۔ آج آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق کی جماعت میں علم حاصل کرنے اور اُس علم کو دوسروں تک پہنچانے کے کئی ذرائع موجود ہیں جیسے کہ ایم ٹی اے، اجلاسات، جلسے، تعلیمی تربیتی کلاسز وغیرہ۔

اپنے علم کو بڑھانے کے بارہ میں ہمارے پیارے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دعا وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا سکھا کر مؤمنوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ یہ دعا صرف برائے دعا ہی نہیں کہ منہ سے کہہ دیا کہ اے اللہ! میرے علم میں اضافہ کر اور یہ کہنے سے علم میں اضافے کا عمل شروع ہو جائے گا۔ بلکہ یہ توجہ ہے کہ ہر وقت علم حاصل کرنے کی تلاش میں رہو، علم حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم یا دعا پر سب سے زیادہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے تھے، اللہ تعالیٰ تو خود آپؐ کو علم سکھانے والا تھا اور قرآن کریم جیسی عظیم الشان کتاب آپ پر نازل فرمائی جس میں کائنات

کے سربستہ اور چھپے ہوئے رازوں پر روشنی ڈالی۔ جس کو اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی شاید سمجھ بھی نہ سکتا ہو۔ گزشتہ تاریخ کا علم دیا، آئندہ کی پیش خبریوں سے اطلاع دی لیکن پھر بھی یہ دعا سکھائی کہ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ ہر انسان کی استعداد کے مطابق علم سیکھنے کا دائرہ ہے اور وہ راز جو آج سے پندرہ سو سال پہلے قرآن کریم نے بتائے آج تحقیق کے بعد دنیا کے علم میں آرہے ہیں۔

آج یہ ذمہ داری ہم احمدیوں پر سب سے زیادہ ہے کہ علم کے حصول کی خاطر زیادہ سے زیادہ محنت کریں، زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔ کیونکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی قرآن کریم کے علوم و معارف دیے گئے ہیں اور آپؑ کے ماننے والوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ مَیں انہیں علم و معرفت اور دلائل عطا کروں گا۔ اس کے لئے کوشش اور دعا کہ اے میرے اللہ! اے میرے رب! میرے علم کو بڑھا۔ سب سے پہلے قرآن کریم اور دینی علم حاصل کرنے کے لئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو بے بہا خزانے مہیا فرمائے ہیں ان کی طرف رجوع کریں، ان پر چل کر ہم دینی علم اور قرآن کے علم میں ترقی کر سکتے ہیں اور پھر اسی قرآنی علم سے دنیاوی علم اور تحقیق کے راستے کھل جاتے ہیں۔"

(خطبہ جمعہ 18 جون 2004ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصائح پر عمل کی توفیق دے۔ آمین

(بتعاون: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴿19﴾ ﴿مشاہدات۔1220﴾

ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر5)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ (البقرہ:187)

جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں۔ تو یقیناً میں قریب ہوں۔ میں دُعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو
وُہی اُس کے مُقرَّب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں راہ اُس کی عالی بارگہ تک خود پسندوں کو
یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اُس سے قربت کو
اُسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کمندوں کو

(درِثمین)

سامعین! آج میری تقریر ایمان کی ستّر شاخوں کے سلسلے کی پانچویں تقریر ہے۔ اس کو خاکسار نے **زبان سے تعلق رکھنے والے اعمال میں شامل کیا ہے**۔ ان اعمال کی تعداد 7 ہے، جن کا تعلق زبان کے کلمات اور ذکر واذکار سے ہے۔ ان میں سے تین کا ذکر تقریر نمبر 4 میں کیا جا چکا ہے آج یہاں اِن چار اعمال کا ذکر کیا جائے گا۔

1۔ استغفار

2۔ اللہ کا ذکر کرنا۔

3۔ سچ بولنا اور جھوٹ، غیبت، چغلی اور گالی گلوچ سے پرہیز کرنا۔

4۔ دُعا

استغفار

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّ اسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِکَ وَ سَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ بِالۡعَشِیِّ وَ الۡاِبۡکَارِ (المؤمن:56)

پس صبر کر۔ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنی بھول چوک کے تعلق میں استغفار کر اور اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ شام کو بھی تسبیح کر اور صبح بھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم! مَیں دن میں اللہ تعالیٰ سے ستّر (70) مرتبہ سے زیادہ استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔

(صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب استغفار النبیؐ فی الیوم واللَّیلَۃِ حدیث نمبر 6307)

ہمارا پیارا خدا اس قدر غفور ورحیم ہے کہ وہ انتظار کرتا ہے کب اس کا بندہ اس کے حضور گناہوں کی گٹھڑی لے کر آئے اور وہ اس کی مغفرت کرے۔ توبہ اور استغفار پر یقین رکھنا، خدا تعالیٰ کی رحمت کے لیے ہمیشہ پُر امید رہنا بھی ایمان کا حصّہ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”جو شخص کسی عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا اور پھر ہمیشہ کے لئے استغفار اپنی عادت نہیں پکڑتا وہ کیڑا ہے، نہ انسان اور اندھا ہے، نہ سوجاکھا اور ناپاک ہے، نہ طیّب۔“

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 413)

پھر آپ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

”یہ سچی بات ہے کہ توبہ اور استغفار سے گناہ بخشے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَیُحِبُّ الۡمُتَطَہِّرِیۡنَ (البقرۃ:223) سچی توبہ کرنے والا معصوم کے رنگ میں ہوتا ہے۔

پچھلے گناہ تو معاف ہو جاتے ہیں پھر آئندہ کے لیے خدا سے معاملہ صاف کر لے۔ اس طرح پر خدا کے اولیاء میں داخل ہو جائے گا اور پھر اس پر کوئی خوف و حزن نہ ہو گا"۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 594-595، ایڈیشن 1988ء)

سامعین! ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بھی ہمیں استغفار کے متعلق وقتاً فوقتاً نصائح فرماتے ہیں۔ ایک موقع پر آپ فرماتے ہیں:

" ہر احمدی کو کوشش کرنی چاہیئے کہ استغفار کرتے ہوئے اپنے گزشتہ گناہوں کی بخشش مانگتے ہوئے اور آئندہ کے لئے ان سے بچنے کا عہد کرتے ہوئے مستقل خدا کے سامنے جھکا رہے اور جب اِس طرح عمل ہو رہے ہوں گے تو خدا تعالیٰ اپنی پناہ میں لے لے گا اور جو خدا تعالیٰ کی پناہ میں آ جائے تو اسے جیسا کہ مَیں نے پہلے بتایا شیطان کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ اب اس سے وہی عمل سرزد ہو رہے ہوں گے جو خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے والے عمل ہوں گے۔ وہ تمام بُرائیاں ختم ہو جائیں گی جو خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے میں روک ہیں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 20/ مئی 2005ء)

ایک بچے نے سوال کیا کہ کوئی نیک کام کرنے سے پہلے جب شیطان ہمیں بہکاتا ہے تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ پیارے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے بہت سادہ سا جواب عنایت فرمایا کہ

"تَعَوُّذ اور استغفار پڑھیں، ثابت قدم رہیں اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں۔"

(الفضل انٹرنیشنل 23 اکتوبر 2020ء)

2۔ اللہ کا ذکر کرنا۔

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرہ: 153) یعنی میرا ذکر کیا کرو مَیں بھی تمہیں یاد رکھوں گا۔

ذکرِ الٰہی کے تعلق میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں مؤمنوں کو بار بار توجہ دلائی ہے اور اِسے اطمینانِ قلب کا مُوجب قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اذکرِ الٰہی کو فلاح اور کامیابی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ فرماتا ہے۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (انفال: 46) کہ اللہ کو بہت یاد کیا کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ذکرِ الٰہی کرنے والے اور ذکرِ الٰہی نہ کرنے کی مثال زندہ اور مُردہ کی طرح ہے۔ یعنی جو دعائیں کرتے ہیں وہ زندہ ہیں اور جو نہیں کرتے وہ مُردہ ہیں۔

(بخاری کتاب الدعوات)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَیں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ کو زیادہ یاد کیا کرو اور ذکرِ الٰہی کی مثال ایسی سمجھو کہ جیسے کسی آدمی کا اس کے دشمن نہایت تیزی کے ساتھ پیچھا کر رہے ہوں۔ یہاں تک کہ کہ آدمی نے بھاگ کر ایک مضبوط قلعہ میں پناہ لی اور دشمنوں کے ہاتھ لگنے سے بچ گیا۔ اسی طرح بندہ شیطان سے نجات نہیں پاسکتا۔ مگر اللہ کی یاد کے سہارے سے۔

(جامع ترمذی)

سامعین! جو مؤمن اللہ کے ذکر میں مصروف رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے قریب ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(حدیث قدسی ہے) ”مَیں اُس وقت اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میرے ذکر میں مشغول ہوتا ہے اور میرے ذکر کے ساتھ اس کے ہونٹ متحرّک ہوتے ہیں۔“

(ابن ماجہ کتاب الادب باب فضل الذکر حدیث نمبر 3792)

ہم سب یہ بات بچپن سے سنتے چلے آئے ہیں کہ جہاں خدا تعالیٰ کا ذکر ہو رہا ہو تو وہاں فرشتے اپنی رحمت کے پَر پھیلا لیتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

”جو لوگ ذکرِ الٰہی کرتے ہیں فرشتے اُن کو اپنے جلَوْ میں لے لیتے ہیں، رحمت اُن کو ڈھانپ لیتی ہے، اُن پر سکینت نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اِن کا تذکرہ اپنے حضور میں رہنے والوں سے کرتا ہے۔“

(سنن ترمذی کتاب الدعوت)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”میرے نزدیک سب وظیفوں سے بہتر وظیفہ نماز ہی ہے۔ نماز ہی کو سنوار سنوار کر پڑھنا چاہئے اور سمجھ سمجھ کر پڑھو اور مسنون دعاؤں کے بعد اپنے لئے اپنی زبان میں بھی دعائیں کرو۔ اس سے تمہیں

اطمینانِ قلب حاصل ہو گا اور سب مشکلات خدا تعالیٰ چاہے گا تو اسی سے حل ہو جائیں گی۔ نماز یادِ الٰہی کا ذریعہ ہے اسی لئے فرمایا ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ۔"

(الحکم 31/ مئی 1903ء صفحہ 9)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

"اپنے ذہنوں کو پاک رکھنے کے لئے ذکرِ الٰہی ضروری ہے۔ صرف ظاہری تسبیح پھیرنا ذکرِ الٰہی پر دلالت نہیں کرتا بلکہ دل، دماغ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، فضلوں کی سَمت کو سامنے رکھ کر اس طرح اللہ کو یاد کرے کہ تقویٰ پیدا ہو۔"

(خطبات مسرور جلد 6 صفحہ 398)

3۔ سچ بولنا اور جھوٹ، غیبت، چغلی اور گالی گلوچ سے پرہیز کرنا۔

سچ بولنا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے وَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِیۡدًا (الاحزاب: 71) اور تم ہمیشہ صاف اور سیدھی بات کیا کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سچائی نیکی کی طرف اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور جو انسان ہمیشہ سچ بولے اللہ کے نزدیک وہ صدیق لکھا جاتا ہے اور جھوٹ گناہ کی طرف اور گناہ جہنم کی طرف لے کر جاتا ہے اور جو آدمی ہمیشہ جھوٹ بولے وہ اللہ کے ہاں کذّاب لکھا جاتا ہے۔

(مسلم کتاب البر والصلۃ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

"یقیناً یاد رکھو جھوٹ جیسی کوئی منحوس چیز نہیں عام طور پر دنیادار کہتے ہیں کہ سچ بولنے والے گرفتار ہو جاتے ہیں۔ مگر مَیں کیوں کر اس کو باور کروں؟ مجھ پر سات مقدمے ہوئے ہیں اور خدا کے فضل سے کسی ایک میں بھی ایک لفظ بھی مجھے جھوٹ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ کوئی بتائے کسی ایک میں بھی خدا تعالیٰ نے مجھے شکست دی ہو۔ اللہ تعالیٰ تو آپ کی سچائی کا حامی اور مددگار ہے۔ جو شخص سچائی کو اختیار کرے گا کبھی نہیں ہو سکتا کہ غریب ہو اور خدا تعالیٰ جیسا کوئی اور مضبوط قلعہ اور حصار نہیں۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 238-239)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

” انبیاء دنیا میں بگڑی ہوئی مخلوق کو، جو مخلوق اپنے خدا سے پرے ہٹ جائے اور بگڑ جائے اُس مخلوق کو سیدھا راستہ دکھانے کے لئے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو مبعوث فرماتا ہے تاکہ انہیں خدا تک پہنچا سکیں اور یہ سیدھا راستہ سچائی پر قائم ہوئے بغیر نہیں مل سکتا۔ اسی لئے تمام انبیاء سچائی کی تعلیم دیتے رہے اور جرأت سے حق پر قائم رہتے ہوئے ایک خدا کی طرف بلاتے رہے اور جب اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اب دین مکمل کرنے کا وقت آگیا ہے، اب انسانی سوچ بلوغت تک پہنچ چکی ہے تو پیکر صدق وجود حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں مبعوث فرمایا، جنہوں نے ہر معاملے میں بڑے سے بڑے معاملے سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے معاملے تک ہمیں سچ پر قائم رہنے کی اور ہمیشہ اس پر عمل کرنے کی تلقین فرمائی..... ہم پر کس قدر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم سچ کے خُلق کو اپنے اوپر لاگو کریں اور اسے اپنائیں اور ہمارا اوڑھنا بچھونا، ہر حالت میں، ہماری ہر بات جو ہمارے منہ سے نکلے وہ سچ ہو۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 19/دسمبر 2003)

جھوٹ سے پرہیز

سامعین! قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (الحج:31)

جھوٹ کہنے سے بچو اور ساتھ فرمایا کہ اگر تم یہ کروگے تو یہ تمہارے لئے اور خدا تعالیٰ کے نزدیک بہت بہتر ہے۔

حضرت ابو بکرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیسرا بڑا گناہ جھوٹ ہے اور یہ بات آپ نے بڑے زور سے بیان کی اور اتنی دفعہ دہرائی کہ ہم نے چاہا۔ کاش! حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جائیں۔

(بخاری کتاب الادب باب عقوق الوالدین)

پھر ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ بولنے والے کے لئے دوزخ کا عذاب بیان کیا ہے اور فرمایا ایسے شخص کے لئے جنت حرام کر دی جاتی ہے۔

اس زمانہ کے امام حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اپنی جماعت کو جھوٹ سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے اور شرائط بیعت میں آپ نے دوسری شرط میں جھوٹ سے بچنے کا وعدہ لیا ہے۔ خود آپ کی ساری زندگی جھوٹ سے پاک رہی۔ بڑے بڑے جھوٹے مقدمے بھی آپ کا کچھ بگاڑ نہ سکے۔

ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف لیکھرام کے قتل کا جھوٹا مقدمہ بنایا گیا۔ سارے اس زمانہ کے مولوی اور عیسائی پادری آپ کے خلاف تھے اور ایک دوسرے کی مدد کر رہے تھے۔ خدا تعالیٰ نے خود جج کو سارے حالات بتا دیئے اور اس نے حضرت مسیح موعودؑ کو باعزت بری کر دیا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا کہ لیکھرام کو اس لیے خدا کے عذاب نے پکڑا تھا کہ وہ جھوٹا تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ ہمیں نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

”جب جھوٹ پر مبنی معاشرہ قائم ہو جائے تو پھر اقدار ختم ہوتی چلی جاتی ہیں اور ایک وقت میں تمام معاشرہ ہی بے حس اور بالکل ہی اللہ تعالیٰ سے دور جانے والا ہو جاتا ہے۔ تو ہر احمدی کو اس معاشرہ میں ایسی باتوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا ہے۔ یہ احساس پیدا کرنا ہے، اپنے اندر بھی، اپنی نسلوں کے اندر بھی کہ احمدی ہونے کی حیثیت سے تم نے سچائی پر قائم رہنا ہے اور جھوٹ کے خلاف جہاد کرنا ہے۔ جتنا مرضی اس میں نقصان ہو اس کی کوئی۔ پرواہ نہیں کرنی۔ اس لئے ہر احمدی چاہے وہ ملازمت سے منسلک ہو، چاہے کسی پیشے سے منسلک ہو، چاہے کوئی کاروبار کرتا ہو، یہ عہد کرے کہ مَیں نے جھوٹ کا سہارا نہیں لینا... تو اس زمانے میں احمدی کو بہت پھونک پھونک کر قدم اٹھانا چاہئے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیعت کا دعویٰ کرنے کے بعد، جھوٹ سے نفرت کا وعدہ کرنے کے بعد، بے احتیاطی کرنے کا مطلب ہے کہ ہم یہ خیال کر رہے ہیں کہ شاید جھوٹ بول کر اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دے سکتے ہیں، نعوذ باللہ۔ اس لئے بہت خوف کا مقام ہے، بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 19 دسمبر 2003ء)

غیبت، چغلی، گالی گلوچ

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (الحجرات: 13)

یعنی تم سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے کیا تم میں سے کوئی اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا۔ ہر گز نہیں بلکہ تم اس حرکت سے نفی کرو گے۔ پس تم اللہ سے ڈرو۔ یقیناً اللہ بہت توبہ قبول کرنے اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر غیبت اور بہتان کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ عیب تمہارے بھائی میں پایا جاتا ہے جو تم نے اس کی پیٹھ پیچھے بیان کیا تو یہ غیبت ہے اور اگر تم نے وہ بات اس سے متعلق کی جو اس میں نہیں پائی جاتی تو یہ بہتان ہے۔

(مسلم کتاب البر و لصلتہ)

حضرت مسیح موعودؑ ایک جگہ جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"ہماری جماعت کو چاہئے کہ کسی بھائی کا عیب دیکھ کر اس کے لئے دعا کریں لیکن اگر وہ دعا نہیں کرتے اور اس کو بیان کر کے دور سلسلہ چلاتے ہیں تو گناہ کرتے ہیں۔ کونسا ایسا عیب ہے جو کہ دور نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہمیشہ دعا کے ذریعہ دوسرے بھائی کی مدد کرنی چاہئے"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 60)

یعنی اگر ہم کسی میں کوئی بُرائی دیکھیں تو بجائے اِس کے کہ ایک دوسرے کو بیان کریں اور کہیں کہ آگے کسی کو نہ بتانا اور وہ شخص آگے کسی کو بتادے اور بات آخر کار اُس شخص تک پہنچ جائے جس کے متعلق بات کی جارہی ہے تو خود سوچیں کہ کیا انجام ہو گا۔ ایک تو زبان اور کان کے زنا میں شامل ہوئے اور دوسرے کسی کو دلی تکلیف پہنچائی۔ تو غیبت سے بچنے کے لیے اِسی لیے منع گیا ہے کہ اس کی وجہ سے کئی فساد پیدا ہوتے ہیں جبکہ اسلام امن اور بھائی چارے کا سبق دیتا ہے۔

گالی گلوچ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مؤمن نہ طعن و تشنیع کرنے والا ہوتا ہے، نہ لعنت کرنے والا، نہ بے حیاء باتیں کرنے والا اور نہ ہی گالی دینے والا۔"

(ترمذی:1977)

آج ہمارے معاشرے میں گالی گلوچ کا چلن دن بہ دن عام ہوتا جارہا ہے۔ بعض افراد ایسے بھی ہے جو غصّے کی حالت میں آپے سے باہر ہوکر گالیاں بکتے ہیں مگر بہت سارے بات بات میں مزاحاً گالی بک دیتے ہیں گویا کہ ان افراد کا تکیہ کلام ہی گالی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس معاشرہ میں پیدا ہوئے وہاں کی اکثریت سخت مزاج اور درشت لہجے والی تھی۔ موسم کی سختیوں اور سنگلاخ زمین نے اُن کے دلوں کو سخت کردیا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اخلاق اور عمدہ طرزِ کلام نے اُس وحشی قوم کے دلوں کو فتح کرلیا اور وہ آپؐ کے عاشق جاں نثار بن گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سخت کلامی کا جواب نرمی سے اور بدکلامی کا جواب خوش کلامی سے دینے والے بابرکت وجود تھے۔ آپؐ لوگوں کو اُن کی غلطیوں پر نادم اور شرمندہ کرنے کی بجائے حکیمانہ طرزِ عمل اختیار فرماتے اور اپنے عمدہ نمونہ سے اُن کی اصلاح فرماتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کو دشمنوں کے مقابلہ میں نرمی اور حلم اختیار کرنے کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ ایک موقع پر نصیحت کرتے ہوئے یہاں تک فرماتے ہیں کہ

”اگر کوئی ہماری جماعت میں سے مخالفوں کی گالیوں اور سخت گوئی پر صبر نہ کرسکے تو اس کا اختیار ہے کہ عدالت کے رو سے چارہ جوئی کرے مگر یہ مناسب نہیں کہ سختی کے مقابل سختی کرکے کسی مفسدہ کو پیدا کرے۔ یہ نصیحت ہے جو ہم نے اپنی جماعت کو کردی اور ہم ایسے شخص سے بیزار ہیں اور اس کو اپنی جماعت سے خارج کرتے ہیں جو اس پر عمل نہ کرسکے۔“

(کتاب البریّہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 17)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”ایک احمدی کی زبان ہمیشہ پاک اور صاف ہونی چاہیے۔ کیونکہ گالی آنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں آپ کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اپنی بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے جس کی وجہ سے غصّہ میں آکر گالی گلوچ شروع کردی۔ اس لیے یہ گھٹیا طریق ہے جو کبھی بھی کسی احمدی کو اختیار نہیں کرنا چاہیے۔“

(مشعل راہ، جلد پنجم، حصہ دوم، صفحہ 110)

4۔ دُعا

سامعین! دُعا اور اُس کی قبولیت پر مکمل یقین رکھنا بھی ہمارے ایمان کا حصّہ ہے۔ ایک مؤمن کی تمام عبادات کا انحصار بھی دُعا پر ہی ہوتا ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دُعا عبادت کا مغز ہے۔

(ترمذی کتاب الدعوات)

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دعا ایسی مصیبت سے بچانے کے لئے بھی فائدہ دیتی ہے جو نازل ہو چکی ہو اور ایسی مصیبت کے بارہ میں جو ابھی نازل نہ ہوئی ہو۔ پس اے اللہ کے بندو! دعا کو اپنے اوپر لازم کر لو۔

(ترمذی کتاب الدعوات)

دعاؤں کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ انسان کامل وفا اور اخلاص کے ساتھ آستانہ الوہیت پر گرا رہے اور عاجزی وانکساری کے ساتھ خدا کے آگے سربسجود رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ خود بخود اُس کے نزدیک ہوتا جاتا ہے۔

دعا میں اس قدر طاقت ہے کہ جہاں اس سے ایمان میں تقویت حاصل ہوتی ہے۔ وہاں دوسرے لوگوں کو خدا تعالیٰ کی ذات کا پتہ ملتا ہے اور اس طرح قوّت یقین پیدا ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”وہی دعا مفید ہوتی ہے جب کہ دل خدا کے آگے پگھل جاوے اور خدا کے سوا کوئی مفرّ نظر نہ آوے۔ جو خدا کی طرف بھاگتا ہے اور اضطرار کے ساتھ امن کا جویا ہوتا ہے۔ وہ آخر بچ جاتا ہے۔

(تفسیر سورۃ بقرہ صفحہ 282)

پھر آپؑ فرماتے ہیں۔

”جو دعا سے منکر ہے وہ خدا سے منکر ہے۔ صرف ایک دعا ہی ذریعہ خدا شناسی کا ہے۔“

(تفسیر سورۃ بقرہ صفحہ 373)

فرمایا: ”دعا صرف زبان سے نہیں ہوتی بلکہ دعا وہ ہے کہ ”جو منگے سو مر رہے مَرے سو منگن جا۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 107 حاشیہ ایڈیشن 1988ء)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”دعا کی قبولیت کے لئے دعا کو کمال تک پہنچانا ضروری ہے اور اس مقام تک پہنچ کر یا تو دعا قبول ہو جاتی ہے جو انسان اللہ تعالیٰ سے مانگ رہا ہے، اُس کی قبولیت کے آثار ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں یا پھر دل کی ایسی تسلّی اور سکینت ہوتی ہے کہ انسان کا جو غم ہے جس وجہ سے دعا مانگ رہا ہے، وہ ختم ہو جاتا ہے، وہ دُور ہو جاتا ہے۔ ایک خاص قسم کا سکون ملتا ہے کہ اب جو بھی خدا تعالیٰ کے نزدیک میرے لئے بہتر ہو گا وہ ظاہر ہو گا۔ یہ سوچ ہے جو ایک حقیقی مؤمن کی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ مقام حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ توفیق بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہے۔ اس لئے اس کے حصول کے لئے بھی دعا کرنی چاہئے۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 8/ مارچ 2013ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(بتعاون: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴿20﴾ ﴿مشاہدات۔1235﴾

ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر6)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَیُحِبُّ الۡمُتَطَہِّرِیۡنَ (البقرہ:223)

یقیناً اللہ کثرت سے توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاک صاف رہنے والوں سے (بھی) محبت کرتا ہے۔

دینِ خدا وہی ہے جو دریائے نور ہے
جو اس سے دور ہے وہ خدا سے بھی دور ہے
دینِ خدا وہی ہے جو ہے وہ خدا نما
کس کام کا وہ دیں جو نہ ہووے گرہ کشا

(درثمین)

معزّز سامعین! آج مجھے ''ایمان کی ستّر شاخوں'' میں سے دوسرے حصّہ ''جسم اور اعضاء سے تعلق رکھنے والے اعمال یا شاخوں'' میں سے پہلی تقریر پر گفتگو کرنی ہے جو مجموعی طور پر چھٹی تقریر ہے۔ دوسرے حصہ کی شاخوں کی تعداد 40 ہے، جن کا تعلق انسان کی ظاہری عبادات، معاملات اور اخلاق سے ہے۔ جیسے

عبادات: طہارت و پاکیزگی کا خیال رکھنا، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اعتکاف اور صدقہ وخیرات ادا کرنا۔

معاملات: دیانت داری کے ساتھ تجارت کرنا، امانت لوٹانا، قرض کی ادائیگی اور یتیموں کے حقوق کا خیال رکھنا۔

حقوق العباد: والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، صلہ رحمی (رشتے داروں سے اچھا برتاؤ)، غلاموں / ماتحتوں پر شفقت۔

اخلاق: حیا (ایمان کی سب سے بڑی شاخ)، مہمان نوازی، عفت و پاکدامنی۔

معاشرتی فلاح: راستے سے تکلیف دہ چیز (مثلاً کانٹا، پتھر) ہٹا دینا (ایمان کا سب سے ادنیٰ شعبہ)، لوگوں میں صلح کروانا، اور بُرائی سے روکنا۔

1۔ عبادات۔ سب سے پہلے عبادات کو لیتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَیُحِبُّ الۡمُتَطَهِّرِیۡنَ (البقرہ:223)

کہ یقیناً اللہ کثرت سے توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاک صاف رہنے والوں سے (بھی) محبت کرتا ہے۔

حدیث میں ہے۔ وَالصَّوْمُ نِصْفُ الصَّبْرِ، وَالطُّهُورُ نِصْفُ الْإِيمَانِ (ترمذی کتاب الداعوات) کہ روزہ نصف صبر ہے جبکہ طہارت اور صفائی نصف ایمان ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اور ہمیں ہر طرح کی تعلیم سے آگاہ کرتا ہے۔ دینِ اسلام میں انسانی جسم کی صفائی سے لے کر گلی، محلہ اور پوری قوم تک کے لیے صفائی کے احکام موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدّد مقامات پر صفائی پسند لوگوں کی تعریف کی ہے۔ اس صفائی کی وجہ سے خدا تعالیٰ ان سے محبت بھی کرتا ہے۔ حتّٰی کہ ایک مؤمن کی جملہ عبادات کا وضو سے مشروط ہونا صفائی کی اہمیت کو اُجاگر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن کریم میں نماز کے لیے وضو کو ضروری قرار دیا اور فرمایا یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ (المائدہ:7) اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کی طرف جانے کے لئے اٹھو تو اپنے چہروں کو دھو لیا کرو اور اپنے ہاتھوں کو بھی کہنیوں تک اور اپنے سروں کا مسح کرو اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں بھی دھو لیا کرو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو پاکیزگی اختیار کرنے کی طرف بہت توجہ دلائی۔ آپؐ نے فرمایا: الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ (صحیح مسلم کتاب الطہارۃ) کہ صفائی نصف ایمان ہے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

10 امور فطرت کا حصّہ ہیں۔ مونچھیں تراشنا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، پانی سے ناک صاف کرنا، ناخن کاٹنا، انگلیوں کے پورے صاف رکھنا، بغلوں کے بال کاٹنا، زیر ناف بال کاٹنا اور استنجاء کرنا۔ راوی کہتے ہیں کہ دسویں بات میں بھول گیا غالباً وہ کھانے کے بعد کُلی کرنا ہے۔ (مسلم)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"قرآن شریف نے تمام عبادات اور اندرونی پاکیزگی کے اغراض اور خشوع اور خضوع کے مقاصد میں جسمانی طہارتوں اور جسمانی آداب اور جسمانی تعدیل کو بہت ملحوظ رکھا ہے اور غور کرنے کے وقت یہی فلاسفی نہایت صحیح معلوم ہوتی ہے کہ جسمانی اوضاع کا روح پر بہت قوی اثر ہے۔"

(روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 319)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اسلام ایک ایسا کامل اور مکمّل مذہب ہے جس میں بظاہر چھوٹی نظر آنے والی بات کے متعلق بھی احکامات موجود ہیں۔ یہ بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں انسان کی شخصیت کو بنانے اور کردار کو سنوارنے کا باعث بنتی ہیں۔ ان سے ظاہری طور پر بھی انسان کے مزاج کا پتہ چلتا ہے اور اگر مؤمن ہے تو اللہ تعالیٰ سے تعلق کا بھی پتہ چلتا ہے، انہی باتوں میں سے ایک پاکیزگی یا طہارت یا نظافت ہے اور ایک مؤمن میں اس کا پایا جانا انتہائی ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو پاکیزگی اور صفائی پسند ہے اور اللہ تعالیٰ پاک صاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَیُحِبُّ الۡمُتَطَهِّرِیۡنَ (البقرہ:223) لیکن یہ بات واضح ہونی چاہئے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ اصل اللہ تعالیٰ کا محبوب انسان اس وقت بنتا ہے جب توبہ واستغفار سے اپنی باطنی صفائی کا بھی ظاہری صفائی کے ساتھ اہتمام کرے۔ ہم میں سے ہر احمدی کا فرض بنتا ہے کہ ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد ہم اپنی ظاہری و باطنی صفائی کی طرف خاص توجہ دیں تا کہ ہماری روح و جسم ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی محبت کو جذب کرنے والے ہوں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 23 اپریل 2004ء)

نماز

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ (الذّاریات:57) یعنی مَیں نے جنّ وانس کو پیدا نہیں کیا مگر اس غرض سے کہ وہ میری عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے آغاز میں اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کہہ کر مؤمنوں کو اپنے اللہ کی عبادت کرنے اور اُس سے استعانت چاہنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے بلکہ اِس سے اگلی سورۃ البقرہ کے آغاز میں

ہی متقیوں کی صفات بیان کرتے ہوئے یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کہہ کر قیامِ نماز کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو ایک حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ اِس سے نماز کی اہمیت اور افادیت کا بآسانی اندازہ ہو سکتا ہے۔ اِس کے علاوہ قرآنِ کریم میں بے شمار جگہوں پر نماز کی اہمیت، فرضیّت، حفاظت اور برکات کا ذکر ملتا ہے جو پچاس دفعہ سے زائد ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا ہے۔ (شعب الایمان للبیھقی جزء 4 صفحہ 300) اور یہ بھی فرمایا ہے کہ نماز مؤمن کی معراج ہے اور نماز کو عبادت کا مغز بھی کہا ہے۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اُس نے کفر کیا۔ (المعجم الاوسط للطبرانی جزء 3 صفحہ 343) اور باجماعت نماز کی فضیلت ستائیس گُنا بیان فرمائی۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ نماز کو چھوڑنا انسان کو کفر اور شرک کے قریب کر دیتا ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان) پھر آپؐ نے نماز کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کا بندوں سے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے۔ اگر تو یہ حساب ٹھیک رہا تو کامیاب ہو گیا اور نجات پالی ورنہ گھاٹا پایا، نقصان اٹھایا۔

(سنن الترمذی ابواب الصلاۃ)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

جُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِی فِی الصَّلَاۃِ

(سنن نسائی حدیث نمبر 3392)

سامعین! جب نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے تو پھر ایک مؤمن کو بھی نماز کے ذریعہ ہی ٹھنڈک، راحت اور سرور حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ نماز مؤمن کی معراج بن جائے۔ نماز مؤمن کو اللہ تعالیٰ سے ملانے کا ذریعہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نماز کو خدا تعالیٰ سے ملانے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”فَاِنَّ الصَّلٰوۃَ مَرْکَبٌ یُوْصِلُ الْعَبْدَ اِلٰی رَبِّ الْعِبَادِ کہ نماز ایک ایسی سواری ہے جو بندہ کو پروردگارِ عالم تک پہنچاتی ہے۔“ (اعجاز المسیح، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 166)

ایک عورت نے ایک عالِم سے پوچھا۔ مَیں اپنے بچوں کے ساتھ ایسا کیا کروں کہ فجر کے وقت ان کی گہری نیند کے باوجود بھی اُن کو نماز کے لیے اٹھا سکوں۔ عالِم نے کہا تم اس وقت کیا کرو گی جب گھر میں آگ لگ جائے اور بچے گہری نیند سو رہے ہوں۔ عورت نے جواب دیا مَیں انہیں جگاؤں گی۔ عالِم نے کہا کہ اگر اُن کی نیند گہری ہوئی تو پھر؟ عورت نے جواب دیا واللہ! مَیں یا تو انہیں جگاؤں گی یا اُن کی گردنوں سے پکڑ کر ان کو گھسیٹ کر باہر لے جاؤں گی۔ تب عالِم نے کہا۔ اگر تم انہیں دنیا کی آگ سے بچانے کے لیے یہ کرو گی تو انہیں جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے بھی ایسا ہی کرو۔

(الفضل انٹرنیشنل مورخہ 14 مارچ 2026ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

”نماز کو خوب سنوار کر پڑھنا چاہئے۔ نماز ساری ترقیوں کی جڑ اور زینہ ہے۔ اِس لئے کہا گیا نماز مؤمن کی معراج ہے۔ اس دین میں ہزاروں لاکھوں اولیاءُ اللہ، راست باز، اَبدال، قطب گزرے ہیں۔ انہوں نے یہ مدارج اور مراتب کیونکر حاصل کئے؟ اِسی نماز کے ذریعہ سے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں... میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے اور فی الحقیقت جب انسان اِس مقام اور درجہ پر پہنچتا ہے تو اُس کے لئے اکمل اتمّ لذّت نماز ہی ہوتی ہے۔“

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 310)

آپ علیہ السلام مزید فرماتے ہیں:

”انسان کی زاہدانہ زندگی کا بڑا بھاری معیار نماز ہے۔ وہ شخص جو خدا کے حضور نماز میں گریاں رہتا ہے امن میں رہتا ہے۔“

(تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد 2 صفحہ 54)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”انسان کی زندگی مستقل بلاؤں اور مصیبتوں میں گھری ہوئی ہے اور شیطان ہر وقت حملے کے لئے تیار بیٹھا ہے۔ پھر انسان کی زندگی میں مختلف کیفیات اور حالات پیدا ہوتے رہتے ہیں اس لئے ان بلاؤں اور مصیبتوں سے بچنے کے لئے اور شیطان کے حملوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے اور ان مختلف

کیفیات اور حالات کے مطابق جو صورتحال پیدا ہوتی رہتی ہے اللہ تعالیٰ نے یہ فرض کیا ہے کہ دن کے پانچ حصوں میں اللہ کے حضور حاضر ہوا جائے اور جہاں انسان وقت پر نماز پڑھنے کی وجہ سے ان حملوں سے محفوظ رہے گا وہاں روحانیت میں ترقی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب پانے والا بھی ہو گا۔‘‘

(خطبہ جمعہ فرمودہ 14 اپریل 2006ء)

روزہ

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

يَآاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرہ:184)

یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزے اُسی طرح فرض کر دیئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

روزہ دراصل گناہوں اور بدیوں کو جلانے کے لیے آتا ہے اور انسان کو حرام تو کیا بعض حلال اور جائز کام کرنے سے بھی منع کرتا ہے اور بدیوں کے خلاف نفرت پیدا کرتا ہے۔ مگر جو روزہ رکھ کر بھی انہی گناہوں میں گر جائے تو پھر اس کا بھوکا پیاسا رہنا کسی بھی ثواب اور اجر کا مستحق نہیں بلکہ وہ تو اور بھی زیادہ گنہگار ہو گا اور زیادہ کڑی سزا کا مستحق ہو گا۔ رمضان کے مہینے میں انسان جب بدیوں کو چھوڑتا ہے اور جیسے جیسے اس کا تزکیہ نفس ہونے لگتا ہے اُس کی نمازیں زندہ ہونے لگتی ہیں اور عبادت میں ذوق وشوق بڑھنے لگتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً ہر چیز کا ایک دروازہ ہوتا ہے اور عبادت کا بھی ایک دروازہ ہے اور وہ دروازہ روزے ہیں۔

(جامع الصغیر)

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ تو میرے لئے ہیں مَیں ہی ان کی جزا بن جاتا ہوں۔

(ترمذی۔ابواب الصوم)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَه مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

یعنی جس نے رمضان کے روزے ایمان اور اپنا محاسبہ نفس کرتے ہوئے رکھے۔ اس کے رمضان سے پہلے کئے گئے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(سنن ابی داؤد ،کتاب الصلاۃ ،باب فی قیام شھر رمضان)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام رمضان کی اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

”میری تو یہ حالت ہے کہ مرنے کے قریب ہو جاؤں تب روزہ چھوڑتا ہوں۔ طبیعت روزہ چھوڑنے کو نہیں چاہتی۔ یہ مبارک دن ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت کے نزول کے دن ہیں۔“

(الحکم 24 جنوری 1901ء صفحہ 5)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

”روزوں میں ہر شخص کو اپنے نفس کا بھی محاسبہ کرتے رہنا چاہئے۔ دیکھتے رہنا چاہئے کہ یہ رمضان کا مہینہ ہے اس میں میں جائزہ لوں کہ میرے میں کیا کیا بُرائیاں ہیں، ان کا جائزہ لوں۔ ان میں سے کون کون سی بُرائیاں ہیں جو مَیں آسانی سے چھوڑ سکتا ہوں ان کو چھوڑوں۔ کون کون سی نیکیاں ہیں جو مَیں نہیں کر سکتا یا مَیں نہیں کر رہا اور کون کون سی نیکیاں ہیں جو مَیں اختیار کرنے کی کوشش کروں۔ تو اگر ہر شخص ایک دو نیکیاں اختیار کرنے کی کوشش کرے اور ایک دو بُرائیاں چھوڑنے کی کوشش کرے اور اس پر پھر قائم رہے تو سمجھیں کہ آپ نے رمضان کی برکات سے ایک بہت بڑی برکت سے فائدہ اٹھالیا۔“

(خطباتِ مسرور جلد 1 صفحہ 418)

زکوٰۃ

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِم (البقرہ:278)

یعنی یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے اور انہوں نے نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ دی‘اُن کے لئے اُن کا اجر اُن کے ربّ کے پاس ہے۔

زکوٰۃ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے اور ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ زکوٰۃ کے لغوی معنی پاکیزہ کرنا یا پروان چڑھانا ہیں۔ اس کا بنیادی مقصد غریبوں کی مدد، معاشرتی فلاح و بہبود میں صاحبِ ثروت

لوگوں کا حصّہ ملانا اور مستحق لوگوں تک زندگی گزارنے کا سامان بہم پہنچانا ہے۔ پاکیزگی سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے مال و دولت میں جو غریبوں کا حق مقرر کیا ہے اس کو خلوص دل اور رضامندی سے ادا کیا جائے۔

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت اپنی بیٹی کو ساتھ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی، اُس کی بیٹی نے سونے کے دو بھاری کنگن پہنے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس عورت سے پوچھا کہ کیا تم ان کی زکوٰۃ بھی دیتی ہو؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تُو پسند کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تجھے اِن کے بدلے آگ کے دو کنگن پہنائے؟ اس عورت نے دونوں کنگن اتار کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیے اور بولی: یہ اللہ عزّ و جلّ اور اس کے رسولؐ کی خاطر پیش ہیں۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الزکوٰۃ، باب الکنز ما ھو وزکوٰۃ الحلی)

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: مجھے کوئی ایسا کام بتایئے جو مجھے جنت میں لے جائے۔ لوگوں نے کہا: اسے کیا ہوا ہے؟ اسے کیا ہوا ہے؟) یعنی اس کے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : بہت بڑی ضرورت ہے۔ (تمہیں چاہیے کہ) اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہراؤ اور نماز سنوار کر ادا کرو اور زکوٰۃ دو اور صلہ رحمی کرو۔

(بخاری کِتَاب الزَّکَاۃ بَابُ وُجُوبِ الزَّکَاۃِ)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب پھل پک جاتے اور زکوٰۃ کا وقت آتا تو صحابہؓ جوق در جوق اپنے اموال کی زکوٰۃ لے کر حاضر ہوتے۔ کوئی اِدھر سے کھجوریں لے کر آرہا ہے کوئی اُدھر سے آرہا ہے یہاں تک کہ ایک ڈھیر لگ جاتا۔

(صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ باب اخذ صدقۃ التمر)

زکوٰۃ کا ایک نصاب ہوتا ہے اور اُس کی ایک معیّن شرح ہے۔ زمینداروں کے لئے بھی جو کسی قسم کا ٹیکس نہیں دے رہے ہوتے ان پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اسی طرح جنہوں نے جانور وغیرہ بھیڑ، بکریاں، گائے

وغیرہ پالی ہوتی ہیں ان پر بھی ایک معیّن تعداد سے زائد ہونے پر یا ایک معیّن تعداد ہونے تک پر زکوٰۃ ہے۔ پھر بنک میں یا کہیں بھی جو ایک معیّن رقم سال بھر پڑی رہے اس پر بھی زکوٰۃ ہوتی ہے۔ پھر عورتوں کے زیوروں پر زکوٰۃ ہے۔ باون تولے چاندی تک کا زیور ہے یا اس کی قیمت کے برابر اگر سونے کا زیور ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے اور اڑھائی فی صد اس کے حساب سے زکوٰۃ دینی چاہئے اس کی قیمت کے لحاظ سے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

" زکوٰۃ کا نام اسی لئے زکوٰۃ ہے کہ انسان اس کی بجا آوری سے یعنی اپنے مال کو جو اس کو بہت پیارا ہے لِلّٰہ دینے سے بخل کی پلیدی سے پاک ہو جاتا ہے اور جب بخل کی پلیدی جس سے انسان طبعًا بہت تعلق رکھتا ہے انسان کے اندر سے نکل جاتی ہے تو وہ کسی حد تک پاک بن کر خدا سے جو اپنی ذات میں پاک ہے ایک مناسبت پیدا کر لیتا ہے۔"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن 21 صفحہ 203-204)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" زکوٰۃ کی ادائیگی کے بارے میں بعض سوال ہوتے ہیں۔ یہ بنیادی حکم ہے۔ جن پر زکوٰۃ واجب ہے ان کو ضرور ادا کرنی چاہئے اور اس میں بھی کافی گنجائش ہے۔ بعض لوگوں کی رقمیں کئی کئی سال بنکوں میں پڑی رہتی ہیں اور ایک سال کے بعد بھی اگر رقم جمع ہے تو اس پہ بھی زکوٰۃ دینی چاہئے۔ پھر عورتوں کے زیورات ہیں ان پر زکوٰۃ دینی چاہئے۔ جو کم از کم شرح ہے اس کے مطابق ان زیورات پہ زکوٰۃ ہونی چاہئے۔ پھر بعض زمینداروں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ان کو اپنی زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے۔ تو یہ ایک بنیادی حکم ہے اس پر بہرحال توجہ دینے کی ضرورت ہے۔"

(خطبہ جمعہ 31/ مارچ 2006ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(بتعاون: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿21﴾ ﴿مشاہدات۔1236﴾

ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر7)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (الانعام:163)

تو کہہ دے کہ میری عبادت اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے۔

چاہئے تجھ کو مٹانا قلب سے نقشِ دوئی
سَر جُھکا بس! مالکِ ارض و سما کے سامنے

(درِثمین)

سامعین! خاکسار نے اپنی تقریر نمبر 6 میں جسم اور اعضاء سے تعلق رکھنے والے اعمال جن کا تعلق انسان کی ظاہری عبادات سے ہے میں سے کچھ پیش کی تھیں۔ آج کی تقریر میں اُن میں سے بقیہ شاخیں بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

عبادات: طہارت و پاکیزگی کا خیال رکھنا، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اعتکاف اور صدقہ و خیرات ادا کرنا۔

حج

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا ؕ وَمَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ (آل عمران:98) یعنی لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ وہ (اس کے) گھر کا حج کریں (یعنی) جو بھی اس (گھر) تک جانے کی استطاعت رکھتا ہو اور جو انکار کر دے تو یقیناً اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص زادِ راہ اور سواری کا مالک ہو جو سواری اس کو بیتُ اللہ تک پہنچادے اور وہ پھر بھی حج نہ کرے تو اس پر کچھ نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر۔

(ترمذی:812)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور پھر شہوانی بات نہ کی اور نہ احکامِ الٰہی کی نافرمانی کی تو وہ ایسا (پاک ہو کر) لوٹے گا جیسا اس دن پاک تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا۔

(بخاری کتاب الحج ،باب فَضْلِ الْحَجِّ الْمَبْرُوْرِ حدیث نمبر 1521)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا؟ عملوں میں سے کون سا عمل افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ پوچھا گیا پھر اس کے بعد کون سا؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ پوچھا گیا پھر کون سا؟ فرمایا حج مبرور۔ یعنی وہ حج جو سراسر نیکی اور اطاعت شعاری پر مبنی ہو۔

(بخاری کتاب الحج ،باب فَضْلِ الْحَجِّ الْمَبْرُوْرِ، حدیث نمبر 1519)

حج، اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے جو انسان کے تکمیل ایمان کا باعث ہے۔ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد مقررہ دنوں یعنی ماہ ذوالحجہ کی آٹھویں، نویں اور دسویں تاریخوں میں مخصوص عبادات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کرنا ہے۔ جسمانی، روحانی اور مالی عبادات کا مجموعہ حج ہے۔ حج کرنے کے لیے کچھ شرائط ہیں جن مسلمان ہونا، بالغ ہونا، آزاد ہونا، تندرست ہونا، دورانِ سفر اخراجات کرنے کی قوّت میسّر ہونا، راستے میں امن وامان ہونا، جان کا خوف نہ ہونا، عورت کا حالتِ عدّت میں نہ ہونا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

” سو خدا نے قوموں کے جدا جدا گروہ مقرر کئے اور ہر ایک قوم میں ایک وحدت پیدا کی اور اس میں یہ حکمت تھی کہ تا قوموں کے تعارف میں سہولت اور آسانی پیدا ہو اور ان کے باہمی تعلقات پیدا ہونے میں کچھ دقّت نہ ہو اور پھر جب قوموں کے چھوٹے چھوٹے حصوں میں تعارف پیدا ہو گیا تو پھر خدا نے چاہا کہ سب قوموں کو ایک قوم بنادے... اس تدریجی وحدت کی مثال ایسی ہے جیسے خدا تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہر ایک محلہ کے لوگ اپنی اپنی محلہ کی مسجدوں میں پانچ وقت جمع ہوں اور پھر حکم دیا کہ تمام شہر کے لوگ ساتویں دن شہر کی جامع مسجد میں جمع ہوں یعنی ایسی وسیع مسجد میں جس میں سب کی گنجائش ہو سکے اور پھر

حکم دیا کہ سال کے بعد عید گاہ میں تمام شہر کے لوگ اور نیز گردونواح دیہات کے لوگ ایک جگہ جمع ہوں اور پھر حکم دیا کہ عمر بھر میں ایک دفعہ تمام دنیا ایک جگہ جمع ہو یعنی مکہ معظمہ میں۔ سو جیسے خدا نے آہستہ آہستہ امت کے اجتماع کو حج کے موقعہ پر کمال تک پہنچایا۔"

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 146)

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اور جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں، وہ حج کرے۔"

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 15)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" اللہ تعالیٰ نے اسلام میں عبادت کا ایک رکن رکھا ہے جو ہر حالت میں ہر مسلمان پر تو فرض نہیں لیکن اس کے باوجود لاکھوں مسلمان ہر سال اس فریضے کو سر انجام دیتے ہیں یعنی حج بیت اللہ کا فریضہ۔ چند دن تک انشاء اللہ تعالیٰ یہ فریضہ انجام دیا جائے گا۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے حج کی عبادت کی طرف توجہ دلا کر مسلمانوں کو یہ کہا کہ اپنی تمام تر توجّہات ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف رکھو کہ اس کے بغیر حج کا مقصد پورا نہیں ہوتا، وہاں اس طرف بھی توجہ دلائی کہ مجمع کی وجہ سے، ایک جگہ جمع ہونے کی وجہ سے بعض بُرائیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ باوجود اس کے کہ حج کے ماحول کی وجہ سے ہر حج کرنے والے سے یہی توقع رکھی جاتی ہے کہ اس کو اس پاکیزہ ماحول کی وجہ سے کسی اور بات کا خیال نہیں آسکتا سوائے ذکرِ الٰہی کے، تسبیح کے اور تحمید کے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو انسانی فطرت کو جانتا ہے اس نے تین بُرائیوں کی طرف بھی اس موقع پر توجہ دلا دی کہ تم نے ان چیزوں سے بچ کر رہنا ہے۔ پس ماحول جیسا بھی پاکیزہ ہو انسان کو ہر وقت شیطان کے حملوں سے بچنے کی دعا کرتے رہنا چاہئے اور ہوشیار ہو کر اس طرف توجہ رکھنی چاہئے۔"

(خطبہ جمعہ 2 ستمبر 2016ء)

اعتکاف

سامعین! قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذۡ جَعَلۡنَا الۡبَيۡتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمۡنًا ؕ وَاتَّخِذُوۡا مِنۡ مَّقَامِ اِبۡرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدۡنَآ اِلٰٓى اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ اَنۡ طَهِّرَا بَيۡتِىَ لِلطَّآٮِٕفِيۡنَ وَالۡعٰكِفِيۡنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوۡدِ (البقرہ:126)

کہ جب ہم نے (اپنے) گھر کو لوگوں کے بار بار اکٹھا ہونے کی اور امن کی جگہ بنایا اور ابراہیم کے مقام میں سے نماز کی جگہ پکڑو اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکید کی کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع کرنے والوں (اور) سجدہ کرنے والوں کے لئے خوب پاک وصاف بنائے رکھو۔

رمضان المبارک میں تمام عبادات کا مرکزی وبنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اعتکاف اس میں نہایت مُمِدّ ومعاون ہے کیونکہ اس کے ذریعہ مؤمن شہوات نفسانی اور لذّات دنیوی سے منقطع ہو کر ایک عارضی رہبانیت اختیار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مکمل طور پر غرق ہو کر خدا تعالیٰ کے قرب اور اس کی محبت کے حصول کو تمام مال ومتاع سے برتر ثابت کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کے فضلوں کا وارث بنتا ہے۔

ماہ رمضان میں اعتکاف بیٹھنا بھی ثواب کا موجب ہے۔ اسلامی اصطلاح میں "اَللَّبْثُ فِی الْمَسْجِدِ مَعَ الصَّوْمِ وَنِیَّۃِ الْاِعْتِکَافِ" یعنی عبادت کی نیّت سے روزہ رکھ کر مسجد میں ٹھہرنے کا نام اعتکاف ہے۔ اعتکاف بیس رمضان کی نماز فجر سے شروع کرنا چاہئے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس دن کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور دس دن اسی صورت میں مکمل ہوتے ہیں جبکہ بیس رمضان کی صبح کو اعتکاف میں بیٹھا جائے اور عید کا چاند نظر آنے پر معتکف کا اعتکاف مکمل ہو جاتا ہے۔ اعتکاف کے لئے روزہ ضروری شرط ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ لَا اِعْتِکَافَ اِلَّا بِالصَّوْمِ روزہ کے بغیر اعتکاف نہیں ہے۔ معتکف کے لئے حوائج ضروریہ کے علاوہ کسی اور وجہ سے مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں سوائے اس کے کوئی بہت ہی اشد ضرورت آن پڑے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف کے بارے میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی وفات تک یہ معمول رہا کہ آپؐ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ آپؐ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات بھی اس سنت کی پیروی کرتی رہیں۔"

(صحیح مسلم، کتاب الاعتکاف باب اعتکاف العشر الاواخر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ القدر کی تلاش کرنے والوں کو رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ

''مجھے بتایا گیا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے۔ تم میں سے جو شخص اعتکاف بیٹھنا چاہے وہ اس عشرہ میں بیٹھے۔''

چنانچہ صحابہؓ آپؐ کے ساتھ آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھتے۔

بغیر نیّت کے اعتکاف درست نہیں، چاہے وہ مسنون اعتکاف ہو یا فرض۔ ان دونوں میں نیّت سے فرق کرنا لازم ہے۔ اس کی دلیل حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ بیان کی جاتی ہے۔ جماعت احمدیہ کے موقف کے مطابق اعتکاف کی شرائط میں نیّت، مسجد میں قیام اور روزہ کا ہونا ضروری ہے۔ چونکہ اعتکاف کا مطلب ہی اپنے آپ کو دنیا کے جھمیلوں سے دُور کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہنا ہے تو معتکف کے لئے حوائج ضروریہ کے علاوہ کسی اور وجہ سے مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس بارے میں سوال ہوا کہ آدمی جب اعتکاف میں ہو تو اپنے دنیوی کاروبار سے متعلق بات کر سکتا ہے یا نہیں؟ آپؑ نے فرمایا کہ سخت ضرورت کے سبب کر سکتا ہے اور بیمار کی عیادت کے لئے اور حوائج ضروریہ کے واسطے باہر جا سکتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''آخری عشرہ میں تو پہلے سے بڑھ کر خدا تعالیٰ اپنے بندے کی طرف متوجّہ ہوتا ہے۔ قبولیتِ دعا کے نظارے پہلے سے بڑھ کر ظاہر کرتا ہے بلکہ ان دنوں میں ایک ایسی رات بھی آتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کہا ہے اور یہ ہزار مہینوں سے بھی بہتر ہے۔ اس ایک رات کی عبادت انسان کو باخدا انسان بنانے کے لئے کافی ہے۔ تو اگر ہم اپنے اندر پاک تبدیلیاں پیدا کرتے ہوئے خالص ہو کر ان چھ دنوں میں ہی خدا تعالیٰ کے آگے جھکیں گے تو کیا بعید کہ یہ چھ راتیں بلکہ ان میں سے ایک رات ہی ہمارے اندر انقلابی تبدیلی لانے والی ہو، خدا کا صحیح عبد بنانے والی بن جائے اور ہماری دنیا وآخرت سنور جائے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہم اپنے مقصد پیدائش کو پہچاننے والے بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کا مقصد پیدائش تو یہی بتایا ہے کہ اس کے عبادت گزار بندے بن جائیں ..... خدا تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ہے کہ یہ جو آخری عشرہ کے دن ہیں یہ اس برکتوں والے مہینے کی وجہ سے جہنم سے نجات دلانے کے دن ہیں۔ گناہ گار سے گناہگار شخص بھی اگر خالص ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکے تو اپنے آپ کو آگ سے بچانے والا ہو گا۔ پس یہ گناہگار سے گناہگار شخص کے لئے بھی ایک خوشخبری ہے کہ اپنی زندگیوں کو پاک کرنے کے سامان کر لو..... ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی خشیت دل میں پیدا کرتے ہوئے ان آخری دنوں کی برکات سے فیض اٹھاتے ہوئے، دعائیں کرتے ہوئے، خدا تعالیٰ کا فضل مانگتے ہوئے ان بقیہ دنوں کے فیض سے فیضیاب ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے اور یہ دن جو ہیں ان کو دعاؤں میں گزارنا چاہیئے۔"

(خطبہ جمعہ 28/ اکتوبر 2005ء)

صدقہ و خیرات

سامعین! ایمان کی ستّر شاخوں میں ایک شاخ صدقہ کرنا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ: 263)

یعنی وہ لوگ جو اپنے اموال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر جو وہ خرچ کرتے ہیں اُس کا احسان جتاتے ہوئے یا تکلیف دیتے ہوئے پیچھا نہیں کرتے، اُن کا اجر اُن کے ربّ کے پاس ہے اور اُن پر کوئی خوف نہیں ہو گا اور نہ وہ غم کریں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ مال میں کچھ بھی کمی نہیں کرتا، بندے کے معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ اس کی عزت ہی بڑھاتا ہے اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا درجہ ہی بلند فرماتا ہے۔

(صحیح مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا کہ صدقہ خدا تعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بُرائی کی موت کو دور کرتا ہے۔

(سنن الترمذی)

عبادات میں جہاں نماز، تہجد، تلاوتِ قرآن شامل ہیں وہاں مالی قربانی بھی ایک اہم عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗٓ اَضْعَافًا کَثِیْرَۃً ؕ وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ۔(البقرۃ:246)

کون ہے جو اللہ کو قرضۂ حسنہ دے تا کہ وہ اس کے لئے اسے کئی گنا بڑھائے۔ اور اللہ (رزق) قبض بھی کر لیتا ہے اور کھول بھی دیتا ہے۔ اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

صدقہ و خیرات قومی ترقی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے اور انسان کو یہ سوچنا چاہیے کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے اُسے دیا ہے اُس میں غریب لوگوں کا بھی حصہ ہے۔ روزہ یہ بھی سکھاتا ہے کہ بھوک کی برداشت کیا ہے، صبر کیا ہے۔ اگر ہم یہ احساس کرتے ہیں تو ہی ہم غریبوں کی مدد بھی کر سکتے ہیں۔

مہدی آخر الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”یہ ظاہر ہے کہ تم دو چیزوں سے محبت نہیں کر سکتے اور تمہارے لئے ممکن نہیں کہ مال سے بھی محبت کرو اور خدا سے بھی، صرف ایک سے ہی محبت کر سکتے ہو۔ پس خوش قسمت وہ شخص ہے کہ خدا سے محبت کرے اور اگر تم میں سے کوئی خدا سے محبت کر کے اس کی راہ میں مال خرچ کرے گا تو میں یقین رکھتا ہوں کہ اس کے مال میں بھی دوسروں کی نسبت زیادہ برکت دی جائے گی۔ کیونکہ مال خود بخود نہیں آتا بلکہ خدا کے ارادے سے آتا ہے۔“

(مجموعہ اشتہارات جلد 3 صفحہ 749)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”صدقہ۔ صِدق سے لیا گیا ہے۔ جب کوئی شخص خدا تعالیٰ کی راہ میں صدقہ دیتا ہے تو معلوم ہوا کہ خدا سے صِدق رکھتا ہے۔ دعا کے ساتھ قلب پر سوز و گداز اور رقت پیدا ہوتی ہے۔ دعا میں ایک قربانی ہے۔ صدق اور دعا اگر یہ دو باتیں میسر آجائیں تو اکسیر ہے“

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 87-88 حاشیہ۔ ایڈیشن 1984ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”پس یہ مالی قربانیاں کوئی معمولی چیز نہیں ہیں ان کی بڑی اہمیت ہے۔ ایمان مضبوط کرنے اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا وارث ہونے کے لئے انتہائی ضروری چیز ہے۔ صحابہ کی قربانیوں کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح پھل لگائے جس کا روایات میں کثرت سے ذکر آتا ہے۔ شروع میں یہی صحابہ جو تھے بڑے غریب اور کمزور تھے، مزدوریاں کیا کرتے تھے۔ لیکن جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی بھی قسم کی کوئی مالی تحریک ہوتی تھی تو مزدوریاں کرکے اس میں چندہ ادا کیا کرتے تھے۔ حسب توفیق بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی کوشش کیا کرتے تھے تاکہ اللہ اور اس کے رسول کا قرب پانے والے بنیں، ان برکات سے فیضاب ہونے والے ہوں جو مالی قربانیاں کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقدّر کی ہیں، جن کے وعدے کئے ہیں۔“

(خطبہ جمعہ 6/ جنوری 2006ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(بتعاون: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿22﴾ ﴿مشاہدات۔1237﴾

ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر8)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۟ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا (النساء:30)

یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے اموال آپس میں ناجائز طریق پر نہ کھایا کرو۔ ہاں اگر وہ ایسی تجارت ہو جو تمہاری باہمی رضامندی سے ہو۔ اور تم اپنے آپ کو (اقتصادی طور پر) قتل نہ کرو۔ یقیناً اللہ تم پر بار بار رحم کرنے والا ہے۔

یہ کیا اِحساں ترا ہے بندہ پرور
کروں کس منہ سے شکر اے میرے داور
اگر ہر بال ہو جائے سُخَن ور
تو پھر بھی شکر ہے اِمکاں سے باہر

(درثمین)

سامعین! آج کل ہم اپنی تقاریر میں ایمان کی ستّر سے زائد شاخوں میں جسم اور اعضاء سے تعلق رکھنے والے اعمال کا ذکر کر رہے ہیں۔ آج خاکسار آپ کے سامنے مختلف معاملات کا ذکر کرے گا۔

معاملات: دیانت داری کے ساتھ تجارت کرنا، امانت لوٹانا، قرض کی ادائیگی، اور یتیموں کے حقوق کا خیال رکھنا۔

دیانت داری کے ساتھ تجارت کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزّوجلّ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب دو آدمی باہم شراکت سے کاروبار کریں تو تیسرا مَیں ان کے ساتھ ہوتا ہوں (یعنی میری رحمت وبرکت ان کے ساتھ ہوتی ہے) جب تک ان میں سے کوئی اپنے ساتھی کے ساتھ خیانت اور بددیانتی نہ کرے۔ پھر جب ان میں کوئی خیانت کرے تو مَیں ان سے الگ ہو جاتا ہوں۔

(رواہ ابوداؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سچا اور امانت دار تاجر (قیامت کے دن) انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہو گا۔

(جامع ترمذی)

سامعین! جو شخص کاروبار میں جھوٹ، دھوکہ اور خیانت سے بچتا ہے اور دیانت داری کے ساتھ تجارت کرتا ہے تو قیامت کے دن اس کا مقام بہت بلند ہو گا اور اسے انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ شمار کیا جائے گا۔ ایمان داری سے تجارت کرنا بھی ایک تاجر کے ایمان کا حصہ ہے اِس لیے ضروری ہے کہ اُس کی تجارت میں سچائی، انصاف اور امانت داری ہو، مثال کے طور پر اگر کوئی تاجر سامان کی خرابی چھپائے بغیر بتا دے، ناپ تول میں کمی نہ کرے، جھوٹے وعدے نہ کرے اور حلال کمائی اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں برکت عطا فرماتا ہے اور جیسا کہ اوپر بیان کیا ہے کہ آخرت میں اسے بڑا مقام عطا کرتا ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلّہ کی ایک دکان کے پاس سے گزر رہے تھے کہ آپؐ رک گئے اور اپنا دست مبارک غلّہ کے ڈھیر میں ڈالا، نیچے سے گیلا غلّہ نکلا جب کہ اوپر خشک غلّہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دکاندار کی اِس بددیانتی کو سخت ناپسند فرمایا۔

اسلام خریدار اور فروخت کار کے درمیان آزاد اور کھلے مقابلہ کی نہ صرف اجازت دیتا ہے بلکہ اس کی تاکید اور حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔ اسلام کے معاشی نظام نے تجارتی کاروبار کے لئے ایک ضابطہ اخلاق مقرّر کیا ہے تاکہ افراد معاشرہ کے باہمی تعلقات خوش گوار ہوں اور صالح ومنصفانہ معیشت فروغ پاسکے جس

کے لئے اسلام نے بنیادی اصول وضع کئے ہیں جن میں باہمی رضا مندی، دیانت داری اور جائز اشیاء کی تجارت شامل ہیں۔

معاملات کی وہ تمام صورتیں جن میں دوسرے کی کمزوری و مجبوری سے فائدہ اٹھایا گیا ہو ناجائز ہیں۔ اسلامی تجارت کا دوسرا اصول دیانت داری ہے، یعنی لین دین کھلا صاف صاف اور برسرعام ہونا چاہیے۔ مال کی اصل کیفیت گاہک کے سامنے رکھ دینا چاہیے اور کسی قسم کا دھوکہ فریب نہ ہو۔ ہمارے پیارے نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تاجر تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب جوان ہوئے تو تجارت کو ہی اپنا پیشہ بنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت صداقت امانت کا تمام مکہ معترف تھا اور اِسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم صادق الامین کے لقب سے مشہور تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

" دیکھو! دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک تو وہ جو اسلام قبول کر کے دنیا کے کاروبار اور تجارتوں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ شیطان ان کے سر پر سوار ہو جاتا ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ تجارت کرنی منع ہے، صحابہ تجارتیں بھی کرتے تھے مگر دین کو دنیا پر مقدم رکھتے تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کیا تو اسلام کے متعلق سچا علم جو یقین سے ان کے دلوں کو لبریز کر دے انہوں نے حاصل کیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی میدان میں شیطان کے حملے سے نہیں ڈگمگائے۔"

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 193-194 ایڈیشن 1984ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" ایک مسلمان مؤمن کا ہر فعل اللہ تعالیٰ کی خاطر ہوتا ہے اور ہونا چاہئے اور جو کام اس سوچ کے ساتھ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی خاطر کرنا ہے، اس میں دھوکہ دہی کا پہلو نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اس لئے دیا کہ لین دین کرتے وقت تو احساس نہیں ہوتا اور ایک دوسرے کے بعض اوقات بڑے قریبی تعلقات ہوتے ہیں اس لئے لین دین کر لیتے ہیں۔ بڑے اعتماد کی باتیں ہوتی ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ بعد یہی اعتماد، بے اعتمادی میں بدل جاتا ہے۔ یہی محبت، نفرتوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور پھر بعض دفعہ مقدموں تک نوبت آجاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان تعلقات کو ہمیشہ محبت اور پیار کے دائرے میں رکھنے کے لئے فرمایا کہ

قرض کی شرطیں، کاروباری معاہدوں کی شرطیں، لین دین کی شرطیں ہمیشہ تحریر میں لایا کرو۔ پہلی بات تو یہ کہ قرض کی مدّت ہمیشہ مقرر کرو تاکہ لینے والے کو بھی یہ احساس رہے کہ مَیں نے فلاں عرصے کے اندر واپس کرنا ہے اور دینے والا بھی جس کو قرض دیا گیا ہے اس کو بار بار تنگ نہ کرے۔.... گر دست بدست تجارت ہے، اگر خرید و فروخت براہ راست ہو رہی ہے تو ٹھیک ہے اس میں تحریر نہ لو۔ لیکن اس میں بھی بعض جھگڑا کرنے والے جھگڑوں کے بہانے تلاش کر ہی لیتے ہیں۔ اس لئے ہمیشہ لینے والے کو اچھی طرح چھان پھٹک کر کے چیز لینی چاہئے تاکہ بعد میں کسی قسم کے جھگڑے نہ ہوں۔“

(خطبہ جمعہ 15/جون 2007ء)

امانت لَوٹانا

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَخُوۡنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ وَتَخُوۡنُوۡۤا اَمٰنٰتِکُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ (الانفال:28)

یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور (اس کے) رسول سے خیانت نہ کرو ورنہ تم اس کے نتیجہ میں خود اپنی امانتوں سے خیانت کرنے لگو گے جبکہ تم (اس خیانت کو) جانتے ہو گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

”کسی شخص کے دل میں ایمان اور کفر نیز صدق اور کذب اکٹھے نہیں ہو سکتے اور نہ ہی امانت اور خیانت اکٹھے ہو سکتے ہیں“۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ 349 مطبوعہ بیروت)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اس شخص کو (عند الطلب) امانت لوٹا دو جس نے تمہارے پاس امانت رکھی تھی اور اُس شخص سے بھی خیانت نہ کرو جو تجھ سے خیانت کرتا ہے۔“

(سُنن التّرمذی اَبوَابُ الۡبُیُوۡع)

دعویٰ نبوت سے پہلے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امانتیں رکھا کرتے تھے اور یہ سلسلہ اس وقت تک کامل اعتماد کے ساتھ جاری رہا جب تک حضور ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ تشریف نہیں لے گئے حضور

اپنوں اور دشمنوں سب کی امانتوں کا حق پوری شان کے ساتھ ادا کرتے رہے۔ جب آپ شدید دکھ اور اذیت کے ساتھ مکہ سے ہجرت فرمارہے تھے۔ تب بھی آپ کو لوگوں کی امانتوں کی واپسی کا خیال تھا اور آپ نے وہ امانتیں حضرت علیؓ کے حوالے کیں اور انہیں فرمایا کہ لوگوں کی امانتیں لوٹا کر مدینہ پہنچ جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت نے جہاں صحابہ کرام میں اور بے شمار خوبیاں پیدا کر دی تھیں وہاں دیانت وامانت میں بھی ان لوگوں کا پایہ بہت بلند کر دیا تھا۔ چنانچہ سخت ابتلا کے مواقع پر بھی انکے پائے دیانت نے کبھی لغزش نہیں کھائی۔ حضرت زبیرؓ کے پاس بوجہ ان کے امین ہونے کے لوگ اپنے مال امانت رکھ جاتے تھے۔ لیکن اس خیال سے کہ کہیں ضائع نہ ہو جائے آپ اسے اپنے اوپر قرض قرار دے لیتے تھے۔ متعدد صحابہ کا مال ان کے پاس امانت رہتا تھا اور وہ اس قدر دیانت داری سے کام لیتے تھے کہ ان لوگوں کے اہل وعیال کے لیے بھی بوقت ضرورت اپنی جیب سے خرچ کر دیتے تھے۔ لیکن ان کی امانت نہیں چھیڑتے تھے۔ ایک صحابی کے پاس کسی کی امانت محفوظ تھی۔ لیکن مالک کہیں چلا گیا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ ایک سال تک تلاش کرو۔ چنانچہ انہوں نے پوری کوشش کی لیکن وہ نہ ملا۔ سال کے بعد پھر دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ کہ وہ نہیں ملا۔ تو آپ نے فرمایا پھر تلاش کرو۔ چنانچہ سال کے بعد پھر آکر کہا کہ وہ نہیں ملا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اس قبیلہ کا جو آدمی پہلے ملے اس کے حوالے کر دو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ایک شخص کا ذکر ہوا کہ وہ ایک دوسرے شخص کی امانت جو اس کے پاس جمع تھی لے کر کہیں چلا گیا ہے۔ اس پر فرمایا:

”ادائے قرضہ اور امانت کی واپسی میں بہت کم لوگ صادق نکلتے ہیں اور لوگ اس کی پروا نہیں کرتے حالانکہ یہ نہایت ضروری امر ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کا جنازہ نہیں پڑھتے تھے جس پر قرضہ ہوتا تھا۔ دیکھا جاتا ہے کہ جس التجا اور خلوص کے ساتھ لوگ قرض لیتے ہیں اسی طرح خندہ پیشانی کے ساتھ واپس نہیں کرتے بلکہ واپسی کے وقت ضرور کچھ نہ کچھ تنگی ترشی واقع ہو جاتی ہے۔“

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 265)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

” اللہ تعالیٰ یہ بات بالکل پسند نہیں کرتا کہ جو خائن ہے، چور ہے، غلط کام کرنے والا ہے، اس کی حمایت کی جائے چاہے جتنے مرضی اونچے خاندان سے ہو، جتنے مرضی اونچے مقام کا ہو اور قطع نظر اس کے کہ کس کی اولاد ہے اگر وہ خیانت کا مرتکب ہوا ہے تو اس کو سزا ملنی چاہئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے کیونکہ اگر تم نے ایسے لوگوں سے رعایت کی تو نہ صرف تم اپنے آپ کو نقصان پہنچانے والے ہوگے بلکہ اپنے بھائیوں کو بھی نقصان پہنچا رہے ہوگے کیونکہ ایسے شخص کو جب ایک دفعہ معاف کر دیا جائے تو اس کو جرأت پیدا ہوتی ہے اور یہی عموماً سامنے آتا ہے کہ پھر ایسے لوگ دھوکے دیتے رہتے ہیں۔ اگر تمہارا بھائی، بیٹا یا اور عزیز رشتہ دار ہے تو اس کی خیانتوں کی وجہ سے لوگوں کے نقصان پورے کرتے رہو گے کیونکہ قریبی عزیز کو سزا سے بچانے کے لئے اور اپنی عزت کو بچانے کے لئے بعض دفعہ جن کو احساس ہو وہ نقصان پورے کرتے ہیں۔ بے چاروں کو قربانی دینی پڑتی ہے۔ تو جب اس طرح جرمانے بھرتے رہیں گے تو پھر اپنا بھی ساتھ نقصان کر رہے ہوں گے۔ تو فرمایا کہ ایسے سخت خیانت کرنے والے گنہگار کو اللہ پسند نہیں کرتا اس لئے تم بھی اس کو چھوڑ دو، اس کو سزا لینے دو۔ ہو سکتا ہے کہ اس دفعہ یہ سزا اس کی اصلاح کا باعث ہو جائے۔ لیکن اگر ایسے لوگوں کی حمایت کی تو ایسا شخص تمہارے ساتھ جماعت کی بدنامی کا باعث بھی بنتا رہے گا۔“

(خطبہ جمعہ 6/ فروری 2004ء)

قرض کی ادائیگی

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی فَاکْتُبُوْہُ ؕ وَلْیَکْتُبْ بَّیْنَکُمْ کَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ

(البقرہ:283)

یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم ایک معیّن مدت تک کے لئے قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور چاہئے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا انصاف سے لکھے۔ اور کوئی کاتب اِس سے انکار نہ کرے کہ وہ لکھے۔

سامعین! ایک دوسرے سے لین دین کا معاملہ ہماری معاشرتی زندگی کا ایک حصہ ہے۔ بعض اوقات انسان کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے ایک دوسرے کی مدد کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ لیکن یہی لین دین جب قرض کی صورت میں ہو اور بروقت اگر اُس کی ادائیگی نہ ہو تو بے انتہاء معاشرتی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ بھائی، رشتہ دار، دوست آپس میں لڑ پڑتے ہیں اور جب بڑے پیمانے پر کاروباری اداروں اور بنکوں سے قرض لئے جاتے ہیں تو بعض دفعہ سب کچھ لٹنے اور ذلّت ورسوائی تک نوبت آجاتی ہے۔ اسی لیے قرض کی ادائیگی کو بھی ایمان کی ایک شاخ قرار دیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرض لینے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتے تھے اور حتیٰ الامکان قرض لینے کو سخت ناپسند کرتے تھے لیکن اگر حقیقی ضرورت ہوتی تو قرض لیتے اور وقت پر اور عمدگی کے ساتھ ادائیگی فرماتے اور بڑھا کر دیتے۔ مگر یاد رہے کہ بڑھا کر دینے کی شرط کو حضورؐ نے ناپسند فرمایا اور اسے سود قرار دیا جو اسلام میں حرام ہے۔ ہاں اپنی مرضی اور خوشی سے کوئی بڑھا کر دے تو یہ پسندیدہ ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافعؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ایک شخص سے جوان اونٹ بطور قرض لیا تھا جب حضورؐ کی تحویل میں کچھ اونٹ آئے تو حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ مَیں اس شخص کا قرض ادا کروں۔ مَیں نے عرض کیا کہ ہمارے تمام اونٹ اس شخص کے اونٹ سے زیادہ عمر اور قیمت کے ہیں۔ مگر حضورؐ نے فرمایا اس کو انہی میں سے دو کیونکہ لوگوں میں سے بہترین وہی ہیں جو ادائیگی کے لحاظ سے بہتر ہیں۔

(جامع ترمذی ابواب البیوع باب استقراض البعیر)

قرض کو ادا کرنے کا خیال صحابہ کرام کو اس طرح دامن گیر رہتا تھا کہ وہ اپنی ضروریات کی اشیاء بیچ کر بھی اس سے سبکدوش ہونے کے لیے تیار رہتے تھے۔ ابن حداد ایک صحابی تھے جن پر ایک یہودی کے چار درہم قرض تھے۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں استغاثہ کیا تو آپ نے تین بار اس صحابی سے فرمایا کہ یہودی کا حق اسے ادا کرو۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میرے پاس کچھ نہیں۔ کہاں سے ادا کروں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو خاموش ہو گئے مگر حضرت ابن حداد کو خیال آیا۔

چنانچہ آپ اٹھے اور بازار میں گئے۔ اپنے عمامہ کو اتار کر اس سے تہبند کا کام لیا اور تہبند کو چار درہم پر فروخت کر کے یہودی کا قرض ادا کر دیا۔

انسان اگر کسی مجبوری کے تحت قرضہ لیتا ہے تو پھر اُس کو ہر حال میں لکھ لینا چاہیے یہ قرآن کریم کا بھی حکم ہے۔ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا دوست ہے ہمیں اِس پر بڑا اعتبار ہے، کیا ضرورت ہے لکھنے کی۔ اس سے تو آپس میں بے اعتباری بڑھے گی یہ نہ ہو کہ اگر مَیں لکھنے کا کہوں تو کہیں میرا دوست ناراض نہ ہو جائے اور کہیں ہمارے آپس کے تعلقات خراب نہ ہو جائیں تو ایسے لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ اگر تعلقات خراب ہوں گے تو تب ہوں گے جب قرآن کریم کے حکم کی خلاف ورزی کریں گے نہ کہ قرآن کریم پر عمل کرنے سے۔ اللہ تعالیٰ نے لین دین کی تحریر لکھنے کا طریق بھی بتا دیا کہ کس طرح لکھی جائے اور کون لکھوائے۔ تو تحریر لکھوانے کی ذمہ داری قرض لینے والے پر ڈال دی ہے جیسا کہ فرماتا ہے کہ وہ لکھوائے جس کے ذمے دوسرے کا حق ہے۔ اور لکھوانے والا اللہ، اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرے اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرے۔ جو قرضہ دینے کی تاریخ معین کرے اُس تاریخ پر قرضہ واپس کرے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی قرض کی ادائیگی کی بہت فکر کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؑ نے حضرت نواب محمد علی خان صاحب سے پانچ سو روپے قرض لیا تو اس کے بعد آپؑ نے ان کو خط لکھا اس میں لکھا کہ باعث تکلیف دہی یہ ہے کہ کیونکہ اس عاجز نے پانچ سو روپے آں محب کا قرض دینا ہے، مجھے یاد نہیں کہ میعاد میں سے کیا باقی رہ گیا ہے اور قرضے کا ایک نازک اور خطرناک معاملہ ہوتا ہے۔ میرا حافظہ اچھا نہیں۔ یاد پڑتا ہے کہ پانچ برس میں ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اور کتنے برس گزر گئے ہوں گے۔ عمر کا کچھ اعتبار نہیں۔ آپ براہ مہربانی اطلاع بخشیں کہ کس قدر میعاد باقی رہ گئی ہے تا حتی الوسع اس کا فکر رکھ کر بتوفیق باری تعالیٰ میعاد کے اندر اندر ادا ہو سکے اور اگر ایک دفعہ نہ ہو سکے تو کئی دفعہ کر کے میعاد کے اندر بھیج دوں (یعنی قسطیں مقرر کر دوں)۔ امید ہے کہ جلد اس سے مطلع فرمائیں گے تا میں اس فکر میں لگ جاؤں کیونکہ قرضہ بھی دنیا کی بلاؤں میں سے ایک سخت بلا ہے۔ اور راحت اسی میں ہے کہ اس سے سبکدوشی ہو جائے۔"

(حضرت حجۃ اللہ نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ اصحاب احمد حصہ دوم۔ مرتبہ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے، صفحہ 762-764)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے احکامات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے ہر کام میں وہ اعلیٰ نمونے قائم ہوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کی ہمیں تلقین فرمائی ہے۔ قرضوں کی لین دین کی شرائط ان احکامات کے مطابق کرنے والے ہوں اور قرضوں کی واپسی کا تقاضا بھی ہم تقویٰ کی راہوں پر چلتے ہوئے کرنے والے ہوں۔ اور قرضوں کے حصول کی کوشش بھی صرف اس وقت ہو جب اشد مجبوری ہو۔ اور پھر ان قرضوں کی ادائیگی کی بھی فکر ہو۔ اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑاتے ہوئے ان قرضوں سے نجات حاصل کرنے کیلئے جھکنے والے ہوں۔ ان معاشرے کے بہت سے فساد اسی لین دین کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو ان سے بچائے۔ اور جماعت احمدیہ کے معاشرے کو ان بکھیڑوں سے پاک رکھے۔ جب اللہ تعالیٰ کے حضور جھکیں گے اور کوشش بھی یہ ہو گی کہ قرضے ادا کرنے ہیں اور ان کی فکر کرو گے تو اللہ تعالیٰ خود ہی سامان بھی اپنے فضل سے پیدا فرما دیا کرتا ہے۔"

(خطبہ جمعہ 13/ اگست 2004ء)

یتیموں کے حقوق کا خیال رکھنا

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ (البقرہ: 121)

یعنی اور وہ تجھ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ تُو کہہ دے ان کی اصلاح اچھی بات ہے۔ اور اگر تم ان کے ساتھ مل جل کر رہو تو وہ تمہارے بھائی بند ہی ہیں۔

سامعین! یتیموں کی پرورش اور ان کے مال کی حفاظت معاشرے پر فرض ہے۔ یہ معاشرے اور افراد کی بھی ذمہ داری ہے کہ ان کا خیال بھی رکھے اور ان کے مال کی حفاظت بھی کرے اور جب تک وہ اس قابل نہیں ہو جاتے کہ اپنے مال کو خود سنبھال سکیں ان کی حفاظت کریں۔ یتیموں کے متعلق بھی ڈر سے کام لینا چاہئے۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا چاہئے۔ یتیم کی اصلاح، اچھی پرورش، اچھی تعلیم دینا بہت بڑی نیکی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تین یتیموں کی کفالت کی وہ اس شخص کی طرح ہو گا جو قائم باللیل اور صائم النہار ہو اور اس نے صبح شام اللہ تعالیٰ کی راہ میں تلوار سونتے ہوئے گزاری ہو۔ مَیں

اور وہ دونوں جنت میں دو بھائیوں کی طرح ہوں گے۔ جیسے یہ دو انگلیاں ہیں۔ اور آپ نے اپنی شہادت والی انگلی اور درمیانی انگلی کو باہم ملایا۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب حق الیتیم حدیث:3680)

ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میرے پاس مال نہیں ہے مگر ایک یتیم کا کفیل ہوں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اپنے زیرِ کفالت یتیم کے مال سے صرف اسی قدر کھاؤ کہ نہ اسراف ہو، نہ فضول خرچی ہو۔ اور نہ ہی اس کے مال سے اپنا ذاتی مال بڑھاؤ۔ اسی طرح یہ بھی نہ ہو کہ اس کے مال سے اپنا مال بچاؤ۔

(مسند احمد بن حنبل جلد2 صفحہ 706 حدیث:7022 مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص)

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ جو ضرورت مند ایسے ہیں کہ یتیم کی صحیح طرح کفالت نہیں کر سکتے ان کو اجازت دے دی کہ اگر یتیم کا مال ہے تو ان کی ضرورت کے مطابق اس میں سے خرچ کر لو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔

یتیم کی پرورش کرنے والے کا یہ مقام ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے جنت کی خوشخبری دی ہے اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنے والے کو، اس کا خیال رکھنے والے کی نیکیوں کو اس بچے کے سر کے بالوں کے برابر شمار کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تو اس بات پر لڑتے تھے اور حریص رہتے تھے کہ یتیم کی پرورش کریں۔ اور اگر کوئی یتیم ہوتا تو ایک کہتا کہ مَیں اس کی پرورش کروں گا اور دوسرا کہتا کہ مَیں اس کی پرورش کروں گا۔ تیسرا کہتا کہ مَیں اس کی پرورش کروں گا۔ اور اس بات پر وہ لوگ حریص تھے کہ جنت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جگہ ملے۔ وہ جب یتیموں کو پالتے تھے تو بڑے احسن رنگ میں ان کی تربیت کرتے تھے۔ اپنے بچوں کی طرح ان کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم ان کے ساتھ مل جل کر رہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ یتیموں کو پالنے والوں کو بڑا بھائی کہہ دیا کہ وہ ان بڑے بھائیوں کی طرح چھوٹے بھائی کی ذمہ داری ادا کرے جو حقیقت میں چھوٹے بھائیوں کا حق ادا کرنے والے ہیں۔

یتیموں کے حقوق کی ادائیگی نہ کرنے سے معاشرے قربانی کا مادہ ختم ہو جاتا ہے۔ اگر یتیموں کے حقوق کی ادائیگی نہ کی جائے تو ان کی ترقی میں روک بن جاتا ہے۔ انہیں آگے بڑھنے سے محروم کر دیتا ہے اور اگر

اس کا صحیح طور پر سدّباب نہ کیا جائے تو امیر غریب کے فاصلے بڑھنے شروع ہو جاتے ہیں اور پھر پُر امن معاشرے کی بجائے فسادی معاشرہ جنم لینا شروع کر دیتا ہے۔ جبکہ خدا تعالیٰ کو انسانوں کے حقوق کی ادائیگی نہ صرف پسند ہے بلکہ ایک مؤمن کے لئے فرض قرار دی گئی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" یتیموں کے بارہ میں یہ بعض احکامات ہیں کہ ان سے کس طرح کا سلوک کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شروع ہی اس طرح فرمایا ہے کہ وَابْتَلُوْا الْیَتٰمٰی کہ یتیموں کو آزماتے رہو۔ آزمانا کیا ہے؟ کس طرح آزمانا ہے؟ یہی کہ تمہارے سپرد جو یتیم کئے گئے ہیں ان کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھو۔ انہیں لاوارث سمجھ کر ان کی تربیت سے غافل نہ ہو جاؤ، ان کی تعلیم سے غافل نہ ہو جاؤ بلکہ انہیں اچھی تعلیم و تربیت مہیا کرو۔ اور جس طرح اپنے بچوں کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتے رہتے ہو، اُن کے بھی جائزے لو کہ تعلیمی اور دینی میدان میں وہ خاطر خواہ ترقی کر رہے ہیں یا نہیں؟ پھر جس تعلیم میں وہ دلچسپی رکھتے ہیں اس کے حصول کے لئے ان کی بھرپور مدد کرو۔ یہ نہیں کہ اپنا بچہ اگر پڑھائی میں کم دلچسپی لینے والا ہے تب اس کے لئے تو ٹیوشن کے انتظام ہو جائیں، بہتر پڑھائی کا انتظام ہو جائے اور اس کی پڑھائی کے لئے خاص فکر ہو اور یتیم بچہ جس کی کفالت تمہارے سپرد ہے وہ اگر آگے بڑھنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے تب بھی اس کی تعلیم پر، اس کی تربیت پر کوئی نظر نہ رکھی جائے۔ نہیں! بلکہ اس کی تمام تر صلاحیتوں کو بھرپور طور پر اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ اصل حکم ہے۔ اور جتنی بھی اس کی استعدادیں اور صلاحیتیں ہیں اس کے مطابق اس کو موقع میسر کیا جائے کہ وہ آگے بڑھے اور مستقبل میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہو۔ کبھی اسے یہ خیال نہ ہو کہ مَیں یتیم ہونے کی وجہ سے اپنی استعدادوں کے صحیح استعمال سے محروم رہ گیا ہوں۔ اگر میرے ماں باپ زندہ ہوتے تو مَیں اس وقت سبقت لے جانے والوں کی صف میں کھڑا ہوتا۔"

(خطبہ جمعہ 26/ فروری 2010ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصائح پر عمل کی توفیق دے۔ آمین

(کمپوزڈ: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿23﴾ ﴿مشاہدات۔1238﴾

ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر9)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـــًٔا ‌ؕ وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡجَارِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡجَارِ الۡجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَـنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ ۙ وَمَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا (النساء:37)

یعنی اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور قریبی رشتہ داروں سے بھی اور یتیموں سے بھی اور مسکین لوگوں سے بھی اور رشتہ دار ہمسایوں سے بھی اور غیر رشتہ دار ہمسایوں سے بھی اور اپنے ہم جلیسوں سے بھی اور مسافروں سے بھی اور ان سے بھی جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے۔ یقیناً اللہ اس کو پسند نہیں کرتا جو متکبر (اور) شیخی بگھارنے والا ہو۔

نکلیں تمہاری گود سے پل کر وہ حق پرست
ہاتھوں سے جن کی دین کو نصرت نصیب ہو

(درعدن)

سامعین! آج کل ہم اپنی تقاریر میں ایمان کی ستّر سے زائد شاخوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ آج ہم کچھ حقوق العباد کے بارے میں بات کریں گے۔

حقوق العباد میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، صلہ رحمی (رشتے داروں سے اچھا برتاؤ)، غلاموں/ماتحتوں پر شفقت آتی ہیں۔

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کے حوالے سے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا.(النساء:36)

یعنی تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ماں اور باپ دونوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس بارے میں قرآن کی تعلیم سب سے زیادہ اہم اور اپنے ایک انفرادی اسلوب کی حامل ہے۔ مثلاً جب کبھی اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت و فرمانبرداری کی طرف توجہ دلانا چاہی ہے اس کے فوراً بعد والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری کی تعلیم دی ہے جیسے کہ سورۃ لقمان آیت 14 میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ اے بندو! تُم میرا شکر کرو اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو۔ یاد رہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے حقوق ہم پر فرض ہیں بالکل اُسی طرح انسانوں کے حقوق بھی ہم پر فرض اور لازم ہیں اور انسانوں میں والدین کے حقوق سب سے بڑھ کر ہیں۔ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والوں کو جنّت کی بشارت دی گئی ہے۔ سورۃ الاحقاف آیت 16 میں انسان کو اپنے والدین سے احسان کرنے کی تاکیدی نصیحت فرمائی ہے۔ اگر والدین کی طرف سے زیادتی ہو بھی جائے تب بھی احسان کا رویّہ اختیار کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرو، اگر تمہارے سامنے دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں ''اُف'' بھی نہ کہنا اور انہیں جھڑکنا بھی نہیں اور ان دونوں کے ساتھ بڑے ادب سے بات کیا کرو اور ان دونوں کے لیے نرم دلی سے عجز وانکساری کے بازو جھکائے رکھو اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے رہو: اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے رحمت وشفقت سے پالا تھا۔ (بنی اسرائیل:24-25)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے؟ فرمایا کہ نماز اپنے وقت پر پڑھنا۔ پھر والدین کے ساتھ نیکی کرنا اور فرمایا پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

(بخاری:504)

آپؐ نے فرمایا کہ

”اس کی ناک خاک آلود ہوئی یعنی وہ ذلیل ہوا۔ یہ بات آپؐ نے تین دفعہ دہرائی۔ لوگوں نے پوچھا۔ یارسول اللہ! کون ذلیل ہوا؟ آپؐ نے فرمایا”وہ شخص جس نے اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور ان دونوں میں سے ایک یا دونوں کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہوا۔“

(مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا؟ اے اللہ کے رسول: کون میرے حسن سلوک کا زیادہ مستحق ہے۔؟ آپ نے فرمایا۔ تیری ماں۔ اس نے کہا پھر کون۔؟ فرمایا تیری ماں۔ اس نے پھر پوچھا پھر کون۔؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تیری ماں۔ چوتھی مرتبہ اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تیرا باپ۔ اور اس کے بعد تیرے قریبی عزیز اور رشتہ دار۔

(ترمذی)

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ مجھے یمن سے خوشبو آتی دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ وہاں خدا کا ایک بندہ حضرت اویس قرنیؓ رہتے تھے جو باوجود شدید خواہش کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہیں کر پائے تھے کیونکہ وہ اپنی بوڑھی امّاں جی کی خدمت میں مصروف تھے اور وہ اپنی والدہ اکیلا نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کی اِسی قربانی اور فدائیت کی وجہ سے فرمایا تھا کہ جو بھی اویس قرنی کو ملے اُسے میرا اسلام کہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام قرآن کریم کی ایک آیت کی تفسیر کرتے ہوئے والدین کے ادب واحترام کا ان الفاظ میں ذکر فرماتے ہیں:

”تیرے خدا نے یہی چاہا ہے کہ تم اس کی بندگی کرو اُس کے سوا کوئی اور دوسرا تمہارا معبود نہ ہو اور ماں باپ سے احسان کرو۔ اگر وہ دونوں یا ایک ان میں سے تیرے سامنے بڑی عمر تک پہنچ جائیں تو تُو ان کو اُف نہ کہہ اور نہ ان کو جھڑک بلکہ ان سے ایسی باتیں کہہ کہ جن میں ان کی بزرگی اور عظمت پائی جائے۔“

(ایک عیسائی کے تین سوال اور ان کے جوابات صفحہ 4)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

”جو شخص اپنے ماں باپ کی عزت نہیں کرتا اور امور معروفہ میں جو خلاف قرآن نہیں ہیں ان کی بات کو نہیں مانتا اور ان کی تعہد خدمت سے لاپرواہ ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔“

(کشتی نوح)

سامعین! ہمارے پیارے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

” اللہ تعالیٰ نے والدین سے حسن سلوک کے بارہ میں بڑی تاکید فرمائی ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے روکیں۔ یا شرک کی تعلیم دیں۔ اس کے علاوہ ہر بات میں ان کی اطاعت کا حکم ہے۔ اور یہ حکم اس لئے ہے کہ جو خدمت انہوں نے بچپن میں ہماری کی ہے اس کا بدلہ تو ہم نہیں اتار سکتے۔ اس لئے یہ حکم ہے کہ ان کی خدمت کے ساتھ ساتھ ان کے لئے دعا بھی کرو کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور بڑھاپے کی اس عمر میں بھی ان کو ہماری طرف سے کسی قسم کا کبھی کوئی دکھ نہ پہنچے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ خدمت اور دعا کے باوجود یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم نے ان کی بہت خدمت کر لی اور ان کا حق ادا ہو گیا۔ اس کے باوجود بچے جو ہیں اس قابل نہیں کہ والدین کا وہ احسان اتار سکیں جو انہوں نے بچپن میں ان پر کیا۔

اس آیت وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (بنی اسرائیل:24) میں سب سے پہلے یہ بات بیان فرمائی کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور وہ خدا جس نے تمہیں اس دنیا میں بھیجا اور تمہیں بھیجنے سے پہلے قسما قسم کی تمہاری ضروریات کا خیال رکھا اور اس کا انتظام بھی کر دیا۔ اور پھر یہ کہ اس کی عبادت کر کے اور اس کا شکر ادا کر کے تم اس کے فضلوں کے وارث ٹھہرو گے اور سب سے بڑا فضل جو اس نے ہم پر کیا وہ یہ ہے کہ تمہیں ماں باپ دیئے جنہوں نے تمہاری پرورش کی، بچپن میں تمہاری بے انتہاء خدمت کی، راتوں کو جاگ جاگ کر تمہیں اپنے سینے سے لگایا۔ تمہاری بیماری اور بے چینی میں تمہاری ماں نے بے چینی اور کرب کی راتیں گزاریں، اپنی نیندوں کو قربان کیا، تمہاری گندگیوں کو صاف کیا۔ غرض کہ کون سی خدمت اور قربانی ہے جو تمہاری ماں نے تمہارے لئے نہیں کی۔ اس لئے آج جب ان کو تمہاری مدد کی ضرورت ہے تم منہ پرے کر کے گزر نہ جاؤ، اپنی دنیا الگ نہ بساؤ اور یہ نہ ہو کہ تم ان کی فکر تک نہ کرو اور اگر وہ اپنی ضرورت کے لئے تمہیں کہیں تو تم انہیں جھڑکنے لگ جاؤ۔ فرمایا: نہیں، بلکہ وہ وقت یاد

کرو جب تمہاری ماں نے تکالیف اٹھا کر تمہاری پیدائش کے تمام مراحل طے کئے۔ پھر جب تم کسی قسم کی کوئی طاقت نہ رکھتے تھے، تمہیں پالا پوسا، تمہاری جائز و ناجائز ضرورت کو پورا کیا۔ اور آج اگر وہ ایسی عمر کو پہنچ گئے ہیں جہاں انہیں تمہاری مدد کی ضرورت ہے جو ایک لحاظ سے ان کی اب بچپن کی عمر ہے، کیونکہ بڑھاپے کی عمر بھی بچپن سے مشابہ ہی ہے۔ ان کو تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 16/ جنوری 2004ء)

صلہ رحمی، رشتے داروں سے اچھا برتاؤ

سامعین! ماں باپ کی طرف سے تمام قریبی رشتہ دار رحمی رشتہ دار کہلاتے ہیں۔ اگر شادی شدہ ہیں تو بیوی کی طرف سے یا بیوی کے خاوند کی طرف سے رشتہ دار ہیں یہ سب قرابت داروں کے زُمرہ میں آتے ہیں اور ان رشتوں سے حسن سلوک کا عورت اور مرد کو یکساں حکم ہے۔ جب عورت اور مرد ایک دوسرے کے رحمی رشتہ داروں سے حسن سلوک کر رہے ہوں گے، ایک دوسرے کے قریبیوں سے اچھے اخلاق سے پیش آ رہے ہوں گے، ان کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کر رہے ہوں گے تو ظاہر ہے کہ میاں بیوی دونوں میں آپس میں بھی محبت اور پیار کا تعلق خود بخود بڑھے گا۔ ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی پوری کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والوں میں سے ہوں گے۔

حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بڑے بھائی کا حق اپنے چھوٹے بھائیوں پر اس طرح کا ہے جس طرح والد کا حق اپنے بچوں پر۔ یعنی بڑا بھائی چھوٹے بھائی کے لئے بمنزلہ باپ کے ہے اس لئے اس کا ادب واحترام بھی واجب ہے۔

(مراسیل ابی داؤد باب فی بر الوالدین صفحہ 197)

ابن شہاب روایت کرتے ہیں کہ محمد بن جُبیر بن مُطعم نے کہا کہ جبیر بن مطعم نے انہیں بتایا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ کہ رحمی تعلقات کو توڑنے والا جنت میں داخل نہ ہو گا۔

(بخاری کتاب الادب باب اثم القاطع)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ:

"تم خدا کی پرستش کرو اور اس کے ساتھ کسی کو مت شریک ٹھہراؤ اور اپنے ماں باپ سے احسان کرو اور ان سے بھی احسان کرو جو تمہارے قرابتی ہیں (اس فقرے میں اولاد اور بھائی اور قریب اور دور کے تمام رشتہ دار آگئے) اور پھر فرمایا کہ یتیموں کے ساتھ بھی احسان کرو اور مسکینوں کے ساتھ بھی اور جو ایسے ہمسایہ ہوں، جو قرابت والے بھی ہوں اور ایسے ہمسائے ہوں جو محض اجنبی ہوں اور ایسے رفیق بھی جو کسی کام میں شریک ہوں یا کسی سفر میں شریک ہوں یا نماز میں شریک ہوں یا علم دین حاصل کرنے میں شریک ہوں اور وہ لوگ جو مسافر ہیں اور وہ تمام جاندار جو تمہارے قبضہ میں ہیں سب کے ساتھ احسان کرو۔ خدا ایسے شخص کو دوست نہیں رکھتا جو تکبّر کرنے والا اور شیخی مارنے والا ہو، جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا۔"

(چشمۂ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 208-209)

رسول کریمؐ کے اکثر رحمی رشتہ داروں نے دعویٰ نبوت پر آپ کی مخالفت کی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ بے شک قریش کی فلاں شاخ والے لوگ میرے دوست نہیں رہے، دشمن ہوگئے ہیں مگر آخر میرا اُن سے ایک خونی رشتہ ہے، مَیں اس رحمی تعلق کے حقوق بہرحال ادا کرتا رہوں گا۔

(بخاری کتاب الادب باب تبل الرحم ببلالها)

اپنے آقا و مطاع حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیا نمونہ تھا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ:

"ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ کو یہ اطلاع ملی کہ یہی مرزا نظام الدین صاحب جو حضرت مسیح موعودؑ کے اشد ترین مخالف تھے بیمار ہیں اس پر حضور ان کی عیادت کے لئے بلا توقّف ان کے گھر تشریف لے گئے اس وقت ان پر بیماری کا اتنا شدید حملہ تھا کہ ان کا دماغ بھی اس سے متاثر ہو گیا تھا۔ آپ نے ان کے مکان پر جا کر ان کے لئے مناسب علاج تجویز فرمایا جس سے وہ خدا کے فضل سے صحت یاب ہو گئے۔ ہماری اماں جان حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا بیان فرماتی تھیں کہ باوجود اس کے کہ مرزا نظام الدین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سخت مخالف بلکہ معاند تھے آپ ان کی تکلیف کی اطلاع پا کر فوراً ہی ان کے گھر تشریف لے گئے اور ان کا علاج کیا اور ان سے ہمدردی فرمائی۔"

(سیرت طیبہ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ صفحہ 290)

سامعین! بعض رشتہ دار، دوست ایسے بھی ہوتے ہیں، جن سے جتنا بھی اچھا سلوک کریں انہیں جب بھی موقع ملے وہ نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے۔ ایک مؤمن کے ایمان کا حصّہ ہے کہ وہ ان کی غلطیوں کو معاف کرے اور اُن سے صلہ رحمی کرے۔

صِلہ رحمی کے ضمن میں رشتہ داروں کے حقوق بیان کرتے ہوئے حضور ایدّہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”صلہ رحمی بھی بڑا وسیع لفظ ہے اس میں بیوی کے رشتہ داروں کے بھی وہی حقوق ہیں جو مرد کے اپنے رشتے داروں کے ہیں۔ ان سے بھی صلہ رحمی اتنی ہی ضروری ہے جتنی اپنوں سے۔ اگر یہ عادت پیدا ہو جائے اور دونوں طرف سے صلہ رحمی کے یہ نمونے قائم ہو جائیں تو پھر کیا کبھی اس گھر میں تُو تکار ہو سکتی ہے؟ کوئی لڑائی جھگڑا ہو سکتا ہے؟ کبھی نہیں۔ کیونکہ اکثر جھگڑے ہی اس بات سے ہوتے ہیں کہ ذرا سی بات ہوئی یا ماں باپ کی طرف سے کوئی رنجش پیدا ہوئی یا کسی کی ماں نے یا کسی کے باپ نے کوئی بات کہہ دی، اگر مذاق میں ہی کہہ دی اور کسی کو بری لگی تو فوراً ناراض ہو گیا کہ میں تمہاری ماں سے بات نہیں کروں گا، میں تمہارے باپ سے بات نہیں کروں گا۔ میں تمہارے بھائی سے بات نہیں کروں گا پھر الزام تراشیاں کہ وہ یہ ہیں اور وہ ہیں تو یہ زود رنجیاں چھوٹی چھوٹی باتوں پر، یہی پھر بڑے جھگڑوں کی بنیاد بنتی ہیں۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 2/ جولائی 2004ء)

غلاموں / ماتحتوں پر شفقت

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو غلام خریدے جاتے تھے اور مالکانہ حقوق اور مالکیت اس کی ہوتی تھی اور خریدے گئے غلام کی ذات پر مکمل حق اور تصرّف سمجھا جاتا تھا اور رواج کے مطابق جو چاہے سلوک بھی کرتے اس کو بُرا بھی نہیں سمجھا جاتا تھا اور اسلام سے پہلے تو غلاموں کو انتہائی ظالمانہ طریقے سے رکھا جاتا تھا۔ بلکہ بعض دفعہ تو جانوروں سے بھی زیادہ بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ غلاموں کو بھی بحیثیت انسان جو شرف اور مقام دلوایا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی دلوایا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے غلاموں سے شفقت کا اظہار اِس حدیث سے ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ مَیں بچہ تھا اور دس سال تک مجھے حضورؐ کی خدمت کا موقعہ ملا اور مَیں اس طرح کام نہیں کیا کرتا تھا جس طرح حضورؐ کی خواہش ہوتی تھی اکثر یہ ہوتا تھا۔ لیکن آپؐ نے کبھی مجھے آج تک کام

کے بارے میں کچھ نہیں کہا، اُف تک نہیں کہی۔ یا یہ کبھی نہیں کہا کہ تم نے یہ کیوں کیا ہے یا تم نے یہ کیوں نہیں کیا یا اس طرح کیوں نہیں کیا۔ کبھی آپؐ نے کچھ نہیں کہا۔

(سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی الحلم واخلاق النبی)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے غلام بھی تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کیا ہے، سو جو تم خود کھاتے ہو اُنہیں بھی وہی کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو اُنہیں بھی وہی پہناؤ۔ اُنہیں اُن کی طاقت سے بڑھ کر کسی کام کا مکلّف نہ ٹھہراؤ اور اگر ایسا کوئی کام اُن کے ذمہ لگاؤ تو اُس کام میں خود بھی اُن کی مدد کرو۔

(صحیح بخاری، کتاب الایمان)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

" مؤمن کی یہ شرط ہے کہ اس میں تکبّر نہ ہو بلکہ انکسار، عاجزی، فروتنی اس میں پائی جائے اور یہ خدا تعالیٰ کے ماموروں کا خاصّہ ہوتا ہے۔ ان میں حد درجہ کی فروتنی اور انکسار ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ وصف تھا۔ آپؐ کے ایک خادم سے پوچھا گیا کہ تیرے ساتھ آپؐ کا کیا معاملہ ہے۔ اس نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ مجھ سے زیادہ میری خدمت کرتے ہیں۔ وہ ہے نمونہ اعلیٰ اخلاق اور فروتنی کا۔ اور یہ بات بھی سچ ہے کہ زیادہ تر عزیزوں میں خدام ہوتے ہیں جو ہر وقت گرد وپیش رہتے ہیں اس لئے اگر کسی کے انکسار وفروتنی اور تحمل وبرداشت کا نمونہ دیکھنا ہو تو ان سے معلوم ہو سکتا ہے۔ بعض مرد یا عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ خدمتگار سے ذرا کوئی کام بگڑا۔ مثلاً چائے میں نقص ہوا تو جھٹ گالیاں دینی شروع کر دیں یا تازیانہ لے کر مارنا شروع کر دیا۔ ذرا شوربے میں نمک زیادہ ہو گیا بس بیچارے خدمتگاروں کی آفت آئی۔"

(ملفوظات جلد نمبر 4۔ الحکم 10/نومبر 1905ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اگر تم چاہتے ہو کہ آسمان پر تم سے خدا راضی ہو تو تم باہم ایسے ایک ہو جاؤ جیسے ایک پیٹ میں سے دو بھائی... تم ماتحتوں پر اور اپنی بیویوں پر اور اپنے غریب بھائیوں پر رحم کرو تا آسمان پر تم پر بھی رحم ہو۔ تم سچ مچ اس کے ہو جاؤ تا کہ وہ بھی تمہارا ہو جائے۔" (کشتی نوح صفحہ 131)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" عاجزوں اور مسکینوں کا آپؐ کی نظر میں کیا مقام تھا۔ اس بارے میں حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی کہ: "اے اللہ! مجھے حالت مسکینی میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں موت دے اور مجھے قیامت کے روز زُمرۂ مساکین میں اٹھا۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ کیوں یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مساکین اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے"۔ یعنی ان میں تکبّر اور غرور اتنا نہیں ہوتا۔ عاجزی اور انکساری ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بڑھاتا ہے۔ "اے عائشہ! کسی مسکین کو نہ دھتکارنا خواہ تجھے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ دینا پڑے۔ اے عائشہ! مساکین کو اپنا محبوب رکھنا اور انہیں اپنے قرب سے نوازنا۔ خدا تعالیٰ کے قیامت کے دن تجھے اپنے قرب سے نوازے گا۔

(ترمذی کتاب الزھد باب ما جاء ان فقراء المھاجرین یدخلون الجنۃ قبل اغنیائھم)

تو دیکھیں! معاشرے کے بظاہر کمزور طبقے کے لئے کس قدر محبت اور درد کے جذبات ہیں۔۔ لیکن یہ دعا کے الفاظ کہہ کر دنیا کی نظر میں اس کمزور طبقے کو کتنا اونچا مقام دلوادیا ہے۔ پھر دیکھیں! یہ صرف دعا یا اپنے گھر والوں کو نصیحت ہی نہیں تھی بلکہ اس پر عمل بھی کر کے دکھایا اور صحابہ کو یہ عمل، یہ نمونے نظر بھی آتے تھے۔"

(خطبہ جمعہ 17/دسمبر 2004ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی تمام شاخوں پر عمل کرنے والا بنائے۔ آمین

(کمپوزڈ: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴾24﴿ ﴾مشاہدات۔1239﴿

ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر10)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ

(النور:31)

کہ تُو ایمان والوں کو کہہ دے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنے سوراخوں کی حفاظت کریں۔ یہ وہ عمل ہے جس سے ان کے نفوس کا تزکیہ ہو گا۔

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو
وُہی اُس کے مُقرّب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں راہ اُس کی عالی بارگہ تک خود پسندوں کو
یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اُس سے قربت کو
اُسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کمندوں کو

(درثمین)

سامعین! آج کل ہم اپنی تقاریر میں ایمان کی ستّر سے زائد شاخوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ آج ہم کچھ اُن شاخوں کے بارے میں بات کریں گے جن کا تعلق **اخلاق سے ہے جیسے کہ** حیا، مہمان نوازی، عفّت وپاکدامنی۔

حیا

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (الاعراف:34)

یعنی تو کہہ دے کہ میرے ربّ نے محض بے حیائی کی باتوں کو حرام قرار دیا ہے وہ بھی جو اس میں سے ظاہر ہو اور وہ بھی جو پوشیدہ ہو۔

حیا اُن صفات میں سے ہے جن کی وجہ سے انسان کے کردار میں خوبصورتی پیدا ہوتی ہے اور باحیا انسان دوسروں کی نظر میں بھی ایک اچھا انسان ہوتا ہے اور خدا کے یہاں بھی اس کا شمار اس کے پسندیدہ بندوں میں ہوتا ہے۔ حیا انسان کے ہر کام میں خوبصورتی پیدا کر دیتی ہے اور بے حیائی اُس کو بدنما بنا دیتی ہے۔ حیا میں ہی زندگی ہے اور اسی سے انسان کا دل زندہ رہتا ہے۔ اور بے حیائی انسان کی روح اور قلب کے مُردہ ہو جانے کا سبب بنتی ہے۔ اسی بات کو حضرت عمرؓ نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے کہ

جس میں حیا کا فقدان ہو گا اس میں تقویٰ کی کمی ہو گی اور جس میں تقویٰ کی کمی ہو گی اس کا دل مُردہ ہو گا۔

(شعب الایمان:4994)

اللہ کی ناراضگی کے خوف اور اس سے حیا کرنے کے باعث انسان گناہوں سے اپنے آپ کو بچاتا ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا:

اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ

یعنی حیا ایمان کا حصہ ہے۔

(صحیح مسلم حدیث نمبر 36)

اس مختصر مگر جامع حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیا کی اہمیت بیان فرمائی ہے۔ حیا صرف لباس یا گفتگو تک محدود نہیں بلکہ دل کی وہ کیفیت ہے جو انسان کو بُرے کاموں سے روکتی اور نیکی کی طرف راغب کرتی ہے۔ جس شخص میں حیا ہوتی ہے، وہ اللہ سے بھی شرماتا ہے اور لوگوں کے حقوق کا بھی خیال رکھتا ہے، اسی لیے حیا کو ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَۃً؛ وَالْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِنَ الْاِیْمَانِ

(مسلم فی کتاب الإیمان باب بیان عدد شعب الإیمان)

یعنی ایمان کی ستّر سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں اور حیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخیوں کے دو گروہ ایسے ہیں کہ ان جیسا مَیں نے کسی گروہ کو نہیں دیکھا ایک وہ جن کے پاس بیل کی دُموں کی طرح کوڑے ہوتے ہیں جن سے وہ لوگوں کو مارتے پھرتے ہیں اور دوسرے وہ عورتیں جو کپڑے تو پہنتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ ننگی ہوتی ہیں (ناز سے لچکیلی چال چلتی ہیں) لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے جتن کرتی پھرتی ہیں اور خود بھی مائل ہوتی ہیں۔ بختی اونٹوں کی لچکدار کوہانوں کی طرح ان کے سر ہوتے ہیں ان میں سے کوئی جنت میں داخل نہ ہوگی اور اس کی خوشبو تک نہ پائے گی حالانکہ اس کی خوشبو دُور کے فاصلے سے بھی آسکتی ہے۔

(مسلم کتاب اللباس باب النساء الکاسیات العاریات)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

”ہر دین کا ایک خاص خُلق ہوتا ہے اور اسلام کا خُلق حیا ہے۔“

(مؤطا امام مالك، کتاب حسن الخلق، باب ماجاء فی الحیاء، حدیث نمبر:9)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت سنن الترمذی سے لی گئی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”حیا ایمان میں سے ہے اور ایمان جنت میں ہے۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جس طرح حیا سے متعلق افرادِ معاشرہ کی تربیت کی تھی اس کی ایک جھلک اس واقعے میں نظر آتی ہے کہ جب ایک جنگ میں ایک صحابیہؓ جن کے بیٹے شہید ہوگئے تھے اور وہ ان کی تلاش میں نکلی تھیں اس وقت بھی انہوں نے پردہ کیا ہوا تھا تو کسی نے ان کے پردے کے متعلق ان سے پوچھا اور انہوں نے جو جواب دیا تھا۔ روایت میں آتا ہے کہ: اُمّ خلادؓ کے بیٹے جنگ میں شہید ہوگئے، یہ

اپنے بیٹوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے نقاب ڈالے بار گاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں تو اس پر کسی نے حیرت سے کہا: اس وقت بھی باپردہ ہیں! کہنے لگیں: مَیں نے بیٹا کھویا ہے، حیا نہیں کھوئی۔

(ابوداؤد:2490)

اللہ تعالی نے قرآنِ کریم میں کئی ایک مقامات پر خواتین کو پردہ کی نصیحت فرمائی ہے۔ ایک آیتِ مبارکہ میں پردہ سے متعلق اِن الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ (الاحزاب:60)

کہ اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مؤمنوں کی بیویوں سے کہہ دے کہ (جب وہ باہر نکلیں تو) چادروں کو اپنے اوپر لپیٹ کر نکلیں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

”اسلام نے جو یہ حکم دیا ہے کہ مرد عورت سے اور عورت مرد سے پردہ کرے اس سے غرض یہ ہے کہ نفسِ انسانی پھسلنے اور ٹھوکر کھانے کی حد سے بچا رہے۔ کیونکہ ابتداء میں اس کی یہی حالت ہوتی ہے کہ وہ بدیوں کی طرف جھکا پڑتا ہے اور ذرا سی بھی تحریک ہو تو بدی پر ایسے گرتا ہے جیسے کئی دنوں کا بھوکا آدمی کسی لذیذ کھانے پر۔ یہ انسان کا فرض ہے کہ اس کی اصلاح کرے... یہ ہے سِرّ اسلامی پردہ کا اور مَیں نے خصوصیت سے اسے ان مسلمانوں کے لئے بیان کیا ہے جن کو اسلام کے احکام اور حقیقت کی خبر نہیں۔“

(تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد سوم صفحہ 443)

بے پردگی کے بارے میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ بیان فرماتے ہیں:

”آجکل پردہ پر حملے کئے جاتے ہیں، لیکن یہ لوگ نہیں جانتے کہ اسلامی پردہ سے مراد زنداں نہیں، بلکہ ایک قسم کی روک ہے کہ غیر مرد اور عورت ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکے۔ جب پَردہ ہو گا ٹھوکر سے بچیں گے۔“

(ملفوظات جلد اول صفحہ 21-22، ایڈیشن 2003ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے حیا کو ایمان کا جزو قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

’’پھر اپنے آپ کو باحیا بنانا ہے کیونکہ یہ بھی ایمان کا حصّہ ہے۔ حیا بھی ایمان کا حصّہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کو جس طرح اپنے آپ کو ڈھانپنے کا حکم دیا ہے اس طرح احتیاط سے ڈھانپ کر رکھنا چاہئے۔ زینت ظاہر نہ ہو۔ حیا کا تصوّر ہر قوم میں اور ہر مذہب میں پایا جاتا ہے۔ آج مغرب میں جو بے حیائی پھیل رہی ہے اس سے کسی احمدی لڑکی کو کسی احمدی بچی کو کبھی متأثر نہیں ہونا چاہئے۔ آزادی کے نام پر بے حیائیاں ہیں، لباس، فیشن کے نام پر بے حیائیاں ہیں۔ اسلام عورت کو باہر پھرنے اور کام کرنے سے نہیں روکتا۔ اُس کو اجازت ہے لیکن بعض شرائط کے ساتھ کہ تمہاری زینت ظاہر نہ ہو۔ بے حجابی نہ ہو۔ مرد اور عورت کے درمیان ایک حجاب رہنا چاہئے۔ .... عورت کی فطرت میں جو اللہ تعالیٰ نے حیا رکھی ہے ایک احمدی عورت کو اُسے اور چمکانا چاہئے، اُسے اور نکھارنا چاہئے، پہلے سے بڑھ کر باحیا ہونا چاہئے۔ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے تعلیم بھی بڑی واضح دے دی ہے اس لئے بغیر کسی شرم کے اپنی حیا اور حجاب کی طرف ہر احمدی عورت کو ہر احمدی بچی کو ہر احمدی لڑکی کو توجہ دینی چاہئے۔‘‘

(خطاب بر موقع سالانہ اجتماع لجنہ اماء اللہ یو کے 20؍ نومبر 2005ء)

مہمان نوازی

سامعین! مہمان نوازی ایمان کی علامت ہے اور تمام انبیاءِ کی سنت ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی کا تذکرہ اِن الفاظ میں فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ (ھود:70)

کہ یقیناً ابراہیم کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے خوشخبری لے کر آئے۔ انہوں نے سلام کہا۔ اس نے بھی کہا سلام اور ذرا دیر نہ کی کہ ان کے پاس ایک بُھنا ہوا بچھڑا لے آیا۔

مہمان کی خاطر مدارات کرنا اور اپنے وسائل کے لحاظ سے بہترین خاطر تواضع کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو نبوت سے پہلے ہی اس خوبی سے اتنے زیادہ متّصف تھے کہ یہ آپ کا امتیازی نشان تھا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص اللہ تعالی اور یوم آخرت پر ایمان لاتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مہمان کی عزت کرے۔“

(سنن ابو داؤد کتاب الاطعمہ)

آپؐ نے فرمایا کہ پہلے دن تم مہمان کی خوب خاطر کرو، اچھی طرح مہمان نوازی کرو اور تین دن تک عام مہمان نوازی بھی ہونی چاہئے کیونکہ یہ مہمان کا حق ہے اور فرمایا کہ اگر تمہیں اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہے تو پھر مہمان کی عزت و تکریم کرو۔

(سنن ابی داؤد کتاب الاطعمۃ باب ما جاء فی الضیافۃ حدیث 3748)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام مہمانوں سے بہت شفقت اور مہربانی فرماتے۔ آپ نے ایک دفعہ نصیحت کے رنگ میں بہت دلچسپ اور سبق آموز قصّہ سناتے ہوئے فرمایا۔

”ایک دفعہ ایک شخص کو جنگل سے گزرتے گزرتے رات پڑ گئی اور وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا سردی کا موسم تھا، نہ کھانے کو کچھ، نہ جسم گرم کرنے کو آگ تھی درخت کے اوپر دو نر اور مادہ پرندوں نے گھونسلہ بنایا ہوا تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ یہ شخص آج ہمارا مہمان ہے۔ اسے آرام پہنچانا چاہئے۔ انہوں نے اپنا گھونسلہ نیچے گرا دیا تا کہ وہ آگ جلا سکے۔ اس کے بعد انہوں نے سوچا کہ اسے بھوک لگی ہوئی ہوگی تو انہوں نے اپنے آپ کو نیچے گرا دیا تا کہ وہ ان دونوں کو بھون کر کھا سکے۔“

آپؑ فرماتے ہیں کہ

”دیکھو! ان پرندوں نے اپنا سامان بھی دے دیا اور اپنی جانیں بھی قربان کر دیں تا کہ اپنے مہمان کو آرام پہنچا دیں اسی طرح ہم کو بھی اپنے مہمان کی خاطر کرنی چاہئے۔“

(الحکم 14 / نومبر 1936ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام مہمان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

” مہمان کا دل شیشے کی طرح ہوتا ہے ذرا سی ٹھوکر لگنے سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لئے بہت خیال رکھا کرو۔ “

(ماخوذ از ملفوظات جلد سوم صفحہ 292 جدید ایڈیشن مطبوعہ ربوہ)

آپ علیہ السلام بھی اپنے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مہمان نوازی کیا کرتے تھے۔ ہمیں تاریخ میں آپ علیہ السلام کی مہمان نوازی کے بارے میں بے شمار واقعات ملتے ہیں۔ یہاں ایک چھوٹا سا واقعہ بیان کر دیتا ہوں کہ حضور علیہ السلام کو مہمان کا کتنا خیال ہوتا تھا۔ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ چار برس کا عرصہ گزرتا ہے کہ آپؑ کے گھر کے لوگ لدھیانہ گئے ہوئے تھے۔ جون کا مہینہ تھا اور اندر مکان نیا نیا بنا تھا۔ مَیں دوپہر کے وقت وہاں چارپائی بچھی ہوئی تھی اس پر لیٹ گیا حضرت صاحب ٹہل رہے تھے مَیں ایک دفعہ جاگا تو آپؑ فرش پر میری چارپائی کے نیچے لیٹے ہوئے تھے۔ مَیں ادب سے گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ آپؑ نے بڑی محبت سے پوچھا آپ کیوں اٹھے ہیں؟۔ مَیں نے عرض کیا آپؑ نیچے لیٹے ہوئے ہیں۔ مَیں اوپر کیسے سو رہوں۔ مسکرا کر فرمایا مَیں تو آپ کا پہرہ دے رہا تھا کہ لڑکے شور کرتے تھے انہیں روکتا تھا کہ آپ کی نیند میں خلل نہ آوے۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ مؤلفہ حضرت مولانا عبد الکریم صاحبؓ صفحہ 40)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" پس مہمان نوازی بھی ایک اعلیٰ خلق ہے جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی دیتا ہے ویسے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی نیکی بھی جو تم کرتے ہو اس کا اجر پاؤ گے۔ لیکن یہ نیکی ایسی ہے کہ جب خوش دلی سے کی جائے، اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کی جائے تو اللہ تعالیٰ کی رضا کو کھینچنے والی بنتی ہے اور ایمان میں مضبوطی کا باعث بنتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہمان نوازی ایک تو مہمان نوازی کے جذبہ سے ہوتی تھی لیکن ایک یہ بھی مقصد ہوتا تھا کہ اگر کوئی کافر مہمان یا دوسرے کسی مذہب کا مہمان ہے تو وہ آپؐ کے اعلیٰ اخلاق اور مہمان نوازی دیکھ کر یہ سوچے کہ جس تعلیم کے یہ علمبردار ہیں، جس تعلیم کے یہ پھیلانے والے ہیں یہ اسی تعلیم کا اثر ہوگا کہ اتنے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ ہو رہا ہے اور یوں اس مہمان کو اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے۔ اور آپؐ یہ مہمان نوازی کرتے بھی اس لئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف توجہ پیدا ہو تاکہ اس کی دنیا کے ساتھ ساتھ عاقبت سنور جائے۔ پس آپؐ کی مہمان نوازی صرف ظاہری خوراک کے لئے نہیں ہوتی تھی جس سے مہمان کی ظاہری بھوک مٹے

بلکہ روحانی خوراک مہیا کرنے کے لئے بھی ہوتی تھی تا کہ اس کی آخرت کی زندگی کے بھی سامان ہوں اور یہی تعلیم آپؐ نے اپنے ماننے والوں کو دی کہ تمہارے ہر کام کے پیچھے خدا تعالیٰ کی رضا ہونی چاہئے۔“

(خطبہ جمعہ 17/ جولائی 2009ء)

عفت و پاکدامنی

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ وَیَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَہُمۡ ؕ ذٰلِکَ اَزۡکٰی لَہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا یَصۡنَعُوۡنَ

(النور: 31)

یعنی مؤمنوں کو کہہ دے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ بات ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کا موجب ہے۔ یقیناً اللہ، جو وہ کرتے ہیں، اس سے ہمیشہ باخبر رہتا ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے عفّت اور پاکدامنی ایک اخلاقی پسندیدہ صفت اور ایمان کا حصّہ ہے کیونکہ اِس کی وجہ سے انسان بہت سی بُرائیوں سے بچتا ہے۔ قرآن کریم نے سورہ قصص میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں کی شرم و حیا اور عفت و پاک دامنی کو ایک مجسّم صورت اور بہترین نمونے کے طور پر پیش کیا ہے، جس سے یہ بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ صلحا و شرفا کے معاشرے میں عفت و پاک دامنی کا کلچر ہمیشہ رہا ہے، جس میں اجنبی مردوں کے ساتھ عورتوں کا اختلاط ہرگز قابل قبول نہیں رہا، جب وہ دو لڑکیاں اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے لیے گئیں تو ہجوم کی وجہ سے ایک طرف الگ کھڑی ہو گئیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پوچھنے پر وجہ یہی بتائی کہ مردوں کا ہجوم ہے، ہم اپنے جانوروں کو پانی اُسی وقت پلائیں گی جب یہ لوگ فارغ ہو کر چلے جائیں گے۔ پھر جب ان میں سے ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلانے کے لیے آئیں تو اس وقت بھی اس کی چال ڈھال، عفّت و پاک دامنی، شائستگی اور میانہ روی کا حسین مظہر تھی۔ اللہ تعالیٰ کو اُن کا یہ شرمیلا پن اتنا پسند آیا کہ اس کا تذکرہ بھی نہایت دلکش اسلوب میں فرمایا کہ

فَجَآءَتۡہُ اِحۡدٰىہُمَا تَمۡشِیۡ عَلَی اسۡتِحۡیَآءٍ (القصص: 26)

یعنی پس ان دونوں میں سے ایک اس کے پاس حیا سے لجاتی ہوئی آئی۔

اسلام نے اِسی لیے خواتین کو باپردہ رہنے کا حکم دیا کیونکہ باپردہ زندگی گزارنے سے ہی معاشرہ میں حیاوعفّت اور امن وسکون باقی رہتا اور اچھے اثرات مرتّب ہوتے ہیں۔اِس کے برعکس بے پردگی سے معاشرہ میں جتنے مفاسد اور برائیاں جنم لیتی ہیں ان کو شمار میں لانا مشکل ہے۔بے پردگی ہی بعض اوقات مردوں کی بد نظری اور حیاسوزی کا باعث بنتی ہے جس سے گناہوں کالامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

عفت وپاک دامنی گھروں کو مضبوط بناتی ہے، انسان کو معزز اور معتبر بنا دیتی ہے۔عفت وپاک دامنی کی وجہ سے انسان کے قول وفعل میں حسن وجمال پیدا ہوتا ہے۔عفّت وپاک دامنی کا پیکر انسان مخلوق کی نظر میں بھی پرکشش بن جاتا ہے اور پروردگار عالم کے ہاں بھی مقبول ومحبوب ہوتا ہے۔آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مجھے اپنی زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دیات ہے مَیں اُس کو جنت کی ضمانت دیتاہوں۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق،باب حفظاللسان)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”سات بندے ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اُس دن اپنے عرشِ مبارک کا سایہ نصیب فرمائے گا جس دن کوئی سایہ نہ ہو گا۔اِن سات بندوں میں سے ایک بندہ وہ ہے جسے کوئی حسب ونسب والی خوبصورت عورت بُرائی کی دعوت دے اور وہ انکار کر دے اور کہے۔مَیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔“

(صحیح بخاری کتاب الاذان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے ابنِ آدم کے لیے جو اس کا حصّہ زنا سے ہے، لکھ دیاہے جس کو وہ ضرور پالے گا۔آنکھ کا زنا نظر ہے اور زبان کا زنا بولنا ہے اور نفس بھی آرزو کرتا ہے اور خواہش رکھتا ہے اور شرمگاہ ان سب کو سچا کرتی ہے یا جھٹلاتی ہے۔

(بخاری کتاب الاستئذان باب زِنَا الْجَوَارِحِ دُونَ الْفَرْجِ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"قرآن شریف نے جو کہ انسان کی فطرت کے تقاضوں اور کمزوریوں کو مدّ نظر رکھ کر حسبِ حال تعلیم دیتا ہے کیا عمدہ مسلک اختیار کیا ہے۔ قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ وَیَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَہُمۡ ؕ ذٰلِکَ اَزۡکٰی لَہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا یَصۡنَعُوۡنَ (النور: 31) کہ تُو ایمان والوں کو کہہ دے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنے سوراخوں کی حفاظت کریں۔ یہ وہ عمل ہے جس سے ان کے نفوس کا تزکیہ ہو گا۔ فروج سے مراد صرف شرمگاہ ہی نہیں بلکہ ہر ایک سوراخ جس میں کان وغیرہ بھی شامل ہیں اور ان میں اس امر کی مخالفت کی گئی ہے کہ غیر محرم عورت کا راگ وغیرہ سنا جاوے۔ پھر یاد رکھو کہ ہزار در ہزار تجارب سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ جن باتوں سے اللہ تعالیٰ روکتا ہے آخر کار انسان کو ان سے رکنا ہی پڑتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 135)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجلس خدام الاحمدیہ برطانیہ کے اجتماع کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ

" اپنی عفّت و حیا کو قائم رکھنا صرف ایک عورت ہی کا کام نہیں ہے بلکہ مَردوں پر بھی فرض ہے۔ اپنی عفّت کی حفاظت کرنے کا صرف یہ مطلب نہیں کہ ایک شخص شادی شدہ زندگی سے باہر ناجائز جنسی تعلقات سے بچتا رہے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں اس کا یہ مطلب سکھایا ہے کہ ایک مؤمن ہمیشہ اپنی آنکھیں اور اپنے کان ہر اُس چیز سے پاک رکھے جو نامناسب ہے اور اخلاقی طور پر بُری ہے۔ جیسا کہ مَیں نے بیان کیا ہے ایک چیز جو انتہائی بیہودہ ہے وہ پورنوگرافی (pornography) ہے۔ اسے دیکھنا اپنی آنکھوں اور کانوں کی عفّت اور پاکیزگی کو کھو دینے کے مترادف ہے۔"

(خطاب بر موقع نیشنل اجتماع خدام الاحمدیہ یوکے 26 ستمبر 2016ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کے اعلیٰ مدارج کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق دے۔ آمین

(بتعاون: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴾25﴿ ﴾مشاہدات۔1240﴿

ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر11)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَیُحِبُّ الۡمُتَطَهِّرِیۡنَ (البقرہ:223)

یقیناً اللہ کثرت سے توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاک صاف رہنے والوں سے (بھی) محبت کرتا ہے۔

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار
اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب

(درثمین)

معزز سامعین! آج خاکسار ایمان کی ستّر شاخوں میں اُن چند شاخوں کا ذکر اپنی تقریر میں کرے گا جن کا تعلق معاشرے کی فلاح سے ہے۔

معاشرتی فلاح: راستے سے تکلیف دہ چیز (مثلاً کانٹا، پتھر) ہٹا دینا (ایمان کا سب سے ادنیٰ شعبہ)، لوگوں میں صلح کروانا، اور بُرائی سے روکنا۔

راستے سے تکلیف دہ چیز (مثلاً کانٹا، پتھر) ہٹا دینا (ایمان کا سب سے ادنیٰ شعبہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ایمان کی ستّر سے کچھ اوپر شاخیں ہیں، جن میں سب سے افضل ’لا الہ الا اللّٰہ ‘کا اقرار ہے اور سب سے ادنیٰ شاخ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے۔“ (صحیح مسلم)

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! مجھ کو کوئی بات ایسی بتلایئے جس سے میں فائدہ اٹھاؤں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دیا کرو۔

(صحیح مسلم، باب فضل إزالة الاذی عن الطریق)

راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانا صدقہ ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يَمِيطُ الْاَذَىٰ عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ

یعنی راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانا صدقہ ہے۔

(صحیح بخاری جلد 2 صفحہ 133 مطبوعہ: بیروت)

راستہ کے حقوق بیان کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ ، قَالُوا: وَمَا حَقُّهُ؟، قَالَ: غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الْاَذَى، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ

یعنی راستہ کو اس کا حق دو صحابہ کرام نے عرض کیا: راستہ کا کیا حق ہے؟ یا رسول اللہ! فرمایا: نگاہ نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیز ہٹانا اور سلام کا جواب دینا اور اچھائیوں کا حکم دینا، بُرائیوں سے روکنا۔

(صحیح مسلم)

اسلام میں راستہ کے حقوق کا اتنا خیال رکھا گیا ہے کہ جو شخص راستہ پر خرید و فروخت کرے اور اسکی وجہ سے راستہ تنگ ہو تو اس شخص سے خرید و فروخت کرنے سے بھی منع کیا گیا کہ ایسی صورت میں اس سے خریدنا گناہ پر مدد کرنا ہے کیونکہ جب کوئی خریدے گا نہیں تو وہ راستہ میں بیٹھے گا بھی نہیں۔

سامعین! اسلام لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی ترغیب دیتا ہے، حتیٰ کہ ایسے کاموں کا بھی حکم ہے جو بظاہر معمولی نظر آتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظیم الشان ہوتے ہیں۔ راستے کے درمیان حلقہ باندھ کر کھڑے ہونا یا بیٹھنا آداب کے منافی ہے اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ عَلَى الطُّرُقَاتِ

خبردار! راستوں پر نہ بیٹھنا۔ صحابہؓ نے کہا۔ یارسول اللہﷺ! ہمیں ان مجلسوں سے چارہ نہیں۔ ہم ان میں باتیں کرتے ہیں۔ فرمایا: اگر تم ان مجلسوں سے رہ نہیں سکتے تو رستہ کا حق ادا کرو۔

(متفق علیہ)

راستوں یا سرراہ نشست گاہوں میں کوڑا کرکٹ نہ پھینکا جائے۔ نہ ہی کوئی ایذا دینے والی چیز پتھر یا چھلکے وغیرہ پھینکے جائیں۔ بلکہ اگر کوئی کانٹا، ہڈی، چھلکے یا کوئی تکلیف دہ چیز اور راستہ میں رکاوٹ ڈالنے والی چیز پڑی ہو تو اسے ہٹا دینا چاہئے۔ کیونکہ یہ نیکی اور ثواب کا کام ہے اور نفس کو دوزخ کی آگ سے بچانے کا ذریعہ ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" لوگوں کے حقوق کا خیال اور یہ کہ تم اپنے بھائیوں کی بے چینیوں اور تکلیفوں کو دور کرو اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسی شفقت کا سلوک تم سے کرے گا اور تمہاری بے چینیوں اور تکلیفوں کو دور کرے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پر یہ احسان ہے۔ فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت کی چادر میں تمہیں ڈھانپ لے تو بے چین، تکلیف زدہ اور تنگدستوں کو جس حد تک تم آرام پہنچا سکتے ہو، آرام پہنچاؤ تو اللہ تعالیٰ تم سے شفقت کا سلوک کرے گا۔"

(خطبہ جمعہ 12/ستمبر 2003ء)

لوگوں میں صلح کروانا

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ

وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰىہُمَا عَلَی الۡاُخۡرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰہِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا بِالۡعَدۡلِ وَ اَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ۔ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ (الحجرات: 10)

یعنی اور اگر مؤمنوں میں سے دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرواؤ۔ پس اگر ان میں سے ایک دوسری کے خلاف سرکشی کرے تو جو زیادتی کر رہی ہے اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے فیصلہ کی طرف لوٹ آئے۔ پس اگر وہ لوٹ آئے تو ان دونوں کے درمیان عدل سے صلح کرواؤ اور انصاف کرو۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

آج کل ہمیں جو دنیا کے حالات نظر آتے ہیں اُن میں کہیں ملکوں کی آپس میں جنگ ہے، میاں بیوی کے جھگڑے ہیں، کاروباری جھگڑے ہیں، جائیداد کے تنازعات ہیں کہیں پر بھی یہ نظر نہیں آتا کہ ان کو کوئی مِل کر ختم کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں صلح طریق سکھائے ہیں اگر اُن کو اپنا لیں تو دنیا کے فساد ختم ہو سکتے ہیں، دنیا کے جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں۔

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

” مؤمن کے لئے یہ حکم ہے کہ اوّل تو تم ان جھگڑوں سے بچو اور اگر کبھی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ یہ لڑائی جھگڑے آپس میں ہونے لگیں تو دوسرے مؤمن مل بیٹھیں اور ان کی آپس میں صلح کروائیں۔ دونوں کو قائل کریں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر یوں لڑنا اچھا نہیں ہے۔ کیوں اللہ تعالیٰ کے نافرمان بنتے ہو۔ آپس میں ایک دوسرے کو قانون ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک دوسرے سے بدلے لینے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ اگر وہ اس کو سمجھانے سے باز آجائیں اور صلح اور صفائی سے کسی فیصلے پر پہنچ جائیں تو ٹھیک ہے ورنہ پھر جو فیصلہ نہیں مانتا اس کو پھر فرمایا کہ سزا دو۔ اس کو معاشرے میں کوئی مقام نہ دو، اس کے ہمدرد نہ بنو۔“

(خطبہ جمعہ 17/ستمبر 2004ء)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مؤمن بھائی بھائی ہیں۔ ان کو معاشرے میں صلح وصفائی سے رہنا چاہئے اور اگر کبھی رنجش پیدا ہو بھی جائے تو صلح کروانے کے طریق کو اختیار کرو، تمام معاشرہ، ہر فرد جماعت ایک دوسرے کے حق کی حفاظت کرے اور اس کو حق دلوائے۔ لیکن افسوس کہ بعض ایسے فتنہ پرداز بھی ہوتے ہیں کہ باتوں کا مزا لینے کے لئے آپس میں دو اشخاص کو لڑوا دیتے ہیں محض یہ مزا لینے کے لیے کہ دیکھیں یہ کس طرح لڑتے ہیں۔ اگر ایک سے دوسرے کے خلاف کوئی بات سنیں گے تو پھر اور اس کو مرچ مصالحہ لگا کر دوسرے کو بتاتے ہیں۔ تو ایسے لوگ فتنہ پرداز تو ہیں ہی لیکن ساتھ جھوٹے بھی ہیں اس لئے ہمیشہ معاشرے کی اصلاح کے لئے ایک دوسرے کی نیک باتوں کو ایک دوسرے تک پہنچانا چاہئے۔ آپس کے لڑائی جھگڑے اور ناراضگیاں سالہا سال تک چلتی ہیں۔ لیکن ایک مؤمن کے لئے یہ حکم ہے کہ اس کو صلح کرنے میں جلدی کرنی چاہئے۔

حضرت ابو ایوب انصاری کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”یہ کسی شخص کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی سے ملنا جلنا چھوڑے رکھے اور صورت یہ ہو کہ (جب وہ کہیں ایک دوسرے کے سامنے آئیں تو یہ اپنا منہ ادھر کو پھیر لے اور وہ اپنا منہ دوسری طرف پھیر لے (یعنی دونوں ہی ایک دوسر سے سلام و کلام اور ملاقات سے احتراز کریں) اوران دونوں میں بہتر شخص وہ ہے جو (خفگی کو دور کرنے کے لئے اور بحالی تعلقات کی خاطر) سلام میں پہل کرے۔“

(بخاری ومسلم)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

” خدا چاہتا ہے کہ تمہاری ہستی پر پورا پورا انقلاب آوے اور وہ تم سے ایک موت مانگتا ہے جس کے بعد وہ تمہیں زندہ کرے گا۔ تم آپس میں جلد صلح کرو اور اپنے بھائیوں کے گناہ بخشو۔ کیونکہ شریر ہے وہ انسان جو اپنے بھائی کے ساتھ صلح پر راضی نہیں ہے۔ وہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ تفرقہ ڈالتا ہے۔“

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 12)

فرمایا کہ:

”میری نصیحت یہی ہے کہ دو باتوں کو یاد رکھو۔ ایک خدا تعالیٰ سے ڈرو دوسرے اپنے بھائیوں سے ایسی ہمدردی کرو جیسے اپنے نفس سے کرتے ہو اگر کسی سے کوئی قصور اور غلطی سرزد ہو جاوے تو اسے معاف کرنا چاہئے نہ یہ کہ اس پر زیادہ زور دیا جاوے اور کینہ کشی کی عادت بنالی جائے۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 69 الحکم 10 ستمبر 1906)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

” پس ہمیں چاہئے کہ ہم سب ان نصائح پر عمل کرنے والے ہوں۔ یہ جھگڑے، لڑائیاں اور فساد انفرادی ہوں، گروہی ہوں یا ملکی ہوں، ان کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ خدا کے سوا اس دنیا کی مادی چیزوں کو خدا بنایا ہوا ہے پس آج ہر احمدی کو یہ بھی کوشش کرنی چاہئے، یہ بھی عہد کرنا چاہئے کہ دنیا میں صلح کاری کی بنیاد ڈالنے کے لئے آپس میں صلح کو رواج دینے کے لئے ان دنیاوی خداؤں کو بھی توڑنا ہوگا اور اس میں ہماری

بقاہے، اسی میں ہماری زندگی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں دعا سکھائی ہے۔ اس کا مَیں پہلے ذکر کر آیا ہوں کہ ہدایت کے بعد ہمارے دل کہیں ٹیڑھے نہ ہو جائیں۔ یہ دعا کرتے رہنا چاہئے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی ہو سکتا ہے۔ پس اللہ سے فضل مانگتے رہیں۔ اس سے رحم مانگتے رہیں۔ اس کے حکموں کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔"

(خطبہ جمعہ 17/ ستمبر 2004ء)

بُرائی سے روکنا

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ

(آل عمران:115)

یعنی وہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور یومِ آخر پر اور اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بُری باتوں سے روکتے ہیں اور نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہی ہیں وہ جو صالحین میں سے ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: راستوں میں بیٹھنے سے بچتے رہنا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمیں ایسی جگہوں پر بیٹھنے کے سوا چارہ کار نہیں کیونکہ ہم بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں۔ فرمایا: اگر تمہارا راستوں میں بیٹھنا ضروری ہے تو راستے کا حق ادا کر دیا کرو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ! راستے کا حق کیا ہے؟ فرمایا: نظریں نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیز کا (راستہ سے) ہٹا دینا، سلام کا جواب دینا، اچھی باتوں کا حکم دینا اور بُری باتوں سے منع کرنا۔

(صحیح بخاری، کتاب الاستئذان)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کی آزمائش اس کے اہل وعیال، اس کے مال اور اس کے پڑوس (کے معاملات) میں ہے جس کا ازالہ نماز، خیرات وصدقات، (دوسروں کو) اچھی بات کا حکم دینے اور بُری بات سے روکنے میں مضمر ہے۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب)

ایک اور بہت مشہور حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو کسی بُرائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکنے کی کوشش کرے اور اگر اپنے ہاتھ سے نہ روک سکے تو اپنی زبان سے روکے اور اگر اپنی زبان سے بھی روکنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو (کم از کم اس بُرائی کو) اپنے دل میں بُرا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الایمان)

سامعین! معاشرتی بُرائیوں جیسا کہ چوری، جھوٹ، زنا، بد دیانتی، بد ظنی، حسد کرنا، لغو باتیں کرنا وغیرہ کو روکنا ایک مؤمن کی نہ صرف انفرادی کوشش ہونی چاہیے بلکہ تمام مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری بھی ہے۔ خاکسار نے جو آخری حدیث بیان کی ہے اُس میں بُرائی کو روکنے کے تین درجے بیان کیے گئے ہیں۔ نمبر ایک ہاتھ سے یعنی طاقت سے جس میں وہ لوگ شامل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے طاقت واقتدار سے نوازا ہے یعنی بادشاہ وحاکم وغیرہ، چنانچہ طاقت واقتدار رکھنے والے مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے حلقہ اثر واقتدار میں سختی وشدّت کے ساتھ بُرائیوں کی سرکوبی کریں اور بُرائیوں کا ارتکاب کرنے والوں کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں۔ دوسرے نمبر پر زبان سے روکا جائے۔ اِس کا تعلق علماء سے بھی ہو سکتا ہے یعنی یہ اہلِ علم کا فرض ہے کہ وہ جن بُرائیوں کو دیکھیں اپنے وعظ ونصیحت کے ذریعہ ان کی مذمّت کریں اور عوام کو تلقین ونصیحت کے ذریعہ ان بُرائیوں سے روکیں۔ تیسرا درجہ ہے کہ دل میں اُن کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اُن کو بُرائیوں سے روکے اور ہدایت کا راستہ دکھائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم ضرور امر بالمعروف کرو اور تم ضرور ناپسندیدہ باتوں سے منع کرو۔ ورنہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل کرے اور عذاب نازل ہونے کے بعد تم دعا کرو گے مگر تمہاری دعا قبول نہیں کی جائے گی۔

(ترمذی، ابواب الفتن باب ماجاء فی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر)

اِس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آئندہ آنے والی ہر مصیبت سے بچنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک مؤمن نیک باتوں کی طرف لوگوں کو بلائے اور بُرائیوں سے انہیں روکے۔ کیونکہ اگر بُرے کام سے روکیں گے نہیں تو اس کام کو نہ کرنے کی وجہ سے عذاب بھی نازل ہو سکتا ہے اور پھر دعائیں بھی قبول نہیں ہوں گی۔ اس کا یہ بھی مطلب ہے

کہ یہ نیک کام کرنے کی وجہ سے دعائیں بھی قبول ہوں گی اور تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل بھی ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیک باتوں کے کرنے اور پھیلانے اور اسی طرح بُرائی سے رُکنے اور دوسروں کو روکنے کے بارے میں اس طرح توجہ فرماتے تھے کہ آپ نے نیک کام نہ کرنے والے سے لاتعلقی کا اظہار فرمایا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی بات پر بھی فرمایا کرتے تھے کہ نیکیاں کرو اور نیکیاں بجالاؤ۔

سامعین! نیکیاں کرنے اور بُرائیوں سے روکنے کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”پس زبان کو جیسے خدا تعالیٰ کی رضامندی کے خلاف کسی بات کے کہنے سے روکنا ضروری ہے۔ اسی طرح امرِ حق کے اظہار کے لئے کھولنا لازمی امر ہے۔ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران:115) مؤمنوں کی شان ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے سے پہلے ضروری ہوتا ہے کہ انسان اپنی عملی حالت سے ثابت کر دکھائے کہ وہ اس قوّت کو اپنے اندر رکھتا ہے کیونکہ اس سے پیشتر کہ وہ دوسروں پر اپنا اثر ڈالے اس کو اپنی حالت اثر انداز بھی تو بنانی ضروری ہے۔ پس یاد رکھو کہ زبان کو امر بالمعروف اور نھی عن المنکر سے کبھی مت روکو۔ ہاں محل اور موقع کی شناخت بھی ضروری ہے اور اندازِ بیان ایسا ہونا چاہئے جو نرم ہو اور سلاست اپنے اندر رکھتا ہو اور ایسا ہی تقویٰ کے خلاف بھی زبان کا کھولنا سخت گناہ ہے“۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 281-282)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

” اس لئے ہر احمدی کو جو نیکیوں کی تلقین دوسروں کو کرتا ہے خود بھی ان نیکیوں پر عمل کرنا چاہئے۔ اور خاص طور پر جن کے سپرد جماعت کی طرف سے یہ کام ہوتا ہے ان کو تو بہت زیادہ محتاط ہونا چاہئے اور اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کے حضور جھکتے ہوئے، اس کا فضل مانگنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

اگر یہ انذار سن کر کسی کو یہ خیال آئے کہ پھر تو بہتر ہے کہ مَیں خاموش رہوں اور کبھی نیکیوں کی تعلیم نہ دوں اور نہ بُری باتوں سے روکوں جب تک کہ مَیں خود اس قابل نہیں ہو جاتا۔ اگر یہ خیال آئے گا تو انسان اپنی اصلاح سے

بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ تعلیم دینا بھی ضروری ہے کیونکہ یہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے۔ پس ہر ایک کے لئے ضروری ہے کہ وہ نیکیوں کی تعلیم بھی دے اور ساتھ ساتھ اپنا محاسبہ بھی کرتا رہے، اپنا جائزہ بھی لیتا رہے کہ میری اصلاح ہو رہی ہے کہ نہیں۔ یہ انتہائی ضروری امر ہے۔"

(خطبہ جمعہ 6/ مئی 2005ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصائح پر عمل کی توفیق دے۔ آمین

(بتعاون: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴿26﴾ ﴿مشاہدات۔1245﴾

ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر 12)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۚ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا (النساء:136)

ہر اِک نیکی کی جڑ یہ اِتّقا ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

(درثمین)

معزز سامعین! آج کی تقریر کے لیے خاکسار نے ایمان کی جو چند شاخیں چُنی ہیں اُن میں خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا، معاملات (عہد وپیمان) کو پورا کرنا اور لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرنا شامل ہیں۔

خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ فَاذْكُرُوْنِیْۤ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (البقرہ:153)

یعنی میرا ذکر کیا کرو مَیں بھی تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔

احادیث میں ذکر ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکعات کو بہت لمبا کرتے جن میں سورۃ البقرہ، سورۃ آل عمران کی تلاوت فرماتے۔ آپؐ کے اتنا لمبا کھڑا ہونے سے آپؐ کے پاؤں سوج جاتے۔ آپؐ کے رکوع و سجود بھی بہت طویل ہوتے۔ ایسے لگتا جیسے ہنڈیا سے پانی اُبلنے کی آواز آپؐ کے سینے سے

آرہی ہو اور جب آپؐ سے کہا گیا کہ جب خدا نے آپؐ کو بخش دیا ہوا ہے تو پھر اتنی لمبی عبادت کیوں بجا لاتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا اَفَلا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا۔

(مسلم، شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ 108 حدیث 251)

کہ اگر خدا کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ اُس نے میری تمام کمزوریوں پر پردہ ڈال دیا ہے اور میرے استغفار کو قبول کیا ہے تو کیا مَیں اِن احسانات کا شکر ادا کرنے میں لمبی نمازیں نہ پڑھوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ اس بات سے (بھی) راضی ہوتا ہے کہ بندہ کھانا کھا کر اس کا شکر ادا کرے یا پانی پی کر اس کا شکر ادا کرے۔

(صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار)

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تمام نعمتوں کا اقرار دل سے، زبان سے اور عمل سے کرنا ہمارے لیے بہت ضروری ہے کیونکہ ایسا نہ کرنا اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ اسی لیے جیسے ہی یہ آیت فَبِأَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ پڑھی گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ ادا کیے :لَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے ہمارے ربّ! ہم تیری کسی بھی نعمت کا انکار نہیں کرتے۔ پس سب تعریف تیرے لیے ہے۔

سامعین! شکر یہ ہے کہ انسان نہ صرف خدا کی عطا کی ہوئی نعمت کو پہچانے، اس کا اقرار کرے بلکہ نعمت دینے والے کے لیے عاجزی اختیار کرے، اس سے محبت کرے اور اس نعمت کے دینے والے کے احکامات پر عمل کرے۔ اس کے مطابق انسان نہ صرف اپنے ربّ کا احسان مند ہوتا ہے بلکہ ان تمام لوگوں کا بھی احسان مانتا ہے جن سے اسے کسی قسم کی خیر پہنچتی ہے۔ جب بندہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے تو یہ اس کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اعتراف اور دنیا وآخرت کی خیر اور بھلائیوں کا اقرار ہے۔ نیز یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بندہ اپنے ربّ سے راضی ہے۔ اگر ہم شکر گزاری کے اس مفہوم کے مطابق خود کو پرکھیں تو بڑی آسانی سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہم ایک شکر گزار انسان ہیں یا ناشکرے۔

سامعین! یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وہ انسان کی روحانی ترقی کے بھی سامان فرماتا ہے اور دنیاوی ترقی کے بھی سامان فرماتا ہے۔ پس ایک مؤمن جب یہ دونوں طرح کے فضل اللہ تعالیٰ کی طرف سے برستے دیکھے تو اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری میں پہلے سے زیادہ بڑھے اور خدا تعالیٰ کی شکر گزاری کا سب سے بہترین طریق اس کے بتائے ہوئے طریق کے مطابق اس کی عبادت کرنا ہے جسے ہر وقت ہر مؤمن کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔ اس کے آگے جھکنا ہے اور اپنے ہر کام کے نیک نتائج کو خدا تعالیٰ کی ذات کی طرف منسوب کرنا ہے، اس کے فضل کی طرف منسوب کرنا ہے اور یہی حقیقی مؤمن کہلاتے ہیں جو اس سوچ کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہوتے ہیں۔ ہمیں اس بات پر بھی اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اُس نے انسان کو بے انتہا استعدادوں کے ساتھ پیدا کیا اور پھر اُس کو بیان کرنے کی طاقت بھی عطا فرمائی۔ وہ ساری قوتیں اور طاقتیں عطا فرمائیں جو ہمیں حیوانوں سے ممتاز کرتی ہیں۔ انسان کو عقل دی، علم دیا جس سے وہ تحقیق کے مراحل طے کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی قدرت کی گواہی دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو جو اشرف المخلوقات بنایا ہے تو اس کی پرورش کے لئے اپنی نعمتیں بھی اُتاری ہیں۔ ہمیں یہ خیال نہیں آنا چاہئے کہ جو رزق مہیا ہو رہا ہے یہ اللہ کے سوا کوئی اور مہیا کر رہا ہے۔ اس رزق کا پیدا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے جو ربُّ العالمین ہے۔ زمین جو رزق پیدا کر رہی ہے اس رزق کے پیدا کرنے کے لئے بھی آسمان کی مدد کی ضرورت ہے۔ آسمانی پانی نہ ہو تو زمینی پانی بھی خشک ہو جاتا ہے۔ پس زمین سے رزق پیدا کرنے والا بھی خدا ہے اور آسمان سے ان ذرائع کا پیدا کرنے والا بھی خدا ہے جو زمینی رزق پیدا کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں اور ہمیں اُس رازق کا ہر لمحہ شکر گزار بننا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ فضلوں پر ہم کس طرح شکر گزار ہو سکتے ہیں، اس بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

”تمہارا اصل شکر تقویٰ اور طہارت ہی ہے۔ اگر تم نے حقیقی سپاس گزاری یعنی طہارت اور تقویٰ کی راہیں اختیار کر لیں تو مَیں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ تم سرحد پر کھڑے ہو، کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا۔“

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 49۔ ایڈیشن 2003ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ طور پر یہ عرض کیا ہے کہ "کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر وسپاس"۔ ہر لحہ ہمیں خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اپنے دل ودماغ کو اسی آس سے تازہ رکھنا چاہئے۔ ہر لحہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی یاد سے اپنی زبانوں کو تر رکھ کر اپنی شکر گزاری کا اظہار کرنا چاہئے۔ ہر لحہ ہمیں اپنے عملوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ڈھال کر اپنے جسم کے ذرّہ ذرّہ کو خدا تعالیٰ کا شکر گزار بنانا چاہئے اور پھر جب ہماری یہ حالت ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ بھی ہمیں اپنی رحمتوں اور فضلوں کی چادر میں مزید لپیٹ لے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ۔ پس تم میرا ذکر کیا کرو مَیں بھی تمہیں یاد رکھوں گا۔ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۔ اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔ پس جب بندہ خدا تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا کوئی عمل بغیر جزاء کے نہیں جانے دیتا بلکہ کئی سو گنا تک جزاء دیتا ہے۔"

(خطبہ جمعہ یکم جولائی 2011ء)

معاملات (عہد وپیمان) کو پورا کرنا

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنے برگزیدہ بندوں کی ایک صفت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ:

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا (البقرہ:178)

کہ جب وہ کوئی وعدہ کریں تو اسے پورا کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک اور موقع پر عوام الناس کو نصیحت کے رنگ میں حکماً فرمایا:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل:35)

کہ اپنے وعدوں کو پورا کرو یقیناً ہر ایک عہد سے متعلق پوچھا جائے گا۔

ایک مؤمن کے ایمان کا یہ اٹل حصّہ ہے کہ وہ اپنا عہد، اپنا وعدہ نبھائے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا وعدہ نبھانے میں ہمارے لیے ایک مثال تھے۔ صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ کفار کو بھی آپؐ کے وعدوں پر اعتبار ہوتا تھا۔ ہمیں تاریخ میں کئی مثالیں ملتی ہیں۔ اس امر کی واضح شہادت ہمیں صلح حدیبیہ کے موقع پر ملتی ہے جب معاہدہ میں یہ بات طے پائی کہ مدّت صلح (جو دس سال تھی) کے دوران جو بھی کفار کی طرف

سے مسلمان ہو کر آپؐ کے پاس آئے گا اسے واپس کیا جائے گا۔ چنانچہ جب سہیل کا بیٹا ابو جندل مسلمان ہو کر آپؐ کے پاس آیا تو آپؐ نے اپنے وعدے کی پاسداری کرتے ہوئے اسے واپس بھیج دیا۔

(بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیہ)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ خلافی کرنے والے کو منافق کہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منافق وہ ہے جو وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الشہادات)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ انصاف کے کٹہرے میں سب سے پہلے اپنی ذات کو کھڑا کیا۔ جب کبھی کسی نے آپؐ سے زیادتی کے بدلہ کا مطالبہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ آگے بڑھ کر اُس کی بات کو پورا کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

” مؤمن وہ ہیں جو اپنی امانتوں اور عہدوں کی رعایت رکھتے ہیں یعنی ادائے امانت اور ایفائے عہد کے بارہ میں کوئی دقیقہ تقویٰ اور احتیاط کا باقی نہیں چھوڑتے۔“

(ضمیمہ براہین احمدیہ جلد پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 239)

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

” انسان کی پیدائش میں دو قسم کے حسن ہیں۔ ایک حسن معاملہ اور وہ یہ کہ انسان خدا تعالیٰ کی تمام امانتوں اور عہد کے ادا کرنے میں یہ رعایت رکھے کہ کوئی امر حتی الوسع ان کے متعلق فوت نہ ہو۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ کے کلام میں رَاعُون کا لفظ اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ایسا ہی لازم ہے کہ انسان مخلوق کی امانتوں اور عہد کی نسبت بھی یہی لحاظ رکھے یعنی حقوق اللہ اور حقوقِ عباد میں تقویٰ سے کام لے۔ یہ حسن معاملہ ہے۔ یا یوں کہو کہ روحانی خوبصورتی ہے۔“

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 218)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" آج کل کے معاشرے میں ایک یہ بھی بیماری عام ہے کہ بات کرو تو مُکر جاؤ، وعدہ کرو تو اسے پورا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لو، جب کوئی عہد کرو تو اس کو توڑنے کے بہانے تلاش کرو کیونکہ دوسری طرف بہتر مفاد نظر آرہا ہوتا ہے اور یہ باتیں انفرادی طور پر بھی اور جہاں پانچ دس افراد اکٹھے مل کر کام کر رہے ہوں، کوئی مشترکہ کاروبار ہو وہاں بھی اور بد قسمتی سے ملک ملک سے بھی جب معاہدے کرتے ہیں تو بدعہدی اور زیادتی کر رہے ہوتے ہیں۔ خاص طور پر جب کسی امیر ملک اور غریب ملک میں کوئی معاہدہ ہو تو بعض دفعہ اپنے مفاد منوانے کی خاطر دباؤ ڈالتے ہیں اور اگر دباؤ میں آنے سے کوئی انکاری ہو تو پھر معاہدوں میں بدعہدیاں شروع ہو جاتی ہیں تو بہرحال یہ ایک ایسی برائی ہے جو شخصی معاہدوں سے لے کر بین الاقوامی معاہدوں تک حاوی ہے، سب تک پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہم سے کیا چاہتا ہے۔ فرمایا اگر تم میری محبت چاہتے ہو، یہ چاہتے ہو کہ مَیں تم سے راضی رہوں، یہ چاہتے ہو کہ مُیں تمہاری دعاؤں کو سنوں تو تقویٰ اختیا کرو، مجھ سے ڈرو، میری تعلیم پر عمل کرو۔ اور تعلیم میں سے بھی ایک بہت اہم تعلیم اپنے عہد کو پورا کرنا ہے، اپنے وعدوں کا پاس رکھنا ہے۔ تو قرآن کریم نے مختلف پیرایوں میں، مختلف حالات میں عہد کی جو صورتیں ہو سکتی ہیں ان پر روشنی ڈالی ہے۔ فرماتا ہے کہ نیکیاں قائم کرنے کے لئے حقوق اللہ اور حقوق العباد بھی ادا کرو اور ان کو ادا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے کئے گئے عہد کو بھی پورا کرو اور بندوں سے کئے گئے معاہدوں اور وعدوں پر بھی عملدرآمد کرو"

(خطبہ جمعہ 27۔ فروری 2004ء)

عدل وانصاف

سامعین! جس آیت کی مَیں نے تقریر کے آغاز تلاوت کی ہے اُس کا ترجمہ یہ ہے کہ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر گواہ بنتے ہوئے انصاف کو مضبوطی سے قائم کرنے والے بن جاؤ خواہ خود اپنے خلاف گواہی دینی پڑے یا والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف۔ خواہ کوئی امیر ہو یا غریب دونوں کا اللہ ہی بہترین نگہبان ہے۔ پس اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو مبادا عدل سے گریز کرو اور اگر تم نے گول مول بات کی یا پہلو تہی کر گئے تو یقیناً اللہ جو تم کرتے ہو اس سے بہت باخبر ہے۔

سامعین! اللہ تعالیٰ نے جس طرح اور جس معیار کے عدل وانصاف کے نمونے قائم کرنے کی مسلمانوں کو ہدایت فرمائی ہے کسی اور مذہبی کتاب میں یہ معیار موجود نہیں ہے۔ لیکن افسوس اِس بات کا ہے کہ انصاف عدل ایمان کا حصہ ہونے کے باوجود ایک بڑا طبقہ مسلمانوں کا اِس پر صحیح طرح عمل نہیں کرتا اپنے فائدے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں، غلط گواہیاں دیتے ہیں۔ بعض اوقات عدالتیں بھی انصاف نہیں کرتیں جس کی وجہ سے معاشرے میں کئی بُرائیاں جنم لیتی ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت میں تو بچپن سے ہی عدل وانصاف کا پاکیزہ جذبہ سمندر کی طرح موجزن تھا اور جب اس منصف مزاج وجود پر عدل وانصاف پر مبنی قرآن کی نورانی شریعت اُتری تو نُوْرٌ عَلَى نُوْرٍ کا نظارہ دنیا نے دیکھا۔ قرآن شریف نے معاشرتی، معاشی اور مذہبی ہر پہلو سے اور ہر سطح پر قیام عدل کے ایسے اصول قائم فرمائے ہیں جن کے نتیجے میں بانئ اسلامؐ نے حقیقی بین الاقوامی عدل قائم کرکے دکھایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انصاف اور عدل کا نمونہ ہمیں ہر جگہ نظر آتا ہے۔ آپ کسی لمحہ بھی انصاف کرنے سے پیچھے نہیں ہٹے اور صحابہؓ کو بھی اسی نمونے پر عمل کرنے کی تلقین کی مثلاً اولاد سے عدل، بیویوں سے عدل، مظلوم خواتین سے عدل، مجبور غلاموں سے عدل وغیرہ۔

سامعین! دیکھیں! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل وانصاف کو قائم کرتے ہوئے ایک یہودی اور ایک مسلمان کے معاملے کا کس طرح فیصلہ فرمایا۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک یہودی کا ایک صحابی کے ذمہ چار درہم کا قرض تھا جس کی میعاد ختم ہوگئی تھی۔ اُس یہودی نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ اِس شخص کے ذمہ میرا چار درہم قرض ہے اور یہ مجھے ادا نہیں کرتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس صحابی کو بلایا جن کا نام عبداللہ تھا اور انہیں کہا کہ اس یہودی کا حق دے دو۔ حضرت عبداللہ نے عرض کی کہ اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے مجھے قرض ادا کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ یہ ٹھیک ہے۔ مَیں نے دینا ہے لیکن اِس وقت طاقت نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ انہیں فرمایا کہ اس شخص کا قرض واپس کرو۔ عبداللہ نے پھر وہی عرض کیا اور عرض کی کہ مَیں نے اسے کہہ دیا ہے کہ آپ ہمیں خیبر بھجوائیں گے اور مال غنیمت میں سے کچھ حصہ دیں گے اور واپس آکر مَیں اس کا قرض

چکادوں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ اس کا حق ادا کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات تین دفعہ فرما دیتے تھے تو وہ قطعی فیصلہ سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ اسی وقت بازار گئے۔ انہوں نے ایک چادر بطور تہ بند کے باندھی ہوئی تھی اور سر کا کپڑا بھی تھا۔ سر کا کپڑا اُتار کر انہوں نے تہ بند کی جگہ باندھ لیا اور چادر چار درہم میں بیچ کر قرض ادا کر دیا۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ 336 حدیث 15570 مسند ابن أبي حدرد الاسلمی ؓ)

سامعین! ہمارے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی انصاف کے بارے میں کئی مثالیں ہیں یہاں ایک مثال پیش کرتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوے سے بہت پہلے جوانی کے زمانے کا ایک واقعہ روایات میں آتا ہے کہ ایک دفعہ اپنے والد کے مزارعین کے خلاف ایک مقدمے میں آپ پیش ہوئے اور حق وانصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے حق بات کی جس کا فائدہ مزارعین کو ہوا اور ان کے والد کا نقصان ہوا۔ آپ کے وکیل نے آپ کو پہلے کہا بھی کہ جس طرح مَیں کہتا ہوں اگر اس طرح گواہی نہ دی تو نقصان ہو گا۔ آپ نے فرمایا کہ جو بھی ہو جو حق بات ہے مَیں تو وہی بتاؤں گا۔ تو بہرحال جج نے مزارعین کے حق میں ڈگری دے دی اور دیکھنے والے بتاتے ہیں کہ مقدمہ کے ہارنے کے بعد، جب آپ کے خلاف فیصلہ ہو گیا اور آپ عدالت سے واپس ہوئے تو اس طرح خوش خوش واپس آرہے تھے کہ لوگ جن کو اس فیصلہ کا پتا نہیں تھا وہ سمجھے کہ شاید آپ مقدمہ جیت کر واپس آرہے ہیں۔

(ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد اوّل صفحہ 72 تا۔ 73 آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 298)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ سورۃ النساء کی آیت 136 کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

" پس یہ وہ حکم ہے عدل کے معیار قائم کرنے کا۔ ذاتی گھریلو معاملات میں بھی اور معاشرتی معاملات میں بھی کہ جیسے بھی حالات ہو جائیں انصاف اور عدل پر ہمیشہ قائم رہنا ہے۔ مؤمنوں کو یہ حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاطر اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق مؤمن کی گواہی ہونی چاہئے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان ہو ایمان کا معیار انتہائی اعلیٰ درجہ کا ہو اور مضبوط ہو۔ اس بات پر انسان قائم ہو کہ جو

بھی حالات مجھ پر گزر جائیں مَیں نے انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنا ہے اور یہ مضبوطی اسی وقت پیدا ہوتی ہے یا اس کی مضبوطی کا تبھی پتا لگے گا جب انسان اپنے خلاف بھی گواہی دینے کے لئے تیار ہو۔ اپنے بیوی بچوں کے خلاف بھی گواہی دینے کے لئے تیار ہو۔ اپنے والدین کے خلاف بھی اگر ضرورت پڑے تو گواہی دینے کے لئے تیار ہو۔ قریبی رشتہ داروں کے خلاف بھی گواہی دینی پڑے تو تیار ہو۔ فرمایا کہ خواہشات کی پیروی عدل سے دُور کرتی ہے۔ اگر اپنی خواہشات کی پیروی کرنے لگ گئے تو عدل اور انصاف سے دُور ہو جاؤ گے۔"

پھر آپ ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

"مؤمن کا یہ کام کبھی نہیں ہے کہ انصاف قائم نہ کرے۔ مؤمن کا یہ کام ہے کہ انصاف قائم کرے اور تقویٰ سے کام لے اور اپنا معاملہ خدا تعالیٰ پر چھوڑے جو ہر چیز سے باخبر ہے۔ ایک حقیقی مؤمن کا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو مضبوطی سے پکڑے اور اس پر قائم ہو اور اس میں ذرہ برابر بھی لاپرواہی نہ ہو۔ ایک حقیقی مسلمان کا نمونہ بن کر دکھانا ایک مؤمن کے لئے ضروری ہے کہ اس کا ہر عمل اور فعل خدا تعالیٰ کی خاطر ہو۔ یہ حقیقی مسلمان کی نشانی ہے۔ ایک حقیقی مؤمن کی نشانی ہے۔ انصاف کی تائید میں گواہ بننے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اسلامی تعلیم پر ایسے کاربند ہو، اس طرح عمل کرو کہ تمہارا عمل یا عملی نمونہ لوگوں کے لئے، دوسرے مذاہب کے لئے، معاشرے کے لئے ایک مثال بن جائے۔ دوسری قوموں کے لئے مثال بن جائے۔"

(خطبہ جمعہ 10/ نومبر 2017ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(بتعاون: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴾27﴿ ﴾مشاہدات۔1246﴿

ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر13)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِيْبًا (النساء:87)

یعنی اگر تمہیں کوئی خیر سگالی کا تحفہ (سلام) پیش کیا جائے تو اس سے بہتر پیش کیا کرو یا وہی لَوٹا دو۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔

ڈھونڈو وہ راہ جس سے دل و سینہ پاک ہو
نفسِ دنی خدا کی اطاعت میں خاک ہو
ملتی نہیں عزیزو! فقط قصّوں سے یہ راہ
وہ روشنی نشانوں سے آتی ہے گاہ گاہ

(درثمین)

سامعین! آج خاکسار ایمان کی ستّر شاخوں میں سے جن کا ذکر کرنا چاہتا ہے اُن میں سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، اہل قبلہ میں سے مرنے والوں پر نماز جنازہ کی ادائیگی شامل ہیں۔

سلام کا جواب دینا

یہ اتنا اہم اور بابرکت حکمِ الٰہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر سلامتی بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ ایک کا ذکر مَیں اوپر تلاوت کر آیا ہوں جو بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے سے قبل السلام علیکم کہہ کر اجازت لینے کے متعلق ہدایت دیتے ہوئے فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ بُیُوۡتِکُمۡ حَتّٰی تَسۡتَاۡنِسُوۡا وَتُسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَهۡلِهَا ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ (النور:28)

یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو یہاں تک کہ تم اجازت لے لو اور ان کے رہنے والوں پر سلام بھیج لو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے تا کہ تم نصیحت پکڑو۔

پھر اِسی طرح اپنے گھروں میں داخل ہوتے وقت سلام کرنے کی ہدایت یوں دی:

فَاِذَا دَخَلۡتُمۡ بُیُوۡتًا فَسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ تَحِیَّةً مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُبٰرَکَةً طَیِّبَةً ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ (النور:62)

یعنی جب تم گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں پر اللہ کی طرف سے ایک بابرکت پاکیزہ سلامتی کا تحفہ بھیجا کرو۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے آیات کو کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم عقل کرو۔

ایک دوسرے پر السلام علیکم کہہ کر سلامتی بھیجنا دراصل اسلامی شعار ہے۔ ایک بندے کی اپنے ربّ سے ملاقات کے وقت جو تحفہ اور دُعا بندے کو ملے گی وہ یہی سلام کا تحفہ ہو گا۔

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو سلام کو عام کرنے، اِسے معاشرے میں رواج دینے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ

(مسلم کتاب الایمان)

کہ آپس میں سلام کو پھیلاؤ۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر سلام کو رواج دینے کو آپس میں محبت بڑھنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

(مسلم کتاب الایمان)

ایک موقع پر گھروں میں سلام کر کے داخل ہونے اور اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو اپنے نفس پر سلامتی بھیج کر ایک بار سورۃ اخلاص پڑھنے کا ذکر کر کے فرمایا۔ اِس سے محتاجی دُور ہوتی ہے۔

(روح البیان تفسیر سورۃ اخلاص)

ایک دفعہ کسی شخص نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اندر آنے کی اجازت ''اندر آجاؤں'' کے الفاظ سے چاہی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھجوایا کہ اِسْتِیْذَان چاہنے کے لئے ''السلام علیکم'' کہا کرو۔

(ابوداؤد کتاب الادب)

حضرت کَلدہ بن حنبلؓ ایک دفعہ السلام علیکم کہے بغیر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اندر آگئے۔ آپؐ نے فرمایا واپس جاؤ اور السلام علیکم کہہ کر پوچھو۔ مَیں اندر آجاؤں؟

(ابوداؤد کتاب الادب)

حتّٰی کہ آپؐ نے فرمایا کہ تین دفعہ السلام علیکم کہہ کر اجازت چاہو۔ اگر جواب نہ ملے تو واپس چلے آؤ۔
ہر کس وناقص اور واقف اور ناواقف دونوں کو سلام کرنا چاہئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
تَقْرَءُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِف
کہ سب کو سلام کہو خواہ کوئی واقف ہو یا ناواقف۔

(حدیقۃ الصالحین صفحہ:482)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک شخص آیا اس نے کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ۔ آپؐ نے فرمایا عَشْرٌ۔ دوسرا آیا اور کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ آپؐ نے فرمایا عِشْرُوْنَ۔ تیسرا آیا اور کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتَہُ آپؐ نے فرمایا ثَلَثُوْنَ۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! اس کا کیا مطلب ہے؟ آپؐ نے فرمایا جس نے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا اس کے نام دس نیکیاں ہیں۔ جس نے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ کہا اس کے نام بیس نیکیاں ہیں اور جس نے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتَہُ کہا اس کے نام تیس نیکیاں لکھی گئیں۔

(ترمذی ابواب الاستذان والادب باب ما ذکر فی فضل السلام)

سامعین! معراج کی رات حضرت جبرائیل علیہ السلام جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے حضور لے گئے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے حبیبِ کبریاء کی شان و عظمت میں اَلتَّحِیَاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ

والطَّيِّبَات کے کلمات کو قبول فرماتے ہوئے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ کے یہ دعائیہ الفاظ کہے کہ اے نبی ! ہر قسم کی سلامتی تجھ پر ہمیشہ نازل ہوتی رہے اور اللہ کی طرف سے رحمتیں اور برکتیں بھی تجھ پر نازل ہوں۔

(آداب حیات از لجنہ کراچی صفحہ:205)

حضرت مرزا بشیر احمدؓ صاحب بیان کرتے ہیں کہ

”حضرت مسیح موعودؑ کا یہ دستور تھا کہ آپؑ اپنے تمام خطوط میں بسم اللہ اور السلام علیکم لکھتے تھے اور خط کے نیچے دستخط کر کے تاریخ بھی ڈالتے تھے۔ مَیں نے کوئی خط آپؑ کا بغیر بسم اللہ اور سلام اور تاریخ کے نہیں دیکھا اور آپ کو سلام لکھنے کی اتنی عادت تھی کہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ آپؑ ایک دفعہ کسی ہندو مخالف کو خط لکھنے لگے تو خود بخود السلام علیکم لکھا گیا۔ جسے آپؑ نے کاٹ دیا۔ لیکن پھر لکھنے لگے تو پھر سلام لکھا گیا چنانچہ آپؑ نے دوسری دفعہ اُسے پھر کاٹا لیکن جب آپ تیسری دفعہ لکھنے لگے تو پھر ہاتھ اسی طرح چل گیا۔ آخر آپؑ نے ایک اور کاغذ لے کر ٹھہر ٹھہر کر خط لکھا۔“

(سیرت المہدی، جلد اول صفحہ 270، روایت نمبر 299)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”جہاں احمدی اکٹھے ہوں وہاں تو سلام کو رواج دیں۔ خاص طور پر ربوہ، قادیان میں اور بعض اور شہروں میں بھی اکٹھی احمدی آبادیاں ہیں ایک دوسرے کو سلام کرنے کا رواج دینا چاہئے۔ مَیں نے پہلے بھی ایک دفعہ ربوہ کے بچوں کو کہا تھا کہ اگر بچے یاد سے اس کو رواج دیں گے تو بڑوں کو بھی عادت پڑ جائے گی۔ پھر اسی طرح واقفین نو بچے ہیں۔ ہمارے جامعہ نئے کھل رہے ہیں۔ ان کے طلباء ہیں اگر یہ سب اس کو رواج دینا شروع کریں اور ان کی یہ ایک انفرادیت بن جائے کہ یہ سلام کہنے والے ہیں تو ہر طرف سلام کا رواج بڑی آسانی سے پیدا ہو سکتا ہے اور ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔“

(خطبات مسرور جلد دوم صفحہ 636)

بیمار کی عیادت کرنا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ (الشعراء:81)

یعنی جب مَیں بیمار ہوتا ہوں تو وہی ہے جو مجھے شفا دیتا ہے۔

سامعین! ہر انسان کسی نہ کسی وقت بیمار ضرور ہوتا ہے اور اُس کو شفا دینے والا بھی اللہ ہے لیکن کسی بھی مریض کی عیادت اور بالخصوص مسلمان مریض کی عیادت کرنا حقوق مسلم میں سے ہے جو کہ سنّت یا مستحبّ ہے۔ مریض کی عیادت کرنے سے مریض کو حوصلہ ملتا ہے اور باہم محبت بڑھتی ہے۔ انسان جب بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو اسے جو بے چینی اور تکلیف ہوتی ہے وہی جانتا ہے۔ مصیبت اور پریشانی کے اس عالم میں اگر کوئی اس کی خیریت معلوم کرتا ہے، اُس کی ڈھارس بندھاتا ہے۔ اُس کی خدمت کرتا ہے تو اسے بڑا سہارا محسوس ہوتا ہے۔ مریض کی آدھی تکلیف دور ہو جاتی ہے۔ پھر اس کا یہ احساس اسے بڑا حوصلہ دیتا ہے کہ بیماری میں اس کی خدمت کرنے والے لوگ موجود ہیں۔ اس احساس کی وجہ سے اسے نفسیاتی طور پر صحتیاب ہونے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

اسلام نے مریض کی عیادت کرنے پر بڑا زور دیا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح الفاظ میں حکم دیا: ”مریض کی عیادت کیا کرو“

(ابوداؤد)

ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیمار کی عیادت پر اُبھارتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”جب بھی کوئی مسلمان صبح کو کسی مسلمان کی عیادت کرتا ہے تو شام تک پچاس ہزار فرشتے اس کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں اور اگر شام کو عیادت کرتا ہے تو صبح تک پچاس ہزار فرشتے اس کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں اور جنّت میں اس کے لیے چُنے ہوئے پھل ہوں گے۔“

(جامع ترمذی)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور مریض کی عیادت یعنی مزاج پرسی کیا کرو اور قیدی کو چھڑاؤ۔

(صحیح بخاری کتاب المرضی، باب عیادۃ المریض)

جب بیمار کی عیادت کے لیے جائیں تو اس کی خیریت پوچھنے کے بعد اس کے لیے صحت وشفا کی دعا کریں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص کسی بیمار کی عیادت کے لیے جائے تو اس کے ہاتھ اور پیشانی پر ہاتھ رکھے اس کو تسلّی اور دلاسا دے اور اس کی شفا کے لیے خدا سے دعا کرے۔

(جامع ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر تھے کہ ایک انصاری آیا تو حضورؐ نے اس سے پوچھا میرے بھائی سعد بن عبادہؓ کا کیا حال ہے۔ اس نے کہا بہتر ہے۔
اس پر حضورؐ نے فرمایا:
اس کی عیادت کے لئے تم میں سے کون کون چلے گا۔ چنانچہ حضورؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور ہم تیرہ کے قریب افراد حضورؐ کے ساتھ چل پڑے اور حضرت سعد بن عبادہؓ کی خیریت معلوم کی۔

(صحیح مسلم کتاب الجنائز باب عیادۃ المرضیٰ)

مریض کے پاس حسب ضرورت بیٹھنا چاہیے اگر آپ کا کچھ دیر تک بیٹھنا اس کے لیے باعثِ دلجوئی ہو تو دیر تک بیٹھیں لیکن اگر محسوس کریں کہ دیر تک بیٹھنے سے اُس کے آرام میں خلل پڑے گا یا اس کے گھر والے آپ کی وجہ سے اس کی خدمت نہ کر سکیں گے تو ایسی صورت میں زیادہ دیر نہ بیٹھیے۔ جب تک آپ مریض کے پاس بیٹھیں اس کو دلاسہ دینے والی باتیں کریں۔ مریض کی عیادت کرنے میں رنگ، نسل اور مذہب کا فرق نہیں رکھنا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو تکلیف میں دیکھتے تو اس تکلیف کو دور کرنے کے لئے آپؐ تمام ذرائع اور وسائل استعمال کرتے تھے اور ان تکلیفوں کو دور کرنے اور دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے آپؐ کے دل میں بے انتہا مہربانی کے جذبات ہوتے تھے اور اس سے آپ کبھی نہیں تھکتے تھے۔ اور دوسروں کے لئے ہمدردی اور رحم کے جذبات کا آپؐ کا ایک ایسا وصف تھا کہ اس وصف کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ بے حد مہربان ہونے اور بار بار رحم کرنے کی خدائی صفت کا انسانوں میں کامل اور اعلیٰ نمونہ صرف اور صرف آپؐ کی ذات میں تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

”جذب اور عقدِ ہمت ایک انسان کو اُس وقت دیا جاتا ہے جبکہ وہ خدا تعالیٰ کی چادر کے نیچے آ جاتا ہے اور ظلّ اللہ بنتا ہے۔ پھر وہ مخلوق کی ہمدردی اور بہتری کے لئے اپنے اندر ایک اضطراب پاتا ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مرتبہ میں کُل انبیاء علیہم السلام سے بڑھے ہوئے تھے اس لئے آپؐ مخلوق کی تکلیف دیکھ نہیں سکتے تھے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَاعَنِتُّمْ یعنی یہ رسول تمہاری تکالیف کو دیکھ نہیں سکتا، وہ اس پر سخت گراں ہے (بہت تکلیف دِہ ہے) اور اُسے ہر وقت اِس بات کی تڑپ لگی رہتی ہے کہ تم کو بڑے بڑے منافع پہنچیں“

(الحکم جلد 6 نمبر 26 صفحہ 6 مورخہ 24۔ جولائی 1902ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ احبابِ جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”مریضوں کی عیادت کرنا بھی خدا تعالیٰ کے قرب کو پانے کا ایک ذریعہ ہے۔ ہمیں اس طرف توجہ دینی چاہئے۔ خاص طور پر جو ذیلی تنظیمیں ہیں ان کو مَیں ہمیشہ کہتا ہوں۔ خدمتِ خلق کے جو اُن کے شعبے ہیں لجنہ کے، خدام کے، انصار کے ایسے پروگرام بنایا کریں کہ مریضوں کی عیادت کیا کریں، ہسپتالوں میں جایا کریں۔ اپنوں اور غیروں کی، سب کی عیادت کرنی چاہئے اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ بھی ایک سنت کے مطابق ہے اور ہمیشہ اس کوشش میں رہنا چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قرب پانے کے ذریعے ہم اختیار کریں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ بھی بتا دیا کہ عیادت کس طرح کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیادت کا ایک عمدہ طریق یہ ہے کہ آدمی مریض کے پاس جائے، اس کی پیشانی یا اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اس سے پوچھے کہ اس کی طبیعت کیسی ہے اور آپس میں ملنے ملانے کا عمدہ طریق یہ ہے کہ ایک دوسرے سے ملتے وقت مصافحہ کرو تو اس طرح ایک اپنائیت اور محبت کا احساس اور بڑھے گا۔“(ترمذی بواب الادب باب ماجاء فی المصافحۃ)

(خطبہ جمعہ 15/ اپریل 2005ء)

نمازِ جنازہ کی ادائیگی

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ (العنکبوت:57)

یعنی ہر جان موت کا مزا چکھنے والی ہے۔ پھر ہماری ہی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

سامعین! اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق رکھے ہیں جن کو ادا کرنا اخلاقی اور شرعی فرض بنتا ہے اور انہیں حقوق العباد کا درجہ حاصل ہے۔ ان پانچ حقوق میں سے ایک حق یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان بھائی فوت ہو جائے تو اس کی نمازہ جنازہ ادا کی جائے اور یہ نمازِ جنازہ حقیقت میں اس جانے والے کے لیے دعا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اگلی منزل کو آسان فرمائے اس لیے کثرت سے دعائیں کرنی چاہیں۔

نماز جنازہ پڑھنا مسلمان کا حق ہے اور فرض کفایہ ہے، قرآن مجید کے کسی آیت میں صراحتاً تو نماز جنازہ کا ذکر نہیں ہے، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے جنازہ پڑھنے سے منع کرنے سے اشارۃً مسلمانوں کے حق میں نماز جنازہ کا حکم ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے لیے فرمایا کہ

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ

(التوبہ:84)

یعنی تُو ان میں سے کسی مرنے والے پر کبھی (جنازہ کی) نماز نہ پڑھ اور کبھی اس کی قبر پر (دعا کے لئے) کھڑا نہ ہو۔ یقیناً انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کر دیا ہے اور وہ اس حالت میں مرے کہ وہ بد کردار تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپؐ فرما رہے تھے کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں، سلام کا جواب دینا، بیمار کی بیمار پرسی کرنا، نماز جنازہ میں شریک ہونا اور دعوت قبول کرنا اور چھینکنے والے کا جواب دینا۔

(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب: الامر باتباع الجنائز)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مسلمان کے جنازے کے ساتھ ایمان کی وجہ سے اور رضائے الٰہی کی خاطر جاتا ہے جب تک اس کے جنازے کی نماز نہیں پڑھ لی جاتی اور اس کے دفنانے سے لوگ فارغ نہیں ہو جاتے، تب تک وہ اس کے ساتھ ہی رہتا ہے تو وہ دو قیراط

اجر لے کر واپس آتا ہے۔ ایک ایک قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہو گا اور جس نے جنازہ پڑھا اور پھر اس کے دفنانے سے پہلے لوٹ آیا تو وہ ایک قیراط لے کر واپس آتا ہے۔

(بخاری کتاب الإیمان باب اتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ مِنَ الإِیمَانِ حدیث نمبر 47)

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ یعنی سب مسلمانوں پر بحیثیت مجموعی فرض ہے۔ اگر کچھ لوگ نماز پڑھ لیں تو باقی سبکدوش ہو جائیں گے لیکن باوجود علم ہو جانے کے اگر کوئی نہ پڑھے تو سب گنہگار ہوں گے۔

(فقہ احمدیہ صفحہ 239)

نماز جنازہ کی مسنون دعا پڑھنی چاہیے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَآئِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثٰنَا۔ اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَأَحْیِهٖ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَى الْإِیْمَانِ۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ

(ابن ماجہ کتاب الجنائز باب فی الدعا فی الصلوٰۃ الجنازہ)

یعنی یعنی اے اللہ! بخش دے ہمارے زندوں کو اور جو مر چکے ہیں اور جو حاضر ہیں اور جو موجود نہیں اور ہمارے چھوٹے بچوں کو اور ہمارے بڑوں کو اور ہمارے مردوں کو اور ہماری عورتوں کو۔ اے اللہ! جس کو تو ہم میں سے زندہ رکھے اُسے اسلام پر قائم رکھ اور جس کو تو وفات دے اُس کو ایمان کے ساتھ وفات دے۔ اے اللہ! اِس کے اجر و ثواب سے ہم کو محروم نہ رکھ اور اس کے بعد ہمیں کسی فتنہ میں نہ ڈال۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مع خدام سیر کرنے کے واسطے صبح باہر نکلے تو حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی قبر پر تشریف لے گئے جہاں آپؑ نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ بعد دعا کے ایک شخص نے پوچھا کہ قبر پر کھڑے ہو کر کیا پڑھنا چاہئے؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ

”میت کے واسطے دعا کرنی چاہئے کہ خدا تعالیٰ اس کے ان قصوروں اور گناہوں کو بخشے جو اُس نے اس دنیا میں کئے تھے اور اس کے پسماندگان کے واسطے بھی دعا کرنی چاہئے۔“

پھر پوچھا کہ دعا میں کونسی آیت پڑھنی چاہئے؟

آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ

"یہ تکلفات ہیں۔ تم اپنی ہی زبان میں جس کو بخوبی جانتے ہو اور جس میں تم کو جوش پیدا ہوتا ہے۔ میت کے واسطے دعا کرو۔"

(بدر 19ء جنوری 1906ء صفحہ 6 بحوالہ فقہ المسیح صفحہ 179-180)

نارووال پاکستان سے ایک دوست نے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت اقدس میں استفسار بھجوایا کہ کیا نماز جنازہ نماز ہے یا اسے ایسے ہی نماز کا نام دے دیا گیا ہے کیونکہ اس کیلئے مکروہ اوقات کا خیال نہیں رکھا جاتا؟

حضور اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

" نماز جنازہ بھی ایک طرح کی نماز ہی ہے لیکن چونکہ اس میں نماز جنازہ ادا کرنے والوں کے سامنے مرنے والے کی نعش موجود ہوتی ہے اس لیے اس میں رکوع و سجود نہیں رکھے گئے تاکہ کسی بھی قسم کے شرک کا احتمال پیدا نہ ہو۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے تفسیر کبیر میں جہاں مختلف نمازوں کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں، وہاں نماز جنازہ کی بھی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ان نمازوں کے علاوہ ایک ضروری نماز جنازہ کی نماز ہے۔ یہ فرض کفایہ ہے... جنازہ کی نماز میں دوسری نمازوں کے برخلاف رکوع اور سجدہ نہیں ہوتا بلکہ اسکے سب حصّے کھڑے کھڑے ادا کیے جاتے ہیں... اس نماز کے چار حصّے ہوتے ہیں۔ امام قبلہ رو کھڑا ہو کر بلند آواز سے سینہ پر ہاتھ باندھ کر تکبیر کہہ کر اس نماز کو شروع کرتا ہے۔ اس نماز سے پہلے اقامت نہیں کہی جاتی۔ (تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ 115)

نماز جنازہ کے لئے کوئی مکروہ اوقات نہیں ہیں۔ فقہاء میں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ نماز فجر اور نماز عصر کے بعد جس طرح نفلی نماز ادا کرنے کی ممانعت ہے، نماز جنازہ کی ادائیگی کے لئے ایسی کوئی ممانعت نہیں۔ البتہ جب سورج طلوع ہو رہا ہو یا سورج عین سر پر ہو یا سورج غروب ہو رہا ہو تو ان تین

اوقات میں حنفی، مالکی، اور حنبلی فقہاء کے نزدیک بغیر کسی مجبوری یا عذر کے نماز جنازہ ادا کرنا پسندیدہ نہیں۔ جبکہ شافعیہ کے نزدیک کسی وقت میں بھی نماز جنازہ ادا کی جاسکتی ہے۔“

(اخبار بدر قادیان مورخہ 4/ مئی 2023ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(بتعاون: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿28﴾ ﴿مشاہدات۔1247﴾

ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر14)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ۔اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیۡنَ (البقرۃ:154)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو (اللہ سے) صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ مدد مانگو۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

جو متقی ہے اُس کا خدا خود نصیر ہے
انجام فاسقوں کا عذاب سعیر ہے
جڑ ہے ہر ایک خیر وسعادت کی اتقا
جس کی یہ جڑ رہی ہے عمل اُس کا سب رہا

(درثمین)

سامعین! خاکسار آج ایمان کی جو تین شاخیں بیان کرنے جا رہا ہے اُن میں پڑوسی کی عزت، پردہ پوشی اور مصائب پر صبر شامل ہیں۔

پڑوسی کی عزت کرنا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ

وَالۡجَارِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡجَارِ الۡجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَنۡبِ (النساء:37)

یعنی رشتہ دار ہمسایوں اور بے تعلق ہمسایوں کے ساتھ بیٹھنے والے لوگوں (اور دوستوں) سے محبت اور پیار کا تعلق قائم کرو۔

پڑوسیوں سے اچھے تعلقات رکھنا اور دکھ سکھ میں ان کے ساتھ شریک ہونا ایک مسلمان کا بنیادی فرض ہے اور اُس کے ایمان کا حصّہ ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑوسیوں کا خیال رکھنے بارے میں فرماتے ہیں کہ

اِذَا طَبَغْتَ مَرْقَةً فَاَكْثِرْ مَاءَهَا وتُجَاهِدْ جِيرانَكَ

(مسلم کتاب البر والصلۃ)

یعنی جب کبھی تم اچھا سالن بناؤ تو اس کا شوربہ کچھ زیادہ کر لیا کرو اور اپنے پڑوسی کا بھی خیال رکھو یعنی کسی نہ کسی پڑوسی کو بھی اس میں سے سالن بھجواؤ۔ اِس طرح کرنے سے ایک دوسرے سے اخوّت اور محبت بڑھتی ہے۔

ایک صحابیؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کس طرح معلوم ہو کہ مَیں اچھا کر رہا ہوں یا بُرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اپنے پڑوسیوں کو یہ کہتے ہوئے سنو کہ تم بڑے اچھے ہو تو سمجھو کہ تم اچھا کر رہے ہو اور جب تم اپنے پڑوسیوں کو یہ کہتے سنو کہ تم بڑے بُرے ہو سو سمجھ لو کہ تمہارا رویہ بُرا ہے۔

(ابنِ ماجہ ابواب الزھد)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جبرائیل (علیہ السلام) مجھے پڑوسی کے حق کے بارے میں اس قدر وصیّت کرتے رہے کہ مجھے خیال ہونے لگا کہ وہ پڑوسی کو وارث بنا دیں گے۔

(صحیح بخاری)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرے۔

(مسلم)

پڑوسی کو کسی بھی قسم کی ضرورت ہو اُس کی مدد کرنا ایک مؤمن پر فرض ہے۔ اگر وہ بیمار ہو تو اُس کی عیادت کو جائے اور اگر فوت ہو جائے تو اُس کی نماز جنازہ میں شامل ہو کر اُس کی مغفرت کی دعا

کرے۔ پڑوسی کے حقوق کے بارے میں یہاں تک حکم ہے کہ اپنے گھر کی دیوار اس کی اجازت کے بغیر اتنی اونچی نہ کی جائے کہ اس کے گھر کی ہوا رک جائے۔

گھر سے باہر نکلتے ہی ہمارا سب سے زیادہ آمنا سامنا ہمسایوں سے ہوتا ہے۔ یہاں یورپین ممالک میں ہمسائیگی کا وہ تصوّر نہیں جس کی تعلیم اسلام دیتا ہے۔ یہاں سب اپنی اپنی زندگی میں مصروف ہیں کوئی ایک دوسرے کا حال بھی نہیں پوچھتا اور بعض اوقات اکیلے رہنے والے بزرگ فوت ہو جاتے ہیں کئی کئی دن ساتھ والے ہمسائے کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ تو اسلام چھوٹی چھوٹی باتوں کی بھی تعلیم دیتا ہے کہ ایک دوسرے کی خبر گیری کرو اور جب عزت اور خلوص کے ساتھ پڑوسی سے ملیں گے، تو اُس پر بھی ایک اچھا تاثر پڑے گا۔

پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

”مَیں دیکھتا ہوں کہ بہت سے ہیں جن میں اپنے بھائیوں کے لئے کچھ بھی ہمدردی نہیں۔ اگر ایک بھائی بھوکا مرتا ہو تو دوسرا توجہ نہیں کرتا اور اس کی خبر گیری کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ یا اگر وہ کسی اور قسم کی مشکلات میں ہے تو اتنا نہیں کرتے کہ اس کے لئے اپنے مال کا کوئی حصّہ خرچ کریں۔ حدیث شریف میں ہمسایہ کی خبر گیری اور اس کے ساتھ ہمدردی کا حکم آیا ہے بلکہ یہاں تک بھی ہے کہ اگر تم گوشت پکاؤ تو شوربہ زیادہ کرلو تا کہ اسے بھی دے سکو۔ اب کیا ہوتا ہے، اپنا ہی پیٹ پالتے ہیں لیکن اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ یہ مت سمجھو کہ ہمسایہ سے اتنا ہی مطلب ہے جو گھر کے پاس رہتا ہو۔ بلکہ جو تمہارے بھائی ہیں وہ بھی ہمسایہ ہی ہیں خواہ وہ سو کوس کے فاصلے پر بھی ہوں۔“

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 215)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

” پھر معاشرے کی سلامتی، صلح اور محبت کی فضا پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ ہمسایوں سے اچھا سلوک کرو اور صرف رشتہ دار ہمسایوں سے اچھا سلوک نہیں کرنا کہ اس میں 100 فیصد بے نفسی اور صرف اور صرف خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے حسن سلوک نظر نہیں آتا بلکہ غیر رشتہ داروں سے بھی کرنا ہے۔ یعنی رشتہ داروں سے حسن سلوک میں تو پسند اور ناپسند کا سوال آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا

حقیقی بندہ جو اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے کوشش کرتا ہے اس کا تو تب پتہ لگے گا کہ غیروں سے بھی حسن سلوک کرو۔ جو غیر رشتہ دار ہمسائے ہیں ان سے بھی حسن سلوک کرو۔ ہمسایوں کے حقوق کا خیال رکھنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قدر تلقین کی گئی، اس قدر تواتر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرف توجہ دلائی گئی کہ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے خیال ہوا کہ شاید اب ہمسائے ہماری وراثت میں بھی حصّہ دار بن جائیں گے۔ تو ہمسائے کی یہ اہمیت، یہ احساس دلانے کے لئے ہے کہ اس کا خیال رکھنا، اس سے حسن سلوک کرنا، اس کی ضروریات کو پورا کرنا بہت اہم ہے۔ کیونکہ یہ بھی ہمسائے ہیں جو گھر کی چاردیواری سے باہر قریب ترین لوگ ہیں۔ اگر یہ ایک دوسرے سے حسن سلوک نہ کریں، ایک دوسرے کے لئے تکلیف کا باعث بنیں، تو جس گلی میں یہ گھر ہوں گے جہاں حسن سلوک نہیں ہو رہا ہو گا تو وہ گلی ہی فساد کی جڑ بن جائے گی۔ اس گلی میں پھر سلامتی کی خوشبو نہیں پھیل سکتی۔“

(خطبہ جمعہ یکم جون 2007ء)

پردہ پوشی کرنا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا کَثِیۡرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوۡا وَلَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُکُمۡ بَعۡضًا

(الحجرات:13)

یعنی اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ظنّ سے بکثرت اجتناب کیا کرو۔ یقیناً بعض ظنّ گناہ ہوتے ہیں اور تجسّس نہ کیا کرو اور تم میں سے کوئی کسی دوسرے کی غیبت نہ کرے۔

سامعین! دنیا میں کوئی انسان نہیں جو ہر عیب سے ہر لحاظ سے پاک ہو۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ستّار ہے جو ہماری پردہ پوشی کرتی ہے۔ اگر انسان کی غلطیوں کی، کوتاہیوں کی، گناہوں کی پردہ دری نہ ہو تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ لہذا کسی میں اگر کوئی عیب دیکھیں تو بجائے اس عیب کو پھیلانے کے، دوسروں کو بتانے کے ہر ایک کو استغفار کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ ہمارے اندر بھی جو بے شمار عیب ہیں وہ کہیں ظاہر نہ ہو جائیں۔ اگر نیک نیّت سے انسان دوسروں کے عیبوں کی پردہ پوشی کرے تو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو حاصل کرنے والا بنتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس پر ظلم نہیں کرتا اور نہ ہی اسے یکا وتنہا چھوڑتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی میں لگا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی حاجات پوری کرتا جاتا ہے اور جس نے کسی مسلمان کی کوئی تکلیف دور کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مصائب میں سے ایک مصیبت کم کر دے گا اور جو کسی مسلمان کی ستّاری کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی ستاری فرمائے گا۔"

(ریاض الصالحین باب فی قضاء حوائج المسلمین)

ایک اور جگہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اپنے کسی مسلمان بھائی کے کسی عیب کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے عیب کو ڈھانپ دے گا اور ستّاری فرمائے گا۔ اور جو اپنے کسی مسلمان بھائی کی پردہ دری کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے عیب اور ننگ کو اس طرح ظاہر کرے گا کہ اس کے گھر میں اس کو رسوا کر دے گا۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الحدود باب الستر علی لمؤمن دفع الحدود)

پردہ پوشی کو اللہ تعالیٰ بغیر اجر کے نہیں چھوڑے گا اور قیامت کے دن اس کا اجر دے گا۔

سامعین! بُرائی کو اِدھر اُدھر لوگوں میں بیان کرنے سے بُرائی مزید پھیلتی ہے اور اِس سے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لینے کا خطرہ ہوتا ہے، اس لئے بُرائی کا اظہار بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ اس سے بُرائی پھیلتی ہے اور یہ تجربے میں بات آئی ہے کہ دیکھا دیکھی بہت سی بُرائیاں پھیلتی ہیں اور اسی بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بڑی تاکید فرمائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ:

"اگر تو لوگوں کی کمزوریوں کے پیچھے پڑے گا تو انہیں بگاڑ دے گا، یا ان میں بگاڑ کی راہ پیدا کر دے گا۔"

(سنن ابی داؤد کتاب الادب باب ما فی النھی عن التجسّس)

اس حدیث میں اُن لوگوں کے لیے خاص طور پر سبق ہے جو اس میں ان لوگوں کے لئے جو تجسّس کر کے دوسروں کے عیب تلاش کرتے ہیں یا ان کے عیبوں اور کمزوریوں کو پھیلاتے ہیں۔ اُن کو سمجھایا گیا ہے کہ تم یہ نہ سمجھو کہ اس طرح تم شاید کوئی اصلاحی کام کر رہے ہو بلکہ بگاڑ پیدا کر رہے ہو۔ دوستی میں بھی پردہ داری بہت ضروری ہے بعض اوقات دوست ایک دوسرے سے اپنی تکلیف، خوشی یا اپنی کچھ ذاتی باتیں

شیئر کر لیتے ہیں تو اِس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ اُس کی اجازت کے بغیر وہ باتیں باہر نہ بیان کی جائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اِس سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ

" میرا یہ مذہب ہے کہ جو شخص عہد دوستی باندھے مجھے اس عہد کی اتنی رعایت ہوتی ہے کہ وہ شخص کیسا ہی کیوں نہ ہو اور کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ مَیں اس سے قطع تعلق نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر وہ خود قطع تعلق کر دے تو ہم لاچار ہیں۔ ورنہ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ اگر ہمارے دوستوں میں سے کسی نے شراب پی ہو اور بازار میں گرا ہوا ہو تو ہم بلا خوف لومۃ لائم لوگوں کی ملامت کے بغیر کسی خوف کے بغیر اسے اٹھا کر لے آئیں گے "۔ فرمایا عہد دوستی بڑا قیمتی جوہر ہے اس کو آسانی سے ضائع نہیں کر دینا چاہئے اور دوستوں کی طرف سے کیسی ہی ناگوار بات پیش آئے اس پر اغماض اور تحمّل کا طریق اختیار کرنا چاہئے۔"

(سیرۃ طیّبہ صفحہ 56)

حضرت مولوی شیر علی صاحب نے یہ بھی اپنی روایت میں لکھا ہے کہ آگے یہ بھی آپؑ نے فرمایا تھا کہ اسے ہوش میں لانے کی کوشش کریں گے اور جب وہ ہوش میں آنے لگے تو اس کے پاس سے اٹھ کر چلے جائیں گے تاکہ وہ ہمیں دیکھ کر شرمندہ نہ ہو۔ اور آپ نے جماعت کو یہ نصیحت کی ہے کہ جماعت کے فرد بھی ایک خاندان کی طرح ہیں۔ تمہارے بھائی ہیں، آپس میں بھائی بن کر رہو اور ایک دوسرے کے عیبوں کو چھپاؤ۔

(سیرۃ طیّبہ صفحہ 56)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" اسلام نے ہمیں (مسلمانوں کو) آپس میں گھل مل کر رہنے اور ایک دوسرے کے ساتھ معاشرے میں اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ مختلف طریقوں سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس طرف توجہ دلائی کہ اپنے اندر اعلیٰ اخلاق پیدا کرو، آپس میں محبت اور پیار سے رہو، ایک دوسرے کے حقوق ادا کرو اور انسان سے کیونکہ غلطیاں اور کوتاہیاں ہوتی رہتی ہیں، اس لئے اپنے ساتھیوں، اپنے بھائیوں، اپنے ہمسایوں یا اپنے ماحول کے لوگوں کے لئے ان کی غلطیاں تلاش کرنے کے لئے ہر وقت ٹوہ میں نہ لگے رہو، تجسّس میں نہ لگے رہو کہ کسی طرح مَیں کسی کی غلطی پکڑوں اور پھر اس کو لے کر آگے چلوں۔ یہ بڑی لغو

اور بیہودہ حرکت ہے۔.... اسلام اپنے ماننے والوں سے یہ کہتا ہے کہ ان بیہودگیوں اور ان لغویات سے بچو اور اس زمانے میں، آج کل حقیقی اسلام کا نمونہ دکھانے والا اگر کوئی ہے یا ہونا چاہئے تو وہ احمدی ہے۔ اس لئے ہر احمدی کا یہ فرض بنتا ہے کہ کسی کے عیب اور غلطیاں تلاش کرنا تو دُور کی بات ہے اگر کوئی کسی کی غلطی غیر ارادی طور پر بھی علم میں آ جائے تو اس کی ستّاری کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ہر ایک کی ایک عزت نفس ہوتی ہے۔ اس چیز کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ دوسرے اگر کوئی بُرائی ہے، حقیقت میں کوئی ہے تو اس کے اظہار سے ایک تو اس کے لئے بدنامی کا باعث بن رہے ہوں گے دوسرے دوسروں کو بھی اس بُرائی کا احساس مٹ جاتا ہے، جب آہستہ آہستہ بُرائیوں کا ذکر ہونا شروع ہو جائے اور آہستہ آہستہ معاشرے کے اَور لوگ بھی اس برائی میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ہمیں واضح حکم ہے کہ جو باتیں معاشرے میں بگاڑ پیدا کرنے والی ہوں یا بگاڑ پیدا کرنے کا باعث ہو سکتی ہوں، ان کی تشہیر نہیں کرنی، ان کو پھیلانا نہیں ہے۔ دعا کرو اور ان بُرائیوں سے ایک طرف ہو جاؤ اور اگر کسی سے ہمدردی ہے تو دعا اور ذاتی طور پر سمجھا کر اس بُرائی کو دور کرنے کی کوشش کرنا ہی سب سے بڑا علاج ہے۔"

(خطبہ جمعہ 19/نومبر 2004ء)

مصائب پر صبر

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرۃ:154)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو (اللہ سے) صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ مدد مانگو۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

سامعین! مشکلات اور تکالیف ہر انسان کی زندگی کا حصّہ ہیں لیکن ایک مؤمن کی نشانی ہے کہ وہ مشکلات پر صبر کرتا ہے۔ آزمایا جانا بھی اللہ کی سنت ہے۔ اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے اور ایک مؤمن اگر صبر کرتا ہے، دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اُس کے انعام کا بھی وعدہ کیا ہے۔ انسان کی زندگی میں بہت سے مسائل آتے ہیں جن کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ذاتی طور پر بہت سی دنیاوی مشکلات میں سے انسان گزرتا ہے۔ ایسے حالات آتے ہیں جہاں سوائے صبر کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ مال، اولاد اور دنیاوی چیزوں کا نقصان ہوتا ہے۔ یا

تو دنیادار رو پیٹ کر ایسے حالات میں یہ نقصان برداشت کرلیتا ہے اور اکثر میں تو یہ برداشت نہیں ہوتا اور وہ مایوس ہو کر کفر کے کلمات منہ سے نکالنے لگ جاتے ہیں کئی کفریہ کلمات اور اللہ تعالیٰ سے شکوے کے الفاظ منہ سے نکل جاتے ہیں۔ لیکن ایک مؤمن کا ایمان ہوتا ہے کہ مصائب اللہ کی طرف سے آتے ہیں اور وہی اُن کو حل بھی کرے گا تو وہ دعا کے ساتھ صبر کرتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کا تمام معاملہ خیر پر مشتمل ہے اور یہ مقام صرف مؤمن کو حاصل ہے۔ اگر اس کو کوئی خوشی پہنچتی ہے تو یہ اس پر شکر بجالاتا ہے، الحمدللہ پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوتا ہے تو یہ امر اس کے لئے خیر کا موجب ہوتا ہے اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو یہ صبر کرتا ہے تو یہ امر بھی اس کے لئے خیر کا موجب بن جاتا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الزھد والرقائق باب المؤمن امرہ کلّہ خیر حدیث 7500)

ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو جو بھی تھکاوٹ، بیماری، بے چینی، تکلیف اور غم پہنچتا ہے یہاں تک کہ اگر اس کو کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کی بعض خطائیں معاف کر دیتا ہے۔

(صحیح البخاری کتاب المرضی باب ما جاء فی کفارۃ المرض حدیث 5641)

ایک روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقرّب بندوں کے لئے بڑی غیرت رکھتا ہے اور دشمن کو پکڑتا ہے جو اس کو تکلیف اور نقصان پہنچانے والے ہوتے ہیں۔

(صحیح البخاری کتاب الرقاق باب التواضع حدیث 6502)

سامعین! جس معاملے کو اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ میں لے لے تو اُس معاملہ کو بندے کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کیا ضرورت ہے۔ بلکہ یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف جھکنے والوں اور صبر کرنے والوں کے دشمنوں سے بدلہ لیتا ہے بلکہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندے پر ظلم کیا جائے اور وہ صبر سے کام لے تو اللہ تعالیٰ اسے عزت بخشتا ہے۔

(سنن الترمذی ابواب الزھد باب ما جاء مثل الدنیا مثل اربعۃ نفر حدیث 2325)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ

” کون ہے جو اپنے آپ کو دکھ میں ڈالنا چاہتا ہے؟ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے انسانی تکمیل کے واسطے ایک دوسری راہ رکھ دی اور فرمایا وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۔ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (البقرۃ:157-156) ہم آزماتے رہیں گے تم کو کبھی کسی قدر خوف بھیج کر، کبھی فاقہ سے، کبھی مال، جان اور پھلوں پر نقصان وارد کرنے سے۔ مگر ان مصائب شدائد اور فقر وفاقہ پر صبر کر کے اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کہنے والے کو بشارت دے دو کہ ان کے واسطے بڑے بڑے اجر، خدا کی رحمتیں اور اس کے خاص انعامات مقرر ہیں۔ دیکھو ایک کسان کس محنت اور جانفشانی سے قلبہ رانی کر کے زمین کو درست کرتا۔ پھر تخم ریزی کرتا۔ آبپاشی کی مشکلات جھیلتا ہے۔ آخر جب طرح طرح کی مشکلات، محنتوں اور حفاظتوں کے بعد کھیتی تیار ہوتی ہے تو بعض اوقات خدا کی باریک در باریک حکمتوں سے ژالہ باری ہو جاتی یا کبھی خشک سالی ہی کی وجہ سے کھیتی تباہ وبرباد ہو جاتی ہے۔ غرض یہ ایک مثال ہے ان مشکلات کی جن کا نام تکالیف قضاوقدر ہے۔ ایسی حالت میں مسلمانوں کو جو پاک تعلیم دی گئی ہے وہ کیسی رضا بالقضا کا سچا نمونہ اور سبق ہے اور یہ بھی صرف مسلمانوں ہی کا حصہ ہے۔“

(ملفوظات جلد10 صفحہ 414-413 ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

” ایک مؤمن کو صبر کے معنی سمجھنے کی ضرورت ہے۔ صبر کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان کسی نقصان پر افسوس نہ کرے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی نقصان، کسی تکلیف کو اپنے اوپر اتنا وارد نہ کرلے کہ ہوش وحواس کھو بیٹھے اور مایوس ہو کر بیٹھ جائے اور اپنی عملی طاقتوں کو استعمال میں نہ لاوے۔ پس ایک حد تک کسی نقصان پہ افسوس بھی ٹھیک ہے، کرنا چاہئے اور اس کے ساتھ ہی ایک نئے عزم کے ساتھ اگلی منزلوں پر قدم مارنے کے لئے پہلے سے بڑھ کر کوشش کا عزم اور عمل ضروری ہے۔

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ صبر کرنے والے کو ہی دعا کی حقیقت بھی معلوم ہوتی ہے۔ کبھی اللہ تعالیٰ دعا فوری قبول کرلیتا ہے تو کبھی اللہ تعالیٰ کسی مصلحت کی وجہ سے دعا قبول نہیں کرتا۔ لیکن مؤمن کا کام ہے کہ

ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہے اور اللہ تعالیٰ کے کسی فعل پر شکوہ نہ کرے۔ یہی حقیقی صبر ہے اور جب ایسی صبر کی حالت ہو تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب نوازتا ہے، انعامات دیتا ہے۔"

(خطبہ جمعہ 2/اکتوبر 2015ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(بتعاون: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿29﴾ ﴿مشاہدات۔1248﴾

ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر15)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ بِالَّیۡلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ (البقرہ:275)

یعنی وہ لوگ جو اپنے اموال خرچ کرتے ہیں رات کو بھی اور دن کو بھی، چھپ کر بھی اور کھلے عام بھی، تو ان کے لئے ان کا اجر اُن کے ربّ کے پاس ہے اور ان پر کوئی خوف نہیں ہو گا اور نہ وہ غم کریں گے۔

تکبر سے نہیں ملتا وہ دلدار
ملے جو خاک سے اس کو ملے یار
کوئی اس پاک سے جو دل لگاوے
کرے پاک آپ کو تب اس کو پاوے
پسند آتی ہے اس کو خاکساری
تذلل ہی رہِ درگاہِ باری

(درثمین)

معزز سامعین! آج خاکسار ایمان کی جن شاخوں کا ذکر کرنے جا رہا ہے اُن میں سخاوت و فیاضی، خرچ میں میانہ روی، چھوٹے پر شفقت اور بڑے کا احترام۔

سخاوت وفیاضی، مالی قربانی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تُو میری راہ میں مال خرچ کر مَیں تجھے مال دوں گا۔ (صحیح بخاری)

اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے انسان اپنی زندگی کا ایک بڑا حصّہ روزی کمانے میں گزارتا ہے اور اس کے لیے کافی تگ و دَو بھی کرتا ہے۔ لیکن مال کی محبت بعض دفعہ انسان کو حرص، لالچ اور کنجوسی کی طرف لے جاتی ہے اور وہ بھول جاتا ہے کہ یہ مال اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے اور اس میں اس کے اُن بندوں کا بھی حصّہ ہے جن کی مالی حیثیت اُس سے بہت کم ہے اور ان کا گزارہ بہت مشکل ہے۔ وہ اُن یتامیٰ، بے کس مفلوکُ الحال، مسکین لوگوں کی ضروریات کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس مال کے ایک حصّے کو جس کی محبت اُس کے دل میں شدید اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ زکوٰۃ کے علاوہ انسان کو سارا سال صدقہ، خیرات اور انفاق فی سبیل اللہ کرتے رہنا چاہیے۔

سب کچھ تیری عطا ہے گھر سے تو کچھ نہ لائے

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں عبادت کا حکم دیا وہاں اپنے اموال بھی اپنی استطاعت کے مطابق خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اپنی استطاعت کے مطابق تو اللہ کی راہ میں خرچ کریں لیکن ضروری نہیں کہ آسائش کی صورت میں ہی خرچ کریں بلکہ جب تنگی ہو تو بھی غرباء اور حقداروں کو نہ بھولیں، ایسے میں مالی قربانی کی زیادہ اہمیت ہے۔

سامعین! ہمارے سامنے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کی کئی مثالیں ہیں کہ گھر میں کھانے کو چند کھجوریں ہیں وہ بھی کسی سائل نے مانگا تو اُس کو دے دیں، اپنے بدن سے چادر اُتار کر دے دی اور رمضان میں تو آپؐ کی جود و سخا بے انتہا بڑھ جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیکیاں کرنے میں سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں جب جبریل آپ سے ملتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی سخاوت کرتے تھے اور جبریل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رمضان کی ہر رات ملا کرتے تھے یہاں تک کہ رمضان کا مہینہ ختم ہو جاتا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن دہراتے جب جبریل آپؐ سے ملتے تو آپؐ نیکیوں میں تیز چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ سخی ہو جایا کرتے تھے۔

(صحیح بخاری کتاب الصیام)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ

”تمہارے لیے ممکن نہیں ہے کہ مال سے بھی محبت کرو اور خدا سے بھی۔ صرف ایک سے محبت کر سکتے ہو۔ پس خوش قسمت وہ شخص ہے کہ خدا سے محبت کرے اور اگر کوئی تم میں سے خدا سے محبت کر کے اس کی راہ میں مال خرچ کرے گا تو مَیں یقین رکھتا ہوں کہ اس کے مال میں بھی دوسروں کی نسبت زیادہ برکت دی جائے گی کیونکہ مال خود بخود نہیں آتا بلکہ خدا کے ارادہ سے آتا ہے۔ پس جو شخص خدا کے لئے بعض حصّہ مال کا چھوڑتا ہے وہ ضرور اسے پائے گا۔“

(مجموعہ اشتہارات جلد 3 صفحہ 497)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”یہ زمانہ جبکہ معاشی برتری حاصل کرنے کے لیے دنیا میں انتہائی کوشش ہو رہی ہے۔ دین کو تو لوگ بھول بیٹھے ہیں، دنیا کی طرف رغبت زیادہ ہے۔ تجارتوں میں برتری اور دنیاوی آسائشوں کے حصول کے لیے دنیا اپنی توجہ انتہا تک پہنچانے کی کوشش کر رہی ہے۔ ایسے میں دین کی اشاعت کے لیے قربانیاں ہی اللہ تعالیٰ کا قرب پانے کا ذریعہ اور کامیاب تجارت ہیں... پس یہ زمانہ جو مسیح موعودؑ کا زمانہ ہے اس زمانے میں خاص طور پر مالی جہاد ایک اہم کام ہے اور اس سے پھر نفس کی قربانی کی بھی تحریص پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب بھی حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مالی قربانی کی طرف قرآن کریم میں کئی جگہ توجہ دلائی ہے۔ ایک جگہ فرمایا کہ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الحدید: 11) اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سب کچھ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔ وہ تمہیں دیتا ہے اور پھر جزاء کے لیے تمہیں یہ کہتا ہے کہ اس کے راستے میں خرچ کرو۔ پس اگر ایمان ہے، اگر اللہ تعالیٰ پر یقین ہے تو پھر اس کا تقاضا یہی ہے کہ اس کے راستے میں قربانیاں کرو..... آج کل یہ مالی جہاد ہی ہے جو نفس کے جہاد کا بھی ذریعہ بنتا ہے۔ انسان اپنی بہت سی خواہشات کو پسِ پشت ڈال کر دین کی ترقی کی خاطر قربانیاں دیتا ہے تو یہ نفس کا جہاد ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کرتے ہوئے اسے اور اس کی نسل کو بے شمار فضلوں کا وارث بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کا ادھار نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی تجارت کی خبر دی ہے جو دنیا اور آخرت کے

فائدوں پر منتج ہے اور عذاب سے بچانے والی تجارت ہے۔ دنیاوی تجارتیں تو صرف دنیاوی فائدوں کے لیے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے کی ہوئی تجارت دنیا و آخرت دونوں کے انعامات کا مستحق بناتی ہے۔ جیسا کہ مَیں نے کہا اللہ تعالیٰ کسی کا ادھار نہیں رکھتا۔ نیک نیتی سے اس کی راہ میں کی گئی قربانی کو وہ کئی گنا بڑھا کر دیتا ہے..... آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدی ہی ہیں جو دین کی خاطر مالی قربانی کرنے کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔ یہ شبنم کی طرح تھوڑی تھوڑی رقمیں بھی دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بے انتہا پھل لگاتا ہے۔ جماعتی ترقیات اسی کی گواہ ہیں۔ غریب لوگ ہیں جو معمولی سی قربانی کرتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ بے انتہا پھل لگاتا ہے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ خاص طور پر غریب احمدی اور تھوڑے وسائل رکھنے والے احمدی زیادہ قربانی کرتے ہیں .... افریقہ میں قربانی کرنے والے بے شمار ایسے احمدی ہیں، پاکستان میں ایسے ہیں، ہندوستان میں بھی ایسے ہیں جو اپنی روٹی قربان کر کے، بھوکا رہ کر مالی قربانی کرتے ہیں۔ اپنی یا اپنے بچوں کی بیماری کی صورت میں دوائیوں پر خرچ کرنے کی بجائے چندے کی ادائیگی کو ترجیح دیتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ ان کی اس قربانی کو بغیر نوازے نہیں چھوڑتا بلکہ بسا اوقات وہ اتنی جلدی اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث بن جاتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے اور یہ بات ان کے لیے ازدیادِ ایمان کا باعث بنتی ہے۔ پس کبھی یہ بات کسی کمزور احمدی کے دل میں بھی نہیں آنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نیک نیتی سے کی گئی قربانی کو نوازتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے لامحدود ہیں۔ اس کو ہمارے چند پیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ قربانیاں جو اللہ تعالیٰ مانگتا ہے یہ تو وہ ہمیں مزید فضلوں کا وارث بنانے کے لیے موقع میسر فرماتا ہے۔"

(خطبہ جمعہ 5 جنوری 2024ء)

خرچ میں میانہ روی

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان:68)

یعنی وہ لوگ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو اِسراف نہیں کرتے اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ اس کے درمیان اعتدال ہوتا ہے۔

سامعین! اللہ تعالیٰ ہمیں جہاں سخاوت کرنے کا حکم دیتا ہے وہاں فضول خرچی سے بھی روکتا ہے اور اعتدال کو اپنانے کی تاکید کرتا ہے کہ نہ بہت زیادہ فضول خرچ کرو اور نہ ہی انتہائی کنجوسی سے کام لو۔ یہ ہمارے ایمان کا حصّہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "روزانہ جب بندے صبح کے وقت اٹھتے ہیں تو دو فرشتے نازل ہوتے ہیں ان میں سے ایک یوں دعا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو (اس کی خرچ کی ہوئی چیز کا) بدل عطا فرما دوسرا فرشتہ یوں دعا کرتا ہے۔ اے اللہ! بخل کرنے والے نے جو مال بچا کر رکھا ہے اسے ضائع کر دے۔

(بخاری، کتاب الزکاۃ)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میانہ روی اختیار کی وہ کبھی مفلس نہیں ہوا۔

(مسند احمد:4269)

حضرت ابو قتادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات کو نکلے تو آپ نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر نماز میں پست آواز سے قراءت کر رہے ہیں اور حضرت عمر بلند آواز سے قراءت کر رہے ہیں، پھر جب یہ دونوں حضرات آپ کی مجلس میں اکٹھے ہوئے تو آپ نے پوچھا: اے ابوبکر! مَیں جب تمہارے پاس سے گزرا تو مَیں نے دیکھا کہ تم پست آواز سے قراءت کر رہے تھے (اس کی کیا وجہ تھی)؟ ابوبکر نے جواب دیا کہ مَیں اس کو سنا رہا تھا جس سے سرگوشی کر رہا تھا، پھر آپ نے فرمایا: اے عمر، جب مَیں تمہارے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ تم بلند آواز سے قراءت کر رہے ہو؟ حضرت عمر نے جواب دیا۔ مَیں سوتے کو جگاتا اور شیطان کو بھگاتا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر! تم اپنی آواز تھوڑی بلند کرو اور حضرت عمر سے فرمایا: اے عمر! تم اپنی آواز تھوڑی پست کرو۔

(ابوداؤد:1329)

میانہ روی صرف خرچ کرنے کے معاملہ میں ہی نہیں ہونی چاہیے بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں اِس کی جھلک نظر آنی چاہیے کیونکہ کسی بھی چیز کی زیادتی نقصان دہ ہوتی ہے۔ زندگی سے اگر اعتدال کو نکال دیا جائے تو ہلاکت اور خسارے کے سوا کچھ نہیں بچتا۔ اسلام جہاں غلوّ اور مبالغے سے منع کرتا ہے وہیں ہر معاملے میں راہِ اعتدال کی ترغیب دیتا ہے۔ آج کل کے دَور میں ہمارے معاشرے کا المیہ ہے کہ خاص طور پر کھانے

پینے، کپڑے بنانے، گاڑیاں، موبائل اور دوسری الیکٹرنکس وغیرہ کے معاملات اور خرچ کرنے میں اعتدال کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ اشرافیہ کی تو بات ہی نرالی ہے، یہاں غریب طبقہ بھی بعض ایسے مقامات پر خرچ کر کے بیٹھ جاتا ہے جو انتہائی غیر ضروری اور فضول ہوتے ہیں۔ پھر اس رویّے کی وجہ سے نوبت فاقوں تک پہنچ جاتی ہے۔ لہٰذا خوش حالی کے وقت ہی ایسا انداز اپنانا چاہیے کہ نوبت فاقوں تک نہ پہنچے۔ کہتے ہیں کہ عقلمند اپنے بُرے وقت کے لیے ضرور کچھ نہ کچھ بچا کر رکھتا ہے۔ اسلام نے خرچ میں میانہ روی کے نام سے ہمیں ایک بہترین اصول دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: کھاؤ، پیو اور اسراف (فضول خرچی) نہ کرو۔ (سورۃ الاعراف:32) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اخراجات میں میانہ روی اختیار کرنا آدھی معیشت ہے۔

(المعجم الاوسط:6744)

جس کے پاس جتنا ہے وہ اسی پر صبر اور شکر کرے کیونکہ شکر کرنے سے نعمت پر ہمیشگی ملتی ہے اور ناشکری سے نعمت زائل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ کسی کے آگے شکوہ شکایت نہیں کرنی چاہیے اور ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”سچے نیکوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ خدا کی رضاجوئی کے لئے اپنے قریبیوں کو اپنے مال سے مدد کرتے ہیں اور نیز اس مال میں سے یتیموں کے تعہد اور ان کی پرورش اور تعلیم وغیرہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور مسکینوں کو فقر وفاقہ سے بچاتے ہیں اور مسافروں اور سوالیوں کی خدمت کرتے ہیں اور ان مالوں کو غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے اور قرض داروں کو سبکدوش کرنے کے لئے بھی دیتے ہیں اور اپنے خرچوں میں نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ تنگ دلی کی عادت رکھتے ہیں اور میانہ روش چلتے ہیں۔ پیوند کرنے کی جگہ پر پیوند کرتے ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں اور ان کے مالوں میں سوالیوں اور بے زبانوں کا حق بھی ہے۔ بے زبانوں سے مراد کتّے، بلیلاں، چڑیاں، بَیل، گدھے، بکریاں اور دوسری چیزیں ہیں وہ تکلیفوں اور کم آمدنی کی حالت میں اور قحط کے دنوں میں سخاوت سے دل تنگ نہیں ہو جاتے۔“

(روحانی خزائن جلد10 صفحہ 357)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"بعض دفعہ انسان سوچتا ہے کہ یہ بھی میری ضرورت ہے یہ بھی میری ضرورت ہے لیکن جب قناعت کی عادت پڑ جائے تو ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں رہتی جنہیں پہلے وہ بہت اہم سمجھتا تھا۔ اور اس طرح بچت کی بھی عادت پڑ جاتی ہے اور ایک احمدی کو بچت کی عادت پڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کی خاطر مالی قربانی کی بھی عادت پڑ جاتی ہے۔ پھر ایک نیکی سے دوسری نیکیاں جنم لیتی رہتی ہیں۔ سوائے اس کے کہ کوئی انتہائی کنجوس ہو وہ تو صرف بچت کر کے صرف پیسے ہی جوڑتا ہے وہ تو استثناء ہوتے ہیں۔ پھر ایک روایت میں آتا ہے حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "اخراجات میں میانہ روی اور اعتدال نصف معیشت ہے۔ اور لوگوں سے محبت سے پیش آنا نصف عقل ہے اور سوال کو بہتر رنگ میں پیش کرنا نصف علم ہے"۔ (بیہقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰۃ باب الحذر الثانی فی السور صفحہ 430) تو دیکھیں میانہ روی اور اپنے اخراجات کو کنٹرول کرنا اس حدیث کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو تمہارے حالات ہیں ان پہ صرف کنٹرول کرنے سے ہی اور اعتدال کے ساتھ اخراجات کرنے سے ہی مالی لحاظ سے اپنی ضروریات کو نصف پورا کر لیتے ہو۔"

(خطبہ جمعہ 30 اپریل 2004ء)

چھوٹے پر شفقت اور بڑے کا احترام

سامعین! اسلام دین کامل ہے اور ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں انسانی زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں مکمل ہدایات ہیں۔ انسانی تعلقات کے حوالے سے اسلام نہ صرف احکام دیتا ہے بلکہ ایسے اصول وضع کرتا ہے جو ایک صالح اور پرامن معاشرے کے لیے ضروری ہیں۔ ان تعلیمات میں چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کے احترام کی تعلیم بھی ملتی ہے جو کہ ہمارے ایمان کا بھی حصّہ ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے۔"

(ترمذی کتاب البر والصلۃ، باب ما جاء فی رحمۃ الصبیان)

اسلام چھوٹوں پر شفقت اور محبت کو لازم قرار دیتا ہے۔ان کی تربیت اسلام کے اخلاقی نظام کا حصّہ ہے تاکہ وہ بہتر انسان اور معاشرے کے کارآمد فرد بن سکیں۔ ہمیں اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بچوں اور کمزوروں کے ساتھ نرمی اور محبت کے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں حضرت حسنؓ یا حسینؓ کو ساتھ لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، درمیان نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ طویل فرمایا: حضرت شدادؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ بچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر سوار ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں ہیں، لہٰذا مَیں دوبارہ سجدے میں چلا گیا، جب نماز مکمل ہو گئی تو صحابہ کرامؓ نے سوال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے دورانِ نماز سجدہ طویل فرمایا، ہمیں یہ گمان ہونے لگا تھا کہ کوئی معاملہ پیش آیا ہے یا یہ کہ آپ پر وحی اتر رہی ہے، آپ نے فرمایا: ان میں سے کوئی بات نہ تھی؛ بلکہ میرا بیٹا میری پشت پر سوار تھا، مَیں نے مناسب نہ سمجھا کہ بچہ کی ضرورت کی تکمیل سے پہلے سجدہ ختم کروں۔

(مسند احمد 16033 : حدیث شداد بن الهاد)

سامعین! صحابہ کرامؓ کی عادتِ طیّبہ یہ تھی کہ کسی کے گھر بھی ولادت ہوتی تو اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچے کو لیتے، اسے چومتے اس کے لیے برکت کی دعا کرتے، اسی طرح جب بعض دفعہ دورانِ نماز بچے کے رونے کی آواز آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تخفیف فرمادیتے۔

(بخاری 707 :باب من أخف الصلاة عند بكاء الصبي)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”سو تم اس کی جناب میں قبول نہیں ہو سکتے جب تک ظاہر و باطن ایک نہ ہو بڑے ہو کر چھوٹوں پر رحم کرو نہ ان کی تحقیر اور عالم ہو کر نادانوں کو نصیحت کرو نہ خود نمائی سے ان کی تذلیل اور امیر ہو کر غریبوں کی خدمت کرو نہ خود پسندی سے اُن پر تکبر۔ ہلاکت کی راہوں سے ڈرو۔ خدا سے ڈرتے رہو اور تقویٰ اختیار کرو۔“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 12)

سامعین! والدین اور بزرگوں کی تکریم کے بارے میں بھی قرآن حُسنِ سلوک کا حکم دیتا ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

واعْبُدُوا اللّٰہَ ولَا تُشْرِكُوْا بِہٖ شَيْـئًا وبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (النساء:37)

یعنی تم اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ (بہت) احسان کرو۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں چھوٹوں سے پیار محبت کے سلوک کی تلقین فرمائی وہاں بزرگوں کی عزت وتکریم کی تلقین بھی فرمائی اور بزرگوں کا یہ حق قرار دیا کہ کم عمر اپنے سے بڑی عمر کے لوگوں کا احترام کریں اور ان کے مرتبے کا خیال رکھیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو جوان کسی بوڑھے کی عمر رسیدگی کے باعث اس کی عزت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس جوان کے لیے کسی کو مقرر فرما دیتا ہے جو اس کے بڑھاپے میں اس کی عزت کرے۔

(ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی إجلال الکبیر)

بڑے افسوس کی بات یہ ہے کہ آج کل کے معاشرے میں جو دنیاوی بھاگ دوڑ جاری ہے اُس میں انسان اکثر اپنے والدین اور بزرگوں کو بھلا دیتا ہے وہ بھول جاتا ہے کہ یہی وہ والدین ہیں جنہوں نے ساری ساری رات جاگ کر مشکلیں اٹھا کر اُس کو بڑا کیا اِس قابل بنایا کہ آج دنیا میں اُس کا ایک مقام ہے۔ یہی وہ نانا نانی، دادا دادی ہیں جن کی پانچ وقت کی نمازوں میں اُس کی صحت اور خوشحالی کی دعا بھی شامل ہوتی تھی۔ ہم جس نبی کو ماننے والے ہیں اُن کے اسوہ میں تو بزرگوں کے احترام کی بے شمار مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”تمام قرآن شریف میں یہی محاورہ ہے کہ بظاہر اکثر امر و نہی کے مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں لیکن اُن احکام میں دوسرے بھی شریک ہوتے ہیں یا وہ احکام دوسروں کے لئے ہی ہوتے ہیں جیسا کہ یہ آیت فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا، یعنی اپنے والدین کو بیزاری کا کلمہ مت کہو اور ایسی باتیں اُن سے نہ کر جن میں اُن کی بزرگواری کا لحاظ نہ ہو۔ اس آیت کے مخاطب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن دراصل مرجع کلام اُمت کی طرف ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے والد اور والدہ آپ کی خورد سالی میں ہی فوت ہو چکے تھے اور اس حکم میں ایک راز بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس آیت سے ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ تو اپنے والدین کی عزت کر اور ہر ایک بول چال میں ان کے بزرگانہ مرتبہ کا لحاظ رکھ تو پھر دوسروں کو اپنے والدین کی کس قدر تعظیم کرنی چاہیے۔"

(روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 213)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیک باتوں کے کرنے اور پھیلانے اور اسی طرح بُرائی سے رُکنے اور دوسروں کو روکنے کے بارے میں اس طرح توجہ فرماتے تھے کہ آپ نے نیک کام نہ کرنے والے سے لاتعلقی کا اظہار فرمایا ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی بات پر بھی فرمایا کرتے تھے کہ نیکیاں کرو اور نیکیاں بجالاؤ۔

چنانچہ ایک روایت میں آپؐ فرماتے ہیں "وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے بچوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بوڑھوں کی عزت اور احترام کا حق ادا نہیں کرتا اور معروف باتوں کا حکم نہیں دیتا اور ناپسندیدہ باتوں سے منع نہیں کرتا۔" (ترمذی کتاب البر والصلۃ باب ما جاء فی رحمۃ الصّبیان)

یعنی یہ معروف باتیں ہیں۔ اس حد تک کہ بچوں کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ کیونکہ ان سے حسن سلوک بھی نیک عمل میں ایک عمل ہے۔ اسی طرح بڑوں، بوڑھوں اور بزرگوں کی عزت کا اور احترام کا خیال رکھنا ہے اور اسی طرح اور دوسری نیکی کی باتیں ہیں جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ کرنی ضروری ہیں۔ اور جن بُرائیوں سے رُکنے کا حکم دیا گیا ہے ان بُرائیوں سے رُکنا بھی ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اس طرح نہیں کرتے تو پھر میرا تمہارے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(خطبہ جمعہ 6/ مئی 2005ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق دے۔ آمین

(بتعاون: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴿30﴾ ﴿مشاہدات۔1249﴾

ایمان کی سترّ شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر16)

ایمان مجھ کو دے دے عرفان مجھ کو دے دے
قربان جاؤں تیرے قرآن مجھ کو دے دے
ہو جائیں جس سے ڈھیلی سب فلسفہ کی چُولیں
میرے حکیم ایسا برہان مجھ کو دے دے

(کلام محمود)

معزز سامعین! آج ایمان کی سترّ شاخوں میں سے چند کا ذکر کروں گا جن میں طلبِ علم، علم کی نشر واشاعت اور لوگوں کو اس کی تعلیم دینا۔ غیر ضروری (لایعنی) چیزوں سے زبان کی حفاظت کرنا شامل ہیں۔

طلبِ علم یعنی علم حاصل کرنا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (طٰہٰ:115)

ترجمہ: یہ کہا کر کہ اے میرے ربّ! مجھے علم میں بڑھا دے۔

حصولِ علم اور اضافہ علم کے لیے یہ دُعا اتنی جامع دُعا ہے کہ اس کو نہ صرف طالب علموں کو بلکہ ہر ایک کو پڑھتے رہنا چاہئے۔ علم ہر عمر میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔ عِلم کو مہد یعنی پنگھوڑے سے لے کر لحد یعنی قبر تک تعلیم حاصل کرنے کی تلقین بھی ملتی ہے۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ

یعنی ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم حاصل کرے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ثبیر پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہو کر بارگاہِ الٰہی میں یہ عرض کر رہے تھے کہ اے مولیٰ! مَیں تجھ سے وہی دُعا مانگتا ہوں جو میرے بھائی موسیٰ نے مانگی۔

(ادعیۃ القرآن از خزینۃ الدُعا صفحہ 18)

اِس کے علاوہ جب بھی کوئی تعلیمی کام شروع کریں، کسی کو تبلیغ کرنی ہو، کوئی بات سمجھانی ہو تو سورۃ طٰہٰ کی آیت 26 تا 29 بھی پڑھنی چاہیے جو کہ یہ ہے

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ۔ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ۔

اے میرے ربّ! میرا سینہ کھول دے اور جو مجھ پر فرض ڈالا گیا ہے اس کو پورا کرنا میرے لیے آسان کر دے اور اگر میری زبان میں کوئی گرہ ہو تو اُسے بھی کھول دے۔ (حتّٰی کہ) لوگ میری بات کو آسانی سے سمجھنے لگیں۔

ہم میں سے جو بھی عِلم میں اضافہ اور انشراح صدر کی دُعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس میں بے انتہا برکت بھی رکھ دے گا۔ ہمارے رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دُعا ترمذی کتاب الدعوات میں ملتی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ! مجھے جو علم تُو نے سکھایا ہے اُس کے ذریعہ مجھے نفع دے اور مجھے ایسا علم دے جو مجھے نفع پہنچائے اور زِدْنِيْ عِلْمًا یعنی مجھے علم میں بڑھاتا رہ۔ اس زمانہ کے مامور حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

”علم و حکمت ایسا خزانہ ہے جو تمام دولتوں سے اشرف ہے۔ دنیا کی تمام دولتوں کو فنا ہے لیکن علم و حکمت کو فنا نہیں۔“

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 161)

الغرض حصول و طلبِ علم کے لیے جہاں ہمیں اُطْلُبُوْا الْعِلْمَ وَلَوْ فِي الصِّيْنِ کو مدِّ نظر رکھ کر ہمت و کوشش کرنی چاہیے وہاں دینی علم کے لیے بھی سعی کریں۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے ایک ایک حدیث کی خاطر ہزاروں میل کا سفر طے کیا، دعائیں بھی کیں اور اللہ سے مدد بھی چاہی جس کی وجہ سے آج ایک ایسا خزانہ ہمارے پاس اور ہماری نسلوں کے لیے چھوڑ گئے ہیں جو رہتی دنیا تک مفید ثابت ہو گا۔ قرآن کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ احادیث اور فقہ کی کتب کا مطالعہ بھی مفید ہو سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی

کتب، خلفاء کے خطبات و خطابات سے بھی فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ دنیا میں سینکڑوں علم ہیں ان کو سمجھنے اور اُن سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے۔ سوشل میڈیا اور گوگل سے بھی اس سلسلہ میں فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دعا وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا سکھا کر مؤمنوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ یہ دعا صرف برائے دعا ہی نہیں کہ منہ سے کہہ دیا کہ اے اللہ! میرے علم میں اضافہ کر اور یہ کہنے سے علم میں اضافے کا عمل شروع ہو جائے گا۔ بلکہ یہ توجہ ہے کہ ہر وقت علم حاصل کرنے کی تلاش میں رہو، علم حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم یا دعا پر سب سے زیادہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے تھے، اللہ تعالیٰ تو خود آپؐ کو علم سکھانے والا تھا اور قرآن کریم جیسی عظیم الشان کتاب آپ پر نازل فرمائی جس میں کائنات کے سربستہ اور چھپے ہوئے رازوں پر روشنی ڈالی۔ جس کو اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی شاید سمجھ بھی نہ سکتا ہو۔ گزشتہ تاریخ کا علم دیا، آئندہ کی پیش خبریوں سے اطلاع دی لیکن پھر بھی یہ دعا سکھائی کہ رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔ ہر انسان کی استعداد کے مطابق علم سیکھنے کا دائرہ ہے اور وہ راز جو آج سے پندرہ سو سال پہلے قرآن کریم نے بتائے آج تحقیق کے بعد دنیا کے علم میں آ رہے ہیں۔

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" آج یہ ذمہ داری ہم احمدیوں پر سب سے زیادہ ہے کہ علم کے حصول کی خاطر زیادہ سے زیادہ محنت کریں، زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔ کیونکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی قرآن کریم کے علوم و معارف دیئے گئے ہیں۔ اور آپؑ کے ماننے والوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میں انہیں علم و معرفت اور دلائل عطا کروں گا۔ تو اس کے لئے کوشش اور علم حاصل کرنے کا شوق اور دعا کہ اے میرے اللہ! اے میرے رب! میرے علم کو بڑھا، بہت ضروری ہے۔ گھر بیٹھے یہ سب علوم و معارف نہیں مل جائیں گے اور پھر اس کے لئے کوئی عمر کی شرط بھی نہیں ہے۔ تو سب سے پہلے تو قرآن کریم کا علم حاصل کرنے کے لئے، دینی علم حاصل کرنے کے لئے ہمیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو بے بہا خزانے مہیا فرمائے ہیں ان کو دیکھنا ہو گا۔ ان کی طرف رجوع کریں، ان کو پڑھیں کیونکہ آپؑ

نے ہمیں ہماری سوچوں کے لئے راستے دکھادیئے ہیں۔ ان پر چل کر ہم دینی علم میں اور قرآن کے علم میں ترقی کر سکتے ہیں اور پھر اسی قرآنی علم سے دنیاوی علم اور تحقیق کے بھی راستے کھل جاتے ہیں۔ اس لئے جماعت کے اندر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب پڑھنے کا شوق اور اس سے فائدہ اٹھانے کا شوق نوجوانوں میں بھی اپنی دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہونا چاہئے۔ بلکہ جو تحقیق کرنے والے ہیں، بہت سارے طالبِ علم مختلف موضوعات پر ریسرچ کر رہے ہوتے ہیں، وہ جب اپنے دنیاوی علم کو اس دینی علم اور قرآن کریم کے علم کے ساتھ ملائیں گے تو نئے راستے بھی متعیّن ہوں گے، ان کو مختلف نہج پر کام کرنے کے مواقع بھی میسّر آئیں گے جو اُن کے دنیادار پروفیسر ان کو شاید نہ سکھا سکیں۔ اسی طرح جیسا کہ مَیں نے پہلے کہا کہ بڑی عمر کے لوگوں کو بھی یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ عمر بڑی ہو گئی اب ہم علم حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کو بھی اس طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے۔"

(خطبہ جمعہ 18/ جون 2004ء)

علم کی نشر واشاعت اور لوگوں کو اس کی تعلیم دینا

سامعین! ہمارے ایمان کا ایک حصّہ علم حاصل کرنا ہے اور ایک حصّہ اُس علم کی نشر واشاعت کرنا اور لوگوں میں اپنے علم کو بانٹنا ہے۔ ایک عالم علم کے متلاشی لوگوں کے لیے ایک رہنما کی طرح ہوتا ہے۔
اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ

(اٰل عمران:80)

یعنی کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اُسے کتاب اور حکمت اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ اللہ کے علاوہ میری عبادت کرنے والے بن جاؤ۔ بلکہ (وہ تو یہی کہتا ہے کہ) ربّانی ہو جاؤ، بوجہ اس کے کہ تم کتاب پڑھاتے ہو اور بوجہ اس کے کہ تم (اُسے) پڑھتے ہو۔

پھر فرمایا کہ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (المجادلہ:12)

کہ خصوصاً ان کے جن کو علم عطا کیا گیا ہے اور اللہ اُس سے جو تم کرتے ہو ہمیشہ باخبر رہتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علم کی نشر واشاعت کرنا صدقہ ہے۔

(صحیح بخاری)

جیسا کہ خاکسار نے اوپر بھی بیان کیا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔

"علم وحکمت ایسا خزانہ ہے جو تمام دولتوں سے اشرف ہے۔ دنیا کی تمام دولتوں کو فنا ہے لیکن علم وحکمت کو فنا نہیں۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 161)

انبیاء علیہم السلام نے اپنی دعوت کا ذریعہ علم اور قلم کو بنایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمّت کو سب سے پہلی تعلیم اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ اور عَلَّمَ بِالْقَلَمِ کی صورت میں دی ہے۔ قرآن کا نزول ہوا تو عَلَّمَ بِالْقَلَمِ کے ذریعے تحریری صورت میں محفوظ ہوا، رسول اللہ کی سیرت لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ، قلم کے ذریعے آج ہمارے پاس ایک زندہ سیرت کے طور پر موجود ہے۔ آج قرآن حکیم کے تراجم، قرآن مجید کی تفاسیر، تمام دینی ودنیوی علوم، تمام فنّی اور سائنسی علوم تمام علوم ایجادات واکتشافات اور سائنس وٹیکنالوجی سب کے سب علوم عَلَّمَ بِالْقَلَمِ کے مظاہر ہیں۔ قرآن اور احادیث کا علم ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصانیف کے روحانی خزائن موجود ہیں ان سب کو دنیا میں پھیلانا، نشر کرنا، ان کی اشاعت کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ پہلے وقتوں میں علم ایک انسان سے دوسرے انسان تک ذاتی طور پر پہنچتا تھا پھر کتب خانے بنے لیکن کتابیں پہنچنے میں بھی وقت لگتا تھا لیکن آج جدید ٹیکنالوجی کے ذریعہ جس میں ہمارا MTA سرِ فہرست ہے ہم اسلام کی نشر واشاعت کو بڑی آسانی سے دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچا سکتے ہیں۔ انٹرنیٹ ہے جس کے ذریعہ ہم علم کو پھیلا سکتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر جماعت کے رسائل واخبارات اور مختلف ویب سائٹ ہیں جن میں مشاہدات کی ویب سائٹ بھی شامل ہے کے ذریعہ روحانی علمی مائدے کو دنیا میں پہنچایا جاتا ہے۔ آج کا زمانہ قلم کے ذریعے زندہ ہے اور آج کا دور قلم کے جہاد کا دَور ہے۔ نئی ٹیکنالوجی استعمال کرنے کا دَور ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”پس خدا تعالیٰ نے اس نشر کے اس زمانہ میں جدید طریقے مہیا فرمادیئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے پاس آج کل کے وسائل اور جدید طریقے موجود نہیں تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے تبلیغِ اسلام کا حق ادا کر دیا۔ آج کل ہمارے پاس یہ طریقے موجود ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامِ صادق کے زمانہ میں یہ مقدّر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی پیشگوئی بھی فرمادی تھی۔ یہ آیت جو ہے یہ پیشگوئی ہے جس کا دوسری جگہ اس طرح ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَاالصُّحُفُ نُشِرَتْ (التکویر:11) یعنی جب کتابیں پھیلادی جائیں گی۔ پس ایک تو یہ زمانہ کتابیں پھیلانے کا ہے جو مسیح موعود کا زمانہ ہے اور اس وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے روحانی خزائن کا ایک بے بہا سمندر ہمارے لئے چھوڑا ہے اور اس کی اشاعت آپ کے زمانے میں ہوئی۔ آپ کے صحابہ نے بھی اس کو پھیلانے میں خوب کردار ادا کیا۔ ہم صحابہ کے واقعات پڑھتے ہیں کہ کسی نہ کسی صحابی نے کوئی کتاب دوسرے شخص کو دی، اس نے پڑھی، اس کے دل پر اثر ہوا اور اس طرح آہستہ آہستہ لوگ احمدیت میں شامل ہوتے چلے گئے اور ایک قربانی کے ساتھ ان لوگوں نے یہ کام کیا جیسا کہ اسلام کے دورِ اوّل میں صحابہ نے کیا تھا اور پھر یہ لوگ، یہ صحابہ جن کی قسم کھائی گئی ہے، جن کو شہادت کے طور پر پیش کیا گیا ہے خدا تعالیٰ کے پسندیدہ بن گئے اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے صحابہ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ والا کردار ادا کیا۔ جس سے یہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ کا قرب پانے والے بن گئے۔“

(خطبہ جمعہ 15/ اکتوبر 2010ء)

غیر ضروری (لایعنی) چیزوں سے زبان کی حفاظت کرنا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا

(بنی اسرائیل:54)

یعنی تُو میرے بندوں سے کہہ دے کہ ایسی بات کیا کریں جو سب سے اچھی ہو۔ یقیناً شیطان اُن کے درمیان فساد ڈالتا ہے۔ شیطان بے شک انسان کا کھلا کھلا دشمن ہے۔

سامعین! قرآن کریم میں ایسی باتوں کے کرنے اور بعض باتوں سے رکنے کا ارشاد فرمایا ہے جن کا تعلق زبان سے ہے جیسے آواز کو دھیمار کھنا (لقمان:20)،لوگوں سے نرم لہجہ سے گفتگو کرنا (البقرہ:84)،اپنے بھائیوں کے لئے دُعا کرنا(الممتحنہ:13)، قولِ زور (جھوٹ) سے بچنا (الصف:3-4)بغیر علم کے کوئی بات کرنا (بنی اسرائیل:37)، بہتان تراشی سے پرہیز (النساء:113) لوگوں پر عیب لگانے کی ممانعت (الحجرات:12)غیبت کرنے کی ممانعت (الحجرات:14) وغیرہ وغیرہ۔ ان کے علاوہ بہت سی نیکیوں کی طرف قرآن توجہ دلاتا ہے اور بُرائیوں سے روکتا ہے جن کا تعلق زبان سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایااور زبان کی صورت میں ایک نعمت بھی عطا کی۔ زبان جانوروں کی بھی ہوتی ہے لیکن وہ اس کو اِس طرح استعمال نہیں کرسکتے جیسے اللہ تعالیٰ نے انسان کو طاقت دی ہے کہ چاہے تو اچھی اور نیک بات کرے اور چاہے تو کوئی بھی فحش اور بُری بات کر کے خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنے۔ عربی زبان کا ایک مشہور محاورہ ہے: اَللِّسَانُ مَرْكُوْبٌ ذَلُوْل۔ زبان سدھائی ہوئی سواری ہے یعنی اسے درست رکھنا اور سیدھی راہ پر چلانا ہر انسان کے اپنے اختیار میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ وہ اپنی زبان اور شرمگاہ کو (گناہ سے) محفوظ رکھے گا، تو مَیں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔“

(صحیح بخاری:5474)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”مؤمن نہ طعن و تشنیع کرنے والا ہوتا ہے، نہ لعنت کرنے والا، نہ بے حیا باتیں کرنے والا اور نہ ہی گالی دینے والا۔“

(ترمذی:1977)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کسی بندے کا ایمان درست نہیں ہوتا جب تک اس کا دل درست نہ ہو، اور اس کا دل درست نہیں ہوتا جب تک اس کی زبان درست نہ ہو۔“ (مسند احمد:12636)

مسروق کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم عبد اللہ بن عمرو کے پاس بیٹھے تھے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہو رہا تھا) عبد اللہ بن عمرو ہمیں حضورؐ کی باتیں بتا رہے تھے کہ دوران گفتگو عبد اللہ بن عمرو نے کہا کہ حضورؐ کی زبان پر کبھی کوئی ایسی بات نہیں آتی تھی جو ناپسندیدہ ہو۔ کبھی کوئی فحش کلمہ کوئی بے حیائی کی بات ہم نے حضورؐ کی زبان سے نہیں سنی اور حضورؐ کو ایسی عادت نہ تھی نہ حضورؐ تکلفاً کوئی ایسی بات کرتے تھے بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے بہتر انسان وہ ہے جو تم میں سے اپنے اخلاق میں سب سے اچھا ہو۔

(بخاری کتاب الادب باب حسن الخلق)

زبان کے درست استعمال سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ اور آخرت پر ایمان کا ایک مظہر یہ ہے کہ انسان خیر کی بات کرے۔ بخاری اور مسلم کی ایک متفق علیہ روایت کے مطابق رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ اور آخرت پر یقین رکھتا ہے تو اسے چاہیے کہ زبان سے اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”زبان وجود کی ڈیوڑھی ہے اور زبان کو پاک کرنے سے گویا خدا تعالیٰ، وجود کی ڈیوڑھی میں آجاتا ہے۔ جب خدا، ڈیوڑھی میں آگیا تو پھر اندر آنا کیا تعجّب ہے؟“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 245-246 ایڈیشن 1984ء)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نوجوان نسل کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ایک احمدی کی زبان ہمیشہ پاک اور صاف ہونی چاہیے۔ کیونکہ گالی آنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں آپ کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ اپنی بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے جس کی وجہ سے غصہ میں آکر گالی گلوچ شروع کر دی۔ اس لیے یہ گھٹیا طریق ہے جو کبھی بھی کسی احمدی کو اختیار نہیں کرنا چاہیے اور نوجوانوں کو، بچوں کو خاص طور پر جو نوجوانی کی عمر میں داخل ہو رہے ہیں اس طرف خاص توجہ دینی چاہیے۔ اور ہر احمدی خادم کو اختلاف کی صورت میں، کسی اونچ نیچ کی صورت میں کبھی غلط بات منہ پر نہیں لانی۔ کسی قسم کی گالی اور غلیظ بات اس کے منہ سے نہیں نکلنی چاہیے۔“

(مشعل راہ، جلد پنجم، حصہ دوم، صفحہ 110)

حضور انور مزید فرماتے ہیں۔

”زبان ایک ایسی چیز ہے جس کا اچھا استعمال سب کو آپ کا گرویدہ بنا سکتا ہے اور اس کا غلط استعمال دوست کو بھی دشمن بنا سکتا ہے۔“

(خطبہ جمعہ 20/ اگست 2004ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(بتعاون: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴾31﴿ ﴾مشاہدات۔1250﴿

ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر17)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ٘ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ

(البقرہ:169)

یعنی اے لوگو! اُس میں سے حلال اور طیّب کھاؤ جو زمین میں ہے اور شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو۔ یقیناً وہ تمہارا کھلا کھلا دشمن ہے۔

عجب گوہر ہے جس کا نام تقویٰ
مبارک وہ ہے جس کا کام تقویٰ
سنو! ہے حاصلِ اسلام تقویٰ
خدا کا عِشق مَے اور جام تقویٰ
مُسلمانو! بناؤ تام تقویٰ
کہاں اِیماں اگر ہے خام تقویٰ

(درثمین)

معزز سامعین! آج ایمان کی ستّر شاخوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ میں سے چند کا ذکر کروں گا جن میں شرمگاہوں کی حفاظت اور ان میں لازم عفت و عصمت اختیار کرنا۔ حرام اموال سے ہاتھ روک لینا، اور اس میں چوری، رہزنی، رشوت خوری اور شرعاً ناجائز مال کھانے کی حرمت وغیرہ شامل ہے۔ حرام اور مکروہ لباس، وضع قطع سے اجتناب کرنا۔

شرمگاہوں کی حفاظت اور ان میں لازم عفت و عصمت اختیار کرنا۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ

(النور:31)

یعنی مؤمنوں کو کہہ دے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ بات ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کا موجب ہے۔ یقیناً اللہ، جو وہ کرتے ہیں، اس سے ہمیشہ باخبر رہتا ہے۔

پھر فرمایا:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل:33)

یعنی زنا کے قریب نہ جاؤ۔ یقیناً یہ بے حیائی ہے اور بہت بُرا رستہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے ابنِ آدم کے لیے جو اس کا حصّہ زنا سے ہے، لکھ دیا ہے جس کو وہ ضرور پالے گا۔ آنکھ کا زنا نظر ہے اور زبان کا زنا بولنا ہے اور نفس بھی آرزو کرتا ہے اور خواہش رکھتا ہے اور شرمگاہ ان سب کو سچا کرتی ہے یا جھٹلاتی ہے۔

(بخاری کتاب الاستئذان باب زِنَا الْجَوَارِحِ دُونَ الْفَرْجِ)

شرم گاہوں کی حفاظت پر جنت کی ضمانت دی گئی ہے جبکہ اس کی حفاظت نہ کرنے پر مثلاً بے حیائی، فحاشی اور زنا کا ارتکاب کی مذمّت بھی کی گئی ہے۔ زنا کے لیے تو دنیا میں بھی حدّ مقرر کی گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کے بارے میں فرمایا کہ وہ فحاشی کا مرتکب نہیں ہوتا۔

(ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”جو شخص مجھے زبان اور شرم گاہ (کی حفاظت) کی ضمانت دے دے تو مَیں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔“

(مشکوۃ المصابیح/کتاب الآداب/ حدیث:4812)

اسلام انسانی جذبات کو ہر قسم کے ہیجان سے بچا کر پاکیزہ زندگی گزارنے کا حکم دیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ سلام نے غضّ ِبصر پر زور دیا ہے، چونکہ بد نظری تمام فواحش کی بنیاد ہے،اس لیے قران وحدیث سب سے پہلے اس کی گرفت کرتے ہیں۔ جیسا کہ خاکسار نے اوپر قرآنی آیت بھی بیان کی ہے کہ مؤمنوں کو کہہ دے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں۔ ”بد نظری“ہی ”بدکاری“ کے راستے کی پہلی سیڑھی ہے۔ آنکھوں کی آزادی اور بے باکی خواہشات میں انتشار پیدا کرتی ہے۔ ایک حدیث میں بد نظری کو آنکھوں کا زنا قرار دیا گیا۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:فَزِنَا الۡعَیۡنِ اَلنَّظَرُ(بخاری) کہ آنکھوں کا زنا دیکھنا ہے۔

راستے میں مجلس جما کر بیٹھنے سے اسی وجہ سے منع کیا گیا ہے کہ وہ عام گزر گاہ ہے، ہر طرح کے آدمی گزرتے ہیں، نظر بے باک ہوتی ہے، ایسا نہ ہو کہ کسی پر نظر پڑے اور وہ بُرائی کا باعث بن جائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

”قرآن شریف نے جو کہ انسان کی فطرت کے تقاضوں اور کمزوریوں کو مدّ نظر رکھ کر حسب حال تعلیم دیتا ہے کیا عمدہ مسلک اختیار کیا ہے۔ قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ وَیَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَہُمۡ ؕ ذٰلِکَ اَزۡکٰی لَہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا یَصۡنَعُوۡنَ (النور:31) کہ تُو ایمان والوں کو کہہ دے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنے سوراخوں کی حفاظت کریں۔ یہ وہ عمل ہے جس سے ان کے نفوس کا تزکیہ ہو گا۔ فروج سے مراد صرف شرمگاہ ہی نہیں بلکہ ہر ایک سوراخ جس میں کان وغیرہ بھی شامل ہیں اور ان میں اس امر کی مخالفت کی گئی ہے کہ غیر محرم عورت کا راگ وغیرہ سنا جاوے۔ پھر یاد رکھو کہ ہزار در ہزار تجارب سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ جن باتوں سے اللہ تعالیٰ روکتا ہے آخر کار انسان کو ان سے رکنا ہی پڑتا ہے۔“

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 135)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

”ایماندار عورتوں کو کہہ دے کہ وہ بھی اپنی آنکھوں کو نامحرم مَردوں کے دیکھنے سے بچائیں اور اپنے کانوں کو بھی نامحرموں سے بچائیں یعنی ان کی پُر شہوت آوازیں نہ سنیں اور اپنے سِتر کی جگہ کو پردہ میں رکھیں اوراپنی زینت کے اعضاء کو کسی غیر محرم پر نہ کھولیں اور اپنی اوڑھنی کو اس طرح سر پر لیں کہ گریبان سے ہو کر سر پر آجائے یعنی گریبان اور دونوں کان اور سر اور کنپٹیاں سب چادر کے پردہ میں رہیں

اور اپنے پیروں کو زمین پر ناچنے والوں کی طرح نہ ماریں۔ یہ وہ تدبیر ہے کہ جس سے پابندی ٹھوکر سے بچاسکتی ہے۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 341۔342)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے مجلس خدام الاحمدیہ برطانیہ کے اجتماع میں فرمایا کہ

" اپنی عفّت و حیا کو قائم رکھنا صرف ایک عورت ہی کا کام نہیں ہے بلکہ مَردوں پر بھی فرض ہے۔ اپنی عفّت کی حفاظت کرنے کا صرف یہ مطلب نہیں کہ ایک شخص شادی شدہ زندگی سے باہر ناجائز جنسی تعلقات سے بچتا رہے بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں اس کا یہ مطلب سکھایا ہے کہ ایک مؤمن ہمیشہ اپنی آنکھیں اور اپنے کان ہر اُس چیز سے پاک رکھے جو نامناسب ہے اور اخلاقی طور پر بُری ہے۔ جیسا کہ مَیں نے بیان کیا ہے ایک چیز جو انتہائی بیہودہ ہے وہ پورنوگرافی (pornography) ہے۔ اسے دیکھنا اپنی آنکھوں اور کانوں کی عفّت اور پاکیزگی کو کھودینے کے مترادف ہے۔"

پھر ایک خطبہ جمعہ میں حضور انور فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان فواحش کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یعنی ایسی تمام باتیں جو فحشاء کی طرف مائل کرتی ہیں اُن سے رُکو۔ اس زمانے میں تو اس کے مختلف قسم کے ذریعے نکل آئے ہیں۔ اس زمانے میں انٹرنیٹ ہے، اس پر بیہودہ فلمیں آجاتی ہیں، ویب سائٹس پر، ٹی وی پر بیہودہ فلمیں ہیں، بیہودہ اور لغو قسم کے رسالے ہیں، ان بیہودہ رسالوں کے بارے میں جو پورنوگرافی pornography وغیرہ کہلاتے ہیں اب یہاں بھی آواز اُٹھنے لگ گئی ہے کہ ایسے رسالوں کو سٹالوں اور دکانوں پر کھلے عام نہ رکھا جائے کیونکہ بچوں کے اخلاق پر بھی بُرا اثر پڑ رہا ہے۔ ان کو تو آج یہ خیال آیا ہے لیکن قرآنِ کریم نے چودہ سو سال پہلے یہ حکم دیا کہ یہ سب بے حیائیاں ہیں، ان کے قریب بھی نہ پھٹکو۔ یہ تمہیں بے حیا بنادیں گی۔ تمہیں خدا سے دُور کردیں گی، دین سے دُور کردیں گی بلکہ قانون توڑنے والا بھی بنادیں گی۔ اسلام صرف ظاہری بے حیائیوں سے نہیں روکتا بلکہ چھپی ہوئی بے حیائیوں سے بھی روکتا ہے اور پردے کا جو حکم ہے وہ بھی اسی لئے ہے کہ پردے اور حیادار لباس کی وجہ سے ایک کھلے عام تعلق اور بے تکلّفی میں جو لڑکے اور لڑکی میں پیدا ہو جاتی ہے، ایک روک پیدا ہو گی۔ اسلام بائبل کی طرح یہ نہیں کہتا کہ تم عورت کو بُری نظر سے نہ دیکھو بلکہ کہتا

ہے کہ نظریں پڑیں گی تو قربت بھی ہو گی اور پھر بے حیائی بھی پیدا ہو گی....پس یہ قرآنِ کریم کے حکم کی خوبصورتی ہے کہ یہ نہیں کہ نظر اُٹھا کے نہیں دیکھنا اور نہ نظریں ملانی ہیں بلکہ نظروں کو ہمیشہ نیچے رکھنا ہے اور یہ حکم مرد اور عورت دونوں کو ہے کہ اپنی نظریں نیچی رکھو اور پھر جب نظریں نیچی ہوں گی تو پھر ظاہر ہے یہ نتیجہ بھی نکلے گا کہ جو آزادانہ میل جول ہے اُس میں بھی روک پیدا ہو گی۔ پھر یہ بھی ہے کہ فحشاء کو نہیں دیکھنا، تو جو بیہودہ اور لغو اور فحش فلمیں ہیں، جو وہ دیکھتے ہیں اُن سے بھی روک پیدا ہو گی۔ پھر یہ بھی ہے کہ ایسے لوگوں میں نہیں اُٹھنا بیٹھنا جو آزادی کے نام پر اس قسم کی باتوں میں دلچسپی رکھتے ہیں اور اپنے قصّے اور کہانیاں سناتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس طرف راغب کر رہے ہوتے ہیں۔ نہ ہی سکائپ (skype) اور فیس بُک (facebook) وغیرہ پر مرد اور عورت نے ایک دوسرے سے بات چیت کرنی ہے، ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنی ہیں، نہ ہی ان چیزوں کو ایک دوسرے سے تعلقات کا ذریعہ بنانا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سب ظاہر یا چھپی ہوئی فحشاء ہیں جن کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم اپنے جذبات کی رَو میں زیادہ بہہ جاؤ گے، تمہاری عقل اور سوچ ختم ہو جائے گی اور انجام کار اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑ کر اُس کی ناراضگی کا موجب بن جاؤ گے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 2؍ اگست 2013ء)

حرام اموال سے بچنا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ

(البقرہ:169)

یعنی اے لوگو! اُس میں سے حلال اور طیّب کھاؤ جو زمین میں ہے اور شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو۔ یقیناً وہ تمہارا کھلا کھلا دشمن ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ، لَا يُبَالِي الْمَرْءُ بِمَا أَخَذَ الْمَالَ، أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ

(صحیح البخاری، حدیث 2083)

ضرور ایسا زمانہ آئے گا جب لوگ اس بات کی پرواہ نہیں کریں گے کہ وہ مال کہاں سے حاصل کر رہے ہیں حلال سے یا حرام سے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حرام مال میں برکت نہیں ہوتی، اگرچہ وہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔

(مسند احمد:23456)

سامعین! جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دی ہیں اُن سے بچنا چاہیے یہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ کسی بھی کام کو کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے کہ کیا اس کام سے حاصل ہونے والا خدا تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں آئے گا کہ نہیں۔ بعض لوگ ایسی جگہوں پر کام کرتے ہیں جہاں سوٗر کا گوشت یا شراب وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے۔ کبھی یہ بھی سوچتے ہیں کہ کون سا ہم ان چیزوں کو استعمال کر رہے ہیں لیکن خیال رہے حرام اور ناجائز چیزوں سے تجارت کرنا یا اُن سے کمائی کرنا بھی حرام مال کے زُمرہ میں آتا ہے اُس سے بچنا چاہیے۔ اگر صحیح طور پر گہرائی میں جا کر غور نہیں کریں گے تو شیطان وسوسہ ڈالے گا، شبہ میں مبتلا کرے گا، کہے گا دیکھو! تمہیں غلط طور پر روکا گیا ہے حالانکہ قرآن کریم میں اجازت ہے کہ حد سے آگے نہ نکلو۔ اگر مجبوری ہو تو سوٗر کا گوشت کھالو، اگر مجبور ہو جاؤ تو یہ بیچ بھی سکتے ہو۔ تو شیطان وسوسہ پیدا کرتا رہتا ہے کہ یہ تمہاری مجبوری ہے تمہارے کاروبار کا سوال ہے تو کرو اور خوب پیسہ کماؤ۔ لیکن اگر انسان شیطان سے لڑتا رہے اور نیت ہو کہ مَیں نے اس کی بات نہیں ماننی تو اگر بُرے خیال آتے بھی ہیں تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے اور جہاں وہ جائز کام کرے گا وہاں اللہ تعالیٰ اُس کے رزق میں برکت بھی ڈالے گا۔

آج کل اس کی ایک صورت لاٹری کا نظام بھی ہے اس میں بھی لوگ بے پرواہ ہیں۔ زیادہ تر پرواہ نہیں کرتے اور لاٹری کے ٹکٹ خرید لیتے ہیں۔ یہ چیز بھی حرام ہے۔ سود بھی ایک ایسی چیز ہے جو معاشرے میں فساد پھیلانے کی وجہ بنتا ہے اور سود کی بڑی شدّت سے اللہ تعالیٰ نے مناہی فرمائی ہے۔ بعض لوگ اپنا پیسہ، اپنی رقم معیّن منافع کی شرط کے ساتھ کسی کو دیتے ہیں کہ ہر ماہ یا چھ ماہ بعد یا سال بعد اتنا منافع مجھے ادا ہو گا۔ تو یہ بھی سود کی ایک قسم ہے۔ یہ تجارت نہیں ہے بلکہ تجارت کے نام پر دھوکہ ہے اور سود کی کمائی حرام کی کمائی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”تقویٰ کے بہت سے اجزء ہیں۔ عُجب، خود پسندی، مال حرام سے پرہیز اور بداخلاقی سے بچنا بھی تقویٰ ہے۔“

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 50 جدید ایڈیشن)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

” اصل بات یہ ہے کہ شیطان انسان کے دل میں ہر وقت یہ بات ڈالنے کی تاک میں لگا رہتا ہے کہ کوئی بات نہیں، فلاں کام کر لو، کچھ نہیں ہوتا۔ اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں، تم سوٴر کھا تو نہیں سکتے اور یا کھا تو نہیں رہے، یہ تو ایک کاروبار ہے کوئی ڈھکی چھپی بات بھی نہیں ہے، جن کو کھلا رہے ہو ان کو تو یہ چیز پسند ہے اس لئے چوری بھی نہیں ہے، دھوکہ بھی نہیں ہے۔ تو یہ بات خوبصورت کر کے شیطان انسان کے دل میں ڈالتا ہے اور پھر جب اس پر عمل شروع ہو جائے تو ایک بُرائی سے دوسری بُرائی پیدا ہوتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ انسان اس میں پورے طور پر ملوّث ہو جاتا ہے، شامل ہو جاتا ہے، وہی حرکتیں کرنے لگ جاتا ہے۔ اچھے بُرے کی تمیز بھی نہیں رہتی، سب کچھ بھلا بیٹھتے ہیں اور روحانی طور پر بھی پھر ایسی حالت میں انسان کمزور ہو جاتا ہے اور پھر صرف دنیا کمانے کی طرف توجہ رہتی ہے اور جائز ناجائز کے فرق کو بھلا بیٹھتے ہیں۔“

(خطبہ جمعہ 9/جولائی 2004ء)

حرام اور مکروہ لباس، وضع قطع سے اجتناب کرنا

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ قَدۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکُمۡ لِبَاسًا یُّوَارِیۡ سَوۡاٰتِکُمۡ وَرِیۡشًا (الاعراف:27)

یعنی اے بنی آدم! یقیناً ہم نے تم پر لباس اُتارا ہے جو تمہاری کمزوریوں کو ڈھانپتا ہے اور زینت کے طور پر ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو زنانہ لباس پہنتا ہے اور اس عورت پر جو مردانہ لباس پہنتی ہے۔ (ابوداؤد، حاکم مستدرك)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ شخص اسی قوم میں شمار ہو گا۔

(المسند الجامع، (الجهاد)، 10/716، رقم الحدیث: 8127)

سامعین! لباس انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ایک بڑی چیز ہے جس کا مقصد انسان کی سِتر پوشی اور اس کی شخصیت کو نمایاں کرنا ہے۔ اسلام نے کسی خاص لباس کا پابند نہیں بنایا، البتہ اسلام نے کچھ اہم بنیادی اصول وآداب بتائے ہیں۔ ان آداب اور اصول کا لحاظ رکھنا از حد ضروری ہے، پس جو لباس ان شرعی حدود میں ہو گا وہ شرعی لباس کہلائے گا ورنہ خلافِ شرع ہو گا۔

لباس ایسا ہونا چاہیے جس سے سِتر بھی ڈھک جائے اور جسم کی ہیئت بھی چُھپ جائے۔ لباس کا سب سے اوّلین مقصد سِتر کو چھپانا ہے، اسی لیے اگر لباس ایسا ہو کہ وہ سِتر پوشی کا کام نہیں دیتا، خواہ ناقص لباس ہو یا لباس تو پورا ہو لیکن اتنا تنگ اور چست لباس ہو یا ایسا خفیف لباس ہو جس سے جسم کے اعضاء نظر آئیں۔ تو ایسا لباس خواہ مرد کا ہو یا عورت کا، ناجائز ہے۔ اسلام میں مرد اور عورت کو ایک دوسرے کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ لباس میں سادگی ہو، تصنع، بناوٹ یا نمائش مقصود نہ ہو، مال دار شخص نہ تو فاخرانہ لباس پہنے اور نہ ہی ایسا لباس پہنے کہ اس سے مفلسی جھلکتی ہو، اپنی مالی استطاعت کے مطابق ہی لباس کا اہتمام ہونا چاہیے۔ مرد کے لیے خالص ریشم (یا جس کپڑے کا بانا ریشم کا ہو) پہننا حرام ہے۔ مرد کے لیے خالص سرخ یا زعفرانی رنگ مکروہ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"کوئی مسلمان ہندوؤں کی طرح بودی وغیرہ رکھ لیوے تو اگرچہ قرآن اور حدیث میں اس کا کہیں ذکر صریح نہیں ہے مگر چونکہ کفار سے اس میں مشابہت پائی جاتی ہے اس لیے اس سے پرہیز چاہیے۔"

(البدر جلد 2 نمبر 13 مورخہ 17/اپریل 1903ء صفحہ 99)

فرمایا:

"مسلمانوں کا پیرایہ اختیار کرنا عمدہ بات ہے۔ اس سے انسان مسلمان ثابت ہوتا ہے۔ حتّی الوسع دوسروں کو اعتراض کا موقع نہ دینا چاہیے جو لباس اسلام کا ہے اسی میں تقوٰی ہے۔"

(البدر جلد 2 نمبر 13 مورخہ 17/اپریل 1903ء صفحہ 99)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" ایک مؤمن کے اور ایک غیر مؤمن کے لباس کی زینت کا معیار مختلف ہوتا ہے اور کسی بھی شریف آدمی کے لباس کا، جو زینت کا معیار ہے وہ مختلف ہے۔ آج کل مغرب میں اور مشرق میں بھی فیشن ایبل (Fashionable) اور دنیادار طبقے میں لباس کی زینت اُس کو سمجھا جاتا ہے بلکہ مغرب میں تو ہر طبقہ میں سمجھا جاتا ہے جس میں لباس میں سے ننگ ظاہر ہو رہا ہو اور جسم کی نمائش ہو رہی ہو۔ مرد کے لئے تو کہتے ہیں کہ ڈھکا ہوا لباس زینت ہے۔ لیکن مرد ہی یہ بھی خواہش رکھ رہے ہوتے ہیں کہ عورت کا لباس ڈھکا ہوا نہ ہو۔ اور عورت جو ہے، اکثر جگہ عورت بھی یہی چاہتی ہے۔ وہ عورت جسے اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہوتا، اس کے پاس لباس تقویٰ نہیں ہے اور ایسے مرد بھی یہی چاہتے ہیں۔ ایک طبقہ جو ہے مردوں کا وہ یہ چاہتا ہے کہ عورت جدید لباس سے آراستہ ہو بلکہ اپنی بیویوں کے لئے بھی وہی پسند کرتے ہیں تاکہ سوسائٹی میں ان کو اعلیٰ اور فیشن ایبل سمجھا جائے۔ چاہے اس لباس سے ننگ ڈھک رہا ہو یا نہ ڈھک رہا ہو۔ لیکن ایک مؤمن اور وہ جسے اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ چاہے مرد ہو یا عورت وہ یہی چاہیں گے کہ خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے وہ لباس پہنیں جو خدا کی رضا کے حصول کا ذریعہ بھی بنے اور وہ لباس اس وقت ہو گا جب تقویٰ کے لباس کی تلاش ہو گی۔ جب ایک خاص احتیاط کے ساتھ اپنے ظاہری لباسوں کا بھی خیال رکھا جا رہا ہو۔"

(خطبہ جمعہ 3/ اپریل 2009ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(بتعاون: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴿32﴾ ﴿مشاہدات۔ 1251﴾

ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر18)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۫ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ

(البقرہ:169)

اے لوگو! اُس میں سے حَلال اور طیّب کھاؤ جو زمین میں ہے اور شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو۔ یقیناً وہ تمہارا کھلا کھلا دشمن ہے۔

اسلام سے نہ بھاگو راہِ ہدیٰ یہی ہے
اے سونے والو جاگو! شمس الضحیٰ یہی ہے
دنیا میں اِس کا ثانی کوئی نہیں ہے شربت
پی لو تم اِس کو یارو! آبِ بقا یہی ہے

(درثمین)

معزز سامعین! آج خاکسار ایمان کی ستّر شاخوں میں سے جن کا ذکر کرنے جارہا ہے وہ یہ ہیں:
کھانے پینے میں احتیاط اور کھانے کی ناجائز اشیاء سے اجتناب۔ چھینکنے والے کو جواب دینا (یعنی اس کے "الحمدللہ" کے جواب میں "یرحمك اللہ" کہنا)، آدمی اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

کھانے پینے میں احتیاط اور کھانے کی ناجائز اشیاء سے اجتناب

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

يَآيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ

(البقرہ:169)

اے لوگو! اُس میں سے حلال اور طیّب کھاؤ جو زمین میں ہے اور شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو۔ یقیناً وہ تمہارا کھلا کھلا دشمن ہے۔

پھر فرمایا:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ

(المائدہ:4)

تم پر مُردار حرام کر دیا گیا ہے اور خون اور سؤر کا گوشت اور جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور دم گھٹ کر مرنے والا اور چوٹ لگ کر مرنے والا اور گر کر مرنے والا اور سینگ لگنے سے مرنے والا اور وہ بھی جسے درندوں نے کھایا ہو، سوائے اس کے کہ جسے تم (اس کے مرنے سے پہلے) ذبح کرلو اور وہ (بھی حرام ہے) جو معبودانِ باطلہ کی قربان گاہوں پر ذبح کیا جائے اور یہ بات بھی کہ تم تیروں کے ذریعہ آپس میں حصّے بانٹو۔ یہ سب فسق ہے۔

پھر فرمایا:

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ (المائدہ:5)

وہ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ اُن کے لئے کیا حلال کیا گیا ہے۔ تُو کہہ دے کہ تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔

سامعین! جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ اسلام دینِ فطرت ہے، اسلام نے زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے ماننے والوں کی رہنمائی کی ہے، اسلام نے کھانے پینے کے بھی کچھ آداب بتائے ہیں اور ان آداب پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کرکے عملی نمونہ بھی پیش کیا۔ اگر ہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

طریقے اور ان کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق اپنے کھانے پینے کے آداب کو مدّ نظر رکھیں تو ہم ایمان کے ایک حصّے کو بھی پورا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی چیزوں میں بہت سی چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ اسلام نے کھانے کے حوالے سے بھی چند جانوروں کو حلال قرار دیا ہے اور باقی دیگر جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس میں خلاف ورزی کرنا اللہ کی نافرمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں بھی بے شمار حکمتیں ہیں اور اتنی بات تو بالکل واضح ہے کہ ہر غذا کی تاثیر ہوتی ہے۔ حرام غذا سے جو جسم پرورش پاتا ہے، وہ نہ صرف باطنی بلکہ ظاہری طور پر بھی بہت سی بُرائیوں اور بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مثلاً خنزیر حرص، بے حیائی، بے غیرتی اور نجاست خوری میں مشہور ہے۔ اس کے استعمال سے حیا اور عزّت وناموس رخصت ہو جاتی ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے بہت سی چیزوں کو حرام فرمایا کہ یہ چیزیں گندی اور ناپاک ہیں، ان کے استعمال سے انسان کا قلب اور اس کی روح گندی اور ناپاک ہو جاتی ہے۔ حلال چیزوں کے کھانے سے قلب میں اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور حرام چیزوں کے استعمال سے دل سے اللہ کی محبت رخصت ہو جاتی ہے اور قلب اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے خالی ہو جاتا ہے۔ حلال غذا کا عمل صالح میں بڑا دخل ہے، جب غذا حلال ہوتی ہے تو نیک اعمال کی توفیق خود بخود ہونے لگتی ہے۔

ہر قسم کا جانور جس کا گوشت طبعی موت یا عائد کردہ موت کے نتیجہ میں کھانے کے لئے استعمال ہونے لگ جائے وہ گوشت نہیں کھانا۔ چوٹ لگ کے مرا ہو، اس کو طبعی موت نہیں کہتے مگر حادثے کے نتیجہ میں موت واقع ہو گئی ہو، دم گھونٹ کے مارا گیا ہو۔ طبعی موت نہیں ہے لیکن دم بند ہونے کی وجہ سے جو موت ہے، تو ہر ایسا گوشت جس کو بالا رادہ انسان کے تصرّف کے لیے خون بہا کر ذبح نہ کیا گیا ہو۔ وہ میّت کہلائے گا۔ ہر جانور کا خون حرام ہے۔

وہ جانور جو غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے۔ اس میں اوثان وغیرہ جو دوسرے طریق تھے جن کی خاطر مارے جاتے ہیں یا نظریں چڑھائی جاتی ہیں پیروں فقیروں کے نام سے دیا جاتا ہے تمام قسم کی حُرمتیں جو شرک سے تعلق رکھتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ سے یہ مُراد ہے کہ جو اِن مندروں اور تھانوں پر ذبح کیا جاوے یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جاوے اس کا کھانا تو جائز نہیں ہے۔“

(تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد 2 سورۃ البقرہ زیر آیت 174 صفحہ 301)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر کُچلی والے درندے اور ہر پنجے والے پرندے کے کھانے سے منع فرمایا ہے۔(اس سے مراد شکاری پرندے ہیں)

(صحیح مسلم کتاب الصید والذبائح باب تحریم اکل کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا اور گھوڑوں کے گوشت کی اجازت دی۔

(صحیح مسلم کتاب الصید والذبائح باب فی اکل لحوم الخیل)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خرگوش کا گوشت لایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول کیا اور اسے کھایا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے لیے دو مردار مچھلی اور ٹڈی حلال ہیں۔

(سنن ابن ماجہ حدیث نمبر 3218 کتاب الصید باب صید الحیتان والجراد)

حضرت مصلح موعودؓ نے حلال چیزوں کو چار مدارج میں تقسیم کیا ہے۔

اوّل: طیّب۔

دوم: حلال۔

سوم: حرام۔

چہارم: مکروہ۔

حضرت مصلح موعودؓ حلال و حرام کی فلاسفی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اسلامی شریعت نے صرف حلال چیزوں کے کھانے کا ہی حکم نہیں دیا بلکہ حلال میں سے بھی طیّب اشیاء کے استعمال کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اور یہ اسلام کی ایسی امتیازی خصوصیت ہے جس میں کوئی اَور مذہب اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔“

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

”خنزیر جو حرام کیا گیا ہے۔ خدا نے ابتدا سے اس کے نام میں ہی حرمت کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ خنزیر کا لفظ خنز اور ار سے مرکّب ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ مَیں اس کو بہت فاسد اور خراب دیکھتا ہوں۔ خنز

کے معنی بہت فاسد اور ار کے معنی دیکھتا ہوں... عجیب اتفاق یہ ہے کہ ہندی میں اس جانور کو سؤر کہتے ہیں۔ یہ لفظ بھی سوء اور ار سے مرکّب ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ مَیں اس کو بہت بُرا دیکھتا ہوں... اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اوّل درجہ کا نجاست خور اور نیز بے غیرت اور دیوث ہے۔ اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ قانونِ قدرت یہی چاہتا ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر بھی بدن اور روح پر بھی پلید ہی ہو۔ جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے ہی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصیت حیا کی قوّت کو کم کرتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے اور مُردار کا کھانا بھی اسی لئے اس شریعت میں منع ہے کہ مُردار بھی کھانے والے کو اپنے رنگ میں لاتا ہے اور نیز ظاہری صحت کے لئے بھی مضرّ ہے اور جن جانوروں کا خون اندر ہی رہتا ہے جیسے گلا گھونٹا ہوا یا لاٹھی سے مارا ہوا۔ یہ تمام جانور درحقیقت مُردار کے حکم میں ہی ہیں۔ کیا مُردہ کا خون اندر رہنے سے اپنی حالت پر رہ سکتا ہے؟ نہیں! بلکہ وہ بوجہ مرطوب ہونے کے بہت جلد گندہ ہوگا اور اپنی عفونت سے تمام گوشت کو خراب کرے گا اور نیز خون کے کیڑے جو حال کی تحقیقات سے بھی ثابت ہوئے ہیں مر کر ایک زہرناک عفونت بدن میں پھیلا دیں گے۔"

(تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد4 صفحہ 5)

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے یورپ میں کھانے کی اشیاء میں موجود ناجائز چیزوں کے استعمال مثلاً سؤر کی چربی یا شراب وغیرہ کے استعمال کے بارے میں احتیاط کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا:

" اس ضمن میں یہ بتادوں کہ یہاں ہر چیز پر Ingredients لکھے ہوتے ہیں، بعض اوقات چاکلیٹ یا بسکٹ لیتے وقت لوگ احتیاط نہیں کرتے، یا جیم (Jam) یا اس قسم کی چیزیں لیتے وقت احتیاط نہیں کرتے حالانکہ اس میں واضح طور پر لکھا ہوتا ہے کہ اس میں الکوحل ملی ہوئی ہے یا اس میں سؤر کی چربی ملی ہوئی ہے یا اَور کوئی چیز ملی ہوئی ہے، تو پڑھ کے لیا کریں۔ چونکہ مجھے تجربہ ہوا ہے بعض لوگ تحفے میں بعض دفعہ لے آتے ہیں، مَیں احتیاط کرتا ہوں اور مَیں نے پڑھا تو اس میں الکوحل ملا ہوا تھا، ہر احمدی کو احتیاط کرنی چاہئے۔"

(خطبہ جمعہ 9/ جولائی 2004ء)

چھینکنے والے کو جواب دینا

سامعین! ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کچھ حقوق ہیں جن میں چھینکنے والے کے "اَلْحَمْدُلِلّٰہِ" کہنے پر "یَرْحَمُكَ اللّٰہُ" کا جواب دینا بھی ہے۔ چھینکنے والے کے لیے اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کہنا ضروری ہے کیونکہ یہ سنّت ہے اور اگر کوئی اُس کے پاس ہو اور اَلْحَمْدُلِلّٰہِ سنے تو جواب میں یَرْحَمُكَ اللّٰہُ کہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا:

"مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں: سلام کا جواب دینا، بیمار کی عیادت کرنا، جنازوں کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا اور چھینک کا جواب دینا۔"

(کتاب الجنائز، باب الامر باتباع الجنائز)

حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھینک آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ فرماتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جاتا: یَرْحَمُكَ اللّٰہُ (اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (جواباً) ارشاد فرماتے: یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بِالَکُمْ، اللہ تعالیٰ تمہیں بھی ہدایت عطا فرمائے اور تمہارے اَحوال بہتر فرمائے۔

(أحمد بن حنبل في المسند، 1/204، الرقم: 1748، والبيهقي في شعب الإيمان، 7/28، الرقمٌ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی چھینکے تو اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کہے اور اس کا بھائی یا اس کا ساتھی (راوی کو شبہ تھا) یا "رَحِمَكُ اللّٰہُ" کہے۔ جب ساتھی "یَرْحَمُكَ اللّٰہُ" کہے تو اس کے جواب میں چھینکنے والا یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بِالَکُمْ"

(صحیح البخاری، کتاب الادب، حدیث: 6224)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" ایک روایت میں آتا ہے حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے پانچ حق ہیں۔ سلام کا جواب دینا، بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرنا، فوت ہو جائے تو اس کے جنازے میں شامل ہونا، اس کی دعوت قبول کرنا اور اگر وہ چھینک مارے اور

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ کہے تو اس کی چھینک کا جواب یَرْحَمُكَ اللّٰہُ کی دعا کے ساتھ دینا۔ ایک اور روایت میں زائد بات یہ ہے کہ جب تو اسے ملے تو اسے سلام کہے اور جب وہ تجھ سے خیر خواہانہ مشورہ مانگے تو خیر خواہی اور بھلائی کا مشورہ دے۔

تو یہ ہیں نیکیاں پھیلانے اور ان پر بڑھنے کے طریقے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو بتائے ہیں۔ اگر غور کریں تو دیکھیں ان باتوں پر عمل کر کے ایک خوبصورت معاشرہ قائم ہو گا۔ جو صرف نیکی کرنے والا معاشرہ ہو گا، جو صرف نیکی پھیلانے والا معاشرہ ہو گا، جو صرف نیکیوں میں آگے بڑھنے والا معاشرہ ہو گا۔ جہاں ایک دوسرے کو دعائیں بھی دے رہے ہوں گے اور خیر خواہی اور بھلائی کے مشورے بھی دے رہے ہوں گے۔ نیکی میں پیچھے رہ جانے والوں کو ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بھی ملا رہے ہوں گے۔"

(خطبہ جمعہ 10 ستمبر 2004ء)

آدمی اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ

(الحشر:10)

کہ وہ لوگ جنہوں نے ان سے پہلے ہی گھر تیار کر رکھے تھے اور ایمان کو (دلوں میں) جگہ دی تھی وہ ان سے محبت کرتے تھے جو ہجرت کر کے ان کی طرف آئے اور اپنے سینوں میں اس کی کچھ حاجت نہیں پاتے تھے جو اُن (مہاجروں) کو دیا گیا اور خود اپنی جانوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے باوجود اس کے کہ انہیں خود تنگی در پیش تھی۔ پس جو کوئی بھی نفس کی خساست سے بچایا جائے تو یہی وہ لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں۔

پھر ایک جگہ فرمایا

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات:11)

یعنی مؤمن تو بھائی بھائی ہوتے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے (یا فرمایا: اپنے پڑوسی کے لیے بھی) وہی پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔"

(صحیح مسلم، کتاب الإیمان، حدیث: 170)

ایک اور حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
" تم میں سے کوئی شخص ایماندار نہ ہو گا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ نہ چاہے جو اپنے نفس کے لیے چاہتا ہے۔"

(صحیح البخاری، کتاب الإیمان، حدیث: 13)

سامعین! اِس حدیث سے ہمیں ایثار، محبت اور خیر خواہی کا سبق ملتا ہے اور یہ ہمارے ایمان کا حصّہ ہے۔ اگر ہم سب اس عمل کریں تو معاشرہ امن، بھائی چارے اور خوشیوں کا گہوارہ بن جائے۔ ایک مؤمن کو چاہیے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، یعنی اگر وہ چاہتا ہے کہ اس کی عزّت کی جائے تو دوسروں کی عزّت کرے، اگر چاہتا ہے کہ اس کے امن وامان کو کوئی تہ وبالا نہ کرے تو وہ دوسروں کے امن وامان کا بھی خیال رکھے۔ اِس سے ایک تو معاشرے میں امن قائم ہو گا، ایک دوسرے سے محبت بڑھے گی اور بعض حالات میں ایک دوسرے کی مدد بھی ہو گی۔ کسی کو کوئی چیز تحفہ میں دے تو وہ پسند کرے جو کہ خود اُس کو بھی پسند ہو۔ بعض لوگ کسی کو اگر کوئی تحفہ دینا چاہتے ہیں تو گھر میں سے وہ چیز نکال کر دے دیتے جو اُن کے لیے کار آمد نہیں ہوتی یا انہیں پسند نہیں ہوتی۔ بعض اوقات کسی کے متعلق ایسی بات کہہ دیتے ہیں جو کہ اگر اُن کے اپنے بارے میں کہی جائے وہ اُس کو پسند نہیں کریں گے اور بُرا مان جائے گے۔ لہذا تو یہ باتیں ایمان کے خلاف ہیں۔ جب بھی کسی سے کوئی معاملہ کریں، کسی کو مشورہ دیں تو پہلے خود اپنے آپ کو سامنے رکھ کر سوچیں کہ کیا یہ میرے لیے ٹھیک ہے تو پھر کسی کو مشورہ دیں کسی کے معاملہ میں مدد کریں۔ ہر انسان کی خواہش ہے کہ اس کی عزت وتوقیر کی جائے تو اس کی اپنے ہمسائے اور بھائی کے لیے بھی یہی سوچ ہونی چاہیے۔ جس طرح کوئی شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی اسے دھوکا دے، اسی طرح اسے چاہیے کہ وہ بھی دوسروں کو دھوکا نہ دے۔

سامعین! دیکھا گیا ہے کہ عام طور پر انسان اپنے حقوق کے بارے میں بہت حسّاس ہوتا ہے لیکن اپنے فرائض کے متعلق غفلت کا ارتکاب کرتا ہے، حالانکہ وہ بھی کسی کے حقوق ہیں، اگر ہر شخص دوسروں کے حقوق کا خیال رکھے تو سب کے حقوق محفوظ ہو جائیں گے اور معاشرے میں امن وامان قائم ہو جائے گی۔ ضروری ہے کہ انسان خود غرضی سے پاک ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ

"مَیں نصیحت کرتا ہوں اور کہنا چاہتا ہوں کہ آپس میں اختلاف نہ ہو۔ مَیں دو ہی مسئلے لے کر آیا ہوں۔ اوّل خدا کی توحید اختیار کرو۔ دوسرے آپس میں محبت اور ہمدردی ظاہر کرو۔ وہ نمونہ دکھاؤ کہ غیروں کے لیے کرامت ہو۔ یہی دلیل تھی جو صحابہؓ میں پیدا ہوئی تھی كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ (آل عمران:104) یادرکھو! تالیف ایک اعجاز ہے۔ یادرکھو! جب تک تم میں ہر ایک ایسا نہ ہو کہ جو اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ وہ مصیبت اور بلا میں ہے۔ اس کا انجام اچھا نہیں۔"

(ملفوظات جلد اول صفحہ 457 ایڈیشن 2022ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ خود بھی امن وآشتی کے ساتھ رہنے اور دوسروں کے لیے بھی بھلائی پیدا کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں:

"پس ہر احمدی کو یادرکھنا چاہئے کہ دنیا کو بھلائی کی طرف بلانا اور ہر ایک کی بھلائی چاہنا ہر احمدی کا فرض ہے۔ کیونکہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل اور احسان کرتے ہوئے مسیح موعود کو ماننے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ صرف امن سے رہنا ہی ہمارا کام نہیں ہے۔ کسی بُرے کام سے رُکنا ہی ہمارا کام نہیں۔ فسادوں سے دور رہنا ہی ہمارا کام نہیں بلکہ دنیا میں امن کا قیام اور اس کے لئے بھرپور کوشش بھی ہمارا کام ہے۔ دنیا کو بُرائیوں سے روکنے کی کوشش کرنا بھی ہمارا کام ہے۔ دنیا کو فسادوں سے دور رکھنے اور بچانے کی کوشش کرنا بھی ہمارا کام ہے کیونکہ یہ کام مسیح موعود کے کاموں میں شامل ہے۔ آپ کو بھلائی اور خیر خواہی کے کام کو دوبارہ اسلامی تعلیم کی روشنی میں جاری کرنے کے لئے بھیجا گیا۔

پس دنیا کی یہ خیر خواہی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت اور خدا تعالیٰ کا حکم ہم سے یہ تقاضا کرتے ہیں کہ ہم میدانِ عمل میں آئیں اور دنیا کو خیر اور بھلائی پہنچانے اور شرّ کو دور کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔ ہم مسلمانوں کے بھی خیر خواہ ہیں ان کی بھلائی چاہتے ہیں اور غیر مسلموں کے بھی خیر خواہ ہیں اور ان کی بھلائی چاہتے ہیں۔ ہم عیسائیوں کے بھی خیر خواہ ہیں اور یہودیوں کے بھی، ہندوؤں کے بھی اور دوسرے مذاہب والوں کے بھی حتّٰی کہ ہم دہریوں کے بھی خیر خواہ ہیں کیونکہ ہم نے ان سب کو وہ راستہ دکھانا ہے جو انہیں خدا تعالیٰ کے قریب کرنے والا ہو بلکہ ہم نے ہر قسم کے جرائم میں ملوّث لوگوں چوروں اور ڈاکوؤں، ظالموں سب کی خیر خواہی چاہنی ہے اس لئے کہ یہ لوگ ربّ العالمین کے بندے ہیں اور ہم نے اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں کی خیر خواہی چاہنی ہے اور انہیں نیکیوں پر چلنے اور بُرائیوں سے رکنے کے راستے دکھانے ہیں۔"

(خطبہ جمعہ 31/اکتوبر2014ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق دے۔ آمین

(بتعاون: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴾33﴿ ﴾مشاہدات۔1252﴿

ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر19)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّہٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ مَنْصُوْرًا (بنی اسرائیل:34)

یعنی اُس جان کو ناحق قتل نہ کرو جسے اللہ نے حُرمت بخشی ہو اور جو مظلوم ہونے کی حالت میں قتل کیا جائے تو ہم نے اُس کے ولی کو (بدلے کا) قوی حق عطا کیا ہے۔ پس وہ قتل کے معاملہ میں زیادتی نہ کرے۔ یقیناً وہ تائید یافتہ ہے۔

اِسلام چیز کیا ہے؟ خدا کے لئے فنا
ترکِ رضائے خویش پۓ مرضی خدا
جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات
اِس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات

(درثمین)

سامعین! میری آج کی تقریر میں ایمان کی جن شاخوں کا ذکر ہے وہ یہ ہیں:

اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ کسی جان کے قتل اور اس پر ظلم کرنے کو حرام جاننا اور قربانی۔

اللہ کی راہ میں جہاد کرنا

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ؕ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (الصف:12)

تم (جو) اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو اور اللہ کے راستے میں اپنے اموال اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہو، یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکوں سے اپنے اموال اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ذریعہ جہاد کرو۔

(ابو داؤد کتاب الجہاد، حدیقۃ الصالحین صفحہ 338 حدیث نمبر 299)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کو سامان دیتا ہے اور تیاری میں اُس کی مدد کرتا ہے تو اُس کا ثواب ایسا ہے جیسے وہ خود جہاد کے لیے گیا۔ جو شخص مجاہد فی سبیل اللہ کی عدم موجودگی میں اُس کے اہل و عیال کا خیال رکھتا ہے اور خیر خواہی کا سلوک کرتا ہے تو وہ بھی جہاد میں شامل ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الجہاد، حدیقۃ الصالحین صفحہ 241 حدیث نمبر 304)

دینی لحاظ سے یا دین کی خاطر جدوجہد کو جہاد کا نام دیا جاتا ہے یا یوں کہہ لیں کہ اصطلاحی معنوں میں دینِ اسلام کی حمایت میں کفار کے خلاف ہتھیار اٹھانا کے ہیں۔ اِسے ہم جہاد بالسّیف کا نام دیتے ہیں جسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہادِ اصغر سے پُکارا ہے۔ اِس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحج آیت 40 میں بیان فرمایا ہے۔ اِس کے علاوہ نفس کے خلاف بھی ایک جہاد ہے یعنی ریاضت کرنا، نفس کو مارنے اور اسلامی طریق کے مطابق اپنے نفوس کو ڈالنا جہاد بالنفس کہلاتا ہے۔ اِس جہاد کا ذکر سورۃ العنکبوت آیت 70 میں ہوا ہے۔ ایک تیسرے جہاد کا ذکر جو قرآنِ کریم میں ملتا ہے وہ جہاد بالقرآن ہے۔ جس کا ذکر سورۃ الفرقان آیت 53 میں ملتا ہے۔ ایک جہاد بالمال ہے جس کا ذکر سورۃ الانفال آیت 73 میں ہوا ہے۔ ایک جہاد بالقلم جو جماعت کے بہت سے اشاعتی ادارے کر رہے ہیں۔ مشاہدات کے تحت احباب و خواتین بالخصوص نوجوان، بچے اور احمدی بچیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے تقاریر کا سلسلہ بھی جہاد بالقلم کہلاتا ہے۔ ایک جہاد، جہاد باللّسان ہے یہ اسلامی تعلیمات کے پرچار کا جہاد ہے جو ہمارے مبلغین، مربیان، معلمین اور داعیان اِلَی اللہ دنیا بھر میں کر رہے ہیں۔ جہاد بالقرآن، جہاد بالنفس، جہاد باللّسان اور اِس سے متعلقہ دیگر جہاد، جہاد اکبر کہلاتے ہیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ سے واپسی پر فرمایا کہ

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ

کہ ہم اب جہاد اصغر یعنی تلوار کے جہاد سے جہاد اکبر یعنی قرآن کی اشاعت اور نفس کی اصلاح و تعلیم وتربیت کے جہاد کی طرف جارہے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (فرمان الٰہی) جو شخص میری راہ (جہاد) میں نکلے اس کو (گھر سے) اسی بات نے نکالا ہو کہ وہ مجھ پر ایمان رکھتا ہے یا میرے پیغمبروں کو سچا جانتا ہے نہ اور کسی بات نے (جیسے ناموری یا مالِ غنیمت کی خواہش نے) تو میں اس کے لئے یہ ذمہ لیتا ہوں یا تو اس کو (جہاد کا) ثواب اور مالِ غنیمت دے کر لوٹادوں گا یا (اگر وہ شہید ہو تو) اس کو بہشت میں لے جاؤں گا۔ (آنحضرتؐ نے فرمایا) اگر میری اُمت پر شاقّ نہ ہوتا تو مَیں ہر لشکر کے ساتھ جو جہاد کو جاتا نکلتا اور مجھے یہ آرزو ہے کہ اللہ کی راہ میں مارا جاؤں پھر جِلایا جاؤں، پھر مارا جاؤں، پھر جِلایا جاؤں، پھر مارا جاؤں۔

(بخاری جلد اوّل، کتاب ایمان)

سامعین! مخالف قوم کے حملوں سے بچنے اور محفوظ رہنے کے لئے دعائیں مانگنا بھی جہاد کا حصّہ ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آتا ہے کہ آپؐ جب کسی قوم کی طرف سے خطرہ محسوس کرتے تو اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ کی دعا کیا کرتے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے اے اللہ! ہم تجھے اِن کے مقابل پر رکھتے ہیں اور اِن کے شرّ سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔ (حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 312)۔ اور جب غزوہ شروع کر لیتے تو پھر یہ دُعا کرتے اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَضُدِيْ وَنَصِيْرِيْ بِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اَصُوْلُ وَبِكَ اُقَاتِلُ۔ (حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 315) کہ اے اللہ! تو ہی میرا بازو ہے اور میرا مدد گار ہے تجھ سے ہی مدد حاصل کرتا ہوں، تیری ہی مدد سے حملہ کرتا ہوں اور تیری ہی مدد سے لڑتا ہوں۔

پھر ظالم بادشاہ یا حکمران کے خلاف حق بات کہنا یا موقع محل دیکھ کر حق بات کرنا بھی ایک جہاد کی قسم ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل جہاد ظالم حکمران کے سامنے انصاف کی بات کرنا ہے۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الفتن باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر)

پھر جہاد بالسیف ہے یعنی جب دشمن دینی اقدار کو ختم کرنے اور دین کو تباہ و برباد کرنے کے لئے دین پر حملہ آور ہو تو اس وقت دفاعی جنگ کرنے کو جہاد بالسیف کہتے ہیں۔ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جہاد اصغر قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُۨ ۙ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ (الحج:40-41)

یعنی وہ لوگ جن سے (بلاوجہ) جنگ کی جارہی ہے ان کو بھی (جنگ کرنے کی) اجازت دی جاتی ہے۔ کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے (یہ وہ لوگ ہیں) جن کو ان کے گھروں سے صرف ان کے اتنا کہنے پر کہ اللہ ہمارا ربّ ہے بغیر کسی جائز وجہ کے نکالا گیا۔

سامعین! جہاد بالسیف کے لیے حالات کے مطابق کچھ شرائط ہیں اگر اس قسم کے حالات نہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جہاد بالسیف کے متعلق فرمایا ہے کہ اگر جہاد بالسیف کی شرائط موجود ہوں تو پھر یہ جہاد بھی ضروری ہے۔ آپ نے واضح فرمایا۔

”ہم (اہل اسلام کو) یہ بھی حکم ہے کہ دشمن جس طرح ہمارے خلاف تیاری کرتا ہے ہم بھی اس کے خلاف اسی طرح تیاری کریں“

(حقیقۃ المہدی، روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 454)

نیز یہ قرآنی اصول بیان فرمایا کہ

”اگر دشمن باز نہ آئیں تو تمام مؤمنوں پر واجب ہے کہ ان سے جنگ کریں“

(نور الحق حصہ اول، روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 62)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ مسیح موعود اور امام مہدی کے زمانہ میں مذہبی جنگوں کا التوا ہو جائے گا۔ چنانچہ فرمایا: ”یَضَعُ الْحَرْبَ“ (وہ جنگ کو موقوف کر دے گا)

(بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ بن مریم)

اسی طرح فرمایا کہ اس کے زمانہ میں جنگ اپنے ہتھیار رکھ دے گی۔

(الدر المنثور فی التفسیر بالماثور از امام جلال الدین سیوطی۔ دار المعرفۃ بیروت لبنان)

ان پیشگوئیوں میں یہ اشارہ تھا کہ مسیح موعود کے زمانہ میں اس جہاد کی شرائط موجود نہیں ہوں گی۔ چنانچہ حضرت بانی جماعت احمدیہ نے جو مسیح اور مہدی ہونے کے مدعی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے عین مطابق قتال کی شرائط موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس کے عارضی التوا کا اعلان فرمایا۔

آپ فرماتے ہیں:

”اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس زمانہ میں اور اس ملک میں جہاد کی شرائط مفقود ہیں... امن اور عافیت کے دَور میں جہاد نہیں ہو سکتا۔“

(تحفہ گولڑویہ، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 82)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

” یہ بات مسلمانوں کو بھی سمجھنی چاہئے کہ اسلام کی فتح تو ضرور ہو گی لیکن زورِ بازو سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کے احکامات پر عمل کرنے سے ہو گی، جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم گمراہی کو چھوڑ کر ایمان لائے ہو تو گویا تم نے ایک مضبوط کڑے کو پکڑ لیا ہے جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں لیکن صرف منہ سے کہہ دینا کہ ہم ایمان لے آئے کافی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کو مضبوط کڑے کی طرح پکڑو گے تو کامیاب ہو گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق اس زمانہ میں مسیح موعود ہی وہ مضبوط کڑا ہے جو احکام الٰہی کی صحیح تشریح کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو جس طرح پیش کرتا ہے وہ صحیح تعلیم ہے تو اگر اس پر عمل کرو گے تو تم کامیاب ہو جاؤ گے۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 20/ جون 2003ء)

کسی جان کے قتل اور اس پر ظلم کرنے کو حرام جاننا

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ (المائدہ:33)

اِسی بِنا پر ہم نے بنی اسرائیل پر یہ فرض کر دیا کہ جس نے بھی کسی ایسے نفس کو قتل کیا جس نے کسی دوسرے کی جان نہ لی ہو یا زمین میں فساد نہ پھیلایا ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے اُسے زندہ رکھا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ کر دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا (بنی اسرائیل:34)

یعنی اُس جان کو ناحق قتل نہ کرو جسے اللہ نے حُرمت بخشی ہو اور جو مظلوم ہونے کی حالت میں قتل کیا جائے تو ہم نے اُس کے ولی کو (بدلے کا) قوی حق عطا کیا ہے۔ پس وہ قتل کے معاملہ میں زیادتی نہ کرے۔ یقیناً وہ تائید یافتہ ہے۔

اسلام ایسا پُر امن مذہب ہے کہ جس میں حیوانات اور نباتات کے حقوق کا بھی خیال رکھا گیا ہے تو وہ کس طرح ایک مؤمن کے ناجائز قتل کو معاف کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس کہ آجکل کے دَور میں بعض لوگ اپنے ناجائز مقاصد کو پورا کرنے کے لیے معصوم شہریوں کا قتل کرنے سے بھی بعض نہیں آتے۔ اسلام حقوق کے تحفظ، امن و سلامتی کو پھیلانے اور خون، مال اور عزت کو ناحق پامال ہونے سے بچانے کے لیے آیا ہے، اس لیے جو لوگ خون اور اس کی حیثیت کو نظر انداز کرتے ہیں وہ لوگ اسلامی شریعت کے خلاف ہیں چاہے وہ خون مسلمانوں کے ہوں یا غیر مسلموں کے ہوں۔

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مسلمان شخص کے قتل سے پوری دنیا کا ناپید (اور تباہ) ہو جانا ہلکا (واقعہ) ہے۔

(ترمذی، السنن، کتاب الدیات، باب ما جاء فی تشدید قتل المؤمن)

ایک اور حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مؤمن کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دنیا کے برباد ہونے سے بڑا ہے۔

(سنن نسائی، کتاب تحریم الدم باب تعظیم الدم)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تاریخی خطبہ میں اس بات پر بھی زور دیا کہ کسی کا خون نہ بہایا جائے، چنانچہ ارشاد فرمایا: تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں ایک دوسرے کے لئے ایسی ہی حرمت رکھتی ہیں جیسے تمہارے اس مہینے (ذی الحجہ) میں تمہارے اس شہر (مکہ مکرمہ) اور تمہارے اس دن کی حرمت ہے۔ تم سب اپنے پروردگار سے جا کر ملو گے، پھر وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ لہٰذا میرے بعد پلٹ کر ایسے کافر یا گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

(صحیح بخاری۔ باب حجۃ الوداع، صحیح مسلم۔ باب القسامۃ)

یعنی کسی شخص کو ناحق قتل کرنا کافروں اور گمراہوں کا کام ہے نیز ایک دوسرے کو کافر یا گمراہ کہہ کر قتل نہ کرنا۔

قتل ثابت ہونے پر مقتول کے ورثاء کو اختیار ہے کہ وہ اسلامی حکومت کی نگرانی میں قاتل سے قصاص لیں یعنی حکومت قاتل کو قصاصاً سزائے موت دے۔ شریعت اسلامیہ نے مقتول کے ورثاء کو یہ بھی اختیار دیا ہے کہ وہ قاتل کو قصاصاً سزائے موت نہ دلوا کر قاتل کے اولیاء سے دیّت یعنی سو اونٹ کی قیمت یا اس سے کچھ کم یا زیادہ پیسہ لے لینا معاف کر دیں۔ قصاص یا دیّت یا معافی میں مقتول کے ورثاء کے لئے جس میں زیادہ فائدہ ہو اس کو اختیار کرنا چاہئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

” جس شخص نے ایسے شخص کو قتل کیا کہ اس نے کوئی ناحق کا خون نہیں کیا تھا یا کسی ایسے شخص کو قتل کیا جو نہ بغاوت کے طور پر امن عامہ میں خلل ڈالتا تھا اور نہ زمین میں فساد پھیلاتا تھا تو اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا یعنی بے وجہ ایک انسان کو قتل کر دینا خدا کے نزدیک ایسا ہے کہ گویا تمام بنی آدم کو ہلاک کر دیا۔ ان آیات سے ظاہر ہے کہ بے وجہ کسی انسان کا خون کرنا کس قدر اسلام میں جرم کبیر ہے۔“

(چشمۂ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 394)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" آج کل تمام مغربی دنیا اکٹھی ہو کر عالم اسلام پر یہ الزام لگا رہی ہے کہ اسلام تشدّد کا مذہب ہے اور اس بنیادی تشدّد کی تعلیم کی وجہ سے مسلمانوں میں جہادی تنظیمیں قائم ہیں۔ یہ انتہائی جھوٹا اور گھناؤنا الزام اسلام کی تعلیم پر لگایا جا رہا ہے۔ ہر احمدی اس سے بخوبی واقف ہے۔ اسلام تو امن، پیار، محبت اور بھائی چارے کی تعلیم دینے والا مذہب ہے اور جتنی انسانیت کے حقوق کا پاس اسلامی تعلیمات میں ملتا ہے اس کی مثال، اس کی نظیر اور کسی تعلیم میں نہیں ہے۔ لیکن یہ بھی ساتھ مَیں، بد قسمتی، کہوں گا کہ بعض تشدّد پسند گروہوں نے جن کا اسلامی تعلیم سے دُور کا بھی واسطہ نہیں اپنی اَنا کی تسکین کے لئے، اپنی ذات کو ابھار کر دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے اسلام کی تعلیم کو اس طرح جہادی تنظیموں کے تصوّر کے ساتھ منسلک کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے جس کی وجہ سے اسلام کی جو خوبصورت تعلیم تھی اس کا ایک بڑا بھیانک تصوّر قائم ہو جاتا ہے اور یہ کوئی اسلام کی خدمت نہیں ہے بلکہ اسلام کو بدنام کرنے کے مترادف ہے۔"

(خطبہ جمعہ 20/ جون 2003ء)

قربانی اور عقیقہ

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ (الحج:35)

کہ ہم نے ہر اُمّت کے لئے قربانی کا طریق مقرر کیا ہے تا کہ وہ اللہ کا نام اُس پر پڑھیں جو اس نے انہیں مویشی چوپائے عطا کئے ہیں۔

قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے بعد والوں کے لئے بھی باقی رکھا، اللہ کا فرمان ہے:

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ (الصافات:108)

کہ ہم نے اس (چلن) کو بعد والوں کے لئے باقی رکھا۔

ذوالحجہ کے دس ایام اللہ کو بے حد عزیز ہیں، ان ایام میں انجام دیا جانے والا ہر نیک عمل اللہ کو پسند ہے، ان میں ایک بہترین و محبوب عمل قربانی بھی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَعْظَمُ الْأَيَّامِ عِنْدَ اللهِ يَوْمُ النَّحرِ، ثُمَّ يَوْمُ القُرِّ

(صحيح الجامع:1064)

کہ اللہ کے نزدیک سب سے عظیم دن یوم النحر (قربانی کا دن) اور یوم القر (منٰی میں حاجیوں کے ٹھہرنے کا دن) ہے۔

ایک حدیث میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس طرح ہے: أفضلُ أيامِ الدنيا أيامُ العشْرِ

(صحيح الجامع:1133)

یعنی دنیا کے افضل دنوں میں ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن افضل دن ہیں۔

اللہ تعالی نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے ان میں سے ایک رات دس ذوالحجہ کی بھی ہے، اس سے بھی قربانی کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

قربانی کی بہت ساری حکمتیں ہیں ان سب سے اہم تقوٰی اور اللہ کا تقرّب حاصل کرنا ہے، اللہ تعالٰی کا فرمان ہے:

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الأنعام:162)

یعنی آپ فرما دیجئے کہ بے شک میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب خالص اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہاں کا مالک ہے۔

جو قربانی اس مقصد کو پورا کرنے سے قاصر ہو وہ عند اللہ مقبول نہیں ہے اور جو قربانی کا ارادہ کرے وہ یکم ذوالحجہ سے قربانی کا جانور ذبح ہونے تک اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

إذا دخل العَشْرُ، وعندَهُ أضحيةٌ، يريدُ أن يُضحِّي، فلا يأخذَنَّ شعرًا ولا يُقَلِّمَنَّ ظفرًا

(صحيح مسلم:1977)

کہ جب ذوالحجہ کا عشرہ آجائے اور کسی کے پاس جانور ہو جو اس کی قربانی دینا چاہتا ہو تو اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

" قربانیاں وہی سواریاں ہیں جو خدا تعالیٰ تک پہنچاتی ہیں اور خطاؤں کو محو کرتی ہیں اور بلاؤں کو دُور کرتی ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں جو ہمیں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچیں جو سب مخلوق سے بہتر ہیں اُن پر خدا تعالیٰ کا سلام اور برکتیں ہوں۔"

(خطبہ الہامیہ از روحانی خزائن جلد 16 صفحہ 45)

پھر آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اے خدا کے بندو! اپنے اس دن میں کہ جو بقر عید کا دن ہے غور کرو اور سوچو۔ کیونکہ ان قربانیوں میں عقلمندوں کے لئے بھید پوشیدہ رکھے گئے ہیں اور ان کو ان قربانیوں پر سبقت ہے کہ جو نبیوں کی پہلی امتوں کے لوگ کیا کرتے تھے ... اور یہ کام ہمارے دین میں اُن کاموں میں شمار کیا گیا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا موجب ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان ذبح ہونے والے جانورں کا نام قربانی رکھا گیا۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ یہ قربانیاں خدا تعالیٰ کے قرب اور ملاقات کا موجب ہیں اس شخص کے لئے کہ جو قربانی کو اخلاص اور خدا پرستی اور ایمان داری سے ادا کرتا ہے اور یہ قربانیاں شریعت کی بزرگ تر عبادتوں میں سے ہیں اور اسی لئے قربانی کا نام عربی میں نَسِیکَۃ ہے اور نُسُك کا لفظ عربی زبان میں فرمانبرداری اور بندگی کے معنوں میں آتا ہے اور ایسا ہی یہ لفظ یعنی نُسُك اُن جانوروں کے ذبح کرنے پر بھی زبان مذکور میں استعمال پاتا ہے جن کا ذبح کرنا مشروع (یعنی شریعت کے مطابق) ہے۔"

(خطبہ الہامیہ از روحانی خزائن جلد 16 صفحہ 31 تا 33)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ عید الاضحیٰ کے موقع پر کی جانے والی قربانی کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ قربانی اللہ تعالیٰ کی خاطر کرنی ہے۔ خدا تعالیٰ جو تمہارے اندر تقویٰ قائم کرنے کے لئے تم سے قربانی مانگتا ہے۔ یہ گوشت اور خون جو تم نے جانور کو ذبح کر کے حاصل کیا ہے اور بہایا ہے اگر یہ تقویٰ سے خالی ہے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے مقصد سے خالی ہے تو اللہ تعالیٰ کو تو ان مادی چیزوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تو یہ ظاہری قربانی کر کے قربانی کی روح تم میں پیدا کرنا

چاہتا ہے۔ جب تم جانوروں کو ذبح کرو تو تمہیں یہ احساس ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک حکم پورا کروانے کے لئے اس جانور کو میرے قبضہ میں کیا ہے اور میں نے اس کی گردن پر چھری پھیری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنّت پر عمل کرنے کی توفیق دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی ہے کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کی پیروی کی اس جانور کو ذبح کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی کہ مَیں اس کے حکم پر عمل کرنے والا ہوا، اس قابل ہوا کہ اس پر عمل کر سکوں۔ اس نے مجھے توفیق دی کہ مَیں اس کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرنے والوں میں شامل ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب اس نیّت سے قربانی کر رہے ہو گئے، تقویٰ کی راہوں پر چلتے ہوئے قربانی کرو گے تو یہ قربانی مجھ تک پہنچے گی۔ یہ روح ہے جس کے ساتھ اللہ کے حضور قربانیاں پیش ہونی چاہئیں۔"

(خطبہ عید الاضحیہ 21/ جنوری 2005ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(بتعاون: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴾34﴿ ﴾مشاہدات۔1253﴿

ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر20)

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار
اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب
لگاتے ہیں دل اپنا اس پاک سے
وہی پاک جاتے ہیں اس خاک سے

(درثمین)

سامعین! آج خاکسار جن شاخوں کا ذکر کرنا چاہتا ہے اُن میں نیکی پُر مسرّت وشادمانی اور گناہ پر رنج وغم (کا احساس)، دین داروں سے قربت، ان سے محبت، سلام ومصافحہ کرنا شامل ہیں۔

نیکی پر مسرت وشادمانی اور گناہ پر رنج وغم (کا احساس)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

قُلۡ بِفَضۡلِ اللّٰہِ وَبِرَحۡمَتِہٖ فَبِذٰلِكَ فَلۡيَفۡرَحُوۡا ؕ ھُوَخَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ (یونس:59)

یعنی تُو کہہ دے کہ (یہ) محض اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے۔ پس اس پر چاہئے کہ وہ بہت خوش ہوں۔ وہ اُس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ

وَالَّذِيۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا فَاحِشَةً اَوۡ ظَلَمُوۡٓا اَنۡفُسَھُمۡ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِھِمۡ ۠ وَمَنۡ يَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰهُ

(اٰل عمران:136)

یعنی نیز وہ لوگ جو اگر کسی بے حیائی کا ارتکاب کر بیٹھیں یا اپنی جانوں پر (کوئی) ظلم کریں تو وہ اللہ کا (بہت) ذکر کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتے ہیں اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہ بخشتا ہے۔
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
" جب تیری نیکی تجھے خوش کردے اور تیری برائی تجھے غمگین کردے تو تُو مؤمن ہے۔"(نفس کی ملامت ایمان کی نشانی ہے)

(مشکوٰۃ المصابیح، حدیث:45)

سامعین! ایک مؤمن کے ایمان کی یہ پہچان ہے کہ جب وہ کوئی نیکی کرتا تو اس کا دل اُس پر خوش ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوتا ہے اور جب اُس سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے تو اُس کا دل اُس کو ملامت کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہے۔ یہ ایک نیک انسان کی باطنی صفت ہے جو انسان میں گناہ سے نفرت اور نیکی کی رغبت پیدا کرتی ہے۔ جو شخص اپنی نیکی پر خوشی ہو اور بدی پر غمی ہو، تو وہ مؤمن ہے یعنی یہ چیز اس کے مؤمن ہونے کی دلیل ہے کیونکہ کفار اور منافقین نہ نیکی پر خوش ہوتے ہیں اور نہ ہی گناہ پر رنجیدہ ہوتے ہیں ان کے نزدیک نیکی اور بدی یکساں ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ (حم السجدۃ:3435)
یعنی نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔
منافقین اس دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ کر اسی میں مگن رہتے ہیں، اُن کو آخرت کی پرواہ نہیں ہوتی کہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی جوابدہ ہونا ہے۔
حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ایمان کسے کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ جب تجھے نیکی سے خوشی ہو اور بُرائی سے تنگی ہو تو تُو مؤمن ہے۔ اس شخص نے کہا۔ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! گناہ کیا ہے۔ آپ نے کہا: جب تیرے سینے میں کوئی شۓ کھٹکے تُو اسے چھوڑ دے۔

(مسند احمد)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اپنے ایمان کا وزن کرو۔ عمل ایمان کا زیور ہے۔ اگر عملی حالت درست نہیں ہے تو حقیقت میں ایمان بھی نہیں ہے۔ مؤمن حسین ہوتا ہے۔ جیسے ایک خوبصورت کو معمولی اور ہلکا سا کپڑا بھی پہنا دیا جاوے تو اسے زیادہ خوبصورت بنا دیتا ہے اسی طرح پر ایماندار کو عمل اَور بھی خوبصورت دکھاتا ہے اور اگر بدعمل ہے تو کچھ بھی نہیں۔ حقیقی ایمان جب انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے تو اعمال میں ایک لذّت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کی معرفت کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ وہ نماز پڑھتا ہے جو نماز پڑھنے کا حق ہے۔ گناہوں سے اسے بیزاری پیدا ہوتی ہے۔ ناپاک مجلسوں سے نفرت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی عظمت اور جلال کے ظاہر کرنے کے واسطے اپنے دل میں ایک جوش اور تڑپ دیکھتا ہے۔“

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 339 آن لائن ایڈیشن 2022ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

” حقیقت میں تو ہر نیکی جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں کرنے کا حکم فرمایا ہے، اُس کا حصول اور ہر بُرائی جس سے رکنے کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم فرمایا ہے، اُس سے نہ صرف رکنا بلکہ نفرت کرنا عملی اصلاح کی اصل اور جڑ ہے۔ پس ہم تب حقیقی مسلمان کہلائیں گے، ہم تب زمانے کے امام کی حقیقی جماعت کے فرد کہلائیں گے جب نیکیاں اور اعلیٰ اخلاق ہم میں پیدا ہوں گے، جن کے پیدا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے ایک حقیقی مسلمان کو حکم دیا ہے اور دوسری طرف بدی سے انتہائی کراہت کے ساتھ نفرت ہو۔ گویا حقیقی مؤمن ایک ایسا سمویا ہوا انسان ہوتا ہے جو نیکیوں کی تلاش کر کے اُنہیں سینے سے لگانے والا اور بدیوں سے دور بھاگنے والا ہو۔ تبھی وہ اعتدال کے ساتھ اپنے معاملات طے کر سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ بُرائیوں اور نیکیوں کے بیچ لٹکا ہوا ہو اور پھر دعوے بھی بلند بانگ ہوں۔“

(خطبہ جمعہ 6/ دسمبر 2013ء)

دین داروں سے قربت، ان سے محبت

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبہ: 119)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

سورۃ آل عمران آیت 29 میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو تاکیداً حکم دیا کہ مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں کی صحبت اختیار نہ کرو۔ ایسا کرنے والے کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ انسان اپنے ماحول میں دیگر اُٹھنے بیٹھنے والے لوگوں سے ضرور اثر پکڑتا ہے اور باوجود نہ چاہنے کے بھی، اس میں ان لوگوں جیسی حرکات وسکنات پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ اس لئے کوشش کرنی چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے دوستیاں بڑھائیں اور بدزبان اور بدکردار کے حامل انسانوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں۔

احادیث میں سرور کائنات خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمانوں کو صحبت صالحین اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ایک موقع پر نیک اور بُرے ساتھی کی مثال دو اشخاص سے دے کر صحابہ کو اس اہم مضمون کی طرف یوں توجہ دلائی کہ ایک شخص کستوری اٹھائے ہوئے ہو اور دوسرا بھٹی جھونکنے والا ہو۔ کستوری والا مفت میں خوشبو دے جائے گا۔ اس کی مہک سے تو فائدہ اٹھا جائے گا (یہ ذکر الٰہی کی محافل ہیں) اور بھٹی والے کے قریب بیٹھنے سے کپڑے جل جائیں گے اور اس کا بدبودار دھواں تنگ کرے گا۔

(مسلم کتاب البرّ والصلۃ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”صحبت میں بڑا اشرف ہے۔ اس کی تاثیر کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچا ہی دیتی ہے۔ کسی کے پاس اگر خوشبو ہو تو پاس والے کو بھی پہنچ ہی جاتی ہے۔ اسی طرح پر صادقوں کی صحبت ایک روح صدق کی نفخ کر دیتی ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ گہری صحبت نبی اور صاحب نبی کو ایک کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے جو قرآن شریف میں كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (التوبہ:119) فرمایا ہے اور اسلام کی خوبیوں میں سے یہ ایک بے نظیر خوبی ہے کہ ہر زمانے میں ایسے صادق موجود رہتے ہیں۔“

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 609 ایڈیشن 1988ء)

پھر اصلاحِ نفس کے لئے دعا اور صحبتِ صالحین کا نسخہ بتاتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں۔

”دو چیزیں ہیں ایک تو دعا کرنی چاہئے اور دوسرا طریق یہ ہے کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ راستبازوں کی صحبت میں رہو تا کہ ان کی صحبت میں رہ کر تم کو پتہ لگ جاوے کہ تمہارا خدا قادر ہے، بینا ہے، دیکھنے والا ہے، سننے والا ہے، دعائیں قبول کرتا ہے اور اپنی رحمت سے اپنے بندوں کو صدہا نعمتیں دیتا ہے۔“

(ملفوظات جلد ششم صفحہ 62)

آپؑ فرماتے ہیں:

”دنیا میں دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک جسمانی تعلقات۔ جیسے ماں، باپ، بھائی، بہن وغیرہ کے تعلقات۔ دوسرے روحانی اور دینی تعلقات۔ یہ دوسری قسم کے تعلقات اگر کامل ہو جائیں تو سب قسم کے تعلقات سے بڑھ کر ہوتے ہیں اور یہ اپنے کمال کو تب پہنچتے ہیں جب ایک عرصہ تک صحبت میں رہے۔ دیکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو صحابہؓ کی جماعت تھی، اس کے یہ تعلقات ہی کمال کو پہنچے ہوئے تھے جو انہوں نے نہ وطن کی پرواہ کی اور نہ اپنے مال واملاک کی اور نہ عزیز واقارب کی۔ یہاں تک کہ اگر ضرورت پڑی تو انہوں نے بھیڑ بکری کی طرح اپنے سر خدا کی راہ میں رکھ دیئے۔ وہ شدائد ومصائب جو ان کو پہنچ رہے تھے، ان کے برداشت کرنے کی قوت اور طاقت ان کو کیونکر ملی۔ اس میں یہی سِرّ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلقات بہت گہرے ہو گئے تھے۔ انہوں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا، جو آپؐ لے کر آئے تھے اور پھر دنیا اور اس کی ہر چیز ان کی نگاہ میں خدا تعالیٰ کے لقاء کے مقابلہ میں کچھ ہستی رکھتی ہی نہیں تھی۔“

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 140 ایڈیشن 2016ء)

سامعین! پھر آپؑ مقربین کی درگاہ میں بیٹھنے والوں کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

”یہ مسلّمہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے مقرب کے پاس رہنا گویا ایک طرح سے خود خدا تعالیٰ کے پاس رہنا ہوتا ہے۔“

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 316 ایڈیشن 2016ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ہمیشہ ایسی مجالس میں بیٹھنا اور اٹھنا چاہئے جہاں سے نیکی کی باتیں پتہ لگیں۔ تقویٰ کی باتیں پتہ لگیں، اللہ اور رسولؐ کے احکامات کا علم ہو۔ اگر اپنی اصلاح کرنی ہے اور اپنی زندگی سنوارنا چاہتے ہیں اور دینی علم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیشہ جیسا کہ حدیث میں آیا اپنی صحبت نیک لوگوں میں رکھنی چاہئے اور ایسی مجالس کی تلاش میں رہنا چاہئے۔"

(خطبات مسرور جلد دوم صفحہ 491)

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" ایسی مجلسوں سے ہمیشہ بچنا چاہئے جو دین سے دُور لے جانے والی ہوں، جو صرف کھیل کود میں مبتلا کرنے والی ہوں۔ ایسی مجلسیں جو اللہ تعالیٰ سے دُور لے جانے والی مجلسیں ہیں وہ یہی نہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ سے دور لے جاتی ہیں بلکہ بعض دفعہ مکمل طور پر، بعض دفعہ کیا یقینی طور پر انسان کی ہلاکت کا سامان پیدا کر دیتی ہیں۔ اس لئے ہمیشہ ایسی مجالس کی تلاش رہنی چاہئے جہاں سے امن وسکون اور سلامتی ملتی ہو۔

تو سلامتی والی مجالس کیسی ہیں۔ اس بارے میں ایک روایت ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم نشین کیسے ہوں۔ کن لوگوں کی مجلس میں ہم بیٹھیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا مَنْ ذَكَّرَكُمُ اللّٰهَ رُؤْيَتُهٗ وَزَادَ فِيْ عِلْمِكُمْ مَنْطِقُهٗ وَذَكَّرَكُمْ بِالْاٰخِرَةِ عَمَلُهٗ یعنی ان لوگوں کی مجلس میں بیٹھو جن کو دیکھ کر تمہیں خدا یاد آئے اور جن کی گفتگو سے تمہارا دینی علم بڑھے اور جن کا عمل تمہیں آخرت کی یاد دلائے۔ (ترغیب)

تو ایسی مجالس سے ہی سلامتی ملتی ہے جہاں ایسے لوگ ہوں جہاں خدا کا ذکر ہو رہا ہو، اس کے دین کی عظمت کی باتیں ہو رہی ہوں۔ ایسے مسائل پیش کئے جا رہے ہوں اور ایسی دلیلیں دی جا رہی ہوں جن سے انسان کا اپنا دینی علم بھی بڑھے اور دعوت الی اللہ کے لئے دلائل بھی میسّر آئیں۔ اور قرآن کریم کا عرفان بھی حاصل ہو رہا ہو اور ایسی باتیں ہوں جن سے صرف اس دنیا کی چکا چوند ہی نہ دکھائی دے بلکہ یہ بھی ذہن میں رہے کہ اس دنیا کو چھوڑ کر بھی جانا ہے۔ اس لئے ایسے عمل ہونے چاہئیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہوں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 16/ جولائی 2004ء)

سلام و مصافحہ کرنا

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَاِذَا حُيِّيۡتُمۡ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوۡا بِاَحۡسَنَ مِنۡهَاۤ اَوۡ رُدُّوۡهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ حَسِيۡبًا (النساء:87)

یعنی اگر تمہیں کوئی خیر سگالی کا تحفہ (سلام) پیش کیا جائے تو اس سے بہتر پیش کیا کرو یا وہی لَوٹا دو۔ یقیناً اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔

جب دو مسلمان آپس میں ملیں تو ایک دوسرے سے مصافحہ کریں ایک دوسرے کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ کر ایک دوسرے پر سلامتی بھیجیں۔ سلام کے جہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت طلب کرنے کے لیے دعائیہ کلمات ہیں وہاں آپس میں محبت واخوّت بڑھانے کا ذریعہ اوراجنبیت کو ختم کرنے کا باعث بھی ہیں۔ مسلمانوں کا آپس ملاقات کے وقت زبان سے سلام کہنے کے ساتھ ہاتھ سے مصافحہ کرنا ایسی عظیم سنّت ہے کہ اس پر عمل کرنے سے دل سے حسد، بغض، اور کینہ وغیرہ دور ہو جاتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مصافحہ کرتے اور اس وقت تک اپنا ہاتھ نہ کھینچتے جب تک سامنے والا خود نہ کھنچتا، پھر اس وقت تک اس سے چہرہ نہ پھیرتے جب تک وہ چہرہ نہ پھیرتا اور کبھی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سامنے بیٹھنے والے کی طرف پاؤں بڑھاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

(ترمذی: حدیث 2490)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے کہ وہ اس کے سلام کا جواب دے“

(صحیح بخاری)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اس زمانے میں اسلام کے اکثر امراء کا حال سب سے بدتر ہے۔ وہ گویا یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ صرف کھانے پینے اور فسق وفجور کیلئے پیدا کیے گئے ہیں دین سے وہ بالکل بے خبر اور تقویٰ سے خالی اور تکبّر اور غرور سے بھرے ہوتے ہیں۔ اگر ایک غریب اُن کو السلام علیکم کہے تو اُس کے جواب میں وعلیکم

السلام کہنا اپنے لئے عار سمجھتے ہیں۔ بلکہ غریب کے منہ سے اس کلمہ کو ایک گستاخی کا کلمہ اور بیباکی کی حرکت خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ پہلے زمانے کے اسلام کے بڑے بڑے بادشاہ السلام علیکم میں اپنی کوئی کسرِ شان نہیں سمجھتے تھے۔ مگر یہ لوگ تو بادشاہ بھی نہیں ہیں پھر بھی بے جا تکبّر نے ان کی نظر میں ایسا پیارا کلمہ جو السلام علیکم ہے، جو سلامت رہنے کے لئے ایک دعا ہے، حقیر کر کے دکھایا ہے۔ پس دیکھنا چاہئے کہ زمانہ کس قدر بدل گیا ہے کہ ہر شعار اسلام کا تحقیر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔"

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 327)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

" اب اللہ تعالیٰ کا ایک حکم ہے جو اخلاق کے معیاروں کو اونچا کرنے کے لئے بھی ضروری ہے، فساد اور شکوک و شبہات کو ختم کرنے کے لئے بھی ضروری ہے اور ایک دعا بھی ہے جس سے ایک دوسرے کے لئے پیار و محبت کے جذبات ابھرتے ہیں...... کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کی ہدایت فرمائی ہے۔ فرماتا ہے کہ یٰۤاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا۔ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (النور:28) کہ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، یہاں تک کہ تم اجازت لے لو اور ان کے رہنے والوں پر سلام بھیجو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو اور یہ سلام بھیجنا بھی ایک دعا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے... اب سلامتی پھیلانے کے لئے یہ بڑا پُر حکمت حکم ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم کس طرح مؤمنین کی اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔"

(خطبہ جمعہ 25/ مئی 2007ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(بتعاون: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿35﴾ ﴿مشاہدات۔1254﴾

ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر21)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (التحریم:7)

کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

اہل وقار ہوویں فخر دیار ہوویں
حق پر نثار ہوویں مولیٰ کے یار ہوویں
بابرگ و بار ہوویں اک سے ہزار ہوویں
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ يَّرَانِيْ

(درثمین)

سامعین: آج خاکسار جن شاخوں کا ذکر کرے گا وہ یہ ہیں۔ اہل وعیال اور بچوں کے حقوق کی ادائیگی۔ دنیا سے بے رغبتی اور قلّتِ آرزو۔

اہل وعیال اور بچوں کے حقوق کی ادائیگی

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے

وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (الاحقاف:16)

کہ میرے لئے میری ذریّت کی بھی اصلاح کر دے۔ یقیناً مَیں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور بلاشبہ مَیں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

سامعین! ایک مؤمن کے ایمان کا یہ حصّہ ہے کہ وہ نہ صرف اپنے بیوی بچوں کی ضروریات کا خیال رکھے بلکہ اُن کی دنیاوی ضروریات کے ساتھ ساتھ اُن کی دینی تربیت بھی مکمل کرے کہ جیسا کہ خاکسار نے اوپر آیت بیان کی ہے کہ اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ یعنی اُن کو بُرائیوں سے بچاؤ۔ اولاد ماں باپ کے لیے ایک نعمت ہے، ایک رونق ہے اُن کے گھر کی۔ یہ رونق اسی وقت ہے جب والدین اپنی ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے بچوں کی صحیح نشوونما، دینی واخلاقی تربیت کریں اور بچپن ہی سے انہیں زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا جائے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی باپ کی طرف سے اس کی اولاد کے لیے سب سے بہتر تحفہ یہ ہے کہ وہ اس کی اچھی تربیت کرے۔

(سنن الترمذی)

قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر بچوں کی پیدائش سے پہلے سے لے کر تربیت کے مختلف اَدوار میں سے جب بچہ گزرتا ہے تو اس کے لئے دعائیں بھی سکھائی ہیں اور تربیت کا طریق بھی بتایا ہے اور والدین کی ذمہ داریوں کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ اگر ہم یہ دعائیں کرنے والے اور اس طریق کے مطابق اپنی زندگی گزارنے والے اور اپنے بچوں کی تربیت کی طرف توجہ دینے والے ہوں تو ایک نیک نسل آگے بھیجنے والے بن سکتے ہیں۔ اگر پاکیزہ اولاد کی خواہش ہو تو اس کے لئے دعا بھی ہونی چاہئے لیکن ساتھ ہی ماں باپ کو بھی ان پاکیزہ خیالات کا اور نیک اعمال کا حامل ہونا چاہئے اور بچوں کی نگہداشت بھی اسی طریق پر کرنی چاہیے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اولاد کی خواہش صرف وارث بنانے کے لئے نہ کرو بلکہ نیک، صالح اور خادم دین وارث بنانے کے لئے کرو ورنہ اولاد بھی ابتلاء کا باعث بن سکتی ہے۔

بیویوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مؤمنوں میں سے کامل ترین ایمان والا شخص وہ ہے جو ان میں سے سب سے بہتر اخلاق کا مالک ہے اور تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں سے بہترین سلوک کرنے والے ہیں۔

(ترمذی کتاب الرضاع باب ما جاء فی حق المرأۃ علی زوجھا)

"حضرت وہبؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمانؓ اور حضرت ابو درداءؓ کے درمیان بھائی چارہ کروایا۔ حضرت سلمانؓ، حضرت ابو درداءؓ کو ملنے آئے تو دیکھا کہ ابو درداء کی بیوی نے پراگندہ حالت میں کام کاج کے کپڑے پہن رکھے ہیں اپنا حلیہ عجیب بنایا ہوا تھا۔ سلمانؓ نے پوچھا تمہاری یہ حالت کیوں ہے؟ اس عورت نے جواب دیا کہ تمہارے بھائی ابو درداءؓ کو تو اس دنیا کی ضرورت ہی نہیں وہ تو دنیا سے بے نیاز ہے۔ اسی اثناء میں ابو درداءؓ بھی آ گئے۔ انہوں نے حضرت سلمانؓ کے لئے کھانا تیار کروایا اور ان سے کہا کہ آپ کھائیں مَیں تو روزے سے ہوں۔ سلمانؓ نے کہا جب تک آپ نہیں کھائیں گے مَیں بھی نہیں کھاؤں گا۔ چنانچہ انہوں نے روزہ کھول لیا (نفلی روزہ رکھا ہو گا)۔ اور جب رات ہوئی تو ابو درداءؓ نماز کے لئے اٹھنے لگے۔ سلمانؓ نے ان کو کہا ابھی سوئے رہو چنانچہ وہ سو گئے۔ کچھ دیر بعد وہ دوبارہ نماز کے لئے اٹھنے لگے تو سلمانؓ نے انہیں کہا کہ ابھی سوئے رہیں۔ پھر جب رات کا آخری حصہ آیا تو سلمانؓ نے کہا کہ اب اٹھو۔ چنانچہ دونوں نے اٹھ کر نماز پڑھی۔ پھر سلمانؓ نے کہا اے ابو درداءؓ! تمہارے پروردگار کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ پس ہر حقدار کو اس کا حق دو، اس کے بعد ابو درداءؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلمانؓ نے ٹھیک کیا ہے۔"

(بخاری کتاب الصوم باب من اقسم علی اخیہ لیفطر فی التطوع)

زہد ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیاوی حقوق بیوی بچوں کے جو اللہ تعالیٰ نے دیے ہیں ان کو انسان بھول جائے یا کام کاج کرنا چھوڑ دے۔ دنیاوی کام کاج بھی ساتھ ہوں لیکن صرف مقصود یہ نہ ہو۔ بلکہ ہر ایک کے حقوق ہیں وہ ادا کئے جائیں۔

حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں عدل وانصاف پر مبنی معاشرہ کے قیام پر مختلف حوالوں سے روشنی ڈالی۔ اس ضمن میں میاں بیوی کے حقوق کی احسن رنگ میں ادائیگی کے متعلق حضور انور ایدہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

"ایک حدیث ہے: حضرت زہیرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انصاف کرنے والے خدائے رحمٰن کے داہنے ہاتھ نور کے منبروں پر ہوں گے۔ (اللہ تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ ہی داہنے شمار

ہوں گے۔) تو یہ لوگ اپنے فیصلے اور اپنے اہل و عیال میں اور جس کے بھی وہ نگران بنائے جاتے ہیں عدل کرتے ہیں۔“

(مسلم کتاب الامارۃ)

مزید فرمایا:

”مردوں کو اس حدیث کے مطابق ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے حصّہ پانا ہے، اللہ تعالیٰ کے نور کے حقدار بننا ہے تو انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریاں نبھانی ہوں گی۔ بچوں کی تربیت کا حق ادا کرنا ہو گا، ان میں دلچسپی لینی ہو گی، ان کو معاشرے کا ایک قابل قدر حصّہ بنانا ہو گا۔ اگر نہیں تو پھر ظلم کر رہے ہو گے۔ انصاف والی تو کوئی چیز تمہارے اندر نہیں۔ بعض لوگ یہاں انگلستان، جرمنی اور یورپ کے بعض ملکوں میں بیٹھے ہوتے ہیں، معاشرے میں، دوستوں میں بلکہ جماعت کے عہدیداروں کی نظر میں بھی بظاہر بڑے مخلص اور نیک بنے ہوتے ہیں۔ لیکن بیوی بچوں کو پاکستان میں چھوڑا ہوا ہے اور علم ہی نہیں کہ ان بیچاروں کا کس طرح گزارا ہو رہا ہے، یا بعض لوگوں نے یہاں بھی اپنی فیملیوں کو چھوڑا ہوا ہے۔ کچھ علم نہیں ہے کہ وہ فیملیاں کس طرح گزارا کر رہی ہیں۔ جب پوچھو تو کہہ دیتے ہیں کہ بیوی زبان دراز تھی یا فلاں برائی تھی اور فلاں بُرائی تھی تو اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ایسے لوگوں کی بات ٹھیک ہے تو پھر انصاف اور عدل کا تقاضا یہ ہے کہ جب تک وہ تمہاری طرف منسوب ہے اسکی ضروریات پوری کرنا تمہارا کام ہے۔ بچوں کی ضروریات تو ہر صورت میں مرد کا ہی کام ہے کہ پوری کرے۔ بیوی کو سزا دے رہے ہو تو بچوں کو کس چیز کی سزا ہے کہ وہ بھی دردر کی ٹھوکریں کھاتے پھریں۔ ایسے مردوں کو خوف خدا کرنا چاہئے۔ احمدی ہونے کے بعد یہ باتیں زیب نہیں دیتی ہیں اور نہ ہی نظام جماعت کے علم میں آنے کے بعد ایسی حرکتیں قابل برداشت ہو سکتی ہیں یہ میں واضح کر دینا چاہتا ہوں۔ ہمیں بہرحال اس تعلیم پر عمل کرنا ہو گا جو اسلام نے ہمیں دی اور اس زمانے میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے نکھار کر وضاحت سے ہمارے سامنے پیش کی۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 5۔ مارچ 2004ء)

دنیا سے بے رغبتی اور قلّت آرزو

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (الانعام:33)

یعنی دنیا کی زندگی محض کھیل کود اور نفس کی خواہشات کو پورا کرنے کا ایسا ذریعہ ہے جو اعلیٰ مقصد سے غافل کر دے۔ اور یقیناً آخرت کا گھر ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ پس کیا تم عقل نہیں کرتے؟

پھر سورۃ القصص آیت 61 میں فرمایا کہ

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

یعنی جو کچھ بھی تم دیئے جاتے ہو یہ دنیوی زندگی کا عارضی فائدہ اور اِس (دنیا) کی زینت ہے۔ اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ پس کیا تم عقل نہیں کرو گے؟

اے دوستو پیارو عقبیٰ کو مت بسارو
کچھ زادِ راہ لے لو کچھ کام میں گذارو
دنیا ہے جائے فانی دل سے اسے اتارو
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

(درثمین)

سامعین! جب انسان بدی کو چھوڑ کر صرف نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے اور دنیا سے بے رغبتی دکھانے کی کوشش کرتا ہے، اپنے مال کو دین اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے تو شیطان اُس کو نیکی کے کام کرنے سے روکتا رہتا ہے۔ مختلف قسم کے حرص اور لالچ دے کر انسان کو اکساتا رہتا ہے۔ ایک مؤمن کو چاہیے کہ وہ اللہ کے حضور جھکے اور اُس سے مدد مانگے کہ اُس کو دنیاوی خواہشات سے روک دے جتنی اُس کی ضروریات ہیں اُن کو جائز طریقے سے پوری کرنے کی توفیق دے۔ یہ نہ ہو کہ وہ صرف دنیا ہی کے پیچھے بھاگنے والا بن جائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا مؤمن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الزھد والرقائق)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دنیا کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم سنتے نہیں! کیا تم سنتے نہیں کہ سادہ وضع میں رہنا ایمان کا حصّہ ہے، سادہ وضع میں رہنا ایمان کا ایک حصّہ ہے۔

(سنن ابو داؤد کتاب الترجل)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص ہمیشہ دنیا کی فکر میں مبتلا رہے گا اور دین کی پرواہ نہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے تمام کام پریشان کر دے گا اور اس کی مفلسی ہمیشہ اس کے سامنے رہے گی اور دنیا اتنی ہی ملے گی جتنی اس کی تقدیر میں لکھی ہے اور جس کی نیت آخرت کی جانب ہو گی تو اللہ تعالیٰ اس کی دلجمعی کے لیے اُس کے تمام کام درست فرما دے گا اور اس کے دل میں دنیا کی بے پروائی ڈال دے گا اور دنیا اس کے پاس خود بخود آئے گی۔

(ابن ماجہ کتاب الزھد، باب الھم بالدنیا)

سامعین! اِس دنیا میں تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن کو صرف دنیا کی طلب ہوتی ہے۔ دوسرے وہ جو آخرت کے طلب گار ہوتے ہیں اور تیسرے وہ بھی ہوتے ہیں جو خالص اللہ کے لیے اُس کی دی ہوئی نعمتیں لُٹاتے ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ جب وہ اپنا کھانا اٹھا کر دے دیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے کسی اَور غرض کے لیے نہیں کھلایا بلکہ اللہ کی رضا کے لیے کھلایا ہے۔ یعنی نہ وہ دنیا کی خواہش رکھتے ہیں نہ آخرت کے انعام کی وہ صرف خدا کی رضا چاہتے ہیں تو انسان کو چاہیے کہ وہ خدا کی رجا حاصل کرنے والا بنے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمّت کی اس قدر فکر تھی کہ وہ صرف دنیاداری میں مبتلا نہ ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مَیں اپنی اُمّت کے بارے میں جس چیز کا سب سے زیادہ اندیشہ کرتا

ہوں وہ یہ ہے کہ میری اُمّت خواہشات کی پیروی کرنے لگ جائے گی اور دنیاوی توقعات کے لمبے چوڑے منصوبے بنانے میں لگ جائے گی۔ تو اس خواہش نفس کی پیروی کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ حق سے دور جا پڑے گی اور دنیاسازی کے منصوبے اُس کو آخرت سے غافل کر دیں گے۔ اے لوگو! یہ دنیا رختِ سفر باندھ چکی ہے اور جارہی ہے اور آخرت بھی آنے کے لئے تیاری پکڑ چکی ہے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے کچھ غلام اور بندے ہیں۔ پس اگر تم میں استطاعت ہو کہ دنیا کے بندے نہ بنو تو ضرور ایسا کرو۔ تم اس وقت عمل کے گھر میں ہو اور ابھی حساب کا وقت نہیں آیا مگر کل تم آخرت کے گھر میں ہو گے اور وہاں کوئی عمل نہیں ہو گا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةٌ وَفِتْنَةُ اُمَّتِيْ اَلْمَالُ

کہ ہر اُمّت کی ایک آزمائش ہوتی ہے اور میری اُمّت کی آزمائش مال کے ذریعے ہو گی۔

(ترمذی۔کتاب الزھد باب ماجاء ان فتنۃ ھذہ الامۃ فی المال)

حضرت سہلؓ بیان کرتے ہیں:

"ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا کام بتایئے کہ جب مَیں اسے کروں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کرنے لگے اور باقی لوگ مجھے چاہنے لگیں۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا سے بے رغبت اور بے نیاز ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرنے لگے گا۔ جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس کی خواہش چھوڑ دو، لوگوں کی طرف حریص نظروں سے نہ دیکھو، لوگ تجھ سے محبت کرنے لگ جائیں گے۔"

(ابن ماجہ۔باب الزھد فی الدنیا)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جو لوگ خدا کی طرف سے آتے ہیں وہ دنیا کو ترک کرتے ہیں اس سے یہ مراد ہے کہ دنیا کو اپنا مقصود اور غایت نہیں ٹھہراتے اور دنیا ان کی خادم اور غلام ہو جاتی ہے۔ جو لوگ برخلاف اس کے دنیا کو اپنا اصل مقصود ٹھہراتے ہیں خواہ وہ دنیا کو کسی قدر بھی حاصل کر لیں آخرکار ذلیل ہوتے ہیں۔"

(ذکر حبیب صفحہ 134)

آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"دنیا کے کام نہ تو کبھی کسی نے پورے کئے اور نہ کرے گا۔ دنیا دار لوگ نہیں سمجھتے کہ ہم کیوں دنیا میں آئے اور کیوں جائیں گے کون سمجھاوے جب کہ خدا تعالیٰ نے سمجھایا ہو، دنیا کے کام کرنا گناہ نہیں۔ مؤمن وہ ہے جو در حقیقت دین کو مقدم سمجھے اور جس طرح اس ناچیز اور پلید دنیا کی کامیابیوں کے لئے دن رات سوچتا یہاں تک کہ پلنگ پر لیٹے لیٹے فکر کرتا ہے اور اس کی ناکامی پر سخت رنج اٹھاتا ہے ایسا ہی دین کی غمخواری میں بھی مشغول رہے۔ دنیا سے دل لگانا بڑا دھوکہ ہے موت کا ذرہ اعتبار نہیں۔"

(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر چہارم مکتوب نمبر 9 صفحہ 72-73)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ مال و دولت، جائیدادیں، فیکٹریاں، بڑے بڑے فارمز جو ہزاروں ایکڑ پہ پھیلے ہوئے ہوں، جن پر جاگیر دار بڑے فخر سے پھر رہا ہوتا ہے اور دوسرے کو اپنے مقابلے پہ یا عام آدمی کو اپنے مقابلے پہ بہت ہیچ اور ہیچ سمجھ رہا ہوتا ہے اور پھر اولاد جو اس کا ساتھ دینے والی ہو، نوکر چاکر ہوں یہ سب باتیں ایک دنیا دار کے دل میں بڑائی پیدا کر رہی ہوتی ہیں۔ اور اس کے نزدیک اگر یہ سب کچھ مل جائے تو ایک دنیادار کی نظر میں یہی سب کچھ اور یہی اس کا مقصود ہے جو اس نے حاصل کر لیا ہے۔ اور اس وجہ سے ایک دنیادار آدمی اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی بھلا بیٹھتا ہے۔ اس کی عبادت کرنے کی طرف اس کی کوئی توجہ نہیں ہوتی۔ اپنے زعم میں وہ سمجھ رہا ہوتا ہے یہ سب کچھ میں نے اپنے زور بازو سے حاصل کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا احساس دلانے کا کوئی خانہ اس کے دل میں نہیں ہوتا۔ حقوق العباد ادا کرنے کی طرف اس کی ذرا بھی توجہ نہیں ہوتی اور اپنے کام کرنے والوں، اپنے کارندوں، اپنے ملازمین کی خوشی، غمی، بیماری، میں کام آنے کا خیال بھی اس کے ذہن میں نہیں آتا۔ تو یہ سب اس لئے ہے کہ اس کے نزدیک اس زندگی کا سب مقصد دنیا ہی دنیا ہے اور ایک دنیادار کو شیطان اس دنیا کی خوبصورتی اور اس کی زینت اور زیادہ ابھار کر دکھاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ باقی رہنے والی چیز نیکی ہے، نیک اعمال ہیں، اللہ تعالیٰ کی خشیت ہے، اس کی عبادت کرنا ہے۔ اس لئے تم اس کے عبادت گزار بندے بنو اگر اس کی رضا حاصل کرنی ہے۔ یہ دنیا تو چند روزہ ہے، کوئی زیادہ سے زیادہ سو سال زندہ رہ لے گا اس کے بعد انسان نے مر کر

اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے۔ اس لئے آخرت کے لئے دولت اکٹھی کرو بجائے اس دنیا میں دولت بنانے کے۔ فرمایا کہ اگر یہ سوچ پیدا کر لو گے تو یہی مال اور دولت اور بیٹے اور وسیع کاروبار تمہارے لئے ایک بہترین اثاثہ بن جائیں گے۔"

(خطبہ جمعہ 7/ مئی 2004ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق دے۔ آمین

(بتعاون: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴾36﴿ ﴾مشاہدات۔1278﴿

ایمان کے دو حصّے، ایک صبر اور دوسرا شکر

ایمان کی ستّر شاخوں میں سے کچھ کا تذکرہ

(تقریر نمبر22)

ہو فضل تیرا یارب یا کوئی ابتلا ہو
راضی ہیں ہم اُسی میں جس میں تری رضا ہو
مٹ جاؤں میں تو اس کی پروا نہیں ہے کچھ بھی
میری فنا سے حاصل گر دین کو بقا ہو

(کلام محمود)

معزّز سامعین! حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایّدہ اللہ تعالیٰ نے خطبہ جمعہ فرمودہ 17؍جولائی 2026ء میں ایمان کے دو حصّے بیان فرمائے۔ آج مَیں اپنی تقریر میں صبر اور شکر پر حضور ایّدہ اللہ تعالیٰ کے اِس خطبہ کا خلاصہ پیش کرنے جارہا ہوں۔

حضور ایّدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تو اس سے پہلے اس کے فائدے کے لیے بے شمار نعمتیں پیدا کیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فضل اور بندوں سے یہ سلوک یقیناً اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ بندہ اس کا شکر گزار بنے۔ ہر نبی نے اپنے ماننے والوں کو نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بنو اور سب سے بڑھ کر اس شکر گزاری کا نمونہ ہمارے آقا و مطاع حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا۔ اپنے ہر عمل سے اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کا اظہار فرمایا۔ آپؐ کی گریہ وزاری، آہ وبکا اور اللہ تعالیٰ کے حضور نہایت عاجزی سے گڑگڑاتے دیکھ کر جب آپؐ سے سوال کیا گیا کہ آپؐ سے تو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی کامیابیوں کے وعدے کیے ہیں اور آپؐ کو کامیابیاں عطا بھی فرما رہا ہے تو پھر اس قدر آہ وبکا کس لیے؟ تو آپؐ نے فرمایا ان انعامات پر مَیں اللہ تعالیٰ

کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ عاجزی سے اس کے حضور جھکتے ہوئے اس کا شکریہ ادا نہ کروں؟ (صحیح البخاری کتاب تفسیر)

ہر موقع پر جہاں آپؐ نے اپنی شکر گزاری کے عملی نمونے دکھائے وہاں آپؐ نے اپنی اُمّت کو بھی شکر گزاری کی تلقین فرمائی۔ اس کے اسلوب سکھائے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے دعائیں سکھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان دو حصّوں پر مشتمل ہے ۔آدھا صبر میں اور آدھا شکر میں ہے۔(الجامع لشُعب الایمان جلد 12 صفحہ 192۔193 حدیث:9264)

اصل میں تو صبر بھی شکر گزاری کا پہلو ہی اجاگر کرتا ہے۔اس لیے اگر دیکھا جائے تو حقیقت میں مکمل ایمان اس شکر گزاری سے ہی ہوتا ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے اس کا معاملہ سراسر خیر ہے اور یہ مؤمن کے علاوہ کسی کے لیے نہیں۔ اگر اسے کوئی خوشی پہنچتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے خیر ہے اور اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے یہ بھی اس کے لیے خیر ہے۔(صحیح مسلم)

خیر اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔(البقرہ:154) اللہ تعالیٰ یقیناً صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔اور پھر فرمایا کہ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ (البقرہ:156)اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دے۔ پس جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو اور اس کو خوشخبری دے رہا ہو اس کے لیے اس سے بڑی خیر اَور کیا ہو سکتی ہے۔ یہ حقیقی صبر بھی اُسی وقت ہو سکتا ہے جب انسان خدا تعالیٰ کی تمام نعمتوں کا شکر گزار بندہ بنے۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو لوگوں کا شکر نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر نہیں کرتا۔(ترمذی)

اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری تو ہے ہی، بندوں کی شکر گزاری کا بھی آپؐ نے خاص طور پر ارشاد فرمایا اور اگر شکر گزاری کے یہ جذبات اور خیالات ہوں تو معاشرہ ایک خوبصورت منظر پیش کرے گا اور یہی وہ حقیقی اسلامی معاشرہ ہے جو آپؐ پیدا کرنا چاہتے تھے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تھوڑے پر شکر ادا نہیں کرتا وہ زیادہ پر بھی شکر گزار نہیں ہوتا اور جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔ اللہ کی نعمت کا ذکر کرنا بھی ایک قسم کا شکر ہے اور اس کا ذکر نہ کرنا ناشکری ہے اور آپؐ نے فرمایا کہ جماعت رحمت ہے اور تفرقہ عذاب ہے۔ (مسند الامام احمد بن حنبل) جماعت میں رہو، اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بنو اور اِکائی بن کے رہو تو پھر ہی تمہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے حصہ بھی ملے گا اور اگر تفرقہ ڈالو گے، تمہارے دل پھٹے ہوئے ہوں گے تو پھر تم اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث نہیں بن سکتے۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی سے ملتے تو اس سے پوچھتے کہ تم کیسے ہو؟ تو وہ کہتا ہے کہ بہت اچھا ہوں اور مَیں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں تو حضورؐ فرماتے: اللہ تعالیٰ تجھے اچھا ہی رکھے۔ (مسند الامام احمد بن حنبل)

حضرت اسامہ بن زیدؓ نے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس سے کوئی نیکی کی گئی اور اس نے اس کے کرنے والے سے کہا جَزَاكَ اللّٰهُ۔ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بہترین جزا دے تو اس نے تعریف کا حق ادا کر دیا۔ (جامع الترمذی، ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی الثناء بالمعروف حدیث 2035)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو خیر وبرکت عطا کرنا چاہتا ہے تو ان کی عمریں بڑھا دیتا ہے اور انہیں شکر الہام کرتا ہے۔ یعنی شکر بجالانے کی توفیق دیتا ہے۔ (کنز العمال کتاب الاخلاق جلد 2 جزء 3 صفحہ 104)

پس قومی ترقی کے لیے بھی شکر گزاری ضروری ہے۔ جماعتی ترقی کے لیے بھی شکر گزاری ضروری ہے۔ انفرادی ترقی کے لیے بھی شکر گزاری ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری، آپس میں ایک دوسرے کی شکر گزاری اور ہر اس شخص کی شکر گزاری جس سے کسی قسم کا فائدہ پہنچے یہ انتہائی ضروری ہے اور یہی قومی یکجہتی کا باعث بنتی ہے۔

سامعین! پھر شکر گزاری کی دعا سکھاتے ہوئے آپؐ فرماتے ہیں۔ جس شخص نے جب صبح کی اور اس نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! جس نعمت نے بھی میرے ساتھ صبح کی ہے وہ تیری طرف سے ہے۔ تُو ایک ہے۔ تیرا

کوئی شریک نہیں۔ پس تیرے لیے حمد ہے اور تیرے لیے شکر ہے تو اس نے اپنے دن کا شکر ادا کر دیا اور جب وہ شام کرتا ہے اور اس نے ایسا ہی کہا تو اس نے اپنی رات کا شکر ادا کر دیا۔ (سنن ابو داؤد کتاب الادب)

اسی طرح ایک روایت ہے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اے معاذ! بخدا! مَیں یقیناً تم سے محبت کرتا ہوں۔ پھر فرمایا اے معاذ! مَیں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد ہرگز نہ چھوڑنا کہ تم کہو۔ اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَشُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ کہ اے اللہ! میری مدد فرما اپنے ذکر کے لیے اور اپنے شکر کے لیے اور اپنی عبادت کی خوبصورتی کے لیے۔ (سنن ابوداؤد کتاب الوتر)

پھر ایک روایت میں ہے۔ ابو علاء بن شِخّیر نے بنو حنظلہ کے ایک شخص سے روایت کی ہے۔ اس نے کہا کہ مَیں حضرت شداد بن اوسؓ کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ انہوں نے کہا: کیا مَیں تمہیں وہ نہ سکھاؤں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھایا کہ تم کہو کہ اے اللہ! مَیں تجھ سے ہر کام میں ثبات طلب کرتا ہوں اور تجھ سے ہدایت کی پختگی مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری نعمت کا شکر مانگتا ہوں اور تیری عبادت کا حُسن اور تجھ سے سچ بولنے والی زبان مانگتا ہوں اور قلبِ سلیم میں تیری پناہ چاہتا ہوں اور اس شر سے جو تُو جانتا ہے اور اس خیر سے طلب کرتا ہوں جو تُو جانتا ہے اور تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور اس سے جسے تُو جانتا ہے اس سے بھی بخشش طلب کرتا ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے بھی اور دنیا کے ہر شخص سے بھی۔ ہر وہ چیز جو بخشش کر سکتی ہے جو انسان کو فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ تو تُو بیشک غیب کی باتوں کا علم رکھنے والا ہے۔ (جامع الترمذی ابواب الدعوات)

کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کون فائدہ مند ہے کون نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ اے اللہ! تُو بھی مجھ پر ہر چیز فضل کر اور ہر اس چیز میں جو تیری پیدا کی ہوئی ہے اور جو میرے فائدے کے لیے ہے اس میں بھی میرے لیے خیر رکھ دے۔ پھر ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا یہ سکھائی۔ حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کون سی دعا سب سے بہتر ہے جو مَیں نماز میں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کہو: اَللّٰھُمَّ لَكَ

اَلْحَمْدُ كُلُّهٗ وَلَكَ الشُّكْرُ كُلُّهٗ وَلَكَ الْمُلْكُ كُلُّهٗ وَلَكَ الْخَلْقُ كُلُّهٗ وَاِلَيْكَ يَرْجِعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ نَسْئَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهٖ۔ کہ اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں اور سارا شکر تیرے لیے ہے اور ساری بادشاہی تیرے لیے ہے اور ساری مخلوق تیری ہے اور ہر معاملہ تیری طرف لوٹتا ہے۔ ہم تجھ سے ہر قسم کی بھلائی مانگتے ہیں اور ہر طرح کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔(جمع الجوامع جلد 15 صفحہ 571–572 حدیث:15222)

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی دعا کا ذکر ایک روایت میں یوں ملتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں کہا کرتے تھے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے میرے ربّ! میری مدد کر اور میرے خلاف کسی کی مدد نہ کر اور میری نصرت فرما اور میرے خلاف کسی کی نصرت نہ فرما اور میرے لیے تدبیر کر اور میرے خلاف تدبیر نہ کر اور مجھے ہدایت دے اور میری ہدایت میرے لیے آسان کر دے اور میری مدد کر اس کے خلاف جس نے میرے یا مجھ پر زیادتی کی۔ اے اللہ! مجھے اپنا شکر گزار بنا۔ اپنا ذکر کرنے والا بنا۔ تجھ سے ڈرنے والا، تیرا فرمانبردار، تیری بہت اطاعت کرنے والا، تیری طرف بہت زیادہ جھکنے والا بنا دے۔ اے میرے ربّ! میری توبہ قبول کر اور میری خطا دھو دے اور میری دعا قبول فرما اور میری حجت کو مضبوط کر اور میرے دل کو ہدایت دے اور میری زبان کو سیدھا کر اور میرے دل سے کینہ دُور کر دے۔(سنن ابو داؤد کتاب الوتر باب: مَا يَقُوْلُ الرَّجُلُ إِذَا سَلَّمَ؟ حدیث 1510)

آپؐ کا سینہ دل ہر چیز سے صاف اور پاک تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف بالکل کلیۃً جھکے ہوئے تھا۔

یہ دعا آپؐ اپنے لیے تو کرتے تھے لیکن اصل میں یہ دعا آپؐ نے ہمیں سکھائی کہ میرے ماننے والوں کو اس طرح اپنے دل کو صاف رکھنے کے لیے دعا کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کا فضل مانگنا چاہیے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا۔ ایک دعا ہے جسے مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یاد کیا ہے۔ مَیں اسے نہیں چھوڑتا اور وہ دعا یہ ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ! مجھے ایسا بنا دے کہ مَیں تیرا بہت زیادہ شکر کروں اور کثرت سے تیرا ذکر کروں اور تیری نصیحت کی پیروی کروں اور تیرے تاکیدی حکموں کو یاد رکھوں۔(جامع الترمذی ابواب الدعوات)

سامعین! یہ دعا انسان روز کرے تو پھر غلط قسم کے خیالات بھی پیدا نہیں ہوں گے۔ غلط قسم کے کام بھی انسان نہیں کرے گا۔ وہی کچھ کرے گا جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کسی آزمائش میں مبتلا انسان کو دیکھے اور یہ دعا کرے تو اس نے اس نعمت کا شکر ادا کر دیا اور دعا کے الفاظ یہ ہیں کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے اس آزمائش سے محفوظ رکھا جس کے ذریعے اس نے تجھے آزمایا اور مجھے تجھ پر اور اپنی ساری مخلوق پر فضیلت دی۔ (کتاب الشکر ابن أبی الدنیا صفحہ 55)

کسی کو دیکھ کر تکلیف میں یہ بھی دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ان تکلیفوں سے محفوظ رکھا۔

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کچھ دیکھتے جو آپؐ کو اچھا لگتا تو کہتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ۔ کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس کے فضل سے تمام نیکیاں مکمل ہوتی ہیں اور جب آپؐ وہ دیکھتے جو آپؐ ناپسند فرماتے تو کہتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ۔ ہر حال میں تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب فضل الحامدین حدیث 3803)

حضرت انسؓ کہتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ہمیں بارش نے آلیا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر سے اپنا کپڑا اٹھا دیا یہاں تک کہ آپؐ پر کچھ بارش پڑی۔ ہم نے کہا یا رسول اللہؐ! آپؐ نے ایسا کس لیے کیا؟ آپؐ نے فرمایا: کیونکہ یہ بلند و بالا ربّ کی طرف سے تازہ بتازہ آئی ہے۔ اس کی شکر گزاری کے طور پر مَیں نے ان قطروں کو لیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ بادل سے برسنے والے پہلے قطرے کے لیے اپنا سر ننگا کر دیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ہمارے ربّ عزوجل سے یہ تازہ نعمت آئی ہے اور سب سے زیادہ برکت والی ہے۔ (کنز العمال جلد 1 جزء 2 صفحہ 267، کتاب الاذکار / قسم الافعال، اوقات الاجابۃ، حدیث 4936)

کوئی موقع ایسا نہیں تھا جہاں آپؐ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری نہ کرتے ہوں حتّٰی کہ بظاہر چھوٹی سے چھوٹی بات پر بھی آپؐ کی شکر گزاری ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے تو یہ دعا کرتے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ۔ کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مضرّ چیز مجھ سے دُور کر دی اور مجھے تندرستی عطا کی۔(سنن ابن ماجہ کتاب الطہارہ)

حضرت زید بن خالد جہنیؓ نے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حدیبیہ میں صبح کی نماز بارش کے بعد پڑھائی جو رات کو ہوئی تھی۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف منہ کیا اور فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے ربّ عزّوجلّ نے کیا فرمایا ہے؟ لوگوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے بندوں میں سے آج صبح بعض مجھ پر ایمان لانے والے ہوئے اور بعض میرا انکار کرنے والے۔ جس نے تو یہ کہا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش ہوئی ہے وہ میرا مؤمن ہے اور ستاروں کا کافر ہے اور جس نے کہا کہ ہم پر بارش فلاں فلاں ستارے کے نکلنے کی وجہ سے ہوئی ہے وہ میرا کافر اور ستاروں کا مؤمن ہے۔ یعنی جو ابھی تک اسی طرح مجھ پر ایمان نہیں لاتا تو وہ ستاروں کو پوجنے والا ہے۔ پس شکر گزاری کا اصل معیار یہ ہے کہ ہر بات پر صرف اور صرف خدا تعالیٰ کی حمد ہو اور اس کی شکر گزاری کی جائے۔ کیونکہ اس وقت بعض لوگوں کی ابھی پوری طرح تربیت نہیں ہوئی تھی۔ پُرانی روایات کا بھی اثر تھا۔ ان کے پُرانے روایتی مذہب کا بھی اثر تھا تو وہ کہہ دیا کرتے تھے، ستاروں وغیرہ کے نام لے لیتے تھے تو آپؐ نے ان کو شکر گزاری کی حقیقت بتا کر پھر اس طرح تربیت فرمائی۔

ایک روایت ہے۔ جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ دیکھتے تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ جس نے مجھے پیدا کیا اور میری صورت اچھی بنائی اور میرے اخلاق بھی اور مجھ میں ان چیزوں کو خوبصورت بنا دیا جو دوسروں میں عیب دار معلوم ہوتی ہیں۔(کتاب الشکر ابن أبی الدنیا صفحہ 54)

حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی چیز کھاتے یا پیتے تو اس کے بعد خدا کا شکر یوں ادا کرتے تھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔ (جامع الترمذی ابواب الدعوات)

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب آپؐ کھانے سے فارغ ہوتے تو آپؐ فرماتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَفَانَا وَاَرْوَانَا غَیْرَ مَخْفِیٍّ وَلَا مَکْفُوْرٍ۔ کہ سب شکر اللہ ہی کا ہے جس نے ہمیں کافی دیا اور پیٹ بھر کر کھلایا پلایا ایسا شکر نہیں کہ یہیں پر بس ہو اور نہ ایسا شکر ہے کہ جس کی پھر ناشکری کی۔

سامعین! شکر گزاری کی تلقین فرماتے ہوئے آپؐ نے ایک روایت میں یوں بیان فرمایا کہ جس نے کھانا کھایا پھر یہ دعا کی کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ هٰذَا الطَّعَامَ وَرَزَقَنِیْهِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّةٍ۔ کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور اور بغیر میری کسی طاقت اور قوّت کے مجھے یہ دیا تو اس سے پہلے کیے گئے اور بعد میں ہونے والے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ جس نے لباس پہنا اور یہ دعا کی کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے مجھے یہ لباس پہنایا اور بغیر میری کسی طاقت اور قوّت کے یہ لباس مجھے دیا تو اس کے پہلے کیے گئے اور بعد میں ہونے والے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ (سنن ابو داؤد کتاب اللباس باب ما یقول اذا لبس... حدیث 4023)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لوگ جب پہلا پھل دیکھتے تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاتے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے لیتے تو آپؐ یہ دعا کرتے کہ اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے پھلوں میں برکت ڈال اور ہمارے لیے ہمارے شہر میں برکت ڈال اور ہمارے لیے ہمارے صاع (یعنی یہ پیمانہ ہے تول کا اس) میں برکت ڈال اور ہمارے لیے ہمارے مُدّ (یہ دوسرا پیمانہ ہے تولنے کا) اس میں برکت ڈال۔ اے اللہ! یقیناً ابراہیم تیرا بندہ اور تیرا دوست اور تیرا نبی تھا اور مَیں تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ اور اس نے تجھ سے مکّے کے لیے دعا کی تھی اور مَیں تجھ سے مدینے کے لیے دعا کرتا ہوں اسی کی طرح جو اس نے مکہ کے لیے دعا کی تھی اور اس جیسی اَور بھی۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے چھوٹے بچے کو بلاتے اور اسے وہ پھل دے دیتے۔

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اپنے بستر پر لیٹتے تو آپؐ اپنے ہاتھ کو اپنے رخسار کے نیچے رکھتے پھر دعا کرتے: اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْیَا۔ کہ اے اللہ! تیرے نام سے ہی میں مرتا ہوں اور جیتا ہوں۔ جب آپؐ جاگتے تو دعا کرتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ۔ کہ سب حمد اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں زندہ کیا بعد اس کے کہ ہمیں مارا تھا اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔

ایک دوسری روایت میں بیداری کی دعا اس طرح بیان ہوئی ہے۔ جب آپؐ رات سے جاگتے تو فرماتے کہ سب حمد اللہ ہی کے لیے ہے جس نے مجھے زندہ کیا بعد اس کے کہ مجھے مارا تھا اور اسی کی طرف اٹھ کر جانا ہے۔ (مسند الامام احمد بن حنبل مسند حذیفہ بن الیمان جلد 7 صفحہ 705 حدیث: 23675)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یقیناً اللہ پسند کرتا ہے کہ اس کی نعمت کے آثار اس کے بندوں پر دکھائی دیں۔ (جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء ان اللہ تعالیٰ یحب ان یری... حدیث 2819) یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری ہے کہ اس کی دی ہوئی نعمتیں انسان پر نظر آنی چاہئیں۔ انسان پر ظاہری بھی ہونی چاہئیں۔ اسی طرح ایک روایت میں بیان ہوا۔ ابو الاحوص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: مَیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ردّی کپڑوں میں حاضر ہوا۔ یعنی اچھے کپڑے نہیں تھے خراب سے کپڑے تھے تو آپؐ نے مجھ سے پوچھا: کیا تمہارے پاس مال ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! آپؐ نے پوچھا کس قسم کا مال ہے؟ امیر آدمی ہو، کس قسم کا مال ہے تمہارے پاس۔ تم کہتے ہو مال ہے میرے پاس۔ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اونٹ بھی دیے ہوئے ہیں، بھیڑ بکریاں بھی ہیں، گھوڑے بھی میرے پاس ہیں، غلام بھی مجھے عطا کر رکھے ہیں۔ بہت مال ہے میرے پاس۔ آپؐ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال عطا کیا ہے تو اس کی نعمت اور اس کا اکرام تم پر نظر آئے۔ (سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی الخلقان وفی غسل الثوب حدیث 4063)

حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال پراگندہ تھے۔ یعنی بکھرے ہوئے بال تھے۔ صحیح سنوارے ہوئے نہیں تھے۔ کنگھی نہیں کی ہوئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: کیا یہ کوئی چیز نہیں پاتا جس سے اپنے بالوں کو درست

کرے؟ ساتھیوں کو کہا کہ یہ کیوں اپنے بالوں کو دھوتا اور سنوارتا اور کنگھی نہیں کرتا۔ آپؐ نے ایک دوسرے آدمی کو دیکھا اور وہ مَیلے کپڑے پہنے ہوئے تھا آپؐ نے فرمایا: کیا اسے پانی میسّر نہیں جس سے اپنے کپڑے دھولے؟(سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی الخلقان و فی غسل الثوب حدیث 4062)

پانی تو ملتا ہے گندے کپڑے پہننے کی بجائے کپڑے دھو۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ صفائی ستھرائی بھی جہاں نظافت کے پہلو کو ظاہر کرتی ہے وہاں شکر گزاری کا بھی اس میں پہلو ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کرنا چاہیے۔ ایسا حلیہ نہیں بنانا چاہیے کہ لوگ کہیں کہ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہو گا جس کے دل میں ذرّہ برابر بھی تکبّر ہے۔ ایک آدمی نے کہا: انسان پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کا جوتا اچھا ہو۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی خوبصورت ہے اور اللہ تعالیٰ خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ لیکن تکبّر تو یہ چیز ہے کہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کی وجہ سے حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کوئی نیا کپڑا لیتے تو اس کپڑے کا قمیص ہو یا عمامہ نام لیتے اور دعا کرتے کہ اے اللہ! تمام تعریف تیرے لیے ہے۔ تُو نے ہی مجھے یہ پہنایا ہے۔ مَیں تجھ سے ہی اس کی خیر مانگتا ہوں اور وہ خیر بھی جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے اور مَیں اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور اس شر سے جس کے لیے یہ بنایا گیا ہے۔(سنن ابو داؤد کتاب اللباس)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کوئی نعمت دے اور وہ جان لے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تو اس کے لیے اس نعمت کا شکر لکھ دیا جاتا ہے اور اللہ کسی گناہ پر بندے کی ندامت جان لے تو اسے بخش دیا جاتا ہے قبل اس کے کہ وہ اس سے مغفرت طلب کرے اور ایک شخص دینار سے کپڑا خریدتا ہے اور اسے پہنتا ہے اور اللہ کی حمد کرتا ہے تو وہ کپڑا اس کے گھٹنوں تک نہیں پہنچتا یہاں تک کہ اس کو بخش دیا جاتا ہے۔(کتاب الشکر ابن أبی الدنیا صفحہ 20)

سامعین! سالم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ سے لوٹتے تو جب آپؐ کسی گھاٹی یا اونچے میدان میں پہنچتے تو آپؐ تین بار اللہ اکبر

کہتے اور اس کے بعد فرماتے کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اٰيِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یعنی ایک اللہ کے سوا اَور کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ ساری بادشاہت اسی کی ہے اور اسی کے لیے تمام کی تمام خوبیاں ہیں اور وہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔ ہم اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہوئے سفر سے لَوٹ رہے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ ہم آئندہ غلطیاں نہیں کریں گے۔ ہم اپنے ربّ ہی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ اپنے ربّ ہی کے سامنے سر جھکانے والے ہیں۔ اپنے ربّ ہی کی حمد بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یقیناً اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی یاوری فرمائی اور تمام جتھوں کو تنہا شکست دے کر بھگا دیا۔

جنگِ بدر کے دن کفار کے مقتولین کو میدانِ بدر کے گڑھوں اور کنوؤں میں ڈال دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ابوجہل کو ذلیل وخوار کر دیا اور اسے ہلاک کیا اور ہمیں اس سے نجات عطا فرمائی۔ جب سب مقتولین کنویں میں ڈال دیے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گرد چکر لگا رہے تھے جبکہ مقتولین اس گڑھے میں تھے۔ حضرت ابوبکرؓ ایک ایک شخص کا نام لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی حمد وشکر کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ تمام تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے مجھ سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا۔(کتاب المغازی للواقدی جلد 1 صفحہ 111-112)

آپؐ کے جانی دشمن کے کیفرِ کردار پر پہنچنے پر آپؐ کا ردّ عمل یہ نہیں تھا کہ کسی قسم کی ظاہری خوشی ہو اس کا اظہار نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور جھکے اور اس کا شکر ادا کیا۔ اس بارے میں ایک روایت میں آتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں غزوۂ بدر کے دن رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: مَیں نے ابوجہل کو قتل کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا؟ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مَیں نے عرض کیا کہ ہاں! اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، مَیں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی اور مجھ سے تصدیق لی۔ پھر فرمایا

کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اکیلے ہی تمام مخالف جماعتوں کو شکست دی۔ پھر آپؐ نے فرمایا: چلو! میرے ساتھ مجھے اس کی لاش دکھاؤ۔ چنانچہ ہم روانہ ہوئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو فرمایا: یہ اس اُمّت کا فرعون ہے۔ ایک اَور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس روز ابو جہل کے سر کی بشارت دی گئی آپؐ نے دو رکعت نماز پڑھی۔

فتح مکہ کے تعلق میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن کعبہ کی سیڑھی پر کھڑے ہوئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی۔ اس کی ثناء کی اور فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ صَدَقَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ۔ کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تمام لشکروں کو اکیلے ہی شکست دی۔ (سنن النسائی کتاب القسامہ)

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے بیان کیا ہے کہ ہم سے کسی نے بیان نہیں کیا کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا ہو سوائے حضرت ام ہانیؓ کے۔ چاشت کی نماز کے بارے میں جو بھی روایتیں ملتی ہیں ان میں کہتے ہیں کہ ہمیں تو اَور کوئی روایت نہیں ملی سوائے اس کے کہ حضرت ام ہانیؓ کی ایک روایت ملتی ہے کہ آپؐ نے چاشت کی نماز پڑھی اور وہ روایت اس طرح ہے کہ آپؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن ان کے گھر میں تشریف لائے اور آپؐ نے غسل کیا اور آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ تو کہتی ہیں کہ مَیں نے اس سے زیادہ ہلکی نماز کبھی نہیں دیکھی۔ بہت ہلکی نماز تھی لیکن آٹھ رکعت آپؐ نے پڑھی مگر آپؐ پوری طرح رکوع اور سجدہ کرتے تھے۔

سامعین! حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب آپؐ مکّہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو لوگ آپؐ کی زیارت کے لیے آئے۔ عاجزی اور جذبات شکر کی وجہ سے آپؐ کا سر کجاوے کو چھُو رہا تھا۔ آپؐ لوگوں کے درمیان تھے۔ آپؐ نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ۔ کہ اے اللہ! یقیناً اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ (سبل الھدیٰ جلد 5 صفحہ 226)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ”یہ علوّ جو خدا تعالیٰ کے خاص بندوں کو دیا جاتا ہے وہ انکسار کے رنگ میں ہوتا ہے اور شیطان کا علوّ استکبار سے ملا ہوا تھا۔ دیکھو! ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ کو فتح کیا تو آپؐ نے اسی طرح اپنا سر جھکایا اور سجدہ کیا جس طرح پر ان مصائب اور مشکلات کے دنوں میں جھکاتے اور سجدے کرتے تھے جب اسی مکہ میں آپؐ کی ہر طرح سے مخالفت کی جاتی اور دکھ دیا جاتا تھا۔ جب آپؐ نے دیکھا کہ میں کس حالت میں یہاں سے گیا تھا اور کس حالت میں اب آیا ہوں تو آپؐ کا دل خدا کے شکر سے بھر گیا اور آپؐ نے سجدہ کیا۔“ (ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ جلد 3 حاشیہ صفحہ 260، ایڈیشن 2022ء)

آپؐ کی ایک دعا کا ذکر صحیح مسلم کی ایک روایت میں ملتا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا اور مروہ کی سعی یعنی طواف کیا، چکر لگایا، اس کا ارادہ فرمایا تو آپؐ نے صفا سے ابتدا کی اور اس پر چڑھے یہاں تک کہ بیت اللہ کو دیکھا اور قبلہ کی طرف رخ کیا اور اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کی اور اس کی بڑائی کا ذکر کیا اور فرمایا: اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہت اسی کی ہے۔ اسی کی سب تعریف ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی اور لشکروں کو اکیلے پسپا کر دیا اور پھر اس کے درمیان آپؐ نے دعا کی۔ دعا کی حالت میں تین مرتبہ اسی طرح آپؐ نے کیا۔ (صحیح مسلم مترجم جلد 6 صفحہ 118، کتاب الحج باب حجۃ النبی ﷺ حدیث 2123، نور فاؤنڈیشن)

حضرت علیؓ کے یمن سے ہمدان قبیلہ کی اطلاع دینے کے بارے میں ایک روایت آتی ہے۔ حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں جب 10 ر ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو یمن کی طرف بھیجا اور سارے قبیلہ ہمدان نے اسلام قبول کر لیا تو حضرت علیؓ نے ان کے اسلام قبول کرنے کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط کے ذریعے دی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خط پڑھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گر گئے اور فرمایا: ہمدان پر سلام ہو۔ ہمدان پر سلام ہو۔ دو مرتبہ یہ ارشاد فرمایا۔ (شرح الزرقانی جلد 4 صفحہ 140)

سامعین! حضور فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سجداتِ شکر کے بارے میں مزید تفصیلات اس طرح ملتی ہیں۔ حضرت ابو بکرہؓ سے روایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی ایسی بات آتی جو آپؐ کو خوش کرتی یا جو آپؐ کے لیے خوشی کا باعث ہوتی تو آپؐ اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدے میں گر جاتے (سنن ابن ماجه کتاب اقامة الصلاة)۔ اسی طرح حضرت انس بن مالکؓ سے ایک روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مقصد کے بارے میں بشارت دی گئی تو آپؐ شکر کرتے ہوئے سجدے میں گر گئے۔(سنن ابن ماجه کتاب اقامة الصلاة)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود بھیجنے پر مؤمنوں کو جو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری دی اور اس پر آپؐ نے جس شکر گزاری کا اظہار فرمایا۔

اس کا ذکر ایک روایت میں یوں ملتا ہے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور اپنی صدقہ کی جگہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ پھر اندر تشریف لے گئے۔ قبلہ رخ ہو کر سجدے میں گر گئے اور سجدہ بہت طویل کر دیا یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ اللہ عزوجل نے اسی حالت میں آپؐ کی روح قبض کر لی ہے کہ مَیں آپؐ کے قریب ہو کر بیٹھا تو آپؐ نے سر اٹھایا اور فرمایا: یہ کون ہے؟ مَیں نے عرض کیا کہ عبد الرحمٰن۔ فرمایا: کیا بات ہے؟ مَیں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ نے اتنا لمبا سجدہ کیا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں اللہ عزّوجلّ نے اسی حالت میں آپؐ کی روح قبض نہ کر لی ہو۔ یعنی وفات، وصال نہ ہو گیا ہو تو آپؐ نے فرمایا: جبرائیل میرے پاس آئے تھے اور مجھے یہ کہہ کر خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص آپؐ پر دُرود بھیجے گا مَیں اس پر اپنی رحمت نازل کروں گا۔ اور جو آپؐ پر سلام بھیجے گا مَیں اس پر سلام بھیجوں گا۔ اس پر مَیں نے اللہ تعالیٰ عزّوجلّ کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ کیا تھا۔(مسند الامام احمد بن حنبل مسند عبدالرحمٰن بن عوف جلد 1 صفحہ 512-513)

حضرت ابو بکرہؓ بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب خوشخبری لانے والا آیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کے دشمن پر فتح کی خوشخبری دے رہا تھا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور سجدے میں گر پڑے۔(سبل الهدیٰ والرشاد جلد 8 صفحہ 205)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ پائی جائیں اللہ تعالیٰ اسے صابر اور شاکر لکھ دیتا ہے اور جس میں وہ دونوں نہ ہوں اللہ اسے نہ صابر لکھتا ہے اور نہ شاکر۔ پہلی یہ کہ جو شخص اپنے دین کے معاملے میں اس کی طرف دیکھے جو اس سے بلند ہو اور اس کی پیروی کرے اور دوسری یہ کہ دین کے معاملے میں اس طرف دیکھے جو اس سے بلند ہے اور پھر یہ دیکھے کہ مَیں اس کی پیروی کروں اس کے برابر پہنچوں تو وہ صابر اور شاکر ہو گا اور دوسری شرط یہ کہ جو اپنی دنیا کے معاملے میں اس کی طرف دیکھے جو اس سے کمتر ہو پھر وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے۔ دنیاوی معاملات میں اسے دیکھے جو اس سے کم ہے اور پھر اللہ کی حمد کرے، شکر کرے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے۔ اس پر جس کے ذریعے اللہ نے اسے اس شخص پر فضیلت دی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے صابر اور شاکر لکھ دیتا ہے اور جو شخص اپنے دین میں اس کی طرف دیکھے جو اس سے کم تر ہو اور اپنی دنیا میں اس کی طرف دیکھے جو اس سے بلند ہو پھر اس چیز پر افسوس کرے جو اس سے رہ گئی تو اللہ تعالیٰ اسے نہ صابر لکھتا ہے نہ شاکر۔ (کتاب الشکر ابن أبي الدنیا صفحہ 60)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی طرف دیکھو جو تم سے نیچے ہے اور اس کی طرف مت دیکھو جو تم سے اوپر ہے۔ یہ اس بات کے زیادہ لائق ہے تم اللہ کی نعمت کی تحقیر نہ کرو۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چار چیزیں ایسی ہیں کہ جسے یہ عطا کر دی جائیں اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی عطا کر دی گئی۔ شکر گزار دل نمبر ایک۔ ذکر کرنے والی زبان دو۔ ذکر الٰہی کرنے والی زبان ہو۔ آزمائش کے وقت صبر کرنے والا بدن اور ایسی بیوی جو نہ اپنی عزّت وعفت کے معاملے میں اور نہ شوہر کے معاملے میں اس کے ساتھ خیانت کرے۔ اچھی بیوی ہو اور باقی یہ چار چیزیں ہوں تو بھلائی عطا ہوتی ہے۔ (کتاب الشکر ابن أبي الدنیا صفحہ 17)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! پرہیز گار بنو تم سب لوگوں سے زیادہ عبادت گزار ہو جاؤ گے اور قانع بنو، قناعت کرو تم سب لوگوں سے زیادہ شکر گزار ہو جاؤ گے۔ پس قناعت بھی شکر گزاری کی طرف لے کر جاتی ہے اور لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے

لیے پسند کرتے ہو تو مؤمن ہو جاؤ گے اور جو تمہارا پڑوسی ہے اس سے اچھی ہمسائیگی کرو تم مسلم ہو جاؤ گے اور کم ہنسو کیونکہ ہنسنے کی کثرت دل کو مُردہ کر دیتی ہے۔(سنن ابن ماجه كتاب الزهد باب الورع والتقوى حديث 4217)

یعنی انسان کو اللہ تعالیٰ کے حضور زیادہ جھکنے والا ہونا چاہیے۔ دعاؤں کی طرف توجہ رہنی چاہیے۔ ہر وقت ٹھٹھے مذاق نہیں ہوتے رہتے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرنے والا بنائے۔(آمین)

(خلاصہ از روزنامہ الفضل انٹرنیشنل لندن۔ 7/ جولائی 2026ء)

۞۞۞۞

﴿37﴾ ﴿مشاہدات۔ 11﴾

اَلْحَيَاءُ مِنَ الْاِيْمَانِ

پردہ اعزاز ہے عورت کا تذلیل نہیں، تحقیر نہیں
جو رنگ حیا سے عاری ہو وہ عورت کی تصویر نہیں

آج میری تقریر کا عنوان ہے "حیا ایمان کا حصہ ہے"

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حیا کے مد مقابل لفظ بے حیائی کے لیے فحشاء اور فواحش کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ جیسے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ (الاعراف:29)

یقیناً اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔

ایک موقع پر يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ (النحل:91)

یعنی اللہ بے حیائی سے منع فرماتا ہے۔

پھر ایک مقام پر بہت واضح الفاظ میں فرمایا:

اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ (الاعراف:34)

میرے ربّ نے محض بے حیائی کی باتوں کو حرام قرار دیا ہے وہ بھی جو اس میں سے ظاہر ہو اور وہ بھی جو پوشیدہ ہو۔

سامعات!

حیا کے ضمن میں ایک واضح حکم غض بصر کا قرآن کریم میں ملتا ہے۔ مؤمن مردوں کو مؤمن عورتوں سے قبل مخاطب ہو کر یہ حکم دیا گیا۔

يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (النور:31)

کہ مؤمن مرد اپنی آنکھیں نیچی رکھیں۔

جبکہ مؤمن عورتوں کو مخاطب ہو کر فرمایا:

يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ (النور:32)

کہ وہ مؤمن عورتیں اپنی آنکھیں نیچی رکھا کریں۔

سامعات!

قرآن کا یہ حکم بھی حیا ہی کا حصہ ہے۔ جیسا کہ مردوں کے لیے يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ (النور:31) اور عورتوں کے لیے يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ (النور:32) کے الفاظ میں اپنی اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کا حکم ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

دو عضو اپنے جو کوئی ڈر کر بچائے گا
سیدھا خدا کے فضل سے جنت میں جائے گا
وہ اِک زباں ہے، عضو نہانی ہے دوسرا
یہ ہے حدیثِ سیدنا سید الوریٰ

حیا کے ضمن میں ایک بڑا حکم مؤمن عورتوں کو چہرہ کے پردہ کا حکم ہے۔ اس حوالہ سے تفصیلی حکم سورۃ الاحزاب آیت 60 اور سورۃ النور آیت 32 میں ملتے ہیں۔

سامعات!

اب میں حیا کا مفہوم احادیث کی روشنی میں بیان کروں گی۔

شرم و حیا کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کا خاص خلق قرار دیا ہے۔ اس کی اہمیت کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فقرہ کہہ کر مزید اجاگر کیا کہ ہر دین و مذہب کا ایک اپنا خاص خلق ہوا کرتا ہے۔

اسلام کا خاص خلق حیا ہے۔

(حدیقۃ الصالحین از ملک سیف الرحمٰن مرحوم صفحہ 767-768)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سابقہ تمام انبیاء کے حکیمانہ اقوال میں سے ایک یہ ہے کہ إذا لم تستحِي فاصنَعْ ما شئتَ

(بخاری کتاب الادب)

کہ جب حیا اٹھ جائے تو پھر انسان جو چاہے کرے۔ فارسی میں اس کا ترجمہ کسی نے یوں کیا ہے "بے حیا باش ہر چہ خواہی کن۔"

پھر آپؐ نے ایک موقع پر فرمایا کہ:

حد سے بڑھی ہوئی بے حیائی ہر مرتکب کو بدنما بنا دیتی ہے اور شرم و حیا ہر حیادار کو حسن سیرت بخشتا ہے اور اسے خوبصورت بنا دیتا ہے۔

(ترمذی کتاب البرو الصلۃ فی الفحش)

حضرت ابو سعید خدریؓ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپؐ ایک کنواری عورت سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ جب آپؐ کسی چیز کو ناپسند کرتے تو اس کا اثر ہم آپؐ کے چہرہ مبارک سے محسوس کرتے تھے یعنی آپؐ کے چہرے کو دیکھ کر پتہ چل جاتا تھا کہ یہ بات آپؐ کو پسند نہیں آئی۔ بالعموم آپؐ اس کا اظہار زبان سے نہ فرماتے۔

(مسلم کتاب الفضائل ترجمہ از حدیقۃ الصالحین صفحہ 770)

سامعات!

حیا کے حوالہ سے مختصر اسلامی تعلیم دینے کے بعد اصل مضمون کی طرف آتے ہوئے کہ حیا ایمان کا حصہ ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان ساٹھ (60) یا ستّر (70) سے بھی کچھ زائد حصوں میں منقسم ہے۔ ان میں سے افضل لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا اور عام و آسان حصہ راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو دور کرنا ہے۔ حیا بھی ایمان ہی کا ایک حصہ ہے۔

(مسلم کتاب الایمان باب شعب الایمان)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ لجنہ سے اپنے خطابات، ورچوئیل ملاقاتوں میں احمدی ماؤں کو اپنی بچیوں کو حجاب پہننے اور حیا کے تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھنے کی طرف بار بار توجہ دلا رہے ہیں۔ اُدھر احمدی

بچیوں، ناصرات اور واقفات نو کو براہ راست حیا کے بارے اسلامی تعلیم اپنانے کی نصیحت فرمارہے ہیں اور اسکولز میں حجاب پہننے کی تلقین فرماتے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس حوالہ سے فرمایا:

"اس معاشرے میں جہاں ہر ننگ اور ہر بیہودہ بات کو اسکول میں پڑھایا جاتا ہے پہلے سے بڑھ کر احمدی ماؤں کو اسلام کی تعلیم کی روشنی میں، قرآن کریم کی تعلیم کی روشنی میں اپنے بچوں کو بتانا ہو گا۔ حیا کی اہمیت کا احساس شروع سے ہی اپنے بچوں میں پیدا کرنا ہو گا۔ پانچ چھ سات سال کی عمر سے ہی پیدا کرنا شروع کرنا چاہئے۔ پس یہاں تو ان ملکوں میں چوتھی اور پانچویں کلاس میں ہی ایسی باتیں بتائی جاتی ہیں کہ بچے پریشان ہوتے ہیں جیسا کہ مَیں پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں۔ اسی عمر میں حیا کا مادہ بچیوں کے دماغوں میں ڈالنے کی ضرورت ہے۔ بعض عورتوں کے اور لڑکیوں کے دل میں شاید خیال آئے کہ اسلام کے اور بھی تو حکم ہیں۔ کیا اسی سے اسلام پر عمل ہو گا اور اسی سے اسلام کی فتح ہونی ہے۔ یاد رکھیں کہ کوئی حکم بھی چھوٹا نہیں ہوتا۔"

(پردہ، احمدی ماؤں کی ذمہ داریاں، alislam.org جلسہ سالانہ کینیڈا مستورات 8/ اکتوبر 2016ء)

سامعات!

حیا ایمان کا حصہ ہے کے حوالہ سے احمدی بچیوں سے مخاطب ہو کر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"دین کو اوّلیت ہے۔ لباس چاہے کوئی بھی ہو۔ کسی بھی قسم کا ہو لیکن حیادار لباس ہونا چاہیے۔ قرآن کریم میں یہ نہیں لکھا کہ تم نے شلوار قمیض پہننی ہے یا لمبا چوغہ پہننا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ تمہارا حیادار لباس ہونا چاہیے۔ تمہاری زینت نظر نہیں آنی چاہیئے۔ تو یہ لڑکیوں میں تربیت کے شعبے کا کام ہے۔ ناصرات کے شعبے کا کام ہے اور ماں باپ کا بھی کام ہے کہ وہ بچپن سے ہی (یہ چیز) پیدا کریں۔ تربیت کا شعبہ یہ کام ماں باپ کے ذریعہ سے کرے۔ ناصرات کا شعبہ اپنی تنظیم کے لحاظ سے کام کرے۔ ماں باپ اپنے طور پر تربیت کریں کہ ہم احمدی مسلمان ہیں۔ اس لیے ہمیں اللہ تعالیٰ کے جو حکم ہیں ان پر عمل کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حیادار لباس پہنو۔ بعض مسلمان ہیں بلکہ بعض غیر احمدی عرب مسلمان بھی میں نے دیکھے ہیں جو Jeans اور Blouse پہن کر حجاب لے لیتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ ہم نے بڑا پردہ کر لیا ہے۔ تو اُس پردے کا تو کوئی فائدہ نہیں جب کہ اس کا لباس ننگا ہے اور لباس سے ساری زینت

ظاہر ہو رہی ہوتی ہے۔ یا باہر جاتے ہوئے چوغہ پہن لیا اور گھر میں اپنے رشتہ داروں کے سامنے ایسا لباس ہوتا ہے جو صحیح نہیں ہوتا تو وہ بھی غلط ہے۔ حدیث ہے **"حیا ایمان کا حصہ ہے۔"** اس لیے بچپن سے ہی بچیوں کے ذہنوں میں یہ ڈالنا ہو گا کہ حیا ایمان کا حصہ ہے اور ہم احمدی مسلمان ہیں۔ ہمیں اپنے نمونے بھی دکھانے چاہیے۔ ہماری دو عملی نہیں ہونی چاہیے۔ اگر ہمارا لباس حیادار ہو گا تو ہماری حیا بھی قائم رہے گی اور پھر وہ بڑے ہو کر بھی اس حیادار لباس کے مطابق اپنے لباسوں کو ڈھالیں گی اور پھر پردہ بھی کریں گی اور حجاب (سے) بھی نہیں شرمائیں گی اور کمپلیکس بھی نہیں ہو گا۔ اپنے آپ میں یہ احساس پیدا کریں کہ ہم نے دنیا کی اصلاح کرنی ہے دنیا کو اپنے پیچھے چلانا ہے نا کہ ہم نے دنیا کے پیچھے چلنا ہے۔ جب یہ احساس اور confidence پیدا ہو جائے گا تو پھر (سب) ٹھیک ہو جائے گا اور اگر مائیں ہی بے حوصلہ ہو جائیں گی، ان میں اعتماد نہیں ہو گا، باہر نکلیں گی تو ان مغربی لوگوں کو دیکھ کے ڈر جائیں گی۔"

(This Week with Huzoor 24 September 2021 مطبوعہ الفضل آن لائن مؤرخہ 23/اکتوبر 2021ء)

آج جب ہماری بہنیں اور پیاری بچیاں صد سالہ جوبلی منا کر اپنی دوسری صدی میں قدم رکھ رہی ہیں اس موقع پر احمدی ماؤں، بہنوں اور بچیوں کو یہ بتانا ضروری ہے کہ آپ ایک صدی تک حیا کی اسلامی تعلیم کو ساری دنیا میں بلند رکھ کر دربار الٰہی اور خلافت احمدیہ کی چوکھٹ پر سرخرو ہوئی ہیں۔ وہاں آئندہ آنے والی نسلوں کی راہنمائی کے لیے اس عملی نمونہ کو جاری و ساری رکھنے کا عہد کرتے ہوئے اپنے قدموں کو آگے بڑھائیں اور حضور انور ایدہ اللہ نے 2 جنوری 2021ء کو ناصرات الاحمدیہ کو جو سلوگن Modesty is part of Faith دیا تھا اسے پوری جماعت میں عام کریں۔ آپ ایدہ اللہ تعالیٰ اس سلوگن کے بارے میں فرماتے ہیں:

"یہ بہت سی چیزوں کا احاطہ کرلے گا جس سے آپ کو آپ کی ناصرات کی تربیت کرنے میں مدد فراہم ہو سکے گی۔ اس مبارک نعرے کی مدد سے ناصرات ان شاء اللہ ایک دوسرے کے ساتھ ایک نئی دنیا دریافت کریں گی۔

ہم اپنے تجربات ایک دوسرے سے بانٹیں گی۔ اپنے سر فخر سے بلند رکھتے ہوئے اپنے اعمال، خیالات اور الفاظ کے ساتھ دنیا کی قیادت کریں گی۔"

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر کما حقہ عمل پیرا ہونے کی توفیق سے نوازتا رہے۔ آمین

﴿38﴾ ﴿مشاہدات۔115﴾

حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ (القصص:86)

ترجمہ: یقیناً وہ جس نے تجھ پر قرآن کو فرض کیا ہے تجھے ضرور ایک واپس آنے کی جگہ کی طرف واپس لے آئے گا۔

دیارِ مغرب سے جانے والو دیارِ مشرق کے باسیوں کو
کسی غریبُ الوطن مُسافر کی چاہتوں کا سلام کہنا

معزز بہنو اور بھائیو! آج میری تقریر کا عنوان ہے **"حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ"** (موضوعات کبیر حرف الحاء۔ کشف الخفا جلد۔1) یعنی وطن کی محبت ایمان کا جزو ہے۔

یہ طبعی بات ہے کہ انسان جہاں پیدا ہوا ہو وہاں بچپن کے دن گزارے ہوں، وہاں پڑھا لکھا ہو اور تعلیم حاصل کر کے بڑا انسان بنا ہو۔ اُس سر زمین کے کھیل کے میدانوں میں کھیلا کودا ہو تو اُس بستی کی محبت انسان کے اندر رَچ بَس جاتی ہے وہ دھرتی اُسی طرح یاد آتی ہے جس طرح ماں کی وہ یادیں جب وہ اُس کو بچپن میں پالتی پوستی وقت اُستوار ہوتی رہی۔ اسی لیے دھرتی کو ماں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

سامعین و سامعات! آج کی تقریر کا عنوان آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔ اگر آپؐ کے اِس ارشاد کو آپؐ ہی کے اخلاق و اعمال کے سانچے میں ڈال کر دیکھیں تو آپؐ کو اپنے وطن سے بہت محبت تھی۔ ایسا کیوں نہ ہوتا وہ مبارک سر زمینِ مکّہ جہاں آپؐ پیدا ہوئے۔ اُس کی بستی کی گلی کوچوں میں آپؐ کا بچپن گزرا۔ یہ وہ بستی تھی جہاں فرشتوں نے آپؐ کا سینہ چاک کر کے آپؐ کے دِل کو پاک و مطہر کیا تھا۔ ہاں! ہاں! یہی وہ مبارک بستی تھی جس میں خانہ کعبہ میں حجرِ اسود کے حوالہ سے آپؐ نے مناسب فیصلہ فرما کر اور اس کو مقررہ جگہ پر رکھ کر مختلف گروہوں کو ایک لڑی میں پرو دیا تھا۔ ہاں! ہاں! اِس پیاری بستی سے

مشرکین نے جب آپؐ کو دیس نکالا دیا تو آپؐ مکّہ چھوڑتے ہوئے جب مکّہ آنکھوں سے اوجھل ہو رہا تھا ایک پتھر پر کھڑے ہو کر مکّہ کی طرف منہ کر کے اِس کو مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ اے مکّہ! تُو میرا پیارا شہر اور پیارا وطن تھا۔ اگر میری قوم مجھے یہاں سے نہ نکالتی تو مَیں ہرگز نہ نکلتا۔

(مسند احمد جلد 4 صفحہ 305)

سامعین وسامعات! جذبات سے پُر اس واقعہ کی تہہ تک جانے کی کوشش کرتے ہیں تو وہاں بھی حُبّ وطن کے سَوتے پھوٹتے نظر آتے ہیں کہ جب آپؐ کو غارِ حرا میں پہلی وحی کے بعد حضرت خدیجہؓ، ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں تو ورقہ نے بے ساختہ کہا کہ یہ تو وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔ کاش! مَیں اس وقت زندہ رہوں جب میری قوم تجھے اِس شہر سے نکال دے گی۔ تو آپؐ نے بے ساختہ فرمایا **اَوَ مُخْرِجِیَّ ھُمْ؟** کہ کیا میری قوم مجھے ہی میرے وطن سے نکال باہر کرے گی؟

سامعین! ذرا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اِن الفاظ پر غور کریں کہ وطن سے محبت آپؐ پر اِس قدر غالب تھی کہ آپؐ نے فوراً کہا کہ کیا قوم مجھ جیسے قوم کے لیے نفع رساں رہنے والے وجود کو نکال دے گی۔

(بخاری کتاب بدء الوحی باب 1)

میرے بھائیو اور بہنو! پھر آئیں دیکھیں! اللہ تعالیٰ بھی ایسے نیک اور لوگوں کے ہمدرد و نفع رساں وجود کی خود کیسے لاج رکھتا ہے اور اِس بندے کو مکہ میں دوبارہ داخلے کی خوشخبری پہلے دیتا ہے اور مکّہ چھوڑنے کے تکلیف دہ مرحلے کا ذکر بعد میں کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا

(بنی اسرائیل:81)

ترجمہ: اور تُو کہہ اے میرے ربّ! مجھے اس طرح داخل کر کہ میرا داخل ہونا سچائی کے ساتھ ہو اور مجھے اس طرح نکال کہ میرا نکلنا سچائی کے ساتھ ہو اور اپنی جناب سے میرے لئے طاقتور مددگار عطا کر۔

یہ دلی تسلی در حقیقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حبُّ الوطنی کے جذبہ کے پیش نظر دی کہ مکّہ سے نکلنے کا ذکر بعد میں کر دیا اور مکّہ میں فتح اور کامرانی کے ساتھ داخلے کا ذکر پہلے سُنا دیا۔

معزز سامعین / سامعات! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے وطن سے محبت کے ایک نہیں، دو نہیں بلکہ بیسیوں واقعات بیان کیے جا سکتے ہیں۔ واقعہ ہجرت کے بعد جب ایک شخص مکّہ سے مدینہ آیا تو حضرت عائشہؓ نے اُس سے مکہ کا حال پوچھا تو اُس نے مکہ کے سر سبز و شاداب ہونے، اَذ خَر گھاس اور کیکر کے درختوں کی ہریالی کا ذکر کیا تو قریب بیٹھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکّہ کی یاد تازہ ہو گئی اور وطن کی محبت نے جوش مارا کہ آپؐ نے غفار قبیلہ کے اُس شخص کو مخاطب ہو کر فرمایا۔ بس کرو! ہمارے وطن کی یادیں تازہ کر کے ہمارے دل کو نہ دکھاؤ۔

(بخاری صفحہ 298)

پیارے بھائیو اور بہنو! مکّہ سے آپؐ کو اِس قدر پیار اور محبت تھی کہ تکلیف دہ حالات میں مکّہ چھوڑنے کے بعد بھی ایک رات آپؐ نے ساری رات نماز میں کھڑے ہو کر یہ دعائیہ آیات پڑھتے رہے۔
اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ

(المائدہ:119)

ترجمہ: اگر تُو انہیں عذاب دے تو آخر یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں معاف کر دے تو یقیناً تُو کامل غلبہ والا (اور) حکمت والا ہے۔
ایک دفعہ مکّہ شدید قحط کی نذر ہو گیا۔ کفّارِ مکّہ نے آپؐ سے مدینہ پہنچ کر دُعا کی درخواست کی۔ تاریخ میں درج ہے کہ آپؐ نے مکّہ اور اہلِ مکّہ کے لیے ہاتھ اُٹھایا اور دعا دی۔ یہ دُعا اِس حد تک قبول ہوئی کہ بارشیں کثرت سے ہوئیں اور قحط دور ہو گیا۔ مگر اہلِ مکّہ نے خوشحالی کے بعد دوبارہ آپؐ کی مخالفت شروع کر دی۔

(بخاری کتاب التفسیر سورۃ دخان)

معزز بھائیو اور بہنو! پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مدینہ جانے کے بعد مدینہ کی محبت دل میں گھر کر گئی۔ فتح مکّہ کے موقع پر انصار صحابہ نے آپؐ کی مکہ سے محبت کو بھانپ کر آپؐ سے درخواست کی کہ آپؐ مکہ میں ہی رہائش اختیار کر لیں مگر آپؐ نے فرمایا کہ مَیں نے اپنے ربّ سے دُعا کی تھی کہ اے اللہ! تو نے مجھے اپنی

پیاری سر زمین سے نکالا ہے اب تُو مجھے کسی اور محبوب زمین میں ٹھکانہ عطا کر۔ تب اللہ نے مجھے مدینہ عطا کیا۔

(مستدرک حاکم جلد 3 صفحہ 278)

ایک اور راویت میں ہے کہ آپؐ نے بڑے جوشیلے انداز میں فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا مَیں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔(بخاری کتاب فضائل المدینہ) اور آپؐ دعا کیا کرتے تھے کہ ’’اے اللہ! ہمارے دلوں میں مدینہ کی محبت ایسی ڈال دے جیسے ہمیں مکہ محبوب ہے بلکہ اس سے بڑھ کر۔ اے اللہ! مدینہ اور ان کے اہل کے رزق میں فراوانی عطا کر۔ اس کی آب وہوا کو ہمارے موافق کر دے۔‘‘(بخاری فضائل المدینہ) پھر آپؐ سے مدینہ اور اِس کے باسیوں کے لئے یہ دعا بھی مروی ہے کہ اے اللہ! ہمارے دلوں میں مدینہ کی محبت ایسی ڈال دے جیسے ہمیں مکّہ محبوب ہے بلکہ اِس سے بڑھ کر۔ اے اللہ! مدینہ اور اِن کے اہل کے رزق میں فراوانی عطا کر۔ اِس کی آب و ہوا کو ہمارے موافق کر دے۔(بخاری فضائل المدینہ باب 12)

سامعین / سامعات! اُخروی دَور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی حُبّ الوطنی کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دور میں جب انگریزوں کی حکومت تھی اُس وقت کے بہت سے علماء اور دیگر لوگ ہر بات میں حکومت کی مخالفت کرتے۔ چاہے وہ ان کے حق میں ہی کیوں نہ ہو۔ یہ مخالفت صرف مذہب کی بنیاد پر تھی۔ آپؑ نے مختلف اشتہارات کے ذریعے حکومت کی معروف احکامات میں اطاعت کی نصیحت فرمائی اور قرآن کریم کے اس ارشاد کی طرف توجہ دلائی جس میں دشمنی کی بنا پر حق کو باطل کہنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ جس کے سبب لوگ آپؑ کے مخالف ہو گئے اور آپؑ کو انگریزوں کا ساتھی قرار دینے لگ گئے۔ آپؑ کی تصانیف میں متعدد مقامات پر حکومت کے اچھے اوصاف جو واقعی اُن میں موجود تھے کا ذکر ملتا ہے آپؑ ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ

’’مَیں سچ سچ کہتا ہوں اور تجربہ سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو حق کے لئے ایک جرات دی ہے۔ پس مَیں اس جگہ پر مسلمانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ اُن پر فرض ہے کہ وہ سچے دل سے گورنمنٹ کی

اطاعت کریں۔ یہ بخوبی یاد رکھو کہ جو شخص اپنے مُحسن انسان کا شکر گزار نہیں ہوتا وہ خدا تعالیٰ کا شکر بھی نہیں کر سکتا۔"

(لیکچر لدھیانہ صفحہ 24)

پاکستان بننے میں اور آزادی کشمیر میں جماعت احمدیہ کا بالخصوص سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کا جو کردار ہے وہ رہتی دنیا تک سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ چنانچہ قیام پاکستان اور حصول آزادی پر آپؓ نے تمام مسلمانوں کو نصیحتاً فرمایا کہ

"پاکستان کا مسلمانوں کو مل جانا اِس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ اب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سانس لینے کا موقع میسر آ گیا اور وہ آزادی کے ساتھ ترقی کی دوڑ میں حصہ لے سکتے ہیں اب اِن کے سامنے اتنے غیر محدود ذرائع ہیں کہ اگر وہ ان کو اختیار کریں تو دنیا کی کوئی قوم ان کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتی اور پاکستان کا مستقبل نہایت ہی شاندار ہو سکتا ہے۔"

(خالد اگست 1997ء)

کہنہ مشق صحافی وادیب جناب زاہد ملک نے 1996ء کے آخر میں جناب ایم ایم احمد سے ایک تفصیلی انٹرویو لیا تھا جسے انہوں نے ہفت روزہ "حُرمت" کی اشاعت برائے 27 دسمبر 1996 تا 2 جنوری 1997ء میں شائع کیا۔ اس میں محترم میاں صاحب نے زاہد ملک کے مختلف النوع سوالوں کے بڑے مؤثر اور سیر حاصل جوابات دئے۔ حبُّ الوطنی کے بارہ میں حضرت صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں۔

"جہاں تک ہماری جماعت کا تعلق ہے یہ اپنی خوشی سے باہر نہیں آئی۔ اسے ملک چھوڑنے پر مجبور کیا گیا ہے لیکن اس سب کے باوجود ہمیں جب بھی کوئی موقع ملتا ہے ہم پاکستان کے لئے ضرور کام کرتے ہیں اور جو کچھ ممکن ہوتا ہے وہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں...... ہماری تعلیم ہماری رگوں میں اور ہمارے خون میں سرایت کر چکی ہے وہ یہ کہ ملک کے ساتھ ہر صورت میں وفاداری کو نبھانا ہے۔"

وطن کے جاں نثار ہیں وطن کے کام آئیں گے
ہم اس زمیں کو ایک روز آسماں بنائیں گے

پاکستان بننے کے بعد اُس کی تعمیر و ترقی میں جماعت کا نمایاں کردار رہا۔ پاکستان کی حفاظت اور استحکام کے لیے مختلف جنگوں میں ناقابل تسخیر کردار احمدی جرنیلوں نے ادا کیا جن میں جنرل اختر حسین ملک، جنرل عبد العلی ملک اور جنرل افتخار احمد جنجوعہ کے نام سنہرے حروف سے چمک رہے ہیں۔ احمدی فوجی افسروں کی وطن کی خاطر قربانیاں اور شہادتیں حبّ الوطنی کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ پاکستان میں جماعت احمدیہ جس تکلیف دہ دَور سے گزری اور ابھی بھی گزر رہی ہے اس کے باوجود حُبّ الوطنی کے جذبہ پہ آنچ نہیں آنے دی۔ آج بھی پاکستان مذہب کی خاطر تکالیف برداشت کرنے والے پاکستان سے ہجرت کر جانے کے بعد بھی اِن کے دلوں میں حبُّ الوطنی کا جذبہ کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہوا نظر آتا ہے۔

دل سے نکلے گی نہ مر کر بھی وطن کی الفت
میری مٹی سے بھی خوشبوئے وفا آئے گی

1965ء کے جلسہ سالانہ پر جماعت کے امام اور بانیٔ جماعت احمدیہ کے تیسرے جانشین حضرت حافظ مرزا ناصر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کے پاکستان کے ساتھ ایک جذباتی تعلق کا اظہار ان الفاظ میں بیان فرمایا:

”کوئی مانے یا نہ مانے ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام میں جس قلعہ ہند میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پناہ گزیں ہونے کا ذکر ہے اس سے مراد پاکستان ہی ہے۔“

(حیات ناصر جلد اول صفحہ 381)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے یکم مئی 1984ء کے پیغام میں فرمایا:

”پاکستان کے احمدیوں کے نام بالخصوص میرا یہ پیغام بھی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقدس فرمان کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں اور حرز جان بنائیں کہ حُبُّ الوَطَنِ مِنَ الْإِيْمَانِ وطن کی محبت ایمان ہی کا ایک جز ہے۔ وطن کی محبت میں اپنی سنہری درخشندہ تاریخ کی حفاظت کریں۔

یہ وہ عزیز وطن ہے جس کے قیام میں آپ نے عظیم الشان قربانیاں پیش کی ہیں اور قائد اعظم محمد علی جناح نے جس خدمت کے لئے آپ کو بلایا آپ نے پورے خلوص کے ساتھ ان کی آواز پر لبیک کہا..... یاد رکھیں آپ نے اپنی اس حیثیت کو ہمیشہ بر قرار رکھنا ہے۔"

(الفضل 8 مئی 1984ء)

جماعت احمدیہ عالمگیر کے موجودہ امام حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

"آج 14 اگست بھی ہے جو پاکستان کا یوم آزادی ہے اس لحاظ سے بھی دعا کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کو حقیقی آزادی نصیب کرے اور خود غرض لیڈروں اور مفاد پرست مذہبی رہنماؤں کے عملوں سے ملک کو محفوظ رکھے اور عوام الناس کو عقل اور سمجھ عطا کرے کہ وہ ایسے رہنما منتخب کریں جو ایمان دار ہوں۔ اپنی امانت کا حق ادا کرنے والے ہوں۔ ان سب کو اس بات کی حقیقت سمجھنے کی بھی توفیق عطا فرمائے کہ ملک کی بقا اور سالمیت کی ضمانت انصاف اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی میں ہے۔ ظلموں سے بچنے میں اس ملک کی بقا ہے۔

احمدی جنہوں نے ملک کے بنانے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے، قربانیاں دی ہیں ان پر ظلم کئے جا رہے ہیں لیکن بہر حال پاکستانی احمدیوں نے جہاں بھی وہ ہوں ملک سے وفا کا اظہار کرنا ہے اور اسی لئے دعا بھی کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اس ملک کو سلامت رکھے۔"

(خطبہ جمعہ 14 اگست 2015ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ تعلیم دی ہے کہ "وطن سے محبت ایمان کا حصہ ہے "لہذا اسلام اپنے پیروکار سے مخلصانہ حب الوطنی کا تقاضا کرتا ہے۔ خدا اور اسلام سے سچی محبت کرنے کے لیے کسی بھی شخص کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنے وطن سے محبت کرے۔ لہذا یہ بالکل واضح ہے کہ کسی شخص کی خدا سے محبت اور وطن سے محبت کے درمیان کوئی ٹکراؤ نہیں ہو سکتا۔ چونکہ وطن سے محبت کو اسلام کا ایک رُکن بنا دیا گیا ہے اس لیے یہ واضح ہے کہ ایک مسلمان کو اپنے وطن سے وفاداری کے اعلیٰ

معیار حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔کیونکہ یہ خدا سے ملنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔اس لیے یہ ناممکن ہے کہ ایک حقیقی مسلمان کی خدا سے محبت، اس کی وطن سے سچی محبت اور وفاداری کی راہ میں کبھی رکاوٹ کا باعث بنے۔"

(عالمی بحران اور امن کی راہ صفحہ 27)

آ بیٹھ مُسافر پاس ذرا، مجھے قصۂ اہلِ دَرد سنا
اُن اہلِ وفا کی بات بتا، ہیں جن سے خفا سکانِ وطن
اور اُن کی جان کے دشمن ہیں جو دیوانے ہیں جانِ وطن
اے دیس سے آنے والے بتا، کس حال میں ہیں یارانِ وطن

۞۞۞۞

﴿39﴾ ﴿مشاہدات۔ 1213﴾

مسلمان اور مؤمن

(قرآن اور احادیث کے آئینہ میں)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِنْ تُطِيعُوا اللهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا اِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْم۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (الحجرات:15-16)

یعنی بادیہ نشین کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ تو کہہ دے کہ تم ایمان نہیں لائے۔ لیکن اتنا کہا کرو کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں جبکہ ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تو وہ تمہارے اعمال میں کچھ بھی کمی نہیں کرے گا۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ مؤمن وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے کبھی شک نہیں کیا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں۔

پھر آگے چل کر فرمایا:

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا قُلْ لَا تَمُنُّوا عَلَيَّ إِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ أَنْ هَدَاكُمْ لِلْإِيمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (الحجرات :17)

کہ وہ تجھ پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ تُو کہہ دے مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ جتایا کرو بلکہ اللہ تم پر احسان کرتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی طرف ہدایت دی۔ اگر تم سچے ہو (تو اس کا اعتراف کرو)

بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں
شاید اسی سے دخل ہو دارالوصال میں

چھوڑو غرور و کبر کہ تقویٰ اسی میں ہے
ہو جاؤ خاک مرضیء مولیٰ اِسی میں ہے
تقویٰ کی جڑ خدا کے لئے خاکساری ہے
عفّت جو شرط دیں ہے وہ تقویٰ میں ساری ہے

(درثمین)

معزز سامعین! مجھے آج قرآن اور احادیث کی روشنی میں مسلمان اور مؤمن کی تعریف، مرتبے اور مقام پر کچھ عرض کرنا ہے۔ سورۃ الحجرات میں اسلام اور ایمان کے فرق کو اللہ تعالیٰ نے خوب کھولا اور بتایا ہے کہ ایک پہلو سے اسلام محض لفظی اظہار کا نام ہے اور ایمان دل کی کیفیت بیان کرتا ہے۔

عالم اسلام کے سلگتے ہوئے مسائل میں سے ایک سوال یہ ہے کہ مسلمان کی تعریف کیا ہے؟ اور کون شخص مسلمان کہلانے کا مستحق ہے؟ کیونکہ اسی تعریف کے فرق کے نتیجہ میں کفر کے فتاویٰ کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا ہے جو تھمنے میں نہیں آتا۔ ہر فرقہ کے نزدیک دوسرا فرقہ کافر ہے اور اگر بعض فرقے مل کر کسی کو کافر کہتے ہیں تو دوسروں کے نزدیک وہ کافر ہیں۔ یہی بات فسادات پنجاب پاکستان 1953ء کی تحقیقاتی عدالت نے بڑے غور و فکر کے بعد لکھی اور یہ بھی ذکر کیا کہ اگر ہم کسی کو مسلمان کہتے بھی ہیں تو دوسروں کے نزدیک ہم خود کافر ہیں۔ پس تمام مسلمان فرقوں کا اندرونی رشتہ کفر کا ہی ہے۔ اس سوال کو حل کرنے کے لئے ہمیں قرآن و سنت کی روشنی میں غور کرنا ہو گا۔

مسلمان کا لغوی اور بنیادی مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جس نے خود کو اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہو۔ اطاعت گزار ہو۔ جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکامات اور ارشادات پر زبان سے اقرار نہ کرے بلکہ ان پر دل و جان سے عمل کرنے والا ہو۔ اسلام کے لغوی معنی امن، سلامتی اور اطاعت کے ہے گویا سچا مسلمان اپنے آپ اور دوسروں کے لیے امن و عافیت کی علامت ہوتا ہے۔ چونکہ مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق اسلام خدا کا دین ہے اور یہ دین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی موجود تھا۔ جو لوگ اللہ کے دین پر عمل کرتے رہے وہ مسلمان کہلائے جیسے قرآن نے حضرت

ابراہیم علیہ السلام کو مسلمان کہا۔ لیکن آج کل مسلمان سے مراد اسے لیا جاتا ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر عمل کرتا ہو اور یقین رکھتا ہو۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک صرف وہی شخص مسلمان ہے جس کا وجود دوسروں کے لئے منبع امن وعافیت اور سرچشمہ امن وسکون ہو۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے:

" مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور جس کی زبان سے دوسرے مسلمان کے جان ومال اور عزتیں محفوظ رہیں۔"

(بخاری کتاب الایمان)

اسلام میں داخلے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے رسول ہیں۔ یعنی وہ زبان سے کہے۔ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ الله۔ یعنی وہ یہ یقین رکھے کہ اللہ ایک ہے۔ اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور خاتم النبیّن ہیں۔ نیز قرآن اللہ کی کتاب ہے اور اس کا ہر لفظ وحرف اللہ کی طرف سے ہے۔ قیامت اور حساب وکتاب یعنی حیات بعد الموت پر ایمان رکھے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، جہاد اور حج (جو حج کی استطاعت رکھتا ہو) کی فرضیت پر ایمان کے علاوہ فرشتوں اور سابقہ انبیاء اور کتب پر ایمان ضروری ہے۔ نیز اچھی اور بُری تقدیر پر ایمان بھی ایک مسلمان کا خاصّہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو اسلام کا نام دیا اور کہا وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسلاَمَ دِينًا (المائدہ :4) جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مَیں نے اسلام کو تمہارے لئے دین کے طور پر پسند کیا ہے اور اس کے مادہ (س۔ل۔م) سے اسم اور فعل کے متعدّد صیغوں میں اس کا ذکر آیا ہے۔ قرآن کریم، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننے والوں کو عمومی طور پر کافر قرار دیتا ہے۔ لیکن کافر کے مقابلہ پر قرآن دو اصطلاحیں استعمال کرتا ہے۔ مسلم اور مؤمن۔ اسلام عمومی معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے یعنی فرمانبرداری اور اطاعت کے معنوں میں جیسے بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرۃ:113) یعنی مسلمان وہ ہے جو اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے سپرد کر دے اور وہ احسان کرنے والا ہو تو اُس کا اجر اُس کے ربّ کے پاس ہے۔ اسلام کے

یہی اصطلاحی معنے اِس آیت کریمہ میں بیان ہوئے ہیں جن میں اپنے وقت کے تمام نبیوں اور ان کے سچے متبعین کو مسلمان کہا گیا ہے۔ جیسے فرمایا هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هٰذَا (الحج:79) ترجمہ۔ اس (یعنی اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا (اس سے) پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی اور فرمایا اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (الاحزاب:36) ترجمہ۔ یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں، اللہ نے ان سب کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کئے ہوئے ہیں۔

سامعین! قرآن سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ اسلام کے مقابل پر ایمان قلبی واردات کا نام ہے اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ (المجادلۃ:23) یعنی یہی وہ (باغیرت) لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ رکھا ہے جو مسلسل ترقی پذیر رہتا ہے۔ اسی لئے قرآن میں ایمان میں بڑھنے اور بڑھانے کا ذکر کم از کم 9 بار ملتا ہے مثلاً هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ (الفتح:5) وہی ہے جس نے مؤمنوں کے دلوں میں سکینت اُتاری تا کہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ایمان میں مزید بڑھیں۔ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا (التوبہ :124) پس وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں انہیں تو اس نے ایمان میں بڑھا دیا ہے۔

قرآن نے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر رسالت کا ذکر کیا ہے وہاں صرف ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کا مطالبہ کیا ہے۔ فرماتا ہے قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ... فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ

وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (الاعراف:159) کہ تو کہہ دے کہ اے انسانو! یقیناً مَیں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں... پس ایمان لے آؤ اللہ پر اور اس کے رسول نبی اُمّی پر جو اللہ پر اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے اور اسی کی پیروی کرو تا کہ تم ہدایت پا جاؤ۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۗ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (الفتح:9۔10) ترجمہ۔ یقیناً ہم نے تجھے ایک گواہ اور بشارت دینے والے اور ڈرانے والے کے طور پر بھیجا۔ تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو۔ پھر فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (النور:63) کہ سچے مؤمن تو وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائیں اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ (الحدید :8) اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور خرچ کرو اِس میں سے جس میں اُس نے تمہیں جانشین بنایا۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سارے قرآن میں مؤمنوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ 89 دفعہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کہہ کر خطاب فرمایا ہے۔ نیز أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ (النور:32) بھی کہا ہے۔ مگر کسی جگہ بھی مسلمانوں کو خطاب نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے بہت بڑے دائرہ کے اندر ایمان کے متعدّد دائرے ہیں۔ نچلے درجہ سے اسلام شروع ہوتا ہے جس کے ساتھ ہی ایمان کی پہلی پرت کھلتی ہے اور یہی اسلام، ایمان کی ساری پرتیں طے کرتے ہوئے اسلام کے آخری دائرہ میں پہنچ جاتا ہے۔ جس کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً (البقرہ:209) کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم سب کے سب اطاعت (کے دائرہ) میں داخل ہو جاؤ اس میں ایمان والوں کو کُلّی طور پر اسلام میں داخل ہونے کا حکم ہے۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (الأنعام:163) کہا گیا یعنی آپؐ مسلمانوں میں آغاز میں بھی اوّل اور آخری بلند ترین درجہ میں بھی اوّل قرار دیے گئے۔ سورۃ البقرہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے تمام ایمانیات کی تفصیل بھی بیان کر دی ہے اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۗ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (البقرہ:286) ترجمہ۔ رسول اس پر

ایمان لے آیا جو اس کے ربّ کی طرف سے اس کی طرف اُتارا گیا اور مؤمن بھی ایمان لے آئے۔ اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور سورۃ النساء میں ان کے انکار کا نام گمراہی رکھا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا (النساء:137) ترجمہ۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور اس کتاب پر بھی جو اس نے اپنے رسول پر اُتاری ہے اور اس کتاب پر بھی جو اس نے پہلے اُتاری تھی اور جو اللہ کا انکار کرے اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور یومِ آخر کا تو یقیناً وہ بہت ہی دُور کی گمراہی میں بھٹک چکا ہے۔

سامعین! قرآن کریم کی کئی آیات نیکو کاروں کی متعدّد صفات اور مدارج کا ذکر کرتی ہیں اور نیکی کا آغاز ایمان سے کرتی ہیں مثلاً لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (البقرہ:178) ترجمہ۔ نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق یا مغرب کی طرف پھیرو۔ بلکہ نیکی اسی کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخرت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر۔ اس کے بعد نیک اعمال کا ذکر ہے۔

قرآن میں مؤمنوں کی اَور بھی بے شمار صفات بیان کی گئی ہیں اور اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (الانفال:5) ترجمہ۔ یہی ہیں جو (کھرے اور سچے مؤمن ہیں یعنی حقیقی مؤمن کہہ کر ان کے کردار کی نشان دہی کی ہے پس قرآن کی روشنی میں ایک شخص محض اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کر کے اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اور اللہ اُسے مسلمان کہلانے کا حق دیتا ہے۔ قرآن تو یہاں تک کہتا ہے کہ کوئی سلام بھی کرے تو اس کو غیر مؤمن نہ کہو لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (النساء:95) ترجمہ۔ جو تم پر سلام بھیجے اس سے یہ نہ کہا کرو کہ تو مؤمن نہیں ہے۔

رسول کریمؐ کے نزدیک مسلمان اور مؤمن کی وضاحت؟

سامعین! آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر لوگ جب ایمان لاتے اور وہ مسلمان ہوتے تھے۔ تو یہ بات جاننا ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے کس بات کا اقرار کراتے تھے، انہیں کیا تلقین فرماتے

تھے۔ حضرت خدیجہؓ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ کیسے ایمان لائے تھے؟ جبکہ اس وقت تک تو صرف سورۃ العلق کی ابتدائی آیات نازل ہوئی تھیں اور ان میں نبی یا رسول یا قرآن یا توحید کا کوئی لفظ نہیں تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں اور دشمنوں سب کی تفہیم یہ تھی کہ آپ نبی ہیں اور توحید کے منادی ہیں۔ پہلی وحی کے بعد ورقہ بن نوفل سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی ملاقات ہوئی تو ورقہ نے سارے حالات سن کر کہا وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِہٖ، اِنَّکَ لَنَبِیُّ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ (سیرۃ ابن ھشام جلد 1 صفحہ 238) کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس امّت کے نبی ہوں گے اور حضرت خدیجہؓ نے بھی یہی کہا اَشْھَدُ اَنَّکَ نَبِیُّ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ (السیرۃ النبویۃ لابن کثیر جلد 1 صفحہ 408) کہ مَیں گواہی دیتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس امّت کے نبی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو دعوتِ اسلام دیتے ہوئے فرمایا۔ فَاَدْعُوْکَ اِلَی اللّٰہِ وَحْدَہٗ وَاِلَی عِبَادَتِہٖ وَکُفْرٍ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰی (سیرۃ ابن اسحاق السیر والمغازی صفحہ 137) کہ مَیں تمہیں ایک اللہ کی عبادت کرنے اور لات وعُزّٰی کا انکار کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی ماننے کے اس دعویٰ کو جن لوگوں نے قبول کر لیا وہ مسلم کہلائے اور انکار کرنے والے کافر اور یہ تفریق نبوت کے پہلے دن سے ہو گئی۔ جوں جوں قرآن مجید نازل ہوتا گیا اور مختلف صداقتوں مثلاً فرشتوں، نبیوں اور الٰہی کتب وغیرہ پر ایمان لانے کا اضافہ ہوتا گیا نیز اعمالِ صالحہ کی تفصیل بیان ہوتی گئی تو وہ ایمانیات کا حصہ بنتی رہی۔ اسی لئے قرآن نے ہمیشہ ایمان کو اعمالِ صالحہ سے باندھا ہے اور 50 کے قریب آیات میں آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

مگر اسلام کی بنیادی شرائط اللہ اور رسول پر ایمان ہی ہیں۔ چنانچہ حضرت بلال کے تمام دکھوں کی وجہ آپ کا احد احد کہنا ہی تھا۔ کئی مکّی صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام کا ذکر کرتے ہوئے سیرت کی کتب میں لکھا ہے قَرَءَ عَلَیْھِمُ الْقُرْآنَ فَاَسْلَمُوْا وشَھِدُوْا اَنَّہٗ عَلَی ھُدًی وَّ نُوْر۔ (سیرۃ ابن اسحاق

السیر والمغازی صفحہ:143)یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر قرآن پڑھا تو انہوں نے اسلام قبول کیا اور گواہی دی کہ وہ ہدایت اور نور ہے۔

ابتدائی مسلمانوں کے بعد 6 نبوی میں حضرت عمر اسلام لائے جب ان کا دل اسلام کی طرف مائل ہوا تو انہوں نے اپنی مسلمان بہن اور بہنوئی سے دریافت کیا کہ اسلام کیسے قبول کیا جاتا ہے تو انہوں نے کہا تَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کہ تم گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور یہی فقرات انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دہرائے۔

(سیرۃ ابن اسحاق السیر والمغازی صفحہ 183،184)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت ابو طالب کو دعوتِ اسلام دیتے ہوئے فرمایا أَيْ عَمِّ، قُلْ لَآإِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ (صحیح البخاری کتاب مناقب الانصار حدیث 3884)

ترجمہ۔ اے میرے چچا! آپ ایک مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ دیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور مَیں آپ کے حق میں اس کلمہ کو پیش کروں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی پیغام حج کے موقع پر بھی ہوتا تھا۔ ایک صحابی حضرت ربیعہ اسلمیؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے اسلام لانے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حج کے موسم میں قائم ہونے والے بازاروں میں یہ کہتے ہوئے سنا۔ أَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوا۔ کہ اے لوگو! اس بات کا اقرار کرو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم کامیاب ہو جاؤ گے۔

(مسند احمد جلد 25 صفحہ 405 حدیث 16023)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور فرمایا يَا خَالِ قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ...قَالَ: فَخَيْرٌ لِي أَنْ أَقُولَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَعَمْ (السیرۃ النبویۃ لابن کثیر جلد 2 صفحہ 189)

ترجمہ۔ اے خال! تم کہو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔ اس نے کہا اگر مَیں لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہوں تو میرے لئے خیر ہو گی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہاں۔

حضرت ثمامہ بن اثالؓ نے جب اسلام قبول کیا تو کہا فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ

(صحیح البخاری کتاب المغازی حدیث 4372)

کہ حضرت ثمامہ بن اثالؓ نے کہا مَیں گواہی دیتاہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مَیں گواہی دیتاہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

حضرت جریر کہتے ہیں کہ بَايَعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات پر بیعت کی کہ مَیں گواہی دیتاہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مَیں گواہی دیتاہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

بیعت عقبۂ اُولیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے 12۔ آدمیوں سے جن الفاظ میں بیعت لی وہ صحابہ کے الفاظ میں محفوظ ہیں۔ بَايِعُونِي عَلَى أَنْ لاَ تُشْرِكُوا بِاللّٰهِ شَيْئًا، وَلاَ تَسْرِقُوا، وَلاَ تَزْنُوا، وَلاَ تَقْتُلُوا أَوْلاَدَكُمْ وَلاَ تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ، وَلاَ تَعْصُوا فِي مَعْرُوفٍ (صحیح البخاری کتاب الایمان حدیث 18) کہ مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ اللہ کے ساتھ کس کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے۔ نہ ہی چوری کرو گے، نہ زنا اور نہ ہی اولاد کو قتل کرو گے اور تم دیدہ دانستہ بہتان نہیں باندھو گے اور نہ بھلی بات میں تم نافرمانی کرو گے۔

یہ الفاظ قرآنِ کریم کی سورۃ الممتحنہ میں ہیں جو بعد میں مدینہ میں نازل ہوئی يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ (الممتحنہ: 13)۔

اس آیت سے پہلے مؤمنات مہاجرات کے امتحان کا بھی ذکر ملتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ

الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ (الممتحنہ:11) کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تمہارے پاس مؤمن عورتیں مہاجر ہونے کی حالت میں آئیں تو ان کا امتحان لے لیا کرو۔ اللہ ان کے ایمان کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔ یہ امتحان کیسے لیا جاتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں ۔ ان کا امتحان اس طرح ہوتا تھا کہ وہ گواہی دیتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔

(تفسیر طبری جلد 23 صفحہ 328)

ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا أُكْتُبُوا لِي مَنْ تَلَفَّظَ بِالإِسْلاَمِ مِنَ النَّاسِ فَكَتَبْنَا لَهُ أَلْفًا وَخَمْسَ مِائَةِ رَجُلٍ (صحیح البخاری کتاب الجهاد باب کتابة الامام الناس حدیث 3060) کہ جن لوگوں نے اسلام کا زبان سے اقرار کیا ہے ان کے نام مجھے لکھ دو اور ہم (صحابہ) نے ڈیڑھ ہزار مردوں کے نام لکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے۔ اس سے واضح ہے کہ جو اپنے آپ کو منہ سے مسلمان کہتا ہے وہ ہمارے نزدیک مسلمان ہے۔

ایک صحابی نے جنگ میں ایک ایسے دشمن کو قتل کر دیا جس نے موت کے خوف سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دیا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ قیامت کے دن خدا کو کیا جواب دو گے۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی باب بعث النبی اسامة حدیث 4269)

ایک اور صحابی نے پوچھا کہ اگر جنگ میں دشمن میرا ہاتھ کاٹ دے اور پھر میرے وار سے بچنے کے لیے دشمن اَسْلَمْتُ لِلّٰهِ کہہ دے۔ کیا مَیں اُسے قتل کر دوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام لانے کے بعد وہ مسلمان ہو کر مرے گا اور تُو کافر ہو جائے گا۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی غزوہ بدر حدیث 4019)

مدینہ میں حضرت عبد اللہ بن سلامؓ حاضر ہوئے اور کہا أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ حَقًّا (عیون الاثر جلد 1 صفحہ 238) یعنی مَیں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو فرمایا اُدْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ (صحیح البخاری کتاب الزکوۃ باب وجوب الزکوۃ حدیث 1395) کہ انہیں اس شہادت کی طرف دعوت دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ مَیں اللہ کا رسول ہوں۔

الغرض قرآن کی واضح ہدایات اور سنّتِ رسول اور حدیث و تاریخ اسلام سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسلم کہلانے کے لئے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کا اقرار ہی کافی ہے۔ باقی سب ایمان کے درجات اور مراتب ہیں جس قدر کوئی اعمالِ صالحہ میں ترقی کرے گا وہ ایمان میں بڑھتا چلا جائے گا اور کسی عمل کی کمی کی وجہ سے اُسے کمزور ایمان تو کہا جا سکتا ہے اُسے غیر مسلم یا کافر نہیں کہا جائے گا بلکہ اس کا کوئی ایسا قول یا عمل جس کے ذریعہ وہ اپنے اسلام کا اظہار کرنا چاہتا ہو اُسے بھی قبول کیا جائے گا۔

ایک جنگ میں دشمنوں نے ہتھیار ڈالتے ہوئے اَسْلَمْنَا (یعنی ہم نے اسلام قبول کیا) کی بجائے صَبَأْنَا صَبَأْنَا (یعنی ہم نے اپنا دین بدل ڈالا۔ ہم نے اپنا دین بدل ڈالا) کے الفاظ کہہ دیئے مگر حضرت خالدؓ نے ان کی بدنیتی پر محمول کر کے لڑائی جاری رکھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ناراضگی فرمائی۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی حدیث 4339)

جنگ کے دوران اگر کہیں سے اذان کی آواز آتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قوم پر حملہ نہ کرتے۔ اگر اذان نہ سنتے تو ان پر حملہ کر دیتے۔

(صحیح البخاری کتاب الاذان حدیث 610)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدّد جگہوں پر اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کے حقوق و فرائض کا ذکر کیا ہے ان کی مختلف صفات بیان فرمائی ہیں بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالحَجِّ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ (صحیح البخاری کتاب الایمان حدیث 8) یعنی اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے۔ یہ اقرار کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور نماز کو سنوار کر ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا) ظاہر ہے کلمۂ طیبہ کے بعد نیک اعمال کا ذکر ہے۔ مشہور حدیث ہے کہ حضرت

جبریل نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا مَا الإِسْلاَمُ؟ قَالَ: الإِسْلاَمُ: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ، وَلاَ تُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا۔ یعنی اسلام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے اور اس کا شریک نہ ٹھہرائے۔ اس کے بعد نماز، روزہ اور زکوۃ کا ذکر ہے۔(صحیح البخاری کتاب الایمان حدیث 50)۔ اسی طرح فرمایا۔

مَنْ صَلَّى صَلاَتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا، وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَذَلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ، فَلاَ تُخْفِرُوا اللّٰهَ فِي ذِمَّتِهِ (صحیح البخاری کتاب الصلوۃ حدیث 391) یعنی جو شخص ہماری نماز کی طرح نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبح کردہ جانور کھائے۔ پس یہ وہ مسلمان ہے جس کے لئے اللہ کی امان ہے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امان ہے۔ سو اللہ سے عہد شکنی مت کرو۔ اس امان کے متعلق جو اس نے دی ہے۔

یہ سب مسلمان کی مختلف علامات ہیں۔ ایک تعریف یہ بھی ہے۔ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ (صحیح البخاری کتاب الایمان حدیث 10) جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اصل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامتی میں رہیں۔ پوچھا گیا أَيُّ العَمَلِ أَفْضَلُ؟ فَقَالَ: إِيمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ (صحیح البخاری کتاب الایمان حدیث 26) کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔

اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ایسی ناپسندیدہ باتوں کا بھی ذکر کیا جن کے حاملین سے آپ نے لاتعلقی کا اظہار فرمایا۔ مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا (مسند الدارمی کتاب البیوع حدیث 2583) یعنی جو ہمیں دھوکہ دے اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں پھر فرمایا۔ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ (صحیح البخاری کتاب الایمان حدیث نمبر 48) کہ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے۔ مَنْ تَرَكَ الصَّلاَةَ فَقَدْ كَفَرَ (صحیح ابن حبان جلد 4 صفحہ 323) کہ جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر کیا مگر کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عالمِ اسلام سے باہر قرار نہیں دیا اور امت مسلمہ کا تعامل بھی یہی ہے کسی فرقہ نے اپنے بے نمازی یا دھوکہ باز کو باہر نہیں نکالا۔

مؤمن اور مؤمنۃ

مؤمن اور مؤمنۃ ایک عربی اور اسلامی اصطلاح ہے، جس کا ذکر قرآنِ کریم میں اکثر ہوا ہے، جس کا مطلب ایسے شخص کے ہیں جو خدا کی مرضی کے سامنے مکمل تابعداری رکھتا ہے اور اس کے دل میں ایمان مضبوطی سے قائم ہے۔ نیز، یہ مؤمن کا نام اسلام میں خدا کے ناموں میں سے ایک نام المؤمن ہے جو سورۃ الحشر میں آیا ہے۔

مؤمن کے کام از روئے قرآن

انسان و مسلمان ہونے کے ناطے ہمارا سب سے پہلا تعلق اپنے ربِّ کریم سے ہے کیونکہ وہی ہمارا خالق ومالک ہے۔ قرآنِ پاک اور احادیثِ کریمہ میں کئی مقامات پر اللہ کریم پر ایمان رکھنے والے مؤمن کے اَوصاف کا بیان ہے۔ آیئے! قرآن پاک کی جن آیات میں اہلِ ایمان کو بحیثیتِ مؤمن جو احکام دیئے گئے اور جن آیات میں مؤمنین کے اوصاف بیان کئے گئے ان کو دیکھتے ہیں۔ اگر قرآن کریم کا بغور مطالعہ کیا جائے تو قرآن کے آغاز میں ہی سورت البقرہ آیات 4 سے 6 میں مؤمنوں کو متّقیوں کے ساتھ جوڑ کر مؤمنوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ غائب پر، اُس پر جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس سے پہلے اُتارا گیا اور آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔

مسلمان کے سامنے اللہ کریم کا نام لیا جائے تو ربِّ عظیم کے جلال وہیبت سے اس کا دل ڈر جاتا ہے اور جب اس کے سامنے قرآنِ کریم کی آیات پڑھی جائیں تو اس کا اپنے ربّ پر بھروسا اور ایمان مزید مضبوط ہو جاتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ (الانفال:2)

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کو یاد کیا جائے ان کے دل ڈر جائیں اور جب اُن پر اس کی آیتیں پڑھی جائیں ان کا ایمان ترقی پائے اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کریں۔

مسلمان اللہ کریم کی بارگاہ میں بہت توبہ واستغفار کرنے والا اور ہر نعمت وامتحان پر اللہ کریم کی حمد کرنے والا ہوتا ہے۔

فرمانِ خُداوندی ہے:

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ (التوبۃ:112)

یعنی توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزے رکھنے والے اور رکوع و سجدہ کرنے والے۔

مسلمان اپنے پیارے نبی صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی پیروی میں جب کسی جائز کام کا ارادہ و عزم کرتا ہے تو اللہ کریم پر بھروسہ کرتا اور اس پر مستقیم رہتا ہے۔

اللہ کا فرمان ہے۔

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔ (اٰل عمران:159)

یعنی جو کسی بات کا ارادہ پکا کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو بے شک توکّل کرنے والے اللہ کو پیارے ہیں۔

مسلمان کو جب اللہ کریم اور اس کے پیارے رسول صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کا حکم سنایا جاتا ہے اور اللہ و رسول کے فیصلے و حکم کی طرف بُلایا جاتا ہے تو وہ فوراً مانتا اور سرِ تسلیم خَم کرتا ہے۔ اللہ پاک کا فرمان ہے:

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (النور:51)

ترجمہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی بات تو یہی ہے جب اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں کہ رسول اُن میں فیصلہ فرمائے تو عرض کریں ہم نے سُنا اور حکم مانا اور یہی لوگ مراد کو پہنچے۔

مسلمان دوجہاں کے آقا صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی بارگاہ میں آواز بلند نہ کرنے والا اور نہایت ادب و تعظیم سے کام لینے والا اور اپنے اعمال و ایمان کے اکارت جانے سے خوف رکھنے والا ہوتا ہے۔ اللہ کریم کا فرمان ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (الحجرات:2)

یعنی اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلّا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو

مسلمان ہمیشہ رسولِ کریم صلَّی اللہ علیہ وسلَّم اور اُن سے نسبت رکھنے والی چیزوں کی تعظیم و توقیر کرتا ہے، بلکہ جس لفظ سے رسولِ کریم صلَّی اللہ علیہ وسلَّم کی تعظیم کے خلاف ذرا سا شُبہ بھی ہوتا ہو اس سے بھی محتاط رہتا ہے۔ قرآنِ پاک میں ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (البقرۃ:104)

کہ اے ایمان والو! راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

نماز تو مسلمان کے لئے معراج ہے، قرآنِ کریم میں کثیر مقامات پر نماز کا حکم دیا گیا ہے، مسلمان وقت پر پابندی اور خشوع و خضوع سے نماز پڑھنے والا ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربِّ کریم ہے:

اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (المؤمنون:2)

یعنی جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں۔

ایک اَور مقام پر ارشاد ہوا۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (المعارج:34)

کہ وہ جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔

حقیقی مسلمان اللہ کریم کے حکم پر سجدہ ریز ہونے والا، اللہ پاک کی پاکی و تسبیح بیان کرنے والا ہوتا ہے، جب سجدہ کا حکم ہوتا ہے تو تکبّر سے دور رہ کر سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ فرماتا ہے:

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ

(السجدۃ:15)

یعنی ہماری آیتوں پر وہی ایمان لاتے ہیں کہ جب وہ اُنہیں یاد دلائی جاتی ہیں سجدہ میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پاکی بولتے ہیں اور تکبّر نہیں کرتے۔

مسلمان فرض روزوں کی پابندی کرنے والا ہوتا ہے۔ اللہ پاک کا فرمان ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

(البقرۃ:183)

کہ اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ کہیں تمہیں پرہیز گاری ملے۔

مسلمان زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہے۔

والَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ (المؤمنون:4)

کہ وہ زکوٰۃ دینے دیتے ہیں۔

مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ کریم کے دیئے ہوئے مال ورزق سے اسی کی راہ میں خرچ کرتا ہے، اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے۔

ومِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ (البقرۃ:3)

یعنی ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔

مسلمان استطاعت پانے کی صورت میں حج کا فریضہ ادا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وِلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ (اٰل عمرٰن:97)

کہ اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے۔

مسلمان دوسرے مسلمان کا دوست ہوتا ہے ۔ وہ انہیں نیکی کی دعوت دیتا اور بُرائی سے منع کرتا ہے۔ اللہ کریم کا فرمان ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ والْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ۔ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (التوبۃ:71)

کہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں بھلائی کا حکم دیں اور بُرائی سے منع کریں۔

مؤمن سے مراد کیا ہے؟ کیا مسلمان اور مؤمن الگ الگ ہیں؟

سامعین! بس لفظِ مؤمن ایمان سے مأخوذ ہے اور لفظِ مسلم اسلام سے۔ ایمان اور اسلام کی تعریفات اور ان دونوں کے درمیان جو فرق ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان کا تعلق باطن سے ہے اور اسلام کا تعلق ظاہر سے ہے، یعنی ایمان یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جتنی تعلیمات لے کر آئے ہیں انہیں دل سے ماننا اور دل میں ان کی تصدیق کرنا ایمان ہے اور ان پر عمل سے اظہار اسلام ہے۔ یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دیگر مالی وبدنی عبادات کا شرائط کے مطابق ادا کرنا۔ بعض نے اسے یوں تعبیر کیا ہے کہ ایمان کا سفر باطن سے شروع ہو کر ظاہری اعمال پر مکمل ہوتا ہے اور اسلام کا سفر ظاہر سے شروع ہو کر باطن پر منتہیٰ ہوتا ہے۔ البتہ جو شخص ظاہر میں ایمان کا اقرار کرے لیکن دل میں ایمان نہ ہو، تو اسے مؤمن نہیں کہا جائے گا، لیکن ظاہری وجہ سے اسے مسلم کہا جائے گا۔ الغرض ہر مؤمن مسلمان ہوتا ہے، لیکن ضروری نہیں کہ ہر ظاہری مسلمان مؤمن بھی ہو۔

سامعین! تقریر کے آخر پر ابتداء میں پڑھی جانے والی آیات کی طرف لوٹ کر حضرت خلیفۃُ المسیح الرابع رحمہ اللہ کا ایک فٹ نوٹ پڑھ کر سنانا چاہتا ہوں جو آپ نے اس آیت کے نیچے تحریر فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

”اِس آیتِ کریمہ میں ایمان اور اسلام کی وہ ابتدائی تعریف کی گئی ہے جو ایمان کو اسلام سے الگ کر دیتی ہے۔ منہ سے تو ہر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ہمارے دل میں ایمان ہے لیکن ان کو بتایا گیا ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جن کے دل میں ایمان نہ بھی ہو اپنے آپ کو مسلمان کہنے کا حق رکھتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے ہیں جو کفر کی حالت میں ہی مریں گے اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن کے دل میں سر دست ایمان داخل نہیں ہوا مگر وہ ظاہری طور پر اسلام قبول کرنے کے بعد بالآخر سچے دل سے مؤمن بھی ہو جائیں گے۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی ایمان نصیب کرے۔ آمین

۞۞۞۞

﴾40﴿ ﴾مشاہدات۔1222﴿

ایک مؤمن، نکیل والے اونٹ کی طرح ہے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسۡتَحۡیٖۤ اَنۡ یَّضۡرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوۡضَۃً فَمَا فَوۡقَہَا ؕ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَیَعۡلَمُوۡنَ اَنَّہُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۚ وَاَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَیَقُوۡلُوۡنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰہُ بِہٰذَا مَثَلًا ۘ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا ۙ وَّیَہۡدِیۡ بِہٖ کَثِیۡرًا ؕ وَمَا یُضِلُّ بِہٖۤ اِلَّا الۡفٰسِقِیۡنَ (البقرہ:27)

یعنی اللہ ہر گز اس سے نہیں شرماتا کہ کوئی سی مثال پیش کرے جیسے مچھر کی بلکہ اُس کی بھی جو اُس کے اوپر ہے۔ پس جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو ایمان لائے تو وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کے ربّ کی طرف سے حق ہے اور جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جنہوں نے انکار کیا تو وہ کہتے ہیں (آخر) یہ مثال پیش کرنے سے اللہ کا مقصد کیا ہے۔ وہ اس (مثال) کے ذریعہ سے بہتوں کو گمراہ ٹھہراتا ہے اور بہتوں کو اس کے ذریعہ سے ہدایت دیتا ہے اور وہ اس کے ذریعہ فاسقوں کے سوا کسی کو گمراہ نہیں ٹھہراتا۔

قرآن کتاب رحماں سکھلائے راہ عرفاں
جو اس کے پڑھنے والے ان پر خدا کے فیضاں

(درثمین)

معزّز سامعین کرام! اللہ تعالیٰ نے سورۃ الغاشیہ آیت 18 میں اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ فرما کر اور اونٹوں کے لئے "اِبِلِ" کے الفاظ استعمال کر کے "اتباع امام" کے حوالہ سے مؤمنوں کو اہم سبق دیا ہے۔ اونٹ کو مذہبی دنیا میں اہم مقام حاصل ہے۔ عرب میں اونٹ کے لئے ہزاروں الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مگر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے دو جگہ پر اونٹ کے لئے صرف اِبلِ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اِن میں

سے ایک کا ذکر ایسی سورۃ میں فرمایا جو ہر جمعہ کی نماز میں دوسری رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔ پھر عیدین کے موقع پر بھی اِس کی تلاوت کی جاتی ہے۔

''اِبِل''میں بے شمار خوبیاں ہیں۔ سواری کے کام آتا ہے، بوجھ لادنے کے کام آتا ہے، کوہان میں اپنی غذا جمع رکھتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کو اونٹ کی کوہان قرار دیا ہے۔ جس طرح اونٹ اس میں اپنی غذا جمع کرتا ہے اور پھر ضرورت پڑنے پر اسے استعمال کرتا ہے اسی طرح ایک مؤمن رمضان میں اپنے لئے روحانی غذا اتنی جمع کر لیتا ہے کہ سال کے باقی دنوں میں کام آتی ہے اور اونٹ کی ایک خوبی جو ''اتباعِ امام'' پر لاگو ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اونٹ کو جب اگلے اونٹ سے باندھ دیا جائے تو وہ کبھی اپنے پیشرو سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتا خواہ اونٹوں کی لمبی قطار کیوں نہ ہو۔ ہم یہ نظارہ ٹی وی یا نیٹ پر صحرا میں چلنے والے اونٹوں کو قطار میں چلتے دیکھتے ہیں۔ ویسے تو جب تک ربوہ میں جلسہ سالانہ ہوتا رہا ہم نے اپنی مادی آنکھوں سے اونٹوں پر پرالی آتی دیکھی جو ایک قطار میں چل رہے ہوتے تھے۔ کسی اونٹ کی کیا مجال کہ وہ اپنے سے اگلے اونٹ سے آگے نکلنے کی کوشش کرے۔ اِس کا ذکر حدیث میں بھی ہے۔

حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پُر اثر وعظ کیا جس کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔ دل ڈر گئے۔ ہم نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول! یہ تو ایسی نصیحت ہے جیسے ایک الوداع کہنے والا وصیت کرتا ہے۔ ہمیں کوئی ایسی ہدایت فرمایئے کہ ہم صراطِ مستقیم پر قائم رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَیں تمہیں ایک روشن اور چمکدار راستے پر چھوڑے جا رہا ہوں اس کی رات بھی اس کے دن کی طرح ہے۔ سوائے بدبخت کے اس سے کوئی بھٹک نہیں سکتا اور تم میں سے جو شخص رہا وہ بڑا اختلاف دیکھے گا۔ ایسے حالات میں تمہیں میری جانی پہچانی سنّت پر چلنا چاہیے اور خلفائے راشدین مہدیینّ کی سنّت پر چلنا چاہیے تم اطاعت کو اپنا شعار بناؤ خواہ حبشی غلام ہی تمہارا امیر مقرر کر دیا جائے۔ اس دین کو تم مضبوطی سے پکڑو۔ نیز فرمایا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُ كَالْجَمَلِ الْاَنِفِ حَيْثُمَا انْقِيْدَ انْقَادَ

یعنی مؤمن کی مثال نکیل والے اونٹ کی سی ہے۔ جدھر اُسے لے جاؤ وہ اُدھر چل پڑتا ہے اور اطاعت کا عادی ہوتا ہے۔ (حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 630 صفحہ 599-600)

اونٹ کی صفات کے بیان میں کتب میں لکھا ہے کہ اونٹ اپنی پوری طاقت اور قوّت کے باوجود نہایت مطیع اور فرنبر دار جانور ہے۔ ایک چھوٹا سا بچہ بھی اونٹ کی مہار ہاتھ میں لے کر جدھر اس کا دل چاہے انہیں لے کر جا سکتا ہے۔ حضرت خلیفۃُ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں۔

"دیکھو! اونٹ کتنا بڑا حیوان ہے مگر ایک بچہ بھی نکیل ڈال کر کہیں کا کہیں لئے پھرتا ہے مگر گڑھے میں داخل کرنے کے لئے اُسے کھینچیں تو وہ نہیں جاتا۔ صرف اِس لئے اُسے صحیح علم گڑھے کا حاصل ہے وہ یہ کہ اس میں ہلاکت ہے۔"

(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ 448)

اِبِل کے مضمون کو بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اتباعِ امام سے انضباط کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں۔

"قرآن شریف میں جو یہ آیت آتی ہے اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ (الغاشیہ :18) یہ آیت نبوت اور امامت کے مسئلہ کو حل کرنے کے واسطے بڑی معاون ہے۔ اونٹ کے عربی میں ہزار کے قریب نام ہیں اور پھر ان ناموں میں سے اِبل کے لفظ کو جو لیا گیا ہے۔ اس میں کیا سِرّ ہے؟ کیوں اِلَی الۡجَمَل بھی تو ہو سکتا تھا؟۔ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جَمَل ایک اونٹ کو کہتے ہیں اور اِبل اسم جمع ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کو چونکہ تمدّنی اور اجماعی حالت کا دکھانا مقصود تھا اور جَمَل میں جو ایک اونٹ پر بولا جاتا ہے یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا تھا، اس لئے اِبل کے لفظ کو پسند فرمایا۔ اونٹوں میں ایک دوسرے کی پیروی اور اطاعت کی قوّت رکھی ہے۔ دیکھو! اونٹوں کی ایک لمبی قطار ہوتی ہے اور وہ کس طرح پر اس اونٹ کے پیچھے ایک خاص انداز اور رفتار سے چلتے ہیں اور وہ اونٹ جو سب سے پہلے بطور امام اور پیش رَو کے ہوتا ہے۔ وہ ہوتا ہے جو بڑا تجربہ کار اور راستہ سے واقف ہو۔ پھر سب اونٹ ایک دوسرے کے پیچھے برابر رفتار سے چلتے ہیں اور ان میں سے کسی کے دل میں برابر چلنے کی ہوس پیدا نہیں ہوتی جو دوسرے جانوروں میں ہے جیسے گھوڑے وغیرہ میں۔ گویا اونٹ کی سرشت میں اتباعِ امام کا مسئلہ ایک مانا ہوا مسئلہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کہہ کر اس مجموعی حالت کی طرف اشارہ کیا ہے جب کہ اونٹ ایک قطار میں جارہے ہوں۔ اسی طرح پر یہ ضروری ہے کہ تمدّنی اور اتحادی حالت کو قائم رکھنے کے واسطے ایک امام ہو۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ یہ **قطار سفر کے وقت ہوتی ہے۔ پس دنیا کے سفر کو قطع کرنے کے واسطے جب تک ایک امام نہ ہو انسان بھٹک بھٹک کر ہلاک ہو جاوے۔** پھر اونٹ زیادہ بار کش اور زیادہ چلنے والا ہے۔ اس سے صبر وبرداشت کا سبق ملتا ہے۔ پھر اونٹ کا خاصہ یہ ہے کہ وہ لمبے سفروں میں کئی کئی دنوں کا پانی جمع رکھتا ہے۔ غافل نہیں ہوتا۔ پس مؤمن کو بھی ہر وقت اپنے سفر کے لئے طیار اور محتاط رہنا چاہئے۔ اور بہترین زادراہ تقویٰ ہے۔ فَاِنَّ خَیۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰی (البقرۃ:198)

اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیکھنا بچوں کی طرح دیکھنا نہیں ہے، بلکہ اس سے اتباع کا سبق ملتا ہے کہ جس طرح اونٹ میں تمدّنی اوراتحادی حالت کو دکھایا گیا ہے اور ان میں اتباع امام کی قوّت ہے۔ اسی طرح پر انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اتباع امام اپنا شعار بناوے، کیونکہ اونٹ جو اس کے خادم ہیں ان میں بھی یہ مادہ موجود ہے۔ کَیۡفَ خُلِقَتۡ میں ان فوائد جامع کی طرف اشارہ ہے جو اِبل کی مجموعی حالت سے پہنچتے ہیں۔“

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 18-19 ایڈیشن 2016ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ اِس آیت کی تفسیر میں اونٹ کی صفات کا ذکر کر کے مؤمنوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اِس آیتِ شریفہ اور اِس کے مابعد کی اَور تین آیتوں میں صبر اور استقلال اور مصائب کے وقت یک رنگی کا بیان ہے۔ سب سے پہلے اونٹ کا ذکر فرمایا کہ کس طرح وہ بار کش اور نافعٌ لِلنَّاس وجود ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

بر خواں اَفَلَا یَنۡظُرُوۡن قدرت ما بینی
بکرہ بشتر بنگر تا صنع خدا بینی
در خار خوری قانع، در بار کشی راضی
ایں وصف اگر جوئی در اہل صفا بینی

یعنی اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کو پڑھ تا کہ ہماری قدرت کو دیکھو۔ اونٹ کے بچے کو دیکھو تا کہ خدا کی خلقت کو دیکھو۔ (اونٹ) کانٹے کھانے پر قانع ہوتا ہے اور وزن اٹھانے پر راضی۔ اس وصف کو اگر ڈھونڈو گے تو پاک لوگوں میں دیکھو گے۔

عَلٰی ہٰذا القیاس نزولِ بلا کے وقت اہلِ صفا آسمان کی طرح مرفوع الاَحوال پہاڑوں کی طرح مستقل المزاج اور زمین کی کشادگی کی طرح وسیع الحوصلہ ہوتے ہیں۔"

(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ 380)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا:

"تم اپنی خوبیاں خواہ کتنی گنتی جاؤ۔ تم اِبل کے مشابہ ہو اور اونٹ ہمیشہ سواری ہی دیتے ہیں۔"

(تفسیر کبیر جلد ہشتم صفحہ 474-475)

نیز اِس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"اِس سورۃ (الغاشیہ) اور سورۃ الاعلیٰ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ اور عیدین میں پڑھنا .... بتاتا ہے کہ اسلام کی اجتماعی زندگی کے ساتھ یہ دونوں سورتیں گہرا تعلق رکھتی ہیں (جس میں یہ آیت شامل ہے)"

(تفسیر کبیر جلد ہشتم صفحہ 441)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ خطبہ جمعہ فرمودہ 6 جون 2014ء میں سورۃ الغاشیہ کی آیت اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ (آیت:18) کہ کیا وہ اُونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے پیدا کئے گئے؟۔ کی لطیف تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"یہ اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسان ہے کہ اس نے ہمیں زمانے کے امام مسیح موعود اور مہدی موعود کو ماننے کی توفیق عطا فرمائی۔ جہاں بھی اور جس معاملے میں بھی ہمیں رہنمائی کی ضرورت ہو، کسی بات کو سمجھنے کی ضرورت ہو۔ قرآن کریم میں بیان فرمودہ حکمت کے موتیوں کو تلاش کرنے کی ضرورت ہو یا ان کی تلاش ہو تو ہمیں اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے اس فرستادے کی کتب اور ارشادات مل جاتے ہیں جو ہمارے مسائل حل کرتے ہیں..... اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ۔ کیا وہ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے پیدا

کئے گئے؟ اس کی جو تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی ہے وہ اپنی گہرائی اور خوبصورتی اور علم و عرفان اور پھر عملی حالت پر منطبق کرنے کا ایک عجیب اور جدا نقشہ کھینچتی ہے۔ آپ علیہ السلام نے اس آیت سے نبوت اور امامت کی اطاعت کے مسئلہ کو حل فرمایا ہے اور نبوت اور امامت کے ساتھ جڑنے والوں کے لئے جو بنیادی چیز ہے یعنی اطاعت اور کامل اطاعت اس کو آپ نے اِبِل یعنی اونٹ کے لفظ سے یا اونٹوں کے لفظ سے جوڑ کر وضاحت فرمائی ہے۔ بظاہر یہ عجیب سی بات لگتی ہے کہ اونٹوں اور نبوت اور امامت کی اطاعت کا کیا جوڑ ہے لیکن جس طرح کھول کر آپ نے تشریح فرمائی ہے اس سے اس جوڑ کا حیرت انگیز ادراک ہمیں بھی حاصل ہوتا ہے...... پس اس زمانے میں جب اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق مسیح موعود کو بھیجا اور ہمیں پھر انہیں ماننے کی توفیق بھی عطا فرمائی اور پھر آپ کے بعد خلافت کے جاری نظام سے بھی نوازا۔ ہمیں اس انعام کی قدر کرنی چاہئے اور اس روح کو سمجھنا چاہئے جو خلافت کے نظام میں ہے ..... نبوت اور امامت کا جو تعلق آپ نے اِبِل کی خصوصیات کے ساتھ جوڑا ہے اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد خلافت کے جاری نظام سے جڑے رہنے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں آنے والوں کی روحانی بقا اور ترقی ہے اور یہ ضمانت ہے۔ اس میں جماعت کی ترقی اسی صورت میں ہے جب ہم خلافت کے نظام سے جڑے رہیں گے۔ اسی میں شیطانی حملوں سے بچنے کے سامان بھی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام تمہاری ڈھال ہے۔ (الصحیح البخاری کتاب الجهاد والسیر باب یقاتل من وراء الامام بهیقی حدیث 2957) پس اس ڈھال کے پیچھے رہو گے تو بچت کے سامان ہیں اور ڈھال کے پیچھے رہنا یہی ہے کہ کامل اطاعت کرو۔ اپنی لائنوں پر چلو۔ اس قطار میں چلو جو تمہارے لئے مقرر کر دی گئی ہے۔ اس سے ذرا باہر نکلے تو بھٹکنے کا خطرہ ہے گمنے کا خطرہ ہے۔"

پس اونٹ کا مکمل مفہوم نظامِ خلافت پر لاگو ہوتا ہے۔ جس طرح نکیل میں لگے اونٹوں کا ایک پیشرو، ایک سر خیل ہوتا ہے اِسی طرح نظامِ خلافت میں ایک خلیفہ ہے جو پیشوا اور پیشرو ہے جو روحانی ریل گاڑی کے ڈبوں یعنی افرادِ جماعت کے لئے انجن کا کام کرتا ہے۔ ایک مؤمن کی شان بھی یہی ہونی چاہیے کہ وہ اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کئے رکھے اور رضائے الٰہی جدھر لے چلے اُدھر چلنے میں گریز نہ کرے۔ ایک

مؤمن کو اونٹ کی طرح اپنی تواضع اور انکساری میں دوسروں کے لیے مثال ہونا ہو گا اور اطاعت شعار ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام کا ہر حال میں پابند ہونا ہو گا۔ آپ تمام دوستوں سے یہ امید ہے کہ ہم سب اپنے آپ کو اطاعتِ امام کی نکیل ڈال کر جماعت کے ساتھ جڑے رہیں گے اور فرمانبرداری کا جؤا اپنی گردنوں پر رکھیں گے۔اِبل سے اِبیل کے معنی راہب کے ہیں یعنی تربیت کرنے والا، راہنمائی کرنے والا جو ہمارے پیارے خلیفہ با حسن طریق نبھا رہے ہیں۔اَللّٰھُمَّ اَیِّدْ اِمَامَنَا بِرُوْحِ الْقُدُسِ وکُنْ مَعَہٗ حَیْثُ مَا کَانَ۔

ویسے تو اطاعت اور فرمانبرداری کے حوالے سے بہت سے جانوروں کی مثال دی جاسکتی ہے۔ چونکہ اونٹ عرب کے صحرا کا جانور تھا جو بڑا فائدہ مند تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اِس کی مثال دی ہے۔اِس کے دیگر فوائد میں سے ایک یہ ہے کہ یہ اکیلا تو چلتا ہی ہے لیکن اکثر سواریاں لے کر چلتا ہے۔مال برداری بھی کرتا ہے۔ ایک مؤمن کو بھی چاہیے کہ وہ اکیلا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سفر کرے ضرور مگر اپنے ساتھ اپنے اہل خاندان، عزیز و اقارب اور دوستوں کو ساتھ لے کر چلے۔ پھر دوسری خوبی یہ ہے کہ اونٹ میلوں میل چلتا چلا جاتا ہے۔بغیر پانی کے، بغیر غذا کے۔ایک مؤمن کو بھی بغیر تھکن کے اللہ تعالیٰ کی طرف سفر کو جاری رکھنا چاہیے۔ پھر وہ اپنی غذا کو لمبے عرصے کے لیے اپنے اندر جمع کر لیتا ہے کہتے ہیں کہ کوہان میں پانی ذخیرہ کرتا ہے۔ بعض لکھتے ہیں ہیں کہ کوہان میں جمع چربی اس کے لیے غذا اور پانی کے کام آتی ہے۔الغرض جو بھی ہو وہ بڑے صبر اور استقامت سے اطاعت کرتا ہوا چلتا چلا جاتا ہے۔ بعینہ ایک مؤمن کو اس کے تتبّع میں روحانی غذا کی Storage کے ساتھ مسلسل روحانی میدان میں آگے سے آگے بڑھتے چلے جانا چاہیے۔

خلافت ایک حصار ہے۔صاحبِ ایمان لوگوں کے پختہ ایمان اور اعمالِ صالحہ اس حصار کے لیے مضبوطی کا باعث بنتے ہیں۔ جس پر خدا کے فضل پانی کی اُس آبشار کی طرح مسلسل نازل ہوتے ہیں جو بلندیوں سے اُتر ویران اور اُداس وادیوں کو سیراب کر جاتی ہے۔

سامعین! قرآن کریم کے مختلف مواضیع اور اسباق میں سے ایک اہم سبق اللہ کی بنائی ہوئی کائنات اور اشیاء پر غور و فکر اور غور و خوض کرنا بھی ہے۔ جس میں اللہ کے آخری صحیفے القرآن پر غور و خوض کرتے رہنے

میں بھی سبق موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کچھ جانوروں، چرند پرند اور حشرات کا ذکر فرمایا ہے۔ ہم اگر ان پر غور کریں تو ان سے بہت سبق سیکھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمار کھاہے۔

وہ لوگ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوئے بھی اور بیٹھے ہوئے بھی اور اپنے پہلوؤں کے بل بھی اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔ (اور بے ساختہ کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تونے ہر گز یہ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ پاک ہے تو۔ پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

(آل عمران:192)

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اطاعت کے حوالے سے شہد کی مکھی کی مثال سورۃ النحل میں یوں دی ہے۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ (النحل:69)

کہ تیرے ربّ نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ پہاڑوں میں بھی اور درختوں میں بھی اور ان (بیلوں) میں جو وہ اونچے سہاروں پر چڑھاتے ہیں گھر بنا۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں وحی کی عظمت کا بیان شہد کی مکھی کی مثال دے کر فرمایا ہے۔ کسی دوسرے جانور پر وحی کے نزول کا ذکر نہیں ملتا۔ شہد کی مکھی کو وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہر گندگی سے پاک کر دیا۔ یہ اپنے گھر بھی پہاڑوں پر اور بلند درختوں پر اور اُن بیلوں پر بناتی ہے جو بلند سہاروں پر چڑھائی جاتی ہیں۔ پھر اس پر وحی کی گئی کہ وہ ہر پھول سے اس کا رس لے کر اور اس سے عرق نچوڑ کر وہ جو شہد بناتی ہے اس میں انسانوں کے لئے ایک عظیم الشان شفار کھ دی گئی ہے۔

سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے شہد کی مکھی کی زندگی کی جو قابلِ توجہ نشانیاں بیان کی ہیں ان کی طرف ایک معنی خیز اشارہ کیا ہے۔ شہد کی مکھیوں کی زندگی اور ان کا اجتماعی طرز حیات اور اُن کی صنعت کاری کا مطالعہ انسانی عقل کو سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ اس مخلوق نے مثالی نظم وضبط اور ہنر مندی کہاں سے حاصل کی ہے؟ قرآن مجید اس کا جواب مندرجہ بالا الفاظ میں دیتا ہے کہ

”تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ درختوں، پہاڑوں اور لوگوں کے بنائے ہوئے عرشوں اور مچانوں (اونچی جگہیں) میں گھر بنا۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی جانب اشارہ کیا ہے کہ اس کی ہنر مندی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ودیعت کردہ، الہام اور ہدایت کے تحت ہے اور اس کی زندگی میں ہدایت کے متلاشی انسانوں کے لیے اللہ کی وحدانیت کا سبق ہے۔ جیسا کہ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”پھر ہر قسم کے پھلوں میں سے کھا اور اپنے ربّ کے رستوں پر عاجزی کرتے ہوئے چل۔ ان کے پیٹوں میں سے ایسا مشروب نکلتا ہے جس کے رنگ مختلف ہیں اور اس میں انسانوں کے لئے ایک بڑی شفا ہے۔ یقیناً اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے بہت بڑا نشان ہے۔“(النحل:70)

تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ شہد کی مکھیاں صبح سویرے نکلتی ہیں اور پھولوں والی جگہ سے پھولوں کا رس لیتی ہیں اپنی ساتھیوں کو بھی بتاتی ہیں۔ یہ ہمیں سبق دیتا ہے کہ رزق کی تلاش میں صبح صبح نکلنے میں برکت ہے۔ شہد کی مکھی سے ہمیں صفائی کا بھی سبق ملتا ہے۔ شہد کی مکھیوں کا چھتہ بہت صاف ستھرا ہوتا ہے اور وہ اپنے چھتے میں کسی قسم کا گند نہیں آنے دیتیں۔ شہد کی مکھیوں میں بھی ایک سردار مکھی ہوتی ہے جسے امیر النحل کہا جاتا ہے تمام مکھیاں اس کی تابعدار ہوتی ہیں۔ خلافت کے نظام سے مکھی کے نظام کو بہت مشابہت ہے جس طرح مکھیاں اپنی ملکہ کی اطاعت کرتی ہیں اِسی طرح نظامِ خلافت میں خلیفہ کے تابع افراد اپنے خلیفہ اور امام کی مکمل تابعداری کرتے اور جس طرح مکھیاں مختلفُ النوع اقسام کے رنگوں اور ذائقوں کا شہد تیار کرتی ہیں مگر سب میں شفاء یکساں طور پر موجود ہوتی ہے اِسی طرح خلافت کے تابع دنیا بھر کے افراد کی اطاعت و فرمانبرداری، ایمان و ایقان، افعال و اعمال اور تقوٰی و پاسداری یکساں طور پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کے وارث بن رہے ہیں۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ نے شہد کو فِیْہِ شِفَآءٌ لِلنَّاسِ کہا ہے یعنی اس میں انسانوں کے لیے شفا ہے اور آج کی جدید تحقیق اس بات کی تائید کرتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے شہد کو صحبت صالحین کے ساتھ بھی ملایا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

”عبادت شاقہ جو لوگ برداشت کرتے ہیں اور خدا کی راہ میں ہر ایک تلخی و کدورت کو جھیلنے کے لیے طیار ہو جاتے ہیں وہ شہد کی طرح ایک شیرینی اور حلاوت پاتے ہیں جیسے شہد فِیْہِ شِفَآءٌ لِلنَّاسِ کا مصداق ہے یہ لوگ بھی ایک تریاق ہوتے ہیں۔ ان کی صحبت میں آنے والے بہت سے امراض سے نجات پاتے ہیں۔“

(تفسیر حضرت مسیح موعودؑ سورۃ النحل صفحہ 65)

سامعین! اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اطاعت کے حوالے سے چیونٹی کی مثال سورۃ النمل میں دی ہے۔ چیونٹی کو عربی میں نمل کہتے ہیں۔ چیونٹی کبھی تنہا نہیں رہتی بلکہ کالونیوں میں رہتی ہے اور کوئی چیونٹی کبھی اپنے کام میں کوتاہی نہیں کرتی۔ ہر چیونٹی کے دو کام ہیں یعنی غذا جمع کرنا اور اپنے بِل کی حفاظت کرنا۔ غذا سب چیونٹیاں مل جُل کر کھاتی ہیں۔ چیونٹیاں سماجی جاندار ہیں اور بڑی بڑی بستیوں میں گروہوں کی شکل میں رہتی ہیں۔ فوجی چیونٹیاں لاکھوں کی تعداد میں قطار بنا کر چلتی ہیں اور راستے میں آنے والی ہر چیز کھانے کی کوشش کرتی ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں:

”چیونٹیوں میں بہت بڑا بھاری نظام ہوتا ہے۔ یہ ہاتھوں سے بات کرتی ہے، انسان کی طرح اپنی لاش کی حفاظت کرتی ہے، غلّے کا ڈھیر رکھتی ہے، سردی اور گرمی کے مکانات علیحدہ علیحدہ رکھتی ہے، چوبارے بناتی ہے۔ ایک قسم کا کیڑا جس میں سے ایک مادہ نکلتا ہے جو چیونٹی کے لیے دودھ کا کام دیتا ہے، اُن کیڑوں کو یہ جمع کر کے اپنے گھروں میں رکھتی ہیں اور اُن کی غذا کا خیال رکھتی ہیں اور جب غلّہ کی کمی ہو تو تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہ ان کیڑوں کو پہلے غذا دیتی ہیں، پھر بچ رہے تو خود کھاتی ہیں۔ ان میں لڑائیاں بھی ہوتی ہیں، صلح بھی ہوتی ہے۔ غرض ایک وسیع نظام ان میں پایا جاتا ہے۔ یہ سب ایک قسم کی وحی خفی کے نتیجہ میں ہے۔“

(تفسیر کبیر جلد چہارم)

اس سے انسان کو حقوق العباد کا سبق سیکھنا چاہیے کہ ایک دوسرے کے ساتھ مِل جُل کر رہیں ایک دوسرے کا خیال رکھیں۔ جس طرح چیونٹی ایک ننھی سی جان ہے لیکن جب ساری چیونٹیاں اکٹھی ہو جائیں تو جاندار کیڑے مکوڑوں اور زندہ سانپ کو بھی کھا جاتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا:

”شہید اپنے قتل کی بس اتنی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنی تکلیف تم میں سے کوئی شخص چیونٹی کے کاٹنے پر محسوس کرتا ہے۔“

(ترمذی فضائل الجہاد)

یعنی جو شخص خدا کی راہ میں اپنی جان دینے میں خوشی محسوس کرتا ہے اور اس کا نفس مطمئن ہوتا ہے اس کو اس شہادت کے بدلے میں خدا تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتیں عطا ہوں گی ان کے مقابلے میں اس کو شہادت کی تکلیف ایک چیونٹی کے کاٹنے کے برابر ہو گی۔

ہم روزانہ ہی مشاہدہ کرتے ہیں کہ چیونٹیوں کی آمدورفت کے وقت وہ منہ سے منہ جوڑ کر حفاظت کا پیغام دیتی جاتی ہیں اور اگر خطرہ محسوس ہو تو فوراً disperse ہو جاتی ہیں۔ مؤمنوں کے سبق سیکھنے کے لیے یہ بھی اطاعت کا ایک نظام ہے۔

سامعین! اس کے علاوہ ہمیں ایک سورۃ الانعام ہے جس کے معانی چارپائیوں کے ہیں۔ اِس میں کچھ جانوروں کا ذکر ملتا ہے جن میں بھیڑ بھی شامل ہے۔ بھیڑ بھی انسانوں کو گوشت اور اون مہیا کرتی ہے اور اس کا ذکر قرآن کریم میں اس واقعہ میں کیا گیا ہے جب حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی جگہ ایک بھیڑ بھیج دی۔ اس واقعہ سے ہمیں اپنی جان سے بھی زیادہ پیاری چیز خدا کی راہ میں قربان کرنے کا سبق ملتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ فرماتے ہیں کہ

”کنعانیوں میں جو قدیم باشندے فلسطین کے تھے انسانی قربانی کا رواج تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو اُن میں مانے ہوئے بزرگ اور ذی رعب تھے، باہمہ جاہ حشمت بیٹے کی قربانی پر بایں کہ بیٹا بھی راضی ہو چکا تھا مینڈھا ذبح کر دیا اور اس طریق سے انسانی قربانی کے بجائے حیوانی قربانی قائم کر دی اور اب تک گویا کروڑوں جانوں کو بچالیا۔“

(حقائق الفرقان جلد 3 صفحہ 476)

سامعین! سورۃ البقرہ میں بقرہ کا ذکر ملتا ہے جسے اردو میں گائے کہا جاتا ہے۔ گائے ایک پالتو اور بے ضرر جانور ہے۔ امن پسند اتنا کہ کسی کو کبھی بھی کوئی نقصان نہیں۔ فائدہ ہی فائدہ دیتی ہے۔ ایک سادہ صفت انسان کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ ”وہ تو نِری گائے ہے“۔ اِس کا دودھ باقی تمام دودھ دینے والے جانوروں سے خوش ذائقہ اور غذائیت سے بھرپور تصوّر کیا جاتا ہے۔ بیمار حضرات کو ڈاکٹرز گائے کا دودھ پینے کا مشورہ دیتے ہیں اور جو مائیں اپنا دودھ بچوں کو کسی وجہ سے نہ پلا سکیں اُنہیں بھی اپنے بچوں کو گائے کا دودھ پلانے کی ترغیب دی جاتی ہے کیونکہ یہ زود ہضم ہوتا ہے اور اِن علامات میں ہم سب کے لئے بہت سے

سبق مُضمر ہیں۔ پہلے زمانے میں اور آج بھی ہندو مذہب میں گائے کی پوجا کی جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم اِن الفاظ میں دیا تھا۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً۔ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ (البقرہ:68) کہ جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ یقیناً اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ایک (امتیاز رکھنے والی) گائے کو ذبح کرو۔ انہوں نے کہا کیا تو ہمیں ہنسی کا نشانہ بنا رہا ہے؟ اس نے کہا کہ مَیں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ مَیں جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔

سامعین! اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ کسی بھی نبی کے حکم کی اطاعت کرنی چاہیے اور عمل کرنے کی بجائے اس پر بحث کرنا بے ادبی اور بے عقلی ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ اسے پسند نہیں فرماتا۔ نبی بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل میں چونکہ گائے کی بت پرستی رائج تھی اور انبیاء ہمیشہ بت پرستی کے خلاف ہوتے ہیں اس لیے گائے کا ذبح کرنے کا حکم دینا بھی بت پرستی کو ختم کرنا تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”فرعون کے آباؤ اجداد گائے کی پرستش کرتے تھے ..... جب بنی اسرائیل سے آئے تو یار بن کر سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے زیر اثر تھے۔ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد انہوں نے بچھڑے کی پرستش کی۔ گائے کو تو پہلے ہی مانتے تھے .... انبیاء کو تو شرک سے نفرت ہی ہوتی ہے موسیٰ علیہ السلام کو بچھڑے کی پرستش بُری لگی .... سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ گائے کی قربانی کرو۔ عادت بُری بلا ہے۔ لگے پیچ پیچ بنانے۔ سیدھی بات تھی گائے ذبح کر دیتے .... موسیٰؑ اتنا بڑا اولو العزم نبی تھا کتنے نشان دکھلائے ....ان کے دل میں کوئی ادب معلوم نہیں ہوتا اور کہنے لگے۔ آپ ہنسی کرتے ہیں کہا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ یہ تو جاہلوں کا کام ہے۔ ہماری سرکار نے فرمایا، صلی اللہ علیہ وسلم میں تم سے بڑا عالم اور متقی ہوں ٹھٹھا یا مخول کرنا عالم کا کام نہیں۔“

(الفرقان جلد اوّل صفحہ 172)

پیارے بھائیو! قرآن کریم ہمیں تدبّر اور غور و فکر اور جستجو کا حکم دیتا ہے۔ فرماتا ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ (النحل:70) تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کریں۔ بس اِس تفکّر اور تدبُّر میں ایک سبق

ہمیں یہ ملتا ہے کہ ہم اپنے پیدا کرنے والے کا شکر ادا کرتے رہیں کہ اُس نے ہمیں اشرفُ المخلوق بنایا ہے اور ہمیں اپنا مافی الضمیر ادا کرنے کے لئے زبان عطا فرمائی ۔ سوچ وبچار کے لئے دماغ دیا۔ اِن نعماء کی بدولت ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت بجالاتے ہیں۔ اُس کی تسبیح و تحمید کرتے اور اُس کا حکم مانتے ہیں۔ الحمد للہ رب العالمین

جمال و حُسنِ قرآں نورِ جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا، ہمارا چاند قرآں ہے
نظیر اُس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا
بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلامِ پاکِ رحماں ہے

(کمپوزڈ: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

﴿41﴾ ﴿مشاہدات۔1276﴾

مؤمن کا دل

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ (البقرہ:267)

یعنی کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اس کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس کے دامن میں نہریں بہتی ہوں۔ اس کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں نیز اُس پر بڑھاپا آجائے جبکہ اس کے بچے ابھی کمزور (اور کم سِن) ہوں۔ تب اُس (باغ) کو ایک بگولہ آلے جس میں آگ (کی تپش) ہو پس وہ جل جائے۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے (اپنے) نشان خوب کھولتا ہے تا کہ تم تفکّر کرو۔

یا محمدؐ دلبرم از عاشقانِ روئے تُست
مجھ کو بھی اس سے ملا دے ہاں ملا دے آج تُو
دستِ کوتاہم کُجا اثمارِ فردوسی کُجا
شاخِ طوبیٰ کو ہلا دے ہاں ہلا دے آج تُو

(کلام محمود)

معزز سامعین! مجھے آج ایک حدیث کے تناظر میں مؤمن کے دل پر گفتگو کرنی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا یَقُوْلَنَّ أَحَدُکُمْ لِلْعِنَبِ، اَلْکَرْمَ فَاِنَّ الْکَرْمَ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ

(بخاری)

کہ لوگ انگور کو "کرم" نہ کہیں، "کرم" تو مؤمن کا دل ہے۔

اِس مضمون کو حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر مختلف انداز اَور الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ جیسے اَبو داوٗد کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا یَقُولَنَّ أَحَدُکُمْ: اَلْکَرْمَ، فَإِنَّ الْکَرْمَ: اَلرَّجُلُ الْمُسْلِمُ، وَلَکِنْ قُولُوا: حَدَائِقَ الْاَعْنَابِ۔

(سنن ابی داؤد کتاب الادب حدیث:4974)

کہ تم میں سے کوئی (انگور اور اس کے باغ کو) کرم نہ کہے ۔ اس لیے کہ کرم مسلمان مرد کو کہتے ہیں بلکہ اسے انگور کے باغ کہو۔

حضرت ابوہریرہ کی ایک روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَا تُسَمُّوا الْعِنَبَ الْکَرْمَ، وَلَا تَقُولُوا خَیْبَۃَ الدَّھْرِ، فَإِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الدَّھْرُ۔

(صحیح البخاری کتاب الادب حدیث:6182)

کہ عِنَب (انگور) کو کرم نہ کہو اور نہ ہی یہ کہو کہ ہائے زمانہ کی نامرادی۔ کیونکہ زمانہ تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

پھر فرمایا لَا یَسُبُّ أَحَدُکُمُ الدَّھْرَ، فَإِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الدَّھْرُ، وَلَا یَقُولَنَّ أَحَدُکُمْ لِلْعِنَبِ: الْکَرْمَ، فَإِنَّ الْکَرْمَ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ۔

(صحیح مسلم کتاب الالفاظ من الادب وغیرھا حدیث:5867)

کہ تم میں سے کوئی شخص زمانے کو بُرا بھلا نہ کہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی زمانے (کا مالک) ہے اور تم میں سے کوئی شخص عنب (انگور اور اس کی بیل) کو کرم نہ کہے، کیونکہ کرم (اصل میں) مسلمان آدمی ہوتا ہے۔

مسلم ہی کی ایک حدیث میں حضرت وائل بن حجرؓ سے یوں منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انگور کے درخت کو کرم نہ کہو بلکہ عنب اور حَبْلَہ کہو۔

ایک روایت میں لَا تَقُولُوا لِحَائِطِ الْعِنَبِ الْکَرْمُ۔ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

(سنن دارمی، من کتاب الاستئذان، باب لَا یُقَالُ لِلْعِنَبِ الْکَرْمُ: حدیث نمبر 2735)

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انگوروں کے باغ کو کرم نہ کہو کیونکہ کرم تو مسلمان مردہوتا ہے۔

ہمارے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بات کرنے اَور سمجھانے کا طریق بہت اچھوتا اور نرالا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بات کو مختلف انداز میں الفاظ کو ادل بدل کر بات کو دہراتے تھے اور بعض دفعہ بات کو نیگیٹو اور پوزیٹو رنگ میں سمجھاتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں، ہزاروں روایات مختلف صحابہ رضوان اللہ علیہم سے الفاظ کی قدرے تبدیلی کے ساتھ مروی ہیں۔ زیرِ بحث روایت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی طریق اختیار فرمایا۔ کچھ روایات میں انگور کو کرم کہنے سے منع فرمایا اور ذیل کی روایت میں فرمایا کہ بعض لوگ (انگور کو) کرم کہتے ہیں، کرم تو مؤمن کا دل ہے۔ حدیث کے الفاظ یوں ہیں۔

”وَيَقُولُونَ الْكَرْمُ إِنَّمَا الْكَرْمُ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ“

(صحیح البخاری کتاب الادب حدیث: 6183)

سامعین! عنب کو کرم کہنے سے روکنے کی حکمت اور اِس کے مطالب میں جانے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اوپر جو روایات ہم بیان کر آئے ہیں۔ اُن میں استعمال ہونے والے عربی الفاظ اور اصطلاحات کے لغوی معانی سمجھ لیں۔ جیسے **اَلْعِنَبُ** عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے اردو میں معنی ”انگور“ (Grapes) کے ہیں۔ اس کا واحد ”عِنَبٌ“ ہے جو ایک پھل کی مشہور قسم ہے۔ اِس پھل کی سینکڑوں اقسام ہیں۔ ایک مشہور قسم سُندر خانی ہے۔ جس کی ساخت اور شکل دل کے مشابہ ہوتی ہے۔ انگور کی بعض اقسام کو مختلف پروسیس سے گزار کر خشک کیا جاتا ہے۔ جو بہت لذیذ ہوتا ہے اور جسے سویٹ ڈشز، دوسرے مختلف کھانوں میں استعمال ہونے کے علاوہ سرد علاقوں میں لوگ اپنے آپ کو گرم رکھنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اِسے بالعموم میوہ یا سوگی یا کشمش کہتے ہیں۔ اِس پھل میں سے ایک خاص قسم کے انگور کو خشک کرنے سے منقّٰی تیار ہوتا ہے جو مختلف بیماریوں میں علاج کے کام آتا ہے۔ منقّٰی کے لغوی معانی صاف کرنے کے ہیں۔ انگور کو خشک کر کے تیار کیا ہوا میوہ جو منقّٰی کہلاتا ہے یہ بھی بیماریوں کے گندے مادّے کو صاف کرنے کے کام آتا ہے۔

اَلْکَرْمُ (الکرم) یہ بھی عربی زبان کا لفظ ہے جس کے اردو میں کئی نمایاں اور خوبصورت معنی آتے ہیں۔ سیاق وسباق کے لحاظ سے اس کے بنیادی معنی یہ ہیں: سخاوت اور فیاضی: بہت زیادہ دینے والا، بخشش کرنے والا یا سخی ہونا۔ ایک معنی شرافت اور بزرگ کے ہیں یعنی اعلیٰ اخلاق، اعلیٰ ظرفی، عزّت اور بزرگی۔ اَور ایک معنی انگور کی بیل کے بھی ہیں۔

کریم کا لفظ قرآن کے ساتھ بھی استعمال کرنے سے قرآن کی عظمت کو دوبالا کرتا ہے۔ حضرت علی کے ساتھ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ لکھا جاتا ہے۔ جس کے معانی ہے۔ اللہ آپ کے چہرے کو عزّت بخشے۔

عربی لفظ **اَلْحَبْلَۃُ** (ال-حَب-لَہ) کے معنی سیاق وسباق کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں، جن میں انگور کی بیل یا درختِ انگور اور فقہی لحاظ سے **حمل کا بچہ** شامل ہیں۔

سامعین! مَیں اوپر جو احادیث بیان کر آیا ہوں اُن کی روشنی میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور یا انگور کی بیل کو "کرم" کہنے سے منع فرمایا ہے۔ اِس کی کئی وجوہات بیان ہوئی ہیں۔ ایک وجہ ممانعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں لفظ 'کرم' ہے جس کے معانی بزرگی اور عزت والے مسلمان کے ہیں۔ عربی زبان میں "کرم" کا لفظ سخاوت، شرافت اور بزرگی کے معنوں میں آتا ہے اور چونکہ ایک مسلمان کا دل ایمان اور تقویٰ کی وجہ سے ان تمام خوبیوں کا مرکز ہوتا ہے، اس لیے اس لفظ کو صرف مسلمانوں کے ساتھ خاص کرنے کی تاکید کی گئی ہے تاکہ اس کی حرمت برقرار رہے۔ عرب رَجُلٌ کَرْمٌ اور قَوْمٌ کَرْمٌ کہتے ہیں ۔رَجُلٌ کَرِیْمٌ اور قَوْمٌ کِرَامٌ بھی محاورۃً استعمال ہوتے ہیں۔

دوسرے نمبر پر احادیث کا ماحاصل یہ ہے کہ انگور کو عنب یا حبلہ کہو یا اس کے اور جو نام ہیں وہ لیا کرو، لیکن اس کو کرم نہ کہا جائے اس کی ممانعت کا ایک پس منظر یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب انگور کو کرم کہا کرتے تھے کیونکہ انگور سے شراب بنتی تھی اور ان کا کہنا تھا کہ اس شراب کے پینے سے آدمی میں سخاوت و ہمت اور جود و کرم کے اوصاف پیدا ہوتے ہیں چنانچہ جب شریعت نے شراب کو حرام کر دیا اور وہ ایک نجس وناپاک چیز قرار پائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور کو کرم کہنے سے منع فرمایا کیونکہ ایک ایسی چیز کو مذکورہ نام کے ذریعہ کرم وخیر کے ساتھ متّصف کرنا جو شراب جیسی ناپاک چیز کی جڑ ہے مناسب نہیں سمجھا گیا جب کہ انگور کو اتنے عمدہ نام یاد کرنے کا مطلب ایک حرام چیز کی تعریف و توصیف کا راستہ

اختیار کرنا ہے اور اس کی طرف سے دل و دماغ کو رغبت دلانا ہے نیز آپ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ کرم ایک ایسا اعلیٰ لفظ ہے جو اپنے وسیع مفہوم کے اعتبار سے تمام بھلائیوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے اس اعتبار سے اس لفظ کا مصداق مؤمن اور اس کا قلب ہی ہو سکتا ہے جو علم و تقوی کے نور کا مخزن اور اسرار و معارف کا منبع ہے۔

کسی نے لکھا ہے کہ انگور کو کرم کہنے سے اس لئے روکا کیونکہ اس سے شراب بنتی ہے اور عرب کے لوگ اسے کرم اس لئے کہتے کہ ان کے خیال میں شراب نوشی سے سخاوت اور بزرگی پیدا ہوتی تھی۔ ان کے خیال کے ردّ میں اس نام سے پکارنے سے منع فرمایا۔ نیز بتایا کہ کرم تو مسلم کی صفت ہے، جو مجسّم کرم ہوتا ہے۔

مکرم مولانا غلام باری سیف صاحب مرحوم اپنے مجموعۂ احادیث بعنوان احادیثُ الاخلاق میں اس حدیث کے تابع لکھتے ہیں۔

”عِنَب انگور کو کہتے ہیں اور کَرْم انگور کی بیل کو کہتے ہیں۔ دراصل کرم یعنی انگور کی بیل تو مؤمن کا دل ہے۔ ظاہری طور پر تو دل کی شکل بھی انگور کے دانہ کی طرح ہے۔ لیکن حلاوت اور شیرینی مؤمن کے دل میں ہوتی ہے۔ وہ دانۂ انگور میں کہاں؟

حدیث میں آیا ہے مؤمن کی زبانِ اَور اُس کے ہاتھ سے کسی کو گزند نہیں پہنچتا۔ مؤمن ہر ایک کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ فرمایا۔ انگور کو کرم کہتے ہیں۔ کرم کہلانے کا مستحق تو مؤمن کا دل ہوتا ہے۔

سامعین! آئیں! اِس دلچسپ اور ایمان افروز مضمون کو ایمان میں مزید رسّ گھولنے کے لئے قرآن کریم کا سہارا لیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دو جگہوں پر عِنَب اور نو (9) مقامات پر جمع کے صیغہ کے ساتھ اَعْنَاب لفظ آیا ہے۔ جیسے اللہ پاک سورۃ الانعام آیت 100 میں آسمان کے پانی سے اُگنے والے اناج پودوں اور پھلوں کا ذکر فرماتا ہے۔ اِس میں جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ کے الفاظ ہیں جس کے معانی ہیں کہ اِن پانیوں سے انگوروں کے باغ اُگتے ہیں۔ جن پر جو پھل لگتا ہے اُسے پکنے تک کے عمل میں ایمان لانے والی قوم کے لیے بڑے نشانات ہیں۔ اِسی مضمون کو سورۃ الرعد آیت 5 میں ایک اَور پہلو سے بیان فرمایا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے تفسیرِ صغیر میں جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ کے ترجمہ میں ”کئی طرح کے انگوروں کے باغات“ لکھا ہے۔ جس کے معانی ہیں کہ انگوروں کی کئی اقسام ہیں۔ بعضوں نے سینکڑوں کی تعداد گنی ہے۔ یہاں جو بات غور طلب ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں جہاں بھی اعناب اور دیگر ایسے پھلوں کا ذکر جن کی مشابہت مؤمنوں سے دی گئی ہے، کیا ہے وہاں ایک تو آسمانی پانی کا ذکر ساتھ فرمایا ہے اور دوسرا ان پھلوں کے پکنے کے پراسس میں مؤمنوں، عقل والوں کے لیے نشانات قرار دیا ہے۔ اِس میں مؤمنوں کے لیے یہ سبق ہے کہ وہ آسمانی، روحانی مائدہ جو انبیاء، اولیاء، مسیحا اور خلفاء کے ذریعہ نازل ہوتا ہے۔ اُس سے کماحقّہ فائدہ اُٹھانا ضروری ہے۔

سامعین! ایک اَور بات جو سمجھنے کے لائق ہے اور مؤمنوں کے ساتھ اُس کی بہت نسبت ہے۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعناب یعنی انگوروں کے ساتھ النَّخِیلُ یعنی کھجوروں کا ذکر کیا ہے۔ وہاں ان دونوں کے ذکر کے ساتھ جنت کے باغات کا بھی ذکر ملتا ہے گویا جہاں یہ دونوں انگور اَور کھجور، جنت کے پھل ہیں وہاں حقیقی مؤمن بھی جنت میں نہروں اور اُن کے پانیوں سے اُگنے اور ہر پکنے والے لذیذ اور مزیدار پھلوں سے فائدہ اُٹھا رہے ہوں گے۔ جن میں انگور اور کھجور شامل ہے۔ سورۃ البقرۃ آیت 267 جس کی تلاوت تقریر کے آغاز پر مَیں کر آیا ہوں جس میں انگوروں کا ذکر ہوا ہے۔ اس کی تفسیر میں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

”اس آیت میں تمام درختوں میں سے نخیل و اعناب کا ذکر بالخصوص اس لیے کیا ہے کہ یہ بہت اعلیٰ قسم کے درخت ہیں۔ رسول کریمؐ نے مؤمن کو کھجور کے درخت سے تشبیہ دی ہے اِس لئے کہ اِس میں چند خاصیّتیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اِس کے پتّے ہوا سے نہیں جھڑتے۔ مؤمن کو بھی ایسا ہی ہونا چاہئے کہ وہ قِسم قِسم کی مصیبتوں میں گھبرا نہ اُٹھے۔“

(حقائق الفرقان جلد اوّل صفحہ 425)

قرآنِ کریم میں جہاں دو جگہ عِنَبٌ کا ذکر ہے۔ وہیں یہ بتانا ضروری ہے کہ انگور جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ گو انگور کی مثال اکثر جگہوں پر اچھے معنوں میں دی گئی ہے تاہم حدیث میں اِس کی مثال یوں

دی کہ مسیح دجال دائیں آنکھ سے کانا ہوگا (مسند احمد کی ایک روایت میں بائیں آنکھ کا ذکر ملتا ہے) جس کی آنکھ (عِنَبَۃً) کا پھولا ہوا دانہ ہے۔

(حدیقۃ الصالحین حدیث نمبر 938)

الغرض مؤمنوں کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ اُن کے دل انگور کی طرح رسیلے، لذیذ، مزیدار ہوں۔ جو کھانے میں لذیذ ہوں تو مقوّی صحت بھی ہوں۔ مؤمن کا دل جہاں اپنے لیے صحت کا موجب ہو تو اُس کے رسّ اور اس سے بننے والی روحانی شراب سے دوسرے مؤمن بھی مستفیض ہو رہے ہوں۔

سامعین! حضرت مصلح موعودؓ سورۃ النبا میں درج الفاظ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

" حَدَآئِقَ کے لحاظ سے ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِنَّ لِکُلِّ مَلِكٍ حِمًی اَلَا وَاِنَّ حِمَی اللّٰہِ مَحَارِمُہٗ کہ ہر بادشاہ کی ایک رَکھ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رَکھ اُس کے محارم ہیں۔ آپ نے فرمایا جو شخص بادشاہ کی رکھ کے قریب اپنے جانور کو چراتا ہے وہ بھی غلطی کرتا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی وقت اُس کا جانور بادشاہ کی رکھ میں چلا جائے اور وہ نقصان اٹھائے (بخاری کتاب الایمان باب فضل من استبرالدینہ) پس ایک معنے اس کے یہ ہوں گے کہ مؤمن اپنے اعمال کی حدبندی کرتا ہے وہ حرام اور حلال میں امتیاز کرتا ہے اور چونکہ متقی کا کام یہ ہوتا ہے کہ حلال اور حرام میں تمیز کرے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی اُن نعمتوں کا نام جو وہ مؤمنوں کو دے گا حَدِیقۃ رکھ دیا۔ یعنی جس طرح اُس نے فرق کیا اور خدا کی رضا کے لئے حلال اور حرام میں امتیاز روا رکھا اسی طرح خدا مؤمن اور غیر مؤمن میں امتیاز کرے گا اور اُسے انعام کے طور پر حدائق عطا فرمائے گا اور اس نسبت سے کہ سچا تقویٰ انسان کے لئے غذا کا بھی کام دیتا ہے اور پھل کا کام بھی دیتا ہے اور نشہ محبتِ الٰہی بھی پیدا کرتا ہے اس کا نام اَعْنَاب رکھ دیا کیونکہ اِتّقاء میں یہ ساری شرطیں ہوتی ہیں۔ ایک طرف وہ مؤمن کی روحانی غذا ہوتا ہے جس سے وہ خدا کا قرب حاصل کرتا ہے۔ دوسرے جسے سچا تقویٰ میسّر آجاتا ہے وہ آئندہ ایک لمبے زمانہ تک دنیا میں نیک تبدیلی پیدا کرنے کا موجب بن جاتا ہے جیسے ذخیرہ خور غذا دیر تک رہتی اور انسان کے کام آتی ہے اسی طرح تقویٰ ایک لمبے زمانہ تک دنیا کے کام آتا ہے گویا ایک طرف وہ انسان کو اپنی ذات کے لئے تازہ بتازہ پھل کا کام دیتا ہے اور دوسری طرف آئندہ کے لئے بھی ذخیرہ کا کام دیتا ہے۔ چنانچہ اسی بناء پر حضرت داؤد علیہ السلام فرماتے

ہیں مَیں نے صادق کو ترک کئے ہوئے اور اس کی نسل میں سے کسی کو ٹکڑے مانگتے نہیں دیکھا (زبور 37 آیت 25) گویا اِتّقاء کیا ہے ایک ذخیرہ خور غذا ہے جو نہ صرف اس کو فائدہ پہنچاتی ہے بلکہ اس کی آنے والی نسلوں کو بھی فائدہ پہنچاتی ہے۔ پھر تقویٰ محبت الٰہی پیدا کرنے کا بھی موجب ہے جیسے عِنَبْ میں سے شراب نکلتی ہے اسی طرح تقویٰ کے ذریعہ محبّتِ الٰہی پیدا ہوتی ہے جیسے شراب پی کر انسان مست ہو جاتا ہے اور اُسے کسی خیر وشر کی پروا نہیں رہتی۔ نہ اسے کسی نقصان سے ڈر آتا ہے اور نہ کسی خیر کے حصول کی خواہش اُس کے دل میں رہتی ہے محض ایک مستی ہوتی ہے جو شراب کی وجہ سے اُس کے دماغ میں پیدا ہو جاتی ہے اور وہ نہ کسی خوف سے کام کرتا ہے اور نہ کسی لالچ سے۔ ایک رستہ ہوتا ہے جس پر وہ اس نشہ کی حالت میں چل پڑتا ہے۔ اسی طرح جب کسی شخص کے دل پر محبّتِ الٰہی غالب آجائے تو اس نشہ میں وہ ایسا چُور ہو جاتا ہے کہ وہ نہ دوزخ کے ڈر کے مارے خدا سے تعلق رکھتا ہے اور نہ جنّت کی لالچ اُسے نیکیوں پر آمادہ کرتی ہے۔ ڈر اور لالچ کی قسم کے تمام احساسات اُس کے دل سے مٹ جاتے ہیں اور وہ خدا سے محض خدا کی رضا کے لئے محبت کرتا ہے گویا وہ یہ نہیں چاہتا کہ مَیں دوزخ سے بچ جاؤں وہ یہ نہیں چاہتا کہ مَیں جنت میں داخل ہو جاؤں بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہو جائے۔ پس تقویٰ بھی ایک مستی پیدا کر دیتا ہے جیسے اَعْنَاب سے جو خَمَر تیار ہوتی ہے وہ انسان کو مست بنا دیتی ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ سے ایک دفعہ سوال کیا گیا کہ آپ جب اللہ تعالیٰ سے ملیں گے تو اُس سے کیا کہیں گے۔ انہوں نے کہا مَیں تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے یہ کہوں گا کہ خدایا! مجھے نہ جنّت کی خواہش ہے نہ دوزخ کا خوف ہے۔ مَیں تو یہ چاہتا ہوں کہ تُو مجھے جہاں رکھنا چاہتا ہے وہاں رکھ دے۔ اگر دوزخ میں ڈالنا چاہتا ہے تو دوزخ میں ڈال دے اور اگر جنت میں لے جانا چاہتا ہے تو جنت میں لے جا۔ مجھے تو تیری رضا کی ضرورت ہے (تذکرۃ الاولیاء) یہ مستی کی ہی علامت ہے کہ نہ اچھی بات کی خواہش رہے اور نہ بُری بات کا ڈر رہے۔ ایک ہی غرض سامنے رہے کہ میرا محبوب مجھ سے راضی ہو جائے۔ غرض اَعْنَابًا کا ذکر اس لحاظ سے کیا گیا ہے کہ اَعْنَاب ہی وہ پھل ہے کہ پینے کے کام بھی آتا ہے اور میوہ کے کام بھی آتا ہے اور خشک کر کے غذا کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ پس اسے خاص طور پر قرآن کریم نے مثال کے طور پر چُنا ہے یہ بتانے کے لئے کہ ایمان کی بھی یہی مثال ہوتی ہے کہ وہ بشاشت بھی بخشتا ہے وہ لذّت بھی بخشتا ہے اور وہ

طاقت بھی بخشتا ہے۔ اسی طرح یہ تینوں چیزیں تقویٰ میں بھی پائی جاتی ہیں کہ وہ غذا بھی ہے۔ وہ ذخیرہ خور غذا بھی ہے اور وہ عشقِ الٰہی بھی پیدا کرتی ہے یعنی خَمَر والی حالت بھی اس میں پائی جاتی ہے مگر خَمَر تو انسان کی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے یہ وہ نشہ ہے جو عقل کو تیز کرتا ہے۔ البتہ یہ مشابہت ضرور پائی جاتی ہے کہ جس طرح خَمَر انسان کو مست بنا دیتی ہے اسی طرح تقویٰ اور ایمان کی وجہ سے انسان اللہ تعالیٰ کی محبت میں مست ہو جاتا ہے۔"

(تفسیرِ کبیر جلد 8 صفحہ 50، 51)

سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں.

" دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر انسان اعمال صالحہ میں ترقی کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچتا اور سرکشی اور حدود اللہ سے اعتداء کرنے کو چھوڑتا ہے اسی قدر ایمان اُس کا بڑھتا ہے اور ہر جدید عمل صالح پر اس کے ایمان میں ایک رسوخ اور دل میں ایک قوّت آتی جاتی ہے۔ خدا کی معرفت میں اسے ایک لذّت آنے لگتی ہے اور پھر یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ مؤمن کے دل میں ایک ایسی کیفیت محبتِ الٰہی اور عشقِ خداوندی کی اللہ تعالیٰ ہی کی موہبت اور فیض سے پیدا ہو جاتی ہے ہے کہ اُس کا سارا وجود اُس کی محبت اور سرور سے جو اس کا نتیجہ ہوتا ہے لبالب پیالہ کی طرح بھر جاتا ہے اور انوارِ الٰہی اُس کے دل پر بکلی احاطہ کر لیتے ہیں اور ہر قسم کی ظلمت اور تنگی اور قبض دور کر دیتے ہیں۔ اِس حالت میں تمام مصائب اور مشکلات بھی جو خدا تعالیٰ کی راہ میں اُن کے لئے آتے ہیں وہ انہیں ایک لحظہ کے لئے پراگندہ دل اور منقبض خاطر نہیں کر سکتے بلکہ وہ بجائے خود محسوس اللذات ہوتے ہیں۔ یہ ایمان کا آخری درجہ ہوتا ہے۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 338-339 آن لائن ایڈیشن)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ فرماتے ہیں۔

" ایک مؤمن کی خصوصیت یہ ہے، جس کا قرآن کریم میں یوں ذکر آتا ہے کہ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرۃ:166) یعنی اور جو لوگ مؤمنین ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ ہی سے محبت کرتے ہیں۔ پس مؤمن ہونے کی یہ نشانی ہے کہ ایک سچے مؤمن کی زندگی صرف ایک ذات کے گرد گھومتی ہے اور گھومنی چاہئے کیونکہ اس کے بغیر ایک مؤمن، مؤمن کہلا ہی نہیں سکتا۔ ایک مؤمن کا غیب پر ایمان، نمازیں

پڑھنا، قربانی کرنا، انبیاء پر ایمان، اس وقت کامل ہو گا جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے ان تمام احکامات پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہو گا جو اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شدید محبت کا کیسا اعلیٰ نمونہ ہمارے سامنے رکھا کہ کفار بھی یہ کہہ اٹھے کہ عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّہٗ کہ محمد تو اپنے ربّ پر عاشق ہو گیا۔ اور آپؐ نے ہمیں کیا خوبصورت دعا سکھائی ہے کہ اے اللہ! مَیں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور اس کی محبت جو تجھ سے محبت کرتا ہے۔ مَیں تجھ سے ایسے عمل کی توفیق مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔ اے اللہ! اپنی اتنی محبت میرے دل میں ڈال دے جو میری اپنی ذات، میرے مال، میرے اہل اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ ہو۔ (صحیح الترمذی کتاب الدعوات حدیث نمبر 3490)

پس ایک مؤمن کا معیار اور خصوصیت یہ ہے جس کو حاصل کرنے کی ایک مؤمن کو کوشش کرنی چاہئے۔ کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر نہیں مل سکتی۔ اس لئے اس محبت کے حصول کے لئے بھی اسی کے آگے جھکنا اور اس سے دعائیں کرنا ضروری ہے۔"

(خطبہ جمعہ 13/ جولائی 2007ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" پس حقیقی مؤمن اور تقویٰ پر قدم مارنے والوں کا مولیٰ اور دوست وہ عظیم جاہ و جلال والا خدا ہے جس کی بادشاہت تمام زمین و آسمان پر حاوی ہے۔ پس جو ایسے جاہ وجلال اور قدرت رکھنے والے خدا کی آغوش میں ہو کیا اسے مخالفین کا مکر اور ان کی تدبیریں کچھ نقصان پہنچا سکتی ہیں؟ یقیناً نہیں، کبھی نہیں۔ کیونکہ جو خدا تعالیٰ پر کامل ایمان لاتا ہے خدا اس کی حفاظت کے سامان پیدا فرماتا ہے۔ یہ اس کا وعدہ ہے کہ وہ ان کی مدد فرماتا ہے جیسا کہ ایک جگہ فرماتا ہے وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (الروم:48) یعنی مؤمنوں کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ پس یہ ہے مؤمنوں کا خدا جو کسی لمحہ بھی اپنے مؤمن بندوں سے غافل نہیں۔ یہ زمین و آسمان کا مالک خدا جس کو نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ آتی ہے، ہر وقت اپنے مؤمن بندے کی پکار پر ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔ پس کیا ہی خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اپنے اس خدا سے تعلق جوڑتے ہیں اور خشوع اور تقویٰ میں بڑھے ہوئے ہیں اور بڑھتے چلے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو خدا اپنے مؤمن بندے کی حفاظت و نصرت کے لئے اس پر نظر رکھے ہوئے ہے، اس کو ماننے والے ہیں۔ پس ہمیں جو حضرت مسیح

موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں آئے ہیں اور یہ اعلان کرتے ہیں کہ اس زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق کی بیعت میں آنے والے ہی حقیقی مؤمن ہیں، ایک تو اس بات کو ذہن میں رکھنا چاہئے کہ صرف یہ ایک عمل کہ ہم بیعت میں آ گئے کافی نہیں، بلکہ ہم نے اپنے اعمال کے بیج کی حفاظت کرکے اس کے اُگنے کے سامان کرنے ہیں۔ پھر اس کے اُگنے کے بعد نرم سبزے کی حفاظت کرنی ہے۔ پھر نرم سبزے نے جب ٹہنیوں کی صورت اختیار کرنی ہے اس کی نگہداشت کرنی ہے، اسے ہر قسم کے کیڑے مکوڑوں اور جانوروں سے محفوظ رکھنا ہے۔ پھر اس پودے کی نگہداشت رکھتے ہوئے اسے مضبوط تنے پر کھڑا کرنا ہے، تب جا کر یہ ثمر آور درخت بنے گا، پھل دینے والا درخت بنے گا جو فائدہ پہنچائے گا۔"

(خطبہ جمعہ 17/اگست 2007ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصائح پر عمل کی توفیق دے۔ آمین

(کمپوزڈ: تمثیل احمد)

۞۞۞۞

﴿42﴾ ﴿مشاہدات۔43﴾

صحت مند اور توانا مؤمن، کمزور مؤمن سے بہتر ہے

سویرے جو کل آنکھ میری کھلی
عجب تھی بہار اور عجب سیر تھی
خوشی کا تھا وقت اور ٹھنڈی ہوا
پرندوں کا تھا ہر طرف چہچہانا

سامعین! مجھے آج آپ کے سامنے ایک حدیث مبارک کہ "اَلْمُؤمِنُ الْقَوِیُّ خَیْرٌ مِنَ الْمُؤمِنِ الضَّعِیْفِ" پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے صحت مند اور توانا مؤمن، کمزور مؤمن سے بہتر ہے۔ ایک اور مقام پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ ملتے ہیں کہ طاقتور مؤمن کمزور مؤمن سے بہتر ہے اور طاقتور مؤمن اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارا ہے۔

سامعین / سامعات! اس مضمون کی حقیقت کو جب ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب میں دیکھتے ہیں تو ہمیں طالوت اور جالوت کا قصہ سورۃ البقرہ آیت 248 میں ملتا ہے کہ جب بنی اسرائیل کی قوم نے اپنے نبی سے ایک ایسے بادشاہ کی درخواست کی جو ظلم سے ان کو نجات دلائے تب اس نبی نے طالوت یعنی جدعون کے بادشاہ ہونے کی خدائی خبر قوم کو سنائی مگر قوم کے سرداروں نے یہ کہہ کر اس کو بادشاہ ماننے سے انکار کر دیا کہ یہ مالی اعتبار سے ہم سے کمزور ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے طالوت کو بادشاہ یہ کہتے ہوئے مقرر فرمایا کہ **یہ علم اور جسمانی اعتبار سے بھی تم پر فضیلت رکھتا ہے۔** گویا کہ دوسرے معنوں میں قوم کا سردار بننے کے لئے، عہدیدار ہونے کے لئے علم سے سُدھ بُدھ رکھنا اور جسمانی لحاظ سے دوسروں سے بہتر ہونا ضروری ہے۔ جو اپنے ماتحتوں کے لئے نمونہ بھی بنتا ہے۔

قرآن کریم میں صحت کو برقرار رکھنے اور صحت مند رہنے کی ایک مثال سورۃ یوسف آیت 12-13 میں ملتی ہے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے

اپنے ساتھ لے جانے کی استدعا یوں کی اَرۡسِلۡهُ مَعَنَا غَدًا يَّرۡتَعۡ وَيَلۡعَبۡ کہ اِسے کل ہمارے ساتھ بھیج دے تا وہ کھاتا رہے اور کھیلے کودے۔ گویا کہ صحت مند رہنے کے لئے کھیلنا کودنا، چہل قدمی کرنا، سیر کرنا اور ورزش کرنا بہت ضروری ہے۔

پیارے بھائیو / پیاری بہنو! اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وارشادات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم، آپؐ کے روحانی فرزند حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کے نمونہ کی باری آتی ہے۔ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات زندگی کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ آپؐ صبح سویرے بیدار ہو کر نماز تہجد اور باجماعت نماز فجر ادا کرنے کے عادی تھے۔ بعد ازاں آپؐ یا تو صبح سیر پر نکل جاتے یا کسی ایسے صحابی کے گھر تشریف لے جاتے جو نمازوں میں باقاعدہ ہونے کے باوجود اُس روز فجر کی نماز پر حاضر نہ ہو سکا ہو یوں تیمارداری بھی ہو جاتی اور سیر بھی۔ آپؐ گھڑ سواری کیا کرتے اور اپنی بیگمات کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کرتے اور ایک روایت میں آتا ہے کہ جنگ بدر میں آپؐ کے لئے جو گھوڑا مخصوص ہوا۔ اس میں دو صحابہ اور بھی ساتھ تھے۔ لکھا ہے کہ آپ اپنی باری آنے پر بھی پیدل چلا کرتے اور ان دونوں صحابہ میں سے کسی ایک کو گھوڑے پر بیٹھ جانے کا ارشاد فرماتے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حوالہ سے معمولات زندگی کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

”انسانی روح اور جسم کا ایسا جوڑ ہے کہ ایک کی خرابی دوسرے پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر میں بھی ہمارے لئے ایک عمدہ مثال قائم کی ہے اور نیکی اور تقویٰ کو صحت کی درستی اور ورزش کا خیال رکھنے کے خلاف نہیں قرار دیا ہے تاریخ بتاتی ہے کہ آپ اکثر شہر سے باہر باغات میں جا کر بیٹھتے تھے۔ گھوڑے کی سواری کرتے تھے اپنے صحابہ کو کھیلوں وغیرہ میں مشغول دیکھ کر بجائے ان پر ناراضگی کا اظہار کرنے کے ان کی ہمت بڑھاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے اپنے احباب کو تیر اندازی کا مقابلہ کرتے دیکھا تو خود بھی اس مقابلہ میں شامل ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ مرد تو مرد رہے آپ عورتوں کو بھی ورزش کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ چنانچہ کئی دفعہ آپ اپنی بیویوں کے ساتھ مقابلہ پر دوڑے اور

اس طرح عملاً عورتوں اور مردوں کو ورزش جسمانی کی تحریک کی۔ ہاں آپ اس امر کا خیال ضرور رکھتے تھے کہ انسان کھیل ہی کی طرف راغب نہ ہو جائے اور اس امر کی تعلیم دیتے تھے کہ ورزش مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہونا چاہئے نہ کہ خود مقصد۔"

(انوار العلوم جلد 10 صفحہ 548)

میرے ساتھیو / میری بہنو! جہاں تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ورزش، چہل قدمی اور پیدل چلنے کا ذکر ہے۔ گو آپؑ بچپن سے خلوت پسند تھے۔ آپ کو اپنے ہم جھولی بچوں کے ساتھ مل کر کھیلنے کودنے کی عادت نہ تھی مگر آپؑ ورزش اور مناسب تفریح میں حصہ لیا کرتے تھے۔ آپ نے بچپن میں تیرنا سیکھا اور کبھی کبھی قادیان کے تالابوں میں تیراکی کر لیا کرتے تھے۔ آپؑ کی زیادہ تر ورزش پیدل چلنا تھی۔ بٹالہ تک پیدل آنا جانا معمول تھا۔ آپ تیز چلا کرتے اور بسا اوقات تانگے کے ساتھ ساتھ اور بعض دفعہ آگے بھی نکل جاتے۔ غلیل کے ساتھ شکار کھیلتے اور آخری عمر میں مُوگریاں پھیرتے بھی آپ کو دیکھا گیا۔ صبح کی سیر میں صحابہؓ آپؑ کے ہمراہ ہوتے اور واپسی پر بہشتی مقبرہ کے باغ میں لگے پھلوں سے لطف اندوز ہوا کرتے۔

مخملیں پھولوں پہ شبنم کی پری سوتی ہے
سو کے اٹھ جاؤ کہ اب صبح کی اذاں ہوتی ہے
صبح کی تازہ ہواؤں میں رَچی ہے خوشبو
باغِ احمد میں ہے طِفلانِ حسیں سے خوشبو
حمد کے گیت ہیں چڑیوں کی زباں پر جاری
پھولوں اور پتوں کی خاموش زباں پر جاری
صبح کے ماتھے سے تاریکی سمٹتی دیکھو!
اک نئی صبح نئی شان سے آتی دیکھو!

سامعین / سامعات! صحت و تندرستی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ جوانی کے عالَم میں روزمرہ زندگی کے جو کام ہم تیز تیز کر لیتے ہیں اور عبادات میں لمبا قیام، رکوع اور سجود بجالاتے ہیں وہ بڑھاپے میں کہاں ادا ہوتے ہیں۔ خصوصاً آج کل کے دَور میں 40 سال کی عمر ہم میں سے کوئی مرد یا خاتون عبور کرتی ہے تو قویٰ مضمحل ہونے لگتے ہیں۔ گھر کے کام کاج میں مشکل پیش آنے کے علاوہ عبادات اور سجود کا حق ادا کرنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ ہماری خواتین میں ورزش کرنے کا رجحان ذرا کم ہے۔ وہ سمجھتیں ہیں کہ ہم جو گھر کے کام کاج کر لیتی ہیں۔ ہانڈی روٹی پکالی، بچوں کو اسکولز سے لے آئیں یہی ہماری روز کی سیر ہے ہر گز ایسا نہیں۔ سیر وہ ہے جس کو قصد کر کے ذہن اور دماغ میں بٹھا کر کی جائے۔ آدھ گھنٹہ سے زیادہ سیر یا ورزش کرنی چاہیئے کیونکہ ماہرین کہتے ہیں کہ پہلے گیارہ سے چودہ منٹ تو خون گرم کرنے کے لئے ہوتے ہیں اور سیر اس کے بعد شروع ہوتی ہے۔ جب خون گرم ہو کر باریک در باریک شریانوں میں سرایت کر جاتا ہے۔ جس سے بلڈ پریشر اور کولیسٹرول وغیرہ متوازی رہتے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ اپنے خطبہ جمعہ 22 جولائی 2016ء میں فرماتے ہیں:

”حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محنت و مشقت کی عادت اور صحت کے قائم رکھنے اور جسم کو چست رکھنے کے لئے کیا آپ کا معمول تھا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ سست ہر گز نہ تھے بلکہ نہایت محنت کش تھے اور خلوت کے دلدادہ ہونے کے باوجود مشقت سے نہ گھبراتے تھے اور بارہا ایسا ہوتا تھا کہ آپ کو جب کسی سفر پر جانا پڑتا تو سواری کا گھوڑا نوکر کے ہاتھ آگے روانہ کر دیتے اور آپ پاپیادہ بیس پچیس میل کا سفر طے کر کے منزل مقصود پر پہنچ جاتے بلکہ اکثر اوقات آپ پیادہ ہی سفر کرتے۔ پیدل سفر کرتے تھے اور سواری پر کم چڑھتے اور یہ عادت پیادہ چلنے کی آپ کو آخر عمر تک تھی اور ستّر سال سے متجاوز عمر میں جبکہ بعض سخت بیماریاں آپ کو لاحق تھیں اکثر روزانہ ہوا خوری کے لئے جاتے اور چار پانچ میل روزانہ پھر آتے اور بعض اوقات سات میل پیدل پھر لیتے تھے“

میرے بھائیو / میری بہنو! ایک فائدہ سیر اور ورزش کا یہ ہے کہ ہم خدمت دین اور خدمت خلق کے حقوق کماحقہ ادا کر سکتے ہیں۔ ضعیف اور نحیف جسم کے ساتھ وقف کے حق بھی ادا نہیں ہو سکتے اور نہ ہی خدمت دین کا۔

میرے بھائیو / میری بہنو! ہم نے اپنی خواتین کی ورزش اور سیر کے حوالہ سے بات کی ہے۔ ہماری خواتین میں ڈپریشن اور ذہنی و جسمانی امراض کا جو غلبہ نظر آتا ہے اس کی ایک بڑی وجہ سیر و ورزش کو مناسب مقدار میں نہ کرنا ہے۔ تحقیقی طور پر یہ مسلمہ اصول ہے کہ سیر ڈپریشن اور Anxiety میں بھی کمی کا موجب ہوتی ہے۔ لہذا ہماری خواتین جہاں اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیگر امور میں اطاعت کرنے میں مَردوں سے بہت آگے ہیں۔ اس میدان میں بھی ہماری خواتین کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر چلتے ہوئے ورزش اور سیر اور چہل قدمی کرنی چاہیے۔ یوں آپ صحت مند بھی رہیں گی اور خوش خرم رہ کر خاوند کے حقوق بھی کماحقہ ادا کر کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے حقوق بھی ادا کر سکیں گی۔ ہم نے دیکھا ہے کہ عورتوں کی خراب صحت کا اثر بچوں پر مَردوں کی خراب صحت سے زیادہ پڑتا ہے اور گھرانہ میں اداسی اداسی دیکھنے کو ملتی ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ احمدی بچوں کو اس حوالہ سے نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ورزش انسان کے کاموں کا حصہ ہے"

شیخ سعدی نے کہا ہے کہ

در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری است
وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیز گار!

بڑھاپے میں تو بھیڑیا بھی پرہیز گار بن جاتا ہے۔ اصل میں تو جوانی کے وقت توبہ اور پرہیز گاری نیکوں کا شیوہ ہے۔

بچپن اور جوانی کی عمر میں ورزش کے دُور رس فوائد دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ادھیڑ عمری اور ضعیف العمری میں انسان ان فوائد سے فائدہ اٹھاتا ہے اور متحرک رہتا ہے۔ کُرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والوں کا بڑھتا ہوا رجحان اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ ہم میں سے بہتوں نے جوانی میں ورزش اور چہل قدمی کی طرف توجہ نہیں کی۔

سامعین / سامعات! ہمارے معاشرہ میں بڑھتا ہوا چڑ چڑا پن، غصہ، لا ابالی، تو تکار اور لڑائی جھگڑا دراصل یہی بتاتا ہے کہ ہم سیر اور چہل قدمی یا ورزش نہیں کرتے۔ ورزش کرنے سے جسم اور روح پر یہ بات بھی اچھے طریق سے اثر انداز ہوتی ہے جب طبیعت ہشاش بشاش رہے گی اور ماحول بھی خوش و خرم اور توانا رہے گا۔

میرے بھائیو / میری بہنو! سیر و تفریح، چہل قدمی اور ورزش کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ تسبیح و تحمید، درود شریف مقررہ تعداد میں پڑھا جاسکتا ہے اور ہمارے بہت سے احمدی دوست و خواتین اس کو ترجیح بھی دیتے ہیں اور میں نے بھی یہ دیکھا ہے کہ ورزش اور تسبیحات میں ایک مخصوص تعداد ورزش کرتے مد نظر رہتی ہے۔ اگر ورزش اور اٹھک بیٹھک کی تعداد کو طاق رکھا جائے جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے کیونکہ وہ خود بھی طاق ہے تو ورزش خدا تعالیٰ سے ملاپ اور تعلق کا ذریعہ بھی بن جاتی ہے۔ ورزشی مقابلہ جات میں دُعا کا پہلو بھی بہت اہم رہتا ہے۔ ہم کوشش کریں اور تیاری بھی بھرپور کریں مگر دعا ضرور کریں۔ ہمارے معاشرہ میں ٹیم کا سر جوڑ کر دعا کرنے کا رواج بھی ٹھیک ہے۔ سیر یا چہل قدمی کے آغاز سے قبل بھی دعا ہو سکتی ہے۔

سامعین / سامعات! گزشتہ دنوں جامعہ احمدیہ برطانیہ کے سالانہ کھیلوں کی اختتامی تقریب پر مکرم عبد الماجد طاہر صاحب ایڈیشنل وکیل التبشیر لندن نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی قبولیت دُعا کے چار واقعات سنا کر ہمیں اس اہم امر کی طرف توجہ دلائی کہ مقابلہ سے قبل دعا کر لینی چاہئے۔ ان میں سے ایک واقعہ سامعین کی نظر ہے۔

1992ء کا کرکٹ ورلڈ کپ ٹورنامنٹ تھا۔ سیمی فائنل میں نیوزی لینڈ کے ساتھ پاکستان کا مقابلہ تھا۔ نیوزی لینڈ نے بہت بڑا اسکور کر لیا تھا۔ لندن میں فجر کا وقت تھا کہ حضورؒ کو میچ کی صورت حال بتائی گئی۔

پاکستان کو چند گیندوں پر اس سے زیادہ رنز کی ضرورت تھی۔ حضورؒ نے فرمایا ابھی ایک چھکا لگے گا تو معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔ حضورؒ ابھی مسجد فضل میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ معین خان نے چھکا لگا دیا اور ساتھ ہی ایک چوکا اور یوں پاکستان میچ جیت گیا۔

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے واقفین زندگی کو ورزش کی طرف توجہ دلواتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا:

”ایکسر سائز نہ کرنے کی وجہ سے موٹاپا ہو جاتا ہے اور پھر دل کی تکلیف ہوتی ہے۔ صحت کے لئے ضروری ہے کہ باقاعدہ ایکسر سائز کی جائے۔ دو چار میل پیدل چل لیا کریں۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی صحت کو بہتر بنانے اور خدمت دین میں بہتر طور پر حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

﴾43﴿ ﴾مشاہدات۔1272﴿

مومنین کا بلند مقام و مرتبہ اور فرائض و ذمّہ داریاں

(حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات کے تناظر میں)

(تقریر نمبر1)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (النور:56-58)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے اُن سے اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اُس نے اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور اُن کے لئے اُن کے دین کو، جو اُس نے اُن کے لئے پسند کیا، ضرور تمکنت عطا کرے گا اور اُن کی خوف کی حالت کے بعد ضرور اُنہیں امن کی حالت میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو اُس کے بعد بھی ناشکری کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو نافرمان ہیں اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ ہر گز گمان نہ کر کہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ (مؤمنوں کو) زمین میں بے بس کرتے پھریں گے جبکہ ان کا ٹھکانا آگ ہے اور بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار

اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب

معزز سامعین! ہم اس سے قبل مؤمنوں کے مقام و مرتبہ اور اُن کی ذمہ داریوں سے از روئے قرآن واحادیث آگاہ ہو چکے ہیں۔ آج مامورِ زمانہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمودات کی روشنی میں مؤمنوں کی ذمہ داریوں اور اُن کے بلند مقام و مرتبہ بیان کریں گے۔ یہ اس سلسلہ کی پہلی تقریر ہو گی۔ مؤمنین کا گروہ انبیاء کی سچائی کا منہ بولتا ثبوت ہیں جن کے ذریعہ لوگوں کو خدا کا حقیقی عرفان اور ایمان کی دولت نصیب ہوتی ہے وہاں انبیاء کی صداقت اِن سے آشکار ہوتی ہے۔ مؤمنین کا گروہ، انبیاء اور خلفاء کے ساتھ مل کر خدا کی طاقتوں اور قدرتوں کی برکات پھیلانے کا موجب بنتے ہیں۔

قرآن کریم اور احادیث میں خدا تعالیٰ کے اولیاء، مقرّبین اور نیک و متّقی لوگوں کی بیشمار علامات بیان کی گئی ہیں۔ سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات میں کامل مؤمنین کی جن علامات کا ذکر ہے اُن کو انسان کی جسمانی اور روحانی پیدائش کے مراحل کے تذکرہ کے بعد آخری مرحلہ کو اللہ تعالیٰ نے خلقِ آخر (دوسری پیدائش) کے نام سے موسوم کیا ہے۔ کسی عام انسان کے کامل مؤمن ہونے اور روحانی ترقیات کے اِن تمام مراحل طے کر لینے کی گواہی کوئی دوسرا نہیں دے سکتا، کیونکہ دِلوں کا حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اور بموجب آیتِ قرآنی فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى (النجم :33) پس اپنے آپ کو (یونہی) پاک نہ ٹھہرایا کرو۔ وہی ہے جو سب سے زیادہ جانتا ہے کہ متّقی کون ہے۔

کسی انسان کو یہ حق بھی نہیں دیا گیا کہ وہ دوسرے کے ایمان واتقاء کا اندازہ لگاتا پھرے۔ تاہم اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور اُنکے خلفاء کا خود انتخاب کر کے اُنکے اوّل المؤمنین اور امام المتقین ہونے کا خود اعلان فرما دیتا ہے۔ چنانچہ وہ روحانی ترقیات کے تمام زینے طے کرتے ہوئے اُس مقامِ روحانی کو پا لیتے ہیں جسے خلقِ آخر (دوسری پیدائش) کے ساتھ موسوم کیا گیا۔

اس پیدائشِ ثانی کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ بیان فرماتے ہیں۔

"یہ نئی پیدائش اُس وقت ہوتی ہے جب پہلے روحانی قالب تمام تیار ہو چکتا ہے اور پھر وہ روح جو محبتِ ذاتیہ الٰہیہ کا ایک شعلہ ہے ایسے مؤمن کے دل پر آپڑتا ہے اور یک دفعہ طاقتِ بالا نشین بشریت سے بلند تر اُس کو لے جاتی ہے اور یہ مرتبہ وہ ہے جس کو روحانی طور پر خَلقِ آخر کہتے ہیں۔ اس مرتبہ پر خدا تعالیٰ اپنی ذاتی محبت کا ایک افروختہ شعلہ جس کو دوسرے لفظوں میں روح کہتے ہیں مؤمن کے دل پر نازل کرتا ہے اور اس سے تمام تاریکیوں اور آلائشوں اور کمزوریوں کو دور کر دیتا ہے اور اس روح کے پھونکنے کے ساتھ ہی وہ حسن جو ادنیٰ مرتبہ پر تھا کمال کو پہنچ جاتا ہے اور ایک روحانی آب و تاب پیدا ہو جاتی ہے اور گندی زندگی کی کبودگی بکلّی دور ہو جاتی ہے اور مؤمن اپنے اندر محسوس کرلیتا ہے کہ ایک نئی روح اُس کے اندر داخل ہوگئی ہے جو پہلے نہیں تھی۔ اُس روح کے ملنے سے ایک عجیب سکینت اور اطمینان مؤمن کو حاصل ہو جاتی ہے اور محبتِ ذاتیہ ایک فوّارہ کی طرح جوش مارتی اور عبودیت کے پودہ کی آبپاشی کرتی ہے اور وہ آگ جو پہلے ایک معمولی گرمی کی حد تک تھی اس درجہ پر وہ تمام و کمال افروختہ ہو جاتی ہے اور انسانی وجود کے تمام خس و خاشاک کو جلا کر الوہیت کا قبضہ اس پر کر دیتی ہے اور وہ آگ تمام اعضاء پر احاطہ کر لیتی ہے۔ تب اُس لوہے کی مانند جو نہایت درجہ آگ میں تپایا جائے یہاں تک کہ سرخ ہو جائے اور آگ کے رنگ پر ہو جائے۔ اس مؤمن سے الوہیت کے آثار اور افعال ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ لوہا بھی اس درجہ پر آگ کے آثار اور افعال ظاہر کرتا ہے مگر یہ نہیں کہ وہ مؤمن خدا ہو گیا ہے بلکہ محبتِ الٰہیہ کا کچھ ایسا ہی خاصّہ ہے جو اپنے رنگ میں ظاہر وجود کو لے آتی ہے اور باطن میں عبودیت اور اس کا ضعف موجود ہوتا ہے۔ اس درجہ پر مؤمن کی روٹی خدا ہوتا ہے جس کے کھانے پر اس کی زندگی موقوف ہے اور مؤمن کا پانی بھی خدا ہوتا ہے جس کے پینے سے وہ موت سے بچ جاتا ہے اور اس کی ٹھنڈی ہوا بھی خدا ہی ہوتا ہے جس سے اس کے دل کو راحت پہنچتی ہے۔ اور اس مقام پر استعارہ کے رنگ میں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ خدا اس مرتبہ کے مؤمن کے اندر داخل ہوتا اور اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کرتا اور اس کے دل کو اپنا تخت گاہ بنالیتا ہے۔ تب وہ اپنی روح سے نہیں بلکہ خدا کی روح سے دیکھتا اور خدا کی روح سے سنتا اور خدا کی روح سے بولتا اور خدا کی روح سے چلتا اور خدا کی روح سے دشمنوں پر حملہ کرتا ہے کیونکہ وہ اس مرتبہ پر نیستی

اور استہلاک کے مقام میں ہوتا ہے اور خدا کی روح اس پر اپنی محبتِ ذاتیہ کے ساتھ تجلّی فرما کر حیاتِ ثانی اس کو بخشتی ہے۔ پس اس وقت روحانی طور پر اس پر یہ آیت صادق آتی ہے۔

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ ترجمہ: پھر ہم نے اسے ایک نئی خِلقت کی صورت میں پروان چڑھایا۔ پس ایک وہی اللہ برکت والا ثابت ہوا جو سب تخلیق کرنے والوں سے بہتر ہے۔"

(ضمیمہ براہینِ احمدیہ حصّہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 215-216)

اِن کامل مؤمنین اور آئمۃ المتقین کے مزید اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔

"جیسا کہ خدائے کریم بے نیاز ہے اس نے اپنے برگزیدوں میں بھی بے نیازی کی صفت رکھ دی ہے۔ سو وہ خدا کی طرح سخت بے نیاز ہوتے ہیں اور جب تک کوئی پوری خاکساری اور اخلاص کے ساتھ اُن کے رحم کے لئے ایک تحریک پیدا نہ کرے وہ قوّت اُن کی جوش نہیں مارتی اور عجیب تر یہ کہ وہ لوگ تمام دنیا سے زیادہ تر رحم کی قوّت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ مگر اُس کی تحریک اُن کے اختیار میں نہیں ہوتی گو وہ بارہا چاہتے بھی ہیں کہ وہ قوّت ظہور میں آوے مگر بجز ارادۂ الٰہیہ کے ظاہر نہیں ہوتی۔ بالخصوص وہ منکروں اور منافقوں اور سُست اعتقاد لوگوں کی کچھ بھی پروا نہیں رکھتے اور ایک مرے ہوئے کیڑے کی طرح اُن کو سمجھتے ہیں اور وہ بے نیازی ان کی ایک ایسی شان رکھتی ہے جیسا کہ ایک معشوق نہایت خوبصورت برقع میں اپنا چہرہ چھپائے رکھے اور اِسی بے نیازی کا ایک شعبہ یہ ہے کہ جب کوئی شریر انسان اُن پر بدظنی کرے تو بسا اوقات بے نیازی کے جوش سے اُس بدظنی کو اور بھی بڑھا دیتے ہیں۔ کیونکہ تخلّق باخلاق اللہ رکھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۔ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا (البقرہ: 11) یعنی ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ پس اللہ نے ان کو بیماری میں بڑھا دیا۔

جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ کوئی معجزہ اُن سے ظاہر ہو تو اُن کے دلوں میں ایک جوش پیدا کر دیتا ہے اور ایک امر کے حصول کے لئے سخت کرب اور قلق اُن کے دلوں میں پیدا ہو جاتا ہے تب وہ بے نیازی کا برقع اپنے مُنہ پر سے اُتار لیتے ہیں اور وہ حُسن اُن کا جو بجز خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں دیکھتا وہ آسمان کے فرشتوں پر اور ذرّہ ذرّہ پر نمودار ہو جاتا ہے اور اُن کا مُنہ پر سے برقع اٹھانا یہ ہے کہ وہ اپنے کامل صدق اور صفا کے ساتھ اور اِس رُوحانی حُسن کے ساتھ جس کی وجہ سے وہ خدا کے محبوب ہو گئے ہیں اس خدا کی طرف ایک ایسا

خارق عادت رجوع کرتے ہیں اور ایک ایسے اقبال علی اللہ کی اُن میں حالت پیدا ہو جاتی ہے جو خدا تعالیٰ کی فوق العادت رحمت کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور ساتھ ہی ذرّہ ذرّہ اس عالم کا کھنچا چلا آتا ہے اور اُن کی عاشقانہ حرارت کی گرمی آسمان پر جمع ہوتی اور بادلوں کی طرح فرشتوں کو بھی اپنا چہرہ دکھا دیتی ہے اور اُن کی دردیں جو رعد کی خاصیت اپنے اندر رکھتی ہیں ایک سخت شور ملاءِ اعلیٰ میں ڈال دیتی ہیں تب خدا تعالیٰ کی قدرت سے وہ بادل پیدا ہو جاتے ہیں جن سے رحمتِ الٰہی کا وہ مینہ برستا ہے جس کی وہ خواہش کرتے ہیں۔ اُن کی روحانیت جب اپنے پورے سوز و گداز کے ساتھ کسی عقدہ کشائی کے لئے توجہ کرتی ہے تو وہ خدا تعالیٰ کی توجہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ کیونکہ وہ لوگ بباعث اس کے جو خدا سے ذاتی محبت رکھتے ہیں محبوبانِ الٰہی میں داخل ہوتے ہیں۔ تب ہر ایک چیز جو خدا تعالیٰ کے زیرِ حکم ہے۔ اُن کی مدد کے لئے جوش مارتی ہے اور رحمتِ الٰہی محض اُن کی مراد پوری کرنے کے لئے ایک خَلقِ جدید کے لئے تیار ہو جاتی ہے اور وہ امور ظاہر ہوتے ہیں جو اہل دنیا کی نظر میں غیر ممکن معلوم ہوتے ہیں اور جن سے سفلی علوم محض نا آشنا ہیں۔ ایسے لوگوں کو خدا تو نہیں کہہ سکتے مگر قرب اور علاقہ محبت اُن کا کچھ ایسا صدق اور صفا کے ساتھ خدا تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے گویا خدا اُن میں اُتر آتا ہے اور آدم کی طرح خدائی رُوح اُن میں پُھونکی جاتی ہے مگر یہ نہیں کہ وہ خدا ہیں لیکن درمیان میں کچھ ایسا تعلق ہے جیسا کہ لوہے کو جب کہ سخت طور پر آگ سے افروختہ ہو جائے اور آگ کا رنگ اُس میں پیدا ہو جائے آگ سے تعلق ہوتا ہے۔ اس صورت میں تمام چیزیں جو خدا تعالیٰ کے زیرِ حکم ہیں اُن کے زیر حکم ہو جاتی ہیں اور آسمان کے ستارے اور سورج اور چاند سے لے کر زمین کے سمندروں اور ہوا اور آگ تک اُن کی آواز کو سُنتے اور ان کو شناخت کرتے اور اُن کی خدمت میں لگے رہتے ہیں اور ہر ایک چیز طبعاً اُن سے پیار کرتی ہے اور عاشقِ صادق کی طرح اُن کی طرف کھنچی جاتی ہے۔ بجز شریر انسانوں کے جو شیطان کا اَوتار ہیں۔ عشق مجازی تو ایک منحوس عشق ہے کہ ایک طرف پیدا ہوتا اور ایک طرف مر جاتا ہے اور نیز اس کی بنا اُس حُسن پر ہے جو قابلِ زوال ہے۔ اور نیز اُس حُسن کے اثر کے نیچے آنے والے بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ مگر یہ کیا حیرت انگیز نظارہ ہے کہ وہ حسن روحانی جو حُسن معاملہ اور صدق وصفا اور محبتِ الٰہیہ کی تجلّی کے بعد انسان میں پیدا ہوتا ہے اس میں ایک عالمگیر کشش پائی جاتی ہے وہ مستعد دلوں کو اس طرح اپنی طرف کھینچ لیتا ہے کہ جیسے شہد چیونٹیوں کو۔ اور نہ صرف انسان

بلکہ عالَم کا ذرّہ ذرّہ اس کی کشش سے متاثر ہوتا ہے۔ صادق المحبت انسان جو سچی محبت خدا تعالیٰ سے رکھتا ہے وہ، وہ یوسف ہے جس کے لئے ذرّہ ذرّہ اس عالَم کا زلیخا صفت ہے اور ابھی حسن اُس کا اس عالَم میں ظاہر نہیں کیونکہ یہ عالَم اس کی برداشت نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ اپنی پاک کتاب میں جو فرقان مجید ہے فرماتا ہے کہ مؤمنوں کا نور اُن کے چہروں پر دوڑتا ہے اور مؤمن اس حُسن سے شناخت کیا جاتا ہے جس کا نام دوسرے لفظوں میں نور ہے اور مجھے ایک دفعہ عالمِ کشف میں پنجابی زبان میں اِسی علامت کے بارہ میں یہ موزوں فقرہ سُنایا گیا۔ ”عِشق الٰہی وَسّے مُنہ پر ولیاں ایہہ نشانی“ مؤمن کا نور جس کا قرآن شریف میں ذکر کیا گیا ہے وہ وہی روحانی حُسن ہے جو مؤمن کو وجودِ رُوحانی کے مرتبہ ششم پر کامل طور پر عطا کیا جاتا ہے۔ جسمانی حُسن کا ایک شخص یا دو شخص خریدار ہوتے ہیں مگر یہ عجیب حُسن ہے جس کے خریدار کروڑہا رُوحیں ہو جاتی ہیں۔“

(ضمیمہ براہینِ احمدیہ حصّہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 221-224)

آپ پھر فرماتے ہیں:

”وہ لوگ بہت تعریف کے قابل ہیں جو کسی راستباز کو چہرہ دیکھ کر شناخت کر لیتے ہیں۔ ایمان لانے والے تین قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو چہرہ دیکھ کر ایمان لاتے ہیں دوسرے وہ جو نشان دیکھ کر ایمان لاتے ہیں۔ تیسرا ایک ارذل گروہ کہ جب ہر طرح سے گلبہ حاصل ہو جاتا ہے اور کوئی وجہ ایمان بالغیب کی باقی نہیں رہتی تو اُس وقت ایمان لاتے ہیں جیسے فرعون کہ جب غرق ہونے لگا تو اُس وقت اِقرار کیا۔“

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 217۔218)

سامعین! یہاں یہ دلچسپ امر بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات کی نہایت لطیف تشریح بیان کرتے ہوئے جس نور کا ذکر فرما رہے، اِسی نور کی مزید تفصیلات اللہ تعالیٰ نے اِس سے اگلی سورۃ میں مزید کھول کر بیان فرمادیں اور اِس سورۃ کا نام بھی سورۃ النور رکھا۔ جہاں اِس سورۃ کے آغاز میں اِس نور کے بجھانے والوں اور اُس پر پردے ڈالنے والوں کے احوال کا تذکرہ ہے وہاں آیتِ استخلاف کے ذریعہ اِس الٰہی نور کے انبیاء کے بعد نظامِ خلافت کے ذریعہ جاری و ساری رہنے کی بھی بشارت عطا فرمادی۔

چنانچہ اِس الٰہی نور کے وارث اور خدا کے اِن مقرّبین کی مزید علامات کا تذکرہ آپؑ نے اپنی کتاب تذکرۃ الشہادتین کے عربی حصّہ ”علامات المقرّبین ‘‘میں نہایت فصیح وبلیغ عربی زبان میں تحریر فرمایا ہے۔ اِن میں سے چند ایک علامات اردو ترجمہ کے ساتھ پیش ہیں۔

”اے لوگو! اکٹھے ہو جاؤ، میں تمہارے لئے مقرّبین کی علامات بیان کروں گا۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ جن کی روح کی شادابی کی حفاظت اللہ نے فرمائی ہے وہ خشک اور کم عقل شخص کی مانند نہیں ہوتے۔ تو انہیں خوش شکل، خوبرو اور بھرپور جوان کی طرح پائے گا اور اس شخص کی طرح نہیں پائے گا جو دِق کے مریض کی طرح لاغر ہو گیا ہو۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے سینے کھول دیئے گئے اور ان کی کمریں مضبوط کی گئیں اور ان کے نور کو تابانی عطا کر دی گئی۔ انہوں نے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیا۔ وہ اللہ کی راہ میں کسی بھی تکلیف کی پرواہ نہیں کرتے خواہ ان کی رگِ جان ہی کاٹ دی جائے۔ وہ صرف رب العالمین کی خاطر موت سے بچتے ہیں۔ خلق کے دودھ سے پرورش پاتی ہے اور دل ان کے فیض سے مضبوط کر دیئے جاتے ہیں۔“

(تذکرۃ الشہادتین مع علامات المقربین، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 50)

پھر آگے چل کر فرماتے ہیں۔

”وہ پیچھے نہیں ہٹتے بلکہ وہ ہر دم آگے ہی آگے بڑھتے ہیں اور **اللہ اُن کے نور میں مزید نور کا اتنا اضافہ فرماتا** ہے کہ وہ پہچانے نہیں جاتے۔ جاہل انہیں ایسے انسان تصوّر کرتا ہے جو آلائشوں سے آلودہ ہیں حالانکہ وہ اپنے نفسوں سے دور کئے گئے ہیں۔ جب انہیں کسی شیطانی چکر کا ذرا بھی احساس ہو تو وہ عاجزی کرتے ہوئے اپنا رخ اللہ کی جانب کر لیتے ہیں اور اس (اللہ) کی پناہ کی طرف دوڑتے ہیں تو ناگہاں وہ صاحب بصیرت ہو جاتے ہیں۔

وہ سست ہونے کی حالت میں دعا کے لیے کھڑے نہیں ہوتے بلکہ قریب ہے کہ وہ دعا کرتے کرتے ہی جان دے دیں اور ان کے اس تقویٰ کی وجہ سے ان کی (دعا) سنی جاتی ہے اور وہ مدد یافتہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح دعا کے وقت انہیں ضُعف کے بعد قوّت دی جاتی ہے اور ان پر سکینت نازل ہوتی ہے اور فرشتے انہیں تقویت دیتے ہیں پس وہ ہر خطا سے مصئون و محفوظ ہو جاتے ہیں اور اللہ کی جانب صعود کرتے ہیں اور اس

کی رضا میں گم ہو جاتے ہیں۔ پس اللہ کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا اور وہ لوگوں کی نگاہ سے چھپا لیے جاتے ہیں۔ یہ ایک مخفی قوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے معاملے میں ہلاک ہونے والے ہلاک ہو گئے۔

اس دنیا کے اندھے انہیں دیکھ کر ان سے استہزاء کرتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) کیا اس کو اللہ نے مبعوث کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ وہ (استہزاء کرنے والے) اندھے ہیں۔ ان (مقرّبانِ الٰہی) کی کچھ علامات ہوتی ہیں۔ جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں مگر انہیں صاحب فراست اور پاک لوگ ہی پہچانتے ہیں۔

اور ان کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ دنیا سے دور رکھے جاتے ہیں اور انہیں دنیاوی امور کی سماعت سے محروم کر دیا جاتا ہے کہ ان کے دلوں میں دنیا ذرہ برابر بھی نہیں رہتی۔ وہ بکثرت برسنے والے بادل کی طرح ہوتے ہیں اور اللہ کی خاطر بے دریغ خرچ کرتے ہیں اور انہیں ہر آن نور کا غسل دیا جاتا ہے۔

اور ان کی ایک علامت یہ ہے کہ اللہ ان کے قلوب میں ایسی کشش ودیعت فرما دیتا ہے کہ مخلوق ان کی جانب کھینچی چلی آتی ہے۔ ان کی حالت اس جوش مارتے چشمے کی طرح ہوتی ہے جس کا پانی ٹھنڈا ہو۔ پس مخلوق ان کی طرف بھاگتی چلی آتی ہے۔"

(تذکرۃ الشہادتین مع علامات المقربین، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 54)

"ان کی ایک علامت یہ ہے کہ جو لوگ ازراہِ اخلاص ان کے حلقہ بیعت میں آتے ہیں وہ ان کی پرورش اس طرح کرتے ہیں جس طرح چوزوں کی پرورش کی جاتی ہے اور وہ انہیں شیطانی پھندوں سے رہا کرتے ہیں اور ان کی خاطر تاریک راتوں میں اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے اور سجدے کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ان پر رحمت کی بارش ہوتی ہے اور ان پر رحم کیا جاتا ہے۔"

(تذکرۃ الشہادتین مع علامات المقربین، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 57)

پھر فرماتے ہیں۔

"ان کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ نہ تو چیں بجبیں ہوتے ہیں نہ ہی بدمزاجی سے پیش آتے ہیں اور نہ ہی لوگوں سے بے رُخی کرتے ہیں اور وہ ہدایت کی چراگاہ میں ہر جگہ چرتے ہیں اور وہ ایسی زمین کی مانند نہیں ہوتے جس میں کسی جگہ روئیدگی ہو اور کہیں نہ ہو۔ وہ شدائد کا سامنا ہونے پر پیٹھ نہیں پھیرتے خواہ انہیں تاریکیوں میں چلنا پڑے۔ وہ بھاگتے نہیں خواہ انہیں قتل ہی کر دیا جائے۔ ان کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ

ناحق کسی کی عزت و آبرو کو آلودہ نہیں کرتے اور وہ اپنی زبان کو نیام میں رکھتے ہیں اور سونتتے نہیں۔ وہ باطل امور میں نہیں پڑتے اور انہیں کتنا ہی بھڑکایا جائے پھر بھی ان کی آتش غضب ٹھنڈی ہی رہتی ہے اور جب کوئی تکلیف دہ بات انہیں پہنچے تو وہ خمیرے آٹے کی مانند غصّہ سے نہیں پھولتے۔ وہ استقامت کو نہیں چھوڑتے نہیں بلکہ وہ اس پر ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔

تو انہیں بے غیرت کی طرح نہیں پائے گا بلکہ وہ ایک غیوّر قوم ہیں۔ وہ اللہ کے اخلاق کی نقل کرتے ہیں اور وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی بھی نقل کرتے ہیں جیسے تم ایک تحریر سے دوسری تحریر نقل کرتے ہو اور وہ اسی طرح ہی کرتے ہیں۔"

(تذکرۃ الشہادتین مع علامات المقربین، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 58)

"ان کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ بلاؤں کے نزول کے وقت ان کی صحبت زمین پر بسنے والوں کے لئے آسمان سے حفاظت کا سامان ہوتا ہے اور اس سنگدلی کی دوا بن جاتی ہے جو دنیا کی تمناؤں اور خواہشات کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے اور جس طرح پانی کے قلّت استعمال سے بدن پر میل چڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ کی صحبت کی قلّت دلوں کو میلا کر دیتی ہے اور جاننے والے اس بات کو خوب جانتے ہیں۔

ان کی علامات میں سے ایک یہ ہے کہ ان کی صحبت دلوں کو زندگی بخشتی، گناہوں کو کم کرتی اور ناتواں تھکے ماندوں کو قوّت دیتی ہے۔ ان کی صحبت سے لوگ اپنی راہ پر ثابت قدم ہو جاتے ہیں اور وہ تفرقہ میں نہیں پڑتے۔"

(تذکرۃ الشہادتین مع علامات المقربین، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 60)

پھر فرمایا۔

"ان کی ایک علامت یہ ہے کہ وہ لغو اور فضول بات نہیں کرتے۔ تمسخر سے پرہیز کرتے ہیں اور ٹھٹھا نہیں کرتے وہ افسردہ زندگی گزارتے ہیں اور اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کے منہ سے نکلی ہوئی کوئی بات اور ان کا کوئی فعل ان کے (نیک) اعمال کو ضائع نہ کر دے۔ ان کی گفتار صرف مضبوط (بنیاد) پر استوار ہوتی ہے اور وہ لایعنی گفتگو نہیں کرتے۔ ان کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ تو انہیں دیکھتا ہے کہ اللہ انہیں ضُعف کے بعد قوّت اور افلاس کے بعد تونگری بخشتا ہے اور وہ لوگ بے یارومددگار نہیں چھوڑے

جاتے۔ ان کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کے ہاتھوں سے ہر قسم کی تکلیف اور کجروی پاتے ہیں اور ہر طرف سے انہیں مایوسی نظر آتی ہے پھر اللہ تعالیٰ انہیں تھام لیتا ہے اور وہ بچائے جاتے ہیں۔ جب ان پر کوئی آفت نازل ہوتی ہے تو اللہ کی جناب سے انہیں ایسا صبر عطا کیا جاتا ہے جو فرشتوں کو حیران کر دیتا ہے۔ پھر فضل نازل ہوتا ہے تو وہ (آفات سے) نجات دیئے جاتے ہیں۔"

(روحانی خزائن جلد 20۔(اُردو ترجمہ) تذکرۃ الشہادتین مع علامات المقربین صفحہ 62)

"ان کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ ان کی گردنیں ہر بار امانت اٹھانے والے شخص سے زیادہ اللہ کی امانتوں کا بارِ گراں اٹھائے ہوئے ہیں اور ان کی گردنیں اس بوجھ سے خم نہیں کھاتیں بلکہ وہ (بارِ امانت) انہیں ایک خوبصورت لمبی گردن والی عورت کی طرح حسین کر دیتا ہے اور اس سے حسن استقامت جھلکتا ہے جو ایک کرامت ہی دکھائی دیتی ہے اور وہ اللہ کے حضور اور لوگوں میں بھی عزت دیئے جاتے ہیں۔"

(تذکرۃ الشہادتین مع علامات المقربین، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 66)

"پس یہ اللہ کا اپنی خَلق پر عظیم فضل ہے کہ یہ (مقربین اور مؤمنین) مبعوث کئے جاتے ہیں اور یقیناً سب لوگ سنگلاخ زمین کی طرح ہیں اور یہ ان کی اصلاح کرتے ہیں اور جس نے انہیں کھو دیا وہ یتیم کی طرح ہے اور جس نے فطرت صحیحہ کو کھو دیا وہ ایسے بچے کی طرح ہے جس کی ماں نہ ہو اور جس نے ان دونوں کو کھو دیا وہ ایسے شخص کی طرح ہے جس کے ماں باپ (دونوں) مر گئے ہوں اور وہ بدبختوں میں ہے۔ پس مبارک ہو انہیں جنہیں سب سعادتیں دی جائیں اور وہ (ان کو) جمع کر لیتے ہیں۔"

(تذکرۃ الشہادتین مع علامات المقربین، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 68)

مؤمنین کی ایک علامت آپ علیہ السلام نے یوں بیان فرمائی۔

"ان کی ایک علامت یہ ہے کہ اللہ ان کے گھروں، کپڑوں، پگڑیوں، قمیصوں، چادروں، ہونٹوں، ہاتھوں اور پیٹھوں میں اور اسی طرح ان کے جملہ اعضاء بدنی میں، ان کے بچے کھچے ٹکڑوں اور اس پانی میں جو ان کے پینے کے بعد بچ جاتا ہے برکت رکھ دیتا ہے اور اُن کی کمزوری کے وقت اور اُس وقت جب وہ گرے پڑے ہوں وہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ اُن کی دعائیں قبول کرتا ہے۔"

(تذکرۃ الشہادتین مع علامات المقربین، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 70)

"وہ اپنے تئیں ایسا بنا لیتے ہیں جیسے شاخ دار درخت ہو کہ ہر طرف سے آنے والا بھوکا شخص ان کے پھل کھاتا ہے۔ کیا ہی اچھے مہمان اور کیا ہی اچھے میزبان ہیں۔ یہ لوگ حسن تام کے مالک ہیں اور بدی کو نیکی سے دور کرتے ہیں اور مخلوق کی خدمت کرتے ہیں اور جو انہیں ایذاء پہنچائے وہ اسے ایذاء نہیں پہنچاتے اور معذرت خواہ کی معذرت قبول کرتے ہیں اور جب کمینہ دشمنوں کی طرف سے ان پر سختیاں کی جائیں تو اس کے جواب میں وہ ان پر احسان کرتے ہیں اور وہ گالی کے جواب میں گالی دینے سے اجتناب کرتے ہیں اور اس کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ اور وہ اپنے دشمنوں کے لیے اللہ کی طرف سے خیر، سلامتی، صحت وعافیت اور ہدایت کی دعا کرتے ہیں اور وہ اپنے سینوں میں کسی کے لیے بھی ذرہ برابر کینہ نہیں رکھتے اور وہ ان کے لئے بھی دعا کرتے ہیں جو ان پر گندے الزام لگاتے اور حقیر جانتے ہیں اور عاصی تک کو اپنی جماعت میں پناہ دیتے ہیں۔ پس اللہ ان پر ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اسے مقدم کرتے ہیں اور اس کے بندوں پر رحم کرتے ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ اخلاص رکھتے ہیں۔ حقیقتاً یہی لوگ ابدال اور اولیاء اللہ ہیں اور یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

ان کی تشریف آوری سے زمین کو برکت دی جاتی ہے اور لوگوں کو ان کے غموں سے نجات دی جاتی ہے۔ پس مبارک ہو ان لوگوں کو جو ان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اے میرے رب! تو مجھے ان میں شامل فرما اور میرا ہو اور میرے ساتھ ہو جا اس دن تک کہ جب لوگ اٹھائے جائیں اور پیش کیے جائیں۔ اے میرے رب! ان لوگوں پر جو میری دشمنی کر رہے ہیں گرفت نہ فرما کیونکہ وہ مجھے نہیں پہچانتے اور نہ انہیں بصیرت حاصل ہے۔ پس اے میرے رب! اپنی جناب سے ان پر رحم کر اور انہیں ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل فرما۔"

(تذکرۃ الشہادتین مع علامات المقربین، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 89-90)

سامعین! دوسری طرف اِن مؤمنوں، متّقیوں اور اللہ والے برگزیدہ لوگوں کے مقابل پر اِس نور کے بجھانے کے درپے ہونے والوں کے عبرتناک انجام کا ذکر حضرت مسیح موعودؑ اِن الفاظ میں فرماتے ہیں۔

"اب یہ بھی یاد رہے کہ بندہ تو حُسنِ معاملہ دکھلا کر اپنے صدق سے بھری ہوئی محبت ظاہر کرتا ہے مگر خدا تعالیٰ اس کے مقابلہ پر حد ہی کر دیتا ہے اس کی تیز رفتار کے مقابل پر برق کی طرح اس کی طرف دوڑتا

چلا آتا ہے اور زمین و آسمان سے اس کے لئے نشان ظاہر کرتا ہے اور اس کے دوستوں کا دوست اور اس کے دشمنوں کا دشمن بن جاتا ہے اور اگر پچاس کروڑ انسان بھی اُس کی مخالفت پر کھڑا ہو تو ان کو ایسا ذلیل اور بے دست و پا کر دیتا ہے جیسا کہ ایک مرا ہوا کیڑا۔ اور محض ایک شخص کی خاطر کے لئے ایک دنیا کو ہلاک کر دیتا ہے اور اپنی زمین و آسمان کو اس کے خادم بنا دیتا ہے اور اس کے کلام میں برکت ڈال دیتا ہے اور اس کے تمام در و دیوار پر نور کی بارش کرتا ہے اور اُس کی پوشاک اور اُس کی خوراک میں اور اس مٹی میں بھی جس پر اس کا قدم پڑتا ہے ایک برکت رکھ دیتا ہے اور اس کو نامراد ہلاک نہیں کرتا۔ اور ہر ایک اعتراض جو اس پر ہو اُس کا آپ جواب دیتا ہے۔ وہ اُس کی آنکھیں ہو جاتا ہے جن سے وہ دیکھتا ہے اور اُس کے کان ہو جاتا ہے جن سے وہ سنتا ہے اور اُس کی زبان ہو جاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے اور اُس کے پاؤں ہو جاتا ہے جن سے وہ چلتا ہے اور اُس کے ہاتھ ہو جاتا ہے جن سے وہ دشمنوں پر حملہ کرتا ہے۔ وہ اُس کے دشمنوں کے مقابل پر آپ نکلتا ہے اور شریروں پر جو اُس کو دُکھ دیتے ہیں آپ تلوار کھینچتا ہے۔ ہر میدان میں اس کو فتح دیتا ہے اور اپنی قضاء و قدر کے پوشیدہ راز اس کو بتلاتا ہے۔ غرض پہلا خریدار اس کے رُوحانی حُسن وجمال کا جو حُسنِ معاملہ اور محبتِ ذاتیہ کے بعد پیدا ہوتا ہے خدا ہی ہے۔ پس کیا ہی بد قسمت وہ لوگ ہیں جو ایسا زمانہ پاویں اور ایسا سورج اُن پر طلوع کرے اور وہ تاریکی میں بیٹھے رہیں۔"

(ضمیمہ براہینِ احمدیہ حصّہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 224)

پھر اِس نئی پیدائش کے نتیجہ میں انبیاء اور خلفاء کے وجودوں کو جو ایک نیا روحانی حُسن عطا کیا جاتا ہے اِس کا نقشہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ اِس دلنشیں انداز میں کھینچتے ہیں۔

"یہ وہ حُسن ہے جو اپنی قوی کششوں کے ساتھ حُسنِ بشرہ سے بہت بڑھ کر ہے۔ کیونکہ حُسنِ بشرہ صرف ایک یا دو شخص کے فانی عشق کا موجب ہو گا جو جلد زوال پذیر ہو جائے گا اور اس کی کشش نہایت کمزور ہو گی۔ لیکن وہ روحانی حُسن جس کو حُسنِ معاملہ سے موسوم کیا گیا ہے وہ اپنی کششوں میں ایسا سخت اور زبردست ہے کہ ایک دنیا کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور زمین و آسمان کا ذرّہ ذرّہ اس کی طرف کھنچا جاتا ہے اور قبولیت دُعا کی بھی در حقیقت فلاسفی یہی ہے کہ جب ایسا رُوحانی حُسن والا انسان جس میں محبتِ الٰہیہ کی رُوح داخل ہو جاتی ہے جب کسی غیر ممکن اور نہایت مشکل امر کے لئے دُعا کرتا ہے اور اُس دُعا پر پورا پورا

زور دیتا ہے تو چونکہ وہ اپنی ذات میں حُسنِ رُوحانی رکھتا ہے اس لئے خدا تعالیٰ کے امر اور اذن سے اس عالَم کا ذرّہ ذرّہ اس کی طرف کھینچا جاتا ہے۔ پس ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں جو اس کی کامیابی کے لئے کافی ہوں۔ تجربہ اور خدا تعالیٰ کی پاک کتاب سے ثابت ہے کہ دنیا کے ہر ایک ذرّہ کو طبعاً ایسے شخص کے ساتھ ایک عشق ہوتا ہے اور اُس کی دُعائیں اُن تمام ذرّات کو ایسا اپنی طرف کھینچتی ہیں جیسا کہ آہن رُبا لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ پس غیر معمولی باتیں جن کا ذکر کسی علمِ طبعی اور فلسفہ میں نہیں اس کشش کے باعث ظاہر ہو جاتی ہیں اور وہ کشش طبعی ہوتی ہے۔ جب سے کہ صانع مطلق نے عالمِ اجسام کو ذرّات سے ترکیب دی ہے ہر ایک ذرّے میں وہ کشش رکھی ہے اور ہر ایک ذرّہ رُوحانی حُسن کا عاشق صادق ہے اور ایسا ہی ہر ایک سعید رُوح بھی۔ کیونکہ وہ حُسن تجلّی گاہِ حق ہے۔ وہی حُسن تھا جس کے لئے فرمایا گیا۔ اُسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ (البقرہ :35)۔ ترجمہ: آدم کی خاطر سجدہ کرو تو وہ سب سجدہ ریز ہو گئے سوائے ابلیس کے اور اب بھی بہتیرے ابلیس ہیں جو اِس حُسن کو شناخت نہیں کرتے مگر وہ حسن بڑے بڑے کام دکھلاتا رہا ہے۔

نوح میں وہی حُسن تھا جس کی پاس خاطر حضرت عزت جلّ شانہٗ کو منظور ہوئی اور تمام منکروں کو پانی کے عذاب سے ہلاک کیا گیا۔ پھر اس کے بعد موسیٰ بھی وہی حُسن رُوحانی لے کر آیا جس نے چند روز تکلیفیں اٹھا کر آخر فرعون کا بیڑا اغرق کیا۔ پھر سب کے بعد سیّد الانبیاء و خیر الوریٰ مولانا و سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم الشان روحانی حُسن لے کر آئے جس کی تعریف میں یہی آیت کریمہ کافی ہے۔

دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی (النجم:9۔10) یعنی وہ نبی جنابِ الٰہی سے بہت نزدیک چلا گیا اور پھر مخلوق کی طرف جُھکا اور اس طرح پر دونوں حقوں کو جو حق اللہ اور حق العباد ہے ادا کر دیا اور دونوں قسم کا حُسن رُوحانی ظاہر کیا اور دونوں قوسوں میں وتر کی طرح ہو گیا۔"

(ضمیمہ براہینِ احمدیہ حصّہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 219-221)

ہمارے سیّد و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں نہ صرف اِس حسن کی کامل تجلّی ہوئی بلکہ آپ کے بعثت کے بعد یہ نور صرف اور صرف آپ کی اُمت کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کی وفات کے بعد خلفاء راشدین اِس نور کی تجلّی گاہ بنے اور پھر مجددین کے سلسلہ کے ذریعہ وقتاً فوقتاً یہ نور اُمت کے لئے تاریکی میں روشنی کے مینار کا کام کرتا رہا۔ بالآخر اسلام کی چودھویں صدی میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے ذریعہ بدرِ کامل کی مانند اِس نور کی ضیاپاشی سے سارا عالم منور ہو گیا۔

مَیں وہ پانی ہوں کہ آیا آسماں سے وقت پر
مَیں وہ ہوں نورِ خدا جس سے ہوا دن آشکار

تاہم آپ نے بار بار یہ امر بھی کھول کھول کر بیان کیا کہ اِس نور کا حقیقی سرچشمہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سارے زمانوں کیلئے سِراجاً مُنیراً بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ اپنے منظوم کلام میں فرماتے ہیں۔

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُور سارا
نام اُس کا ہے محمدؐ دلبر مِرا یہی ہے
اُس نُور پر فدا ہوں اُس کا ہی مَیں ہوا ہوں
وہ ہے مَیں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

پھر حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد آپ کی بشارتوں کے مطابق خلافت کے مبارک سلسلہ کے ذریعہ انسانیت کو ایک بار پھر ضلالت اور گمراہی کے اندھیروں سے بچنے کیلئے اِس نور کا سہارا مل گیا۔

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے جہاں اِس روحانی نور کو پانے کے لئے سلوک کی باریک راہوں کا نہایت لطیف پیرایہ میں تذکرہ فرمایا وہاں اِس مقام کو پالینے والوں کی علامات کی بھی تفصیل بیان فرمائی۔ چنانچہ خلفاء کے وجود میں اِن علامات کا پایا جانا نہ صرف اُن کے اعلیٰ روحانی مقام پر فائز ہونے کی گواہی دیتا ہے بلکہ اِس امر کی دلالت بھی کرتا ہے کہ وہ واقعتاً خدا کے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں۔ ورنہ انسان کسی خاص کام کے لئے دوسرے انسان کا انتخاب تو کر سکتا ہے مگر اُس میں وہ صفات تو پیدا نہیں کر سکتا جن کے ذریعہ وہ اپنے فرائض کو بخوبی سر انجام دے سکے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" مَیں جب اپنے آپ کو دیکھتا ہوں، اپنی نااہلی اور کم مائیگی کو دیکھتا ہوں اور میرے سے زیادہ را خدا مجھے جانتا ہے کہ میرے اندر کیا ہے تو اس وقت ہر لمحے اللہ تعالیٰ کی قدرت یاد آجاتی ہے۔...لوگوں کے دلوں میں محبت اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ کوئی انسان محبت پیدا نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامالکر کے دکھادے۔ تو مخالفوں کی خوشیوں کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح پامال کیا۔ اب بھی بعض مخالفین شور مچاتے ہیں، منافقین بھی بعض باتیں کر جاتے ہیں۔ وہ چاہے جتنا مرضی شور مچالیں، جتنا مرضی زور لگالیں، خلافت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے اور جب تک اللہ چاہے گا یہ رہے گی اور جب چاہے گا مجھے اٹھالے گا اور کوئی نیا خلیفہ آجائے گا۔ لیکن حضرت خلیفہ اوّل کے الفاظ میں مَیں کہتا ہوں کسی انسان کے بس کی بات نہیں کہ وہ ہٹا سکے یا فتنہ پیدا کر سکے۔ جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت مضبوط ہے اور ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہے۔...یاد رکھیں وہ سچے وعدوں والا خدا ہے۔ وہ آج بھی اپنے پیارے مسیح کی اس پیاری جماعت پر ہاتھ رکھے ہوئے ہے۔ وہ ہمیں کبھی نہیں چھوڑے گا اور کبھی نہیں چھوڑے گا اور کبھی نہیں چھوڑے گا۔ وہ آج بھی اپنے مسیح سے کئے ہوئے وعدوں کو اسی طرح پورا کر رہا ہے جس طرح وہ پہلی خلافتوں میں کرتا رہا ہے۔ وہ آج بھی اسی طرح اپنی رحمتوں اور فضلوں سے نواز رہا ہے جس طرح پہلے وہ نوازتا رہا ہے اور ان شاء اللہ نوازتا رہے گا۔ پس ضرورت ہے تو اس بات کی کہ کہیں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل نہ کر کے خود ٹھوکر نہ کھا جائے۔ اپنی عاقبت خراب نہ کر لے۔ پس دعائیں کرتے ہوئے اور اس کی طرف جھکتے ہوئے اور اس کا فضل مانگتے ہوئے ہمیشہ اس کے آستانہ پر پڑے پڑے رہیں اور اس مضبوط کڑے کو ہاتھ ڈالے رکھیں تو پھر کوئی بھی آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔"

(خطبات مسرور جلد 2 صفحہ 353-354)

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی رنگ میں مؤمن بننے کی توفیق دے۔ آمین

۞۞۞۞

﴿44﴾ ﴿مشاہدات۔ 1273﴾

مومنین کا بلند مقام و مرتبہ اَور فرائض و ذمّہ داریاں

(حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات کے تناظر میں)

(تقریر نمبر2)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ خٰشِعُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ۙ﴿۴﴾

(المؤمنون:2-4)

یقیناً مؤمن کامیاب ہو گئے۔ وہ جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو لغو سے اعراض کرنے والے ہیں۔

لگاتے ہیں دل اپنا اس پاک سے
وہی پاک جاتے ہیں اس خاک سے

(درثمین)

معزز سامعین! ایمان ایسا جزوِ اسلام ہے کہ اِس پر بہت کچھ لکھا اور کہا گیا ہے۔ ہمارے امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنے پیرو کاروں، اپنے سے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیار و عقیدت رکھنے والوں کو ایمان کی اہمیت اور مؤمن کے بلند مقام و مرتبہ اَور اُس کی ذمہ داریوں وفرائض کے حوالہ سے نصائح فرمائی ہیں۔ ایمان کی اہمیت و برکات پر ہم حضرت مسیح موعودؑ کے افاضات کی روشنی میں پانچ تقاریر مَیں سُن آئے ہیں۔ اب آپؑ ہی کے مؤمن بارے افاضات کے تناظر میں مرحلہ وار سُنیں گے۔ آپؑ **مؤمن، کب مؤمن ہوتا ہے** کے حوالے سے فرماتے ہیں:

"مؤمن، مؤمن کبھی نہیں ہو سکتا جب تک کہ کفر اس سے مایوس نہ ہو جاوے۔ فتح مسیح کو ایک بار ہم نے رسالہ بھیجا۔ اس پر اُس نے لکیریں کھینچ کر واپس بھیج دیا اور لکھا کہ جس قدر دل آپ نے دکھایا ہے کسی اَور

نے نہیں دُکھایا۔ دیکھو! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن نے خود اقرار کر لیا کہ ہمارا دل دُکھا۔ پس ایسی مضبوطی ایمان میں پیدا کرو کہ کفر مایوس ہو جاوے کہ میرا قابو نہیں چلتا۔ اَشِدّآءُ عَلَی الْکُفّارِ کے یہ معنے بھی ہیں۔"

(ملفوظات جلد 7 ایڈیشن 1984 صفحہ 27)

مؤمن اپنی قوّتِ جاذبہ کے ذریعہ دوسروں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ فرمایا:

"بیعت سے مراد خدا تعالیٰ کو جان سپرد کرنا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم نے اپنی جان آج خدا تعالیٰ کے ہاتھ بیچ دی۔ یہ بالکل غلط ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں چل کر انجام کار کوئی شخص نقصان اُٹھا دے۔ صادق کبھی نقصان نہیں اُٹھا سکتا۔ نقصان اُسی کا ہے جو کاذب ہے۔ جو دنیا کے لئے بیعت کو اور عہد کو جو اللہ تعالیٰ سے اس نے کیا ہے توڑ رہا ہے۔ وہ شخص جو محض دنیا کے خوف سے ایسے امور کا مرتکب ہو رہا ہے۔ وہ یاد رکھے بوقتِ موت کوئی حاکم یا بادشاہ اُسے نہ چھڑا سکے گا۔ اُس نے احکم الحاکمین کے پاس جانا ہے جو اُس سے دریافت کرے گا کہ تُو نے میرا پاس کیوں نہیں کیا؟ اس لئے ہر مؤمن کے لئے ضروری ہے کہ خدا جو مُلکُ السموات والارض ہے اس پر ایمان لاوے اور سچی توبہ کرے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ امر بھی یونہی حاصل نہیں ہوتا ہے۔ خدا ہی یہ امر دل میں بٹھائے تو بیٹھ سکتا ہے۔ سو اس کے لئے دعا بکار ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدق سے قدم اُٹھاتا ہے اس کو عظیم الشان طاقت اور خارق عادت قوّت دی جاتی ہے۔ مؤمن کے دل میں ایک جذب ہوتا ہے کہ جس سے قوّتِ جاذبہ کے ذریعہ وہ دوسروں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر تم میں جذب محبت خدا تعالیٰ کی راہ میں کافی ہو تو پھر کیوں لوگ تمہاری طرف نہ کھنچے آئیں اور کیوں تم میں ایک مقناطیسی طاقت نہ ہو جاوے۔ دیکھو! قرآن میں سورہ یوسف میں آیا ہے۔ وَلَقَدۡ هَمَّتۡ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوۡاَنۡ رَّاٰ بُرۡهَانَ رَبِّهٖ (یوسف:25) یعنی جب زلیخا نے یوسف کا قصد کیا یوسف بھی زلیخا کا قصد کرتا اگر ہم حائل نہ ہوتے۔ اب ایک طرف تو یوسف جیسا متقی ہے اور اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ نبی زلیخا کی طرف مائل ہو ہی چکا تھا اگر ہم نہ روکتے۔ اس میں سِرّ یہ ہے کہ انسان میں ایک کشش محبت ہوتی ہے۔ زلیخا کی کشش محبت اس قدر غالب آئی تھی کہ اس کشش نے ایک متقی کو بھی اپنی طرف کھینچ لیا۔ سو جائے شرم ہے کہ ایک عورت میں جذب اور کشش اس قدر ہو کہ اس کا

اثر ایک مضبوط دل پر ہو جاوے اور ایک شخص جو مؤمن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس میں جذب محبت الٰہی اس قدر نہ ہو کہ لوگ اس کی طرف کھنچے چلے آویں۔ یہ عذر قابل پذیرائی نہیں کہ زبان میں یا وعظ میں اثر نہیں۔ اصلی نقصان قوّتِ جاذبہ میں ہے جب تک وہ کامل نہیں تب تک زبانی خالی باتوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

(ملفوظات جلد 7 ایڈیشن 1984۔ صفحہ 29-30)

سامعین! حقیقی مؤمن کی علامات بیان کرتے ہوئے حضورؑ فرماتے ہیں:

"مَیں دیکھتا ہوں کہ آج کل لوگ جس طرح نماز پڑھتے ہیں وہ محض ٹکریں مارنا ہے۔ ان کی نماز میں اس قدر بھی رقّت اور لذّت نہیں ہوتی جس قدر نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا میں ظاہر کرتے ہیں۔ کاش! یہ لوگ اپنی دعائیں نماز میں ہی کرتے۔ شاید اُن کی نمازوں میں حضور اور لذّت پیدا ہو جاتی۔ اس لئے مَیں حکماً آپ کو کہتا ہوں کہ سرِ دست آپ بالکل نماز کے بعد دعا نہ کریں اور وہ لذّت اور حضور جو دعا کے لئے رکھا ہے۔ دعاؤں کو نماز میں کرنے سے پیدا کریں۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ نماز کے بعد دعا کرنی منع ہے لیکن مَیں چاہتا ہوں کہ جب تک نماز میں کافی لذّت اور حضور پیدا نہ ہو نماز کے بعد دعا کرنے میں نماز کی لذّت کو مت گنواؤ۔ ہاں جب یہ حضور پیدا ہو جاوے تو کوئی حرج نہیں۔ سو بہتر ہے نماز میں دعائیں اپنی زبان میں مانگو جو طبعی جوش کسی کی مادری زبان میں ہوتا ہے وہ ہرگز غیر زبان میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ سو نمازوں میں قرآن اور ماثورہ دعاؤں کے بعد اپنی ضرورتوں کو برنگ دُعا اپنی زبان میں خدا تعالیٰ کے آگے پیش کرو تا کہ آہستہ آہستہ تم کو حلاوت پیدا ہو جائے۔ سب سے عمدہ دعا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی رضامندی اور گناہوں سے نجات حاصل ہو کیونکہ گناہوں ہی سے دل سخت ہو جاتا اور انسان دنیا کا کیڑا بن جاتا ہے۔ ہماری دعا یہ ہونی چاہیے کہ خدا تعالیٰ ہم سے گناہوں کو جو دل کو سخت کر دیتے ہیں دور کر دے اور اپنی رضامندی کی راہ دکھلائے۔ دنیا میں مؤمن کی مثال اُس سوار کی ہے کہ جو جنگل میں جارہا ہے۔ راہ میں بسبب گرمی اور تھکان سفر کے ایک درخت کے نیچے ستانے کے لئے ٹھہر جاتا ہے لیکن ابھی گھوڑے پر سوار ہے اور کھڑا کھڑا گھوڑے پر ہی کچھ آرام لے کر آگے اپنے سفر کو جاری رکھتا ہے لیکن جو شخص اس جنگل میں گھر بنا لے وہ ضرور درندوں کا شکار ہو گا۔ مؤمن دنیا کو گھر نہیں بناتا اور جو ایسا نہیں خدا تعالیٰ اس کی پروا نہیں کرتا نہ

خدا تعالیٰ کے نزدیک دنیا کو گھر بنانے والے کی عزّت ہے۔ خدا تعالیٰ مؤمن کی عزّت کرتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ مؤمن نوافل کے ساتھ خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ نوافل سے مراد یہ ہے کہ خدمت مقرّر کردہ میں زیادتی کی جاوے۔ ہر ایک خیر کے کام میں دنیا کا بندہ تھوڑا سا کر کے سُست ہو جاتا ہے لیکن مؤمن زیادتی کرتا ہے۔ نوافل صرف نماز سے ہی مختص نہیں بلکہ ہر ایک حسنات میں زیادتی کرنا نوافل ادا کرنا ہے۔ مؤمن محض خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے ان نوافل کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اس کے دل میں ایک درد ہوتا ہے جو اسے بے چین کرتا ہے اور وہ دن بدن نوافل وحسنات میں ترقی کرتا جاتا ہے اور بالمقابل خدا تعالیٰ بھی اُس کے قریب ہوتا جاتا ہے حتّٰی کہ مؤمن اپنی ذات کو فنا کر کے خدا تعالیٰ کے سایہ تلے آجاتا ہے۔ اُس کی آنکھ خدا تعالیٰ کی آنکھ۔ اس کے کان خدا تعالیٰ کے کان ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ کسی معاملہ میں خدا تعالے کی مخالفت نہیں کرتا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کی زبان خدا تعالیٰ کی زبان اور اس کا ہاتھ خدا تعالیٰ کا ہاتھ ہو جاتا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے کسی بات میں اس قدر تردّد نہیں ہوتا جس قدر مؤمن کی جان نکالنے میں تردّد ہوتا ہے۔ یوں تو خدا تعالیٰ کی ذات سب تردّدات سے پاک ہے لیکن یہ فقرہ جو فرمایا تو مؤمن کے اکرام کے لئے فرمایا۔ اب دوسرے لوگ کیڑے مکوڑوں کی طرح مر جاتے ہیں لیکن مؤمن کا معاملہ دگرگوں ہے۔ مجھے یہ سمجھ آتی ہے کہ جو صلحاء اور انبیاء کی زندگی آئے دن طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا رہتی ہے اور بعض وقت ان کو خوفناک امراض لاحق ہو جاتے ہیں جیسے کہ ہمارے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت تھی۔ یہ اُس تردّد کا اظہار ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے گویا اللہ تعالیٰ اس سے معاملہ ایسا کرتا ہے اور خوفناک بیماریوں سے اُسے نجات دے کر ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ اُسے معمولی انسانوں کی طرح ضائع نہیں کرتا۔ قرآن اور حدیث سے ثابت ہے کہ مؤمن کی ہر ایک چیز بابرکت ہو جاتی ہے جہاں وہ بیٹھتا ہے وہ جگہ دوسروں کے لئے موجب برکت ہوتی ہے۔ اس کا پس خوردہ اَوروں کے لئے شفا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک گنہگار خدا تعالیٰ کے سامنے لایا جاوے گا۔ خدا تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ تو نے کوئی نیک کام کیا؟ وہ کہے گا کہ نہیں پھر خدا تعالیٰ اُس کو کہے گا کہ فلاں مؤمن کو تو ملا تھا وہ کہے گا خداوندا مَیں ارادتاً تو کبھی نہیں ملا وہ خود ہی ایک دن مجھے راستہ میں مل گیا۔ خدا تعالیٰ اسے بخش دے گا۔ پھر ایک اور موقعہ پر حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ فرشتوں سے دریافت کرے گا کہ میرا

ذکر کہاں پر ہو رہا ہے؟ وہ کہیں گے کہ ایک حلقہ مؤمنین کا تھا جہاں دنیا کے ذکر کا نام و نشان بھی نہ تھا البتہ ذکرِ الٰہی آٹھوں پہر ہو رہا ہے۔ اُن میں ایک دنیا پرست شخص تھا۔ اللہ تعالی فرمائے گا کہ مَیں نے اس دنیا دار کو اس ہم نشینی کے باعث بخش دیا۔ اِنَّھُمْ قَوْمٌ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ۔ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ جہاں ایک مؤمن امام ہو اس کے مقتدی پیش ازیں کہ وہ سجدہ سے سر اٹھاوے بخش دیئے جاتے ہیں۔

مؤمن وہ ہے کہ جس کے دل میں محبت الٰہی نے عشق کے رنگ میں جڑ پکڑ لی ہو۔ اس نے فیصلہ کر لیا ہو کہ وہ ہر ایک تکلیف اور ذلّت میں بھی خدا تعالیٰ کا ساتھ نہ چھوڑے گا۔ اب جس نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کب کسی کا کانشنس کہتا ہے کہ وہ ضائع ہو گا کیا کوئی رسول ضائع ہوا؟ دنیا ناخنوں تک اُن کو ضائع کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن وہ ضائع نہیں ہوتے جو خدا تعالی کے لئے ذلیل ہو وہی انجام کار عزّت و جلال کا تخت نشیں ہو گا۔ ایک ابو بکرؓ ہی کو دیکھو! جس نے سب سے پہلے ذلّت قبول کی اور سب سے پہلے تخت نشین ہوا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ پہلے کچھ نہ کچھ دُکھ اُٹھانا پڑتا ہے کسی نے سچ کہا ہے۔

عشق اوّل سرکش و خونی بود
تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

عشقِ الٰہی بے شک اوّل سرکش و خونی ہوتا ہے تا کہ نااہل دور ہو جاوے، عاشقانِ خدا تکالیف میں ڈالے جاتے ہیں۔ قسم قسم کے مالی اور جسمانی مصائب اُٹھاتے ہیں اور اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ ان کے دل پہچانے جاویں۔ خدا تعالیٰ نے یہ امر مقرّر کر دیا ہے کہ جب تک کوئی پہلے دوزخ پر راضی نہ ہو جاوے بہشت میں نہیں جاتا۔ بہشت دیکھنا اُسی کو نصیب ہوتا ہے جو پہلے دوزخ دیکھنے کو تیار ہوتا ہے۔ دوزخ سے مراد آئندہ دوزخ نہیں بلکہ اس دنیا میں مصائب شدائد کا نظارہ مراد ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ کافر کے لئے دوزخ بہشت کے رنگ میں اور مؤمن کے لئے بہشت دوزخ کے رنگ میں متمثّل کیا جاتا ہے۔ کافر جو دنیا کا طالب ہے دنیا میں منہمک ہو کر سَگِ دنیا ہو جاتا ہے۔ مؤمن ایک عاشق ہے جو دنیا کو طلاق دے کر ہر ایک تکلیف سہنے کو تیار ہوتا ہے اور فی الواقعہ یہ عشق ہی ہے جو اُسے ہر قسم کی تکلیف سہنے کے لئے آمادہ کر دیتا ہے۔ مؤمن کا رنگ عاشق کا رنگ ہوتا ہے اور وہ اپنے عشق میں صادق ہوتا ہے اور

اپنے معشوق یعنی خدا کے لئے کامل اخلاص اور محبت اور جان فدا کرنے والا جوش اپنے اندر رکھتا ہے اور تضرّع اور ابتہال اور ثابت قدمی سے اس کے حضور میں قائم ہوتا ہے۔ دنیا کی کوئی لذّت اس کے لئے لذّت نہیں ہوتی۔ اس کی روح اسی عشق میں پرورش پاتی ہے۔ معشوق کی طرف سے استغنا دیکھ کر وہ گھبراتا نہیں۔ اس طرف سے خاموشی اور بے التفاتی بھی معلوم کر کے وہ کبھی ہمّت نہیں ہارتا بلکہ ہمیشہ قدم آگے ہی رکھتا ہے اور دردِ دل زیادہ سے زیادہ پیدا کرتا جاتا ہے۔ ان دونوں چیزوں کا ہونا ضروری ہے کہ مؤمن عاشق کی طرف سے محبتِ الٰہی میں پورا استغراق ہو۔ عشق کمال ہو۔ محبّت میں سچّا جوش اور عہد عشق میں ثابت قدمی ایسی کوٹ کوٹ کے بھری ہو کہ جس کو کوئی صدمہ جنبش میں نہ لا سکے اور معشوق کی طرف سے کبھی کبھی بے پرواہی اور خاموشی ہو۔ درد دو قسم کا موجود ہو۔ ایک تو وہ جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا درد ہو۔ دوسرا وہ جو کسی کی مصیبت پر دل میں درد اٹھے اور خیر خواہی کے لئے اضطراب پیدا ہو اور اس کی اعانت کے لئے بے چینی پیدا ہو۔ خدا تعالیٰ کی محبت کے لئے جو اخلاص اور درد ہوتا ہے اور ثابت قدمی اس کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے وہ انسان کو بشریت سے الگ کر کے الوہیت کے سایہ میں لا ڈالتا ہے۔ جب تک اس کی حد تک درد اور عشق نہ پہنچ جائے کہ جس میں غیر اللہ سے محویت حاصل ہو جائے اس وقت تک انسان خطرات میں پڑا رہتا ہے۔ ان خطرات کا استیصال بغیر اس امر کے مشکل ہوتا ہے کہ انسان غیر اللہ سے بکلّی منقطع ہو کر اسی کا ہو جائے اور اُس کی رضا میں داخل ہونا بھی محال ہوتا ہے اور اس کی مخلوق کے لئے ایسا درد ہونا چاہیے جس طرح ایک نہایت ہی مہربان والدہ اپنے ناتواں پیارے بچے کے لئے دل میں سچا جوش محبت رکھتی ہے۔ خدا تعالیٰ ایک تعلّق چاہتا ہے اور اس کے حضور میں دعا کرنے کے لئے تعلّق کی ضرورت ہے۔ بغیر تعلّق کے دُعا نہیں ہو سکتی۔ پہلے بزرگوں کی بھی اس قسم کی باتیں چلی آئی ہیں کہ جن سے دعا کرنے والوں کو دعا کرانے سے پہلے تعلّق ثابت کرنے کی تاکید کی۔ خواہ نخواہ بازار میں چلتے ہوئے کسی بے تعلّق کو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تو میرا دوست ہے اور نہ ہی اس کے لئے درد دل پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی جوش دعا پیدا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تعلّق اس طرح نہیں ہو سکتا کہ انسان غفلت کاریوں میں بھی مبتلا رہے اور صرف منہ سے دم بھرتا رہے کہ مَیں نے خدا تعالیٰ سے تعلّق پیدا کر لیا ہے۔ اکیلے بیعت کا اقرار اور سلسلہ میں نام لکھ لینا ہی خدا تعالیٰ سے تعلّق پر کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ سے تعلّق کے لئے ایک

محویت کی ضرورت ہے۔ ہم بار بار اپنی جماعت کو اس بات پر قائم ہونے کے لئے کہتے ہیں کیونکہ جب تک دنیا کی طرف سے انقطاع اور اس کی محبت دلوں سے ٹھنڈی ہو کہ اللہ تعالیٰ کے لئے فطرتوں میں طبعی جوش اور محویت پیدا نہیں ہوتی اس وقت تک ثبات میسّر نہیں آسکتا۔ بعض صوفیوں نے لکھا ہے کہ صحابہ جب نمازیں پڑھا کرتے تھے تو انہیں ایسی محویت ہوتی تھی کہ جب فارغ ہوتے تو ایک دوسرے کو پہچان بھی نہ سکتے تھے۔ جب انسان کسی اَور جگہ سے آتا ہے تو شریعت نے حکم دیا ہے کہ وہ آکر السلام علیکم کہے۔ نماز سے فارغ ہونے پر السلام علیکم و رحمۃ اللّٰہ کہنے کی حقیقت یہی ہے کہ جب ایک شخص نے نماز کا عقد باندھا اور اللہ اکبر کہا تو وہ گویا اس عالَم سے نکل گیا اور ایک نئے جہان میں جا داخل ہوا گویا ایک مقامِ محویت میں جا پہنچا۔ پھر جب وہاں سے واپس آیا تو السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ کہہ کر آن ملا لیکن صرف ظاہری صورت کافی نہیں ہو سکتی جب تک دل میں اس کا اثر نہ ہو۔ چھلکوں سے کیا ہاتھ آسکتا ہے۔ محض صورت کا ہونا کافی نہیں، حال ہونا چاہیے۔ علّتِ غائی حال ہی ہے مطلق قال اور صورت جس کے ساتھ حال نہیں ہوتا وہ تو اُلٹی ہلاکت کی راہیں ہیں۔ انسان جب حال پیدا کر لیتا ہے اور اپنے حقیقی خالق ومالک سے ایسی سچی محبت اور اخلاص پیدا کر لیتا ہے کہ بے اختیار اس کی طرف پرواز کرنے لگتا ہے اور ایک حقیقی محویت کا عالَم اس پر طاری ہو جاتا ہے تو اس وقت اس کیفیت سے انسان گویا سلطان بن جاتا ہے اور ذرّہ ذرّہ اس کا خادم بن جاتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 7 ایڈیشن 1984۔ صفحہ 38-43)

مؤمن کے لئے مصائب کا آنا ضروری ہے۔ فرمایا:

"خدا تعالیٰ سے زیادہ پیار اور رحم اور محبت کرنی کوئی نہیں جانتا۔ لیکن اخلاص ضروری ہے۔ کوئی دل سے اس کا ہو۔ پھر دیکھے کہ آیا مخلص کی دست گیری اور کفالت اس کی خوبی ہے کہ نہیں۔ لیکن جو اُسے آزماتا ہے وہ خود آزمایا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اسلام لایا۔ بعد ازاں اندھا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اسلام قبول کرنے سے یہ آفت مجھ پر آئی ہے۔ اس لئے کافر ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے بہت سمجھایا لیکن نہ مانا حالانکہ اگر وہ مسلمان رہتا تو خدا تعالیٰ تو اس امر پہ قادر تھا کہ اسے دوبارہ بینائی بخش دیتا لیکن کافر ہو کر دنیا سے تو اندھا تھا دین سے بھی اندھا بن گیا۔ مجھے فکر ہے

کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو کہ خدا تعالیٰ کو آزماتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ خود آزمائے جاویں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو مجھ پر ایمان لاوے، اوّل وہ مصائب کے لئے تیار رہے مگر یہ سب کچھ آوائل میں ہوتا ہے۔ اگر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر فضل کر دیتا ہے کیونکہ مؤمن کے لئے دو حالتیں ہیں۔ اوّل تو یہ کہ جب ایمان لاتا ہے تو مصائب کا ایک دوزخ اس کے لئے تیار کیا جاتا ہے جس میں اُسے کچھ عرصہ رہنا پڑتا ہے اور اس کے صبر اور استقلال کا امتحان کیا جاتا ہے اور جب وہ اس میں ثابت قدمی دکھاتا ہے تو دوسری حالت یہ ہے کہ اس دوزخ کو جنّت سے بدل دیا جاتا ہے۔ جیسے کہ بخاری میں حدیث ہے کہ مؤمن بذریعہ نوافل کے اللہ تعالیٰ سے یہاں تک قرب حاصل کرتا ہے کہ وہ اس کی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے اور کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے اور ہاتھ ہو جاتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں ہو جاتا ہے جس سے وہ چلتا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے اور ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَنْ عَادَا لِیْ وَلِیًّا فَاٰذَنْتُ لَہٗ لِلْحَرْبِ کہ جو شخص میرے ولی کی عداوت کرتا ہے وہ جنگ کے لئے تیار ہو جاوے۔ اس قدر غیرت خدا تعالیٰ کو اپنے بندے کے لئے ہوتی ہے۔ پھر دوسری جگہ فرماتا ہے کہ مجھے کسی شئے میں اس قدر تردّد نہیں ہوتا جس قدر کہ مؤمن کی جان لینے میں ہوتا ہے اور اُسی لئے وہ کئی دفعہ بیمار ہوتا ہے اور پھر اچھا ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی جان لینا چاہتا ہے مگر پھر اسے مہلت دے دیتا ہے کہ اور کچھ عرصہ دنیا میں رہ لیوے۔"

(ملفوظات جلد 7 ایڈیشن 1984۔ صفحہ 126-127)

سامعین! مؤمن خود مصیبت خرید تا ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں۔

"خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کافر وہ ہیں جو حیات دنیا پر راضی ہو گئے اور اطمینان پا گئے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف حرکت کی ضرورت کو وہ بالکل محسوس ہی نہیں کرتے فَلَا نُقِیْمُ لَھُمْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَزْنًا (الکھف:106) میں گناہ کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا باعث صرف یہ ہے کہ ان لوگوں نے دنیا کی خواہشوں کو مقدّم رکھا ہوا تھا۔ ایک اَور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ دنیا کا حظّ پا چکے۔ وہاں بھی گناہ کا ذکر نہیں بلکہ دنیا کی لذّات جن کو خدا تعالیٰ نے جائز کیا ہے اُن میں منہمک ہو جانے کا ذکر ہے۔ اس قسم کے لوگوں کا مرتبہ عند اللہ کچھ نہ

ہو گا اور نہ ان کو عزّت کا مقام دیا جائے گا۔ شیریں زندگی اصل میں ایک شیطان ہے جو کہ انسان کو دھوکا دیتی ہے۔ مؤمن تو خود مصیبت خرید تا ہے۔ ورنہ اگر وہ مداہنہ برتے تو ہر طرح آرام سے رہ سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس طرح کرتے تو اس قدر جنگیں کیوں ہوتیں لیکن آپ نے دین کو مقدّم رکھا اس لئے سب دشمن ہو گئے۔"

(ملفوظات جلد 7 ایڈیشن 1984۔ صفحہ 108)

پکّا مؤمن کون ہے۔ فرمایا:

"درستی اخلاق کے بعد دوسری بات یہ ہے کہ دعا کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی پاک محبت حاصل کی جاوے۔ ہر ایک قسم کے گناہ اور بدی سے دور رہے اور ایسی حالت میسّر ہو کہ جس قدر اندرونی آلودگیاں ہیں اُن سب سے الگ ہو کہ ایک مصفّٰی قطرہ کی طرح بن جاوے۔ جب تک یہ حالت میسّر نہ ہو گی۔ تب تک خطرہ ہی خطرہ ہے لیکن دعا کے ساتھ تدابیر کو نہ چھوڑے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تدبیر کو بھی پسند کرتا ہے اور اسی لئے فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا کہہ کر قرآنِ شریف میں قسم بھی کھائی ہے جب وہ اس مرحلہ کو طے کرنے کے لئے دعا بھی کرے گا اور تدبیر سے بھی اس طرح کام لے گا کہ جو مجلس اور صحبت اور تعلقات اس کو حارج ہیں ان سب کو ترک کر دے گا اور رسم عادت اور بناوٹ سے الگ ہو کر دعا میں مصروف ہو گا تو ایک دن قبولیت کے آثار مشاہدہ کر لے گا۔ یہ لوگوں کی غلطی ہے کہ وہ کچھ عرصہ دعا کر کے پھر رہ جاتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ ہم نے اس قدر دعا کی مگر قبول نہ ہوئی۔ حالانکہ دعا کا حق تو اُن سے ادا ہی نہ ہوا۔ تو قبول کیسے ہو؟ اگر ایک شخص کو بھوک لگی ہو یا سخت پیاس ہو اور وہ صرف ایک دانہ یا ایک قطرہ لے کو شکایت کرے کہ مجھے سیری حاصل نہیں ہوئی۔ تو کیا اس کی شکایت بجا ہو گی؟ ہر گز نہیں۔ جب تک وہ پوری مقدار کھانے اور پینے کی نہ لے گا تب تک کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ یہی حال دعا کا ہے اگر انسان لگ کر اُسے کرے اور پورے آداب سے بجالاوے۔ وقت بھی میسّر آوے تو امید ہے کہ ایک دن اپنی مراد کو پالیوے لیکن راستہ میں ہی چھوڑ دینے سے صدہا انسان مر گئے (گمراہ ہو گئے) اور صدہا ابھی آئندہ مرنے کو تیار ہیں۔ ایک من پیشاب میں ایک قطرہ پانی کا کیا شئے ہے جو اُسے پاک کرے۔ اسی طرح وہ بد اعمالیاں جن میں لوگ سر سے پاؤں تک غرق ہیں ان کے ہوتے ہوئے چند دن کی دعا کیا اثر دکھا سکتی ہے۔ پھر عجب، خود بینی، تکبّر اور ریا

وغیرہ ایسے امراض لگے ہوئے ہوتے ہیں جو عمل کو ضائع کر دیتے ہیں۔ نیک عمل کی مثال ایک پرند کی طرح ہے۔ اگر صدق اور اخلاص کے قفس میں اُسے قید رکھو گے تو وہ رہے گا ورنہ پرواز کر جاوے گا اور یہ بجز خدا تعالیٰ کے فضل کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا (الکہف: 111) عمل صالح سے یہاں یہ مراد ہے کہ اس میں کسی قسم کی بدی کی آمیزش نہ ہو۔ صلاحیت ہی صلاحیت ہو۔ نہ عُجب ہو۔ نہ کبر ہو۔ نہ نخوت ہو۔ نہ تکبّر ہو۔ نہ نفسانی اغراض کا حصہ ہو۔ نہ رو بخلق ہو۔ حتّٰی کہ دوزخ اور بہشت کی خواہش بھی نہ ہو۔ صرف خدا تعالیٰ کی محبت سے وہ عمل صادر ہو جب تک دوسری کسی قسم کی غرض کو دخل ہے تب تک ٹھوکر کھائے گا اور اس کا نام شرک ہے کیونکہ وہ دوستی اور محبت کس کام کی جس کی بنیاد صرف ایک پیالہ چائے یا دوسری خالی محبوبات تک ہی ہے۔ ایسا انسان جس دن اس میں فرق آتا دیکھے گا۔ اُسی دن قطع تعلّق کر دے گا جو لوگ خدا تعالیٰ سے اس لئے تعلّق باندھتے ہیں کہ ہمیں مال ملے یا اولاد حاصل ہو یا ہم فلاں فلاں امور میں کامیاب ہو جاویں۔ اُن کے تعلقات عارضی ہوتے ہیں اور ایمان بھی خطرہ میں ہے جس دن ان کے اغراض کو کوئی صدمہ پہنچا۔ اسی دن ایمان میں فرق آ جاوے گا۔ اس لئے پکّا مومن وہ ہے جو کسی سہارے پر خدا تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتا۔

راستبازوں کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ مصیبت سے اُن کو چڑ ہوتی ہے اور جب ایسے موقعہ پر شیطان دخل دے کر ان کو بہکانا چاہتا ہے تب ان کی غیرت جوش مارتی ہے اور بجائے اس کے کہ ان کا قدم پیچھے ہٹے وہ آگے بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شیطان ہمیں پیچھے ہرگز نہیں ڈال سکتا۔ شیطان بھی ایسے موقعہ پر ہر ایک قسم کے منصوبے اس کی لغزش کے لئے پیش کرتا ہے۔ مال، اولاد، عزت، آبرو، خَلقت کی ملامت، طعن تشنیع وغیرہ سب نقصانوں سے ڈراتا ہے۔ لیکن وہ اوّل ہی سے دل میں فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہم ان نقصانوں کی کچھ پروانہ کریں گے۔ آخر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان ان کے نزدیک ایک مخنّث سے بھی کمتر ہوتا ہے۔ لیکن جس کا دعویٰ تو ایمان کا ہوتا ہے اور دماغ میں اعراض نفسانی بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ تو شیطان بڑی آسانی سے اپنا تسلّط اس پر بٹھاتا ہے اور جس راستے چاہتا ہے چلّاتا ہے۔ خوب یاد رکھو کہ سفلی خواہشات سے شیطان کا مقابلہ ہرگز نہ ہو سکے گا۔" (ملفوظات جلد 7 ایڈیشن 1984ء صفحہ 131-133)

مؤمن اور شربتِ زنجبیلی اور شربتِ کافوری۔ فرمایا:

”تمہیں چاہیے کہ تم ایک ہی بات اپنے لئے کافی نہ سمجھ لو۔ ہاں اوّل بدیوں سے پرہیز کرو اور پھر ان کی بجائے نیکیوں کے حاصل کرنے کے واسطے سعی اور مجاہدہ سے کام لو اور پھر خدا تعالیٰ کی توفیق اور اس کا فضل دعا سے مانگو۔ جب تک انسان ان دونوں صفات سے متّصف نہیں ہوتا یعنی بدیاں چھوڑ کر نیکیاں حاصل نہیں کرتا وہ اس وقت تک مؤمن نہیں کہلا سکتا۔ مؤمن کامل ہی کی تعریف میں تو اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ فرمایا گیا ہے اب غور کرو کہ کیا اتنا ہی انعام تھا کہ وہ چوری چکاری رہزنی نہیں کرتے تھے یا اس سے کچھ بڑھ کر مراد ہے؟ نہیں! اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ میں تو وہ اعلیٰ درجہ کے انعامات رکھے گئے ہیں جو مخاطبہ اور مکالمۂ الٰہیہ کہلاتے ہیں۔

اگر اسی قدر مقصود ہوتا جو بعض لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ موٹی موٹی بدیوں سے پرہیز کرنا ہی کمال ہے تو اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دعا تعلیم نہ ہوتی جس کا انتہائی اور آخری مرتبہ اور مقام خدا تعالیٰ کے ساتھ مکالمہ اور مخاطبہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا اتنا ہی تو کمال نہ تھا کہ وہ چوری چکاری نہ کیا کرتے تھے بلکہ وہ خدا تعالیٰ کی محبت، صدق، وفا میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ پس اس دعا کی تعلیم سے یہ سکھایا کہ نیکی اور انعام ایک الگ شئ ہے۔ جب تک انسان اُسے حاصل نہیں کرتا۔ اس وقت تک وہ نیک اور صالح نہیں کہلا سکتا اور منعم علیہ کے زُمرہ میں نہیں آتا۔ اس سے آگے فرمایا غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ اس مطلب کو قرآن شریف نے دوسرے مقام پر یوں فرمایا ہے کہ مؤمن کے نفس کی تکمیل دو شربتوں کے پینے سے ہوتی ہے۔ ایک شربت کا نام کافوری ہے اور دوسرے کا نام زنجبیلی ہے۔ کافوری شربت تو یہ ہے کہ اس کے پینے سے نفس بالکل ٹھنڈا ہو جاوے اور بدیوں کے لئے کسی قسم کی حرارت اس میں محسوس نہ ہو جس طرح پر کافور میں یہ خاصّہ ہوتا ہے کہ وہ زہریلے مواد کو دبا دیتا ہے اسی لئے اُسے کافور کہتے ہیں۔ اسی طرح پر یہ کافوری شربت گناہ اور بدی کی زہر کو دبا دیتا ہے اور وہ مواد ردّیہ جو اُٹھ کر انسان کی روح کو ہلاک کرتے ہیں اُن کو اُٹھنے نہیں دیتا بلکہ بے اثر کر دیتا ہے۔ دوسرا شربت، شربتِ زنجبیلی ہے جس کے ذریعہ سے انسان میں نیکیوں کے لئے ایک قوّت اور طاقت آتی ہے اور پھر حرارت پیدا ہوتی ہے پس اِهْدِنَا الصِّرَاطَ

اَلۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ تو اصل مقصد اور غرض ہے یہ گویا زنجبیلی شربت ہے اور غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ کافوری شربت ہے۔“

(ملفوظات جلد 7 ایڈیشن 1984۔ صفحہ 271-272)

سامعین! مومن دنیا کا بندہ نہ ہو۔ فرمایا:

”اس وقت جس قدر لوگ کھڑے ہیں کون کہہ سکتا ہے کہ ایک سال تک مَیں ضرور زندہ رہوں گا لیکن اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے علم ہو جاوے کہ اب زندگی ختم ہے تو ابھی سب ارادے باطل ہو جاتے ہیں۔ پس خوب یاد رکھو کہ مومن کو دنیا کا بندہ نہ ہونا چاہیے۔ ہمیشہ اس امر میں کوشاں رہنا چاہیے کہ کوئی بھلائی اس کے ہاتھ سے ہو جاوے۔ خدا تعالیٰ بڑا رحیم کریم ہے اور اس کا ہر گز یہ منشا نہیں ہے کہ تم دُکھ پاؤ لیکن یہ خوب یاد رکھو کہ جو اس سے عمداً دوری اختیار کرتا ہے اس پر اس کا قہر ضرور ہوتا ہے۔ عادت اللہ اسی طرح سے چلی آتی ہے۔ نوح کے زمانہ کو دیکھو اور لوط کے زمانہ کو دیکھو۔ موسیٰ کے زمانہ کو دیکھو اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو دیکھو کہ اس وقت جن لوگوں نے عمداً خدا تعالیٰ سے بُعد اختیار کیا ان کا کیا حال ہوا۔ ان لمبی آرزوؤں نے انسان کو ہلاک کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے اَلۡھٰکُمُ التَّکَاثُرُ حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ کہ اے لوگو جو تم خدا تعالیٰ سے غافل ہو! دنیا طلبی نے تم کو غافل کر دیا ہے یہاں تک کہ تم قبروں میں داخل ہو جاتے ہو مگر غفلت سے باز نہیں آتے۔ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۔ مگر اس غلطی کا تم کو عنقریب علم ہو جائے گا۔ ثُمَّ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۔ پھر تم کو اطلاع دی جاتی ہے کہ عنقریب تم کو علم ہو جاوے گا کہ جن خواہشات کے پیچھے تم پڑے ہو وہ ہرگز تمہارے کام نہ آئیں گی اور حسرت کا موجب ہوں گی۔ کَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡیَقِیۡنِ ۔ اگر تم کو یقینی علم حاصل ہو جاوے تو تم علم کے ذریعہ سے سوچ کر اپنے جہنم کو دیکھ لو اور تم کو پتہ لگ جاوے کہ تمہاری زندگی جہنمی زندگی ہے اور جن خیالات میں تم رات دن لگے ہوئے ہو وہ بالکل ناکارہ ہیں۔ مَیں ہر چند کوشش کرتا ہوں کہ کسی طرح یہ باتیں لوگوں کے دلنشیں ہو جاویں مگر آخر کار یہی کہنا پڑتا ہے کہ اپنے اختیار میں کچھ نہیں ہے جب تک خدا تعالےٰ خود ایک واعظ دل میں نہ پیدا کرے تب تک فائدہ نہیں ہوتا۔ جب انسان کی سعادت اور ہدایت کے دن آتے ہیں تو دل کے اندر ایک واعظ خود پیدا ہو جاتا ہے اور اس وقت اس کے دل کو ایسے کان مل جاتے ہیں کہ وہ دوسرے کی بات کو سنتا ہے۔ راتوں کو اور دنوں کو خوب سوچ کر دیکھو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ انسان

بہت ہی بے بنیاد شئے ہے اور اس کے وجوہ کی کوئی کَل بھی اس کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ایک آنکھ ہی پر نظر کرو کہ کسی قدر باریک عضو ہے اگر ایک ذرا پتھر آ لگے تو فوراً نابینا ہو جاوے پھر اگر یہ خدا کی نعمت نہیں ہے تو کیا ہے۔ کیا کسی نے ٹھیکہ لیا ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ اُسے ضرور بینا ہی رکھے گا اور اسی پر سب قویٰ کا قیاس کرو کہ اگر آج کسی میں فرق آ جاوے تو انسان کی کیا پیش چل سکتی ہے۔ غرضکہ ہر آن اور پَل میں اس کی طرف رجوع کی ضرورت ہے اور مؤمن کا گزارہ تو ہو ہی نہیں سکتا جب تک اس کا دھیان ہر وقت اس کی طرف لگا نہ رہے۔ اگر کوئی ان باتوں پر غور نہیں کرتا اور ایک دینی نظر سے اُن کو وقعت نہیں دیتا تو وہ اپنے دنیوی معاملات پر ہی نظر ڈال کر دیکھے کہ کیا خدا تعالیٰ کی تائید اور فضل کے سوا کوئی کام اس کا چل سکتا ہے؟ اور کوئی منفعت دنیا کی وہ حاصل کر سکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ دین ہو یا دنیا ہر ایک امر میں اُسے خدا تعالیٰ کی ذات کی بڑی ضرورت ہے اور ہر وقت اس کی طرف احتیاج لگی ہوئی ہے۔ جو اس کا منکر ہے سخت غلطی پر ہے۔ خدا تعالیٰ کو تو اس بات کی مطلق پروا نہیں ہے کہ تم اس کی طرف میلان رکھو یا نہ۔ وہ فرماتا ہے قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ کہ اگر اس کی طرف رجوع رکھوگے تو تمہارا ہی اس میں فائدہ ہوگا۔ انسان جس قدر اپنے وجود کو مفید اور کارآمد ثابت کرے گا اسی قدر اس کے انعامات کو حاصل کرے گا۔ دیکھو! کوئی بَیل کسی زمیندار کا کتنا ہی پیارا کیوں نہ ہو مگر جب وہ اس کے کسی کام بھی نہ آئے گا نہ گاڑی میں جُتے گا نہ زراعت کرے گا نہ کنوئیں میں لگے گا تو آخر سوائے ذبح کے اور کسی کام نہ آوے گا۔ ایک نہ ایک دن مالک اُسے قصاب کے حوالہ کر دے گا۔ ایسے ہی جو انسان خدا کی راہ میں مفید ثابت نہ ہوگا تو خدا تعالیٰ اس کی حفاظت کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ ایک پھل اور سایہ دار درخت کی طرح اپنے وجود کو بنانا چاہیے تا کہ مالک بھی خبر گیری کرتا رہے لیکن اگر اس درخت کی مانند ہوگا کہ جو نہ پھل لاتا ہے اور نہ پتّے رکھتا ہے کہ لوگ سایہ میں آبیٹھیں تو سوائے اس کے کہ کاٹا جاوے اور آگ میں ڈالا جاوے اور کس کام آ سکتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 7 ایڈیشن 1984۔ صفحہ 287-288)

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی مؤمن بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

﴿45﴾ ﴿مشاہدات۔11274﴾

مؤمنین کا بُلند مقام و مرتبہ اَور فرائض و ذمّہ داریاں

(حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات کے تناظر میں)

(تقریر نمبر3)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ (یوسف:54)

یعنی مَیں اپنے نفس کو بَری نہیں ٹھہراتا اور اس کی طرف سے مطمئن نہیں کہ نفس پاک ہو گیا ہے بلکہ یہ تو شریر الحکومت ہے۔

اے سونے والو! جاگو کہ وقتِ بہار ہے
اب دیکھو آ کے در پہ ہمارے وہ یار ہے
کیا زندگی کا ذوق اگر وہ نہیں ملا
لعنت ہے ایسے جینے پہ گر اُس سے ہیں جدا

(درثمین)

معزّز سامعین! ایمان کی ستّر شاخوں کی مناسبت سے ایمان کی حقیقت و اہمیت اور مؤمن کے بلند و بالا مقام و مرتبہ پر تقاریر تیار کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ آج حضرت مسیح موعودؑ کے افاضات کے تناظر میں مؤمنین کا بُلند مقام و مرتبہ اَور فرائض و ذمّہ داریاں بیان ہوں گیں۔ یہ اِس سلسلہ کی دوسری تقریر ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام **حقیقی مومن کون ہے** کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”غرض مؤمن حقیقی وہی ہے جو حق اللہ اور حق العباد دونوں کو پورے التزام اور احتیاط سے بجالاوے۔ جو دونو پہلوؤں کو پوری طرح سے مدّ نظر رکھ کر اعمال بجالاتا ہے۔ وہی ہے کہ پورے قرآن پر عمل کرتا ہے ورنہ نصف قرآن پر ایمان لاتا ہے۔ مگر یہ ہر دو قسم کے اعمال انسانی طاقت میں نہیں کہ بزور بازو اور اپنی

طاقت سے بجالانے پر قادر ہو سکے۔ انسان نفس امّارہ کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل اور توفیق اس کے شامل حال نہ ہو کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ دعائیں کرتا رہے تاکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اسے نیکی پر قدرت دی جاوے اور نفس امّارہ کی قیدوں سے رہائی عطا کی جاوے۔ یہ انسان کا سخت دشمن ہے۔ اگر نفس امّارہ نہ ہوتا تو شیطان بھی نہ ہوتا۔ یہ انسان کا اندرونی دشمن اور مار آستین ہے اور شیطان بیرونی دشمن ہے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ جب چور کسی کے مکان میں نقب زنی کرتا ہے تو کسی گھر کے بھیدی اور واقف کار سے پہلے سازش کرنی ضروری ہوتی ہے۔ بیرونی چور بجز اندرونی بھیدی کی سازش کے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ پس یہی وجہ ہے کہ شیطان بیرونی دشمن نفس امّارہ اندرونی دشمن اور گھر کے بھیدی سے سازش کر کے ہی انسان کے متاعِ ایمان میں نقب زنی کرتا ہے اور نورِ ایمان کو غارت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ یعنی مَیں اپنے نفس کو بَری نہیں ٹھہراتا اور اس کی طرف سے مطمئن نہیں کہ نفس پاک ہو گیا ہے بلکہ یہ تو شریر الحکومت ہے۔

تزکیہ نفس بڑا مشکل مرحلہ ہے اور مدار نجات تزکیہ نفس پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَکّٰىہَا اور تزکیہ نفس بجز فضلِ خدا میسّر نہیں آسکتا۔ یہ خدا تعالیٰ کا اٹل قانون ہے لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا ۔ اور اس کا قانون جو جذب فضل کے واسطے ہمیشہ سے مقرّر ہے وہ یہی ہے کہ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاوے۔ مگر دنیا میں ہزاروں ایسے موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم بھی لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے ہیں۔ نیک اعمال بجالاتے ہیں۔ اعمالِ بد سے پرہیز کرتے ہیں۔ اصل میں ان کا مدّعا یہ ہوتا ہے کہ ان کو اتباع رسول کی ضرورت نہیں مگر یاد رکھو! یہ بڑی غلطی ہے اور یہ بھی شیطان کا ایک بڑا دھوکہ ہے کہ ایسا خیال لوگوں کے دلوں میں پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلام پاک میں تزکیہ اور محبت الٰہی کو مشروط باتباع رسول رکھا ہے تو کون ہے کہ وہ دعویٰ کر سکے کہ مَیں خود بخود ہی اپنی طاقت سے پاک ہو سکتا ہوں۔

سچّا یقین اور کامل معرفت سے پُر ایمان ہرگز ہرگز میسّر ہی نہیں آسکتا جب تک انبیاء کی سچی فرماں برداری اور محبت اختیار نہ کی جاوے گناہ سوز ایمان اور خدا کو دکھا دینے والا یقین بجز اقتداری اور غیب پر مشتمل زبردست پیشگوئیوں کے جو انسانی طاقت اور وہم وگمان سے بالاتر ہوں ہرگز ہرگز میسّر نہیں آسکتا۔ دنیا اپنے کاروبار دنیوی میں جس استغراق اور انہماک سے مصروف ہوتی اور جیسی جیسی جانکاہ اور خطرناک

مشکل سے مشکل کوششیں اپنی دنیا کے واسطے کرتی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی طرف بھی اسی طرح کی کوشش سے قدم اُٹھاویں اور اس وقت جو ایک آسمانی سلسلہ خدا تعالیٰ نے اس غرض کے لئے مقرّر فرمایا ہے۔ اس کی طرف متوجّہ ہوں تو ہم یقین سے کہتے ہیں کہ ضرور اللہ تعالیٰ ان کے واسطے رحمت کے نشان دکھانے پر قادر ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ لوگ اس پہلو سے لاپرواہیں ورنہ دینی امور اور اعمال کیا مشکل ہیں۔ نماز میں کوئی مشکل نہیں۔ پانی موجود ہے۔ زمین سجدہ کرنے کے واسطے موجود ہے۔ اگر ضرورت ہے تو ایک فرماں بردار اور پاک دل کی جس کو محبت الٰہی کی سچی تڑپ ہو۔ دیکھو! اگر ساری نمازوں کو جمع کیا جاوے اور ان کے وقت کا اندازہ کیا جاوے تو شاید ایک گھڑی بھر میں ساری پوری ہو سکیں۔ آخر پاخانہ بھی جاتے ہیں۔ اگر اتنی ہی قدر نماز کی ان لوگوں کے دلوں میں ہو تو بھی یہ نماز کو ادا کر سکتے ہیں۔ مگر افسوس اسلام اس وقت بہت خطرے میں ہے اور مسلمان در حقیقت نور ایمان سے بے نصیب ہیں۔ اگر کسی کو ایک مہلک مرض لگ جاوے تو کیسا فکر لگ جاتا ہے مگر اس روحانی جذام کی کسی کو بھی پروا نہیں جس کا انجام جہنم ہے۔“

(ملفوظات جلد 10 ایڈیشن 1984ء صفحہ 290-292)

حقیقی مومن کبھی ضائع نہیں جاتا۔ فرمایا:

”جو شخص سچے جوش اور پورے صدق اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی طرف آتا ہے وہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ یہ یقینی اور سچی بات ہے کہ جو خدا کے ہوتے ہیں خدا ان کا ہوتا ہے اور ہر ایک میدان میں ان کی نصرت اور مدد کرتا ہے بلکہ ان پر اپنے اس قدر انعام و اکرام نازل کرتا ہے کہ لوگ ان کے کپڑوں سے بھی برکتیں حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جو دعا سکھائی ہے تو یہ اس واسطے ہے کہ تا تم لوگوں کی آنکھ کھلے کہ جو کام تم کرتے ہو دیکھ لو کہ اس کا نتیجہ کیا ہوا ہے۔ اگر انسان ایک عمل کرتا ہے اور اس کا نتیجہ کچھ نہیں تو اس کو اپنے اعمال کی پڑتال کرنی چاہئے کہ وہ کیسا عمل ہے جس کا نتیجہ کچھ نہیں۔“

(ملفوظات جلد 10 ایڈیشن 1984ء صفحہ 44)

سامعین! کامل مومن ضائع نہیں جاتا بلکہ اُس سے لاکھوں جانیں بچائی جاتی ہیں۔ فرمایا:

”ہماری جماعت کے لوگوں کو نمونہ بن کر دکھانا چاہیئے۔ اگر کسی کی زندگی بیعت کے بعد بھی اسی طرح کی ناپاک اور گندی زندگی ہے جیسا کہ بیعت سے پہلے تھی اور جو شخص ہماری جماعت میں ہو کر بُرا نمونہ دکھاتا ہے اور عملی یا اعتقادی کمزوری دکھاتا ہے تو وہ ظالم ہے کیونکہ وہ تمام جماعت کو بدنام کرتا ہے اور ہمیں بھی اعتراض کا نشانہ بناتا ہے۔ بڑے نمونے سے اَوروں کو نفرت ہوتی ہے اور اچھے نمونہ سے لوگوں کو رغبت پیدا ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کے ہمارے پاس خط آتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ مَیں اگرچہ آپ کی جماعت میں ابھی داخل نہیں مگر آپ کی جماعت کے بعض لوگوں کے حالات سے البتہ اندازہ لگاتا ہوں کہ اس جماعت کی تعلیم ضرور نیکی پر مشتمل ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّالَّذِیۡنَ ھُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ خدا تعالیٰ بھی انسان کے اعمال کا روزنامچہ بناتا ہے۔ پس انسان کو بھی اپنے حالات کا ایک روزنامچہ تیار کرنا چاہیئے اور اس میں غور کرنا چاہیے کہ نیکی میں کہاں تک آگے قدم رکھا ہے۔ انسان کا آج اور کل برابر نہیں ہونے چاہئیں۔ جس کا آج اور کل اس لحاظ سے کہ نیکی میں کیا ترقی کی ہے برابر ہو گیا وہ گھاٹے میں ہے۔ انسان اگر خدا کو ماننے والا اور اسی پر کامل ایمان رکھنے والا ہو تو کبھی ضائع نہیں کیا جاتا بلکہ اس ایک کی خاطر لاکھوں جانیں بچائی جاتی ہیں۔ ایک شخص جو اولیاء اللہ میں سے تھے ان کا ذکر ہے کہ وہ جہاز میں سوار تھے۔ سمندر میں طوفان آ گیا۔ قریب تھا کہ جہاز غرق ہو جاتا۔ اس کی دُعا سے بچا لیا گیا اور دُعا کے وقت اس کو الہام ہوا کہ تیری خاطر ہم نے سب کو بچا لیا۔ مگر یہ باتیں نرا زبانی جمع خرچ کرنے سے حاصل نہیں ہوتیں۔ دیکھو! ہمیں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک وعدہ دیا ہے۔ اِنِّیۡ اُحَافِظُ کُلَّ مَنۡ فِی الدَّار۔ مگر دیکھو! ان میں غافل عورتیں بھی ہیں۔ مختلف طبائع اور حالات کے انسان ہیں۔ خدانخواستہ اگر ان میں سے کوئی طاعون سے مر جاوے یا جیسا کہ بعض آدمی ہماری جماعت میں سے طاعون سے فوت ہو گئے ہیں تو ان دشمنوں کو ایک اعتراض کا موقعہ ہاتھ آ گیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یَلۡبِسُوۡۤا اِیۡمَانَھُمۡ بِظُلۡمٍ بہر حال جماعت کے افراد کی کمزوری یا بُرے نمونہ کا اثر ہم پر پڑتا ہے اور لوگوں کو خواہ مخواہ اعتراض کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ پس اس واسطے ہماری طرف سے تو یہی نصیحت ہے کہ اپنے آپ کو عمدہ اور نیک نمونہ بنانے کی کوشش

میں لگے رہو۔ جب تک فرشتوں کی سی زندگی نہ بن جاوے تب تک کیسے کہا جا سکتا ہے کہ کوئی پاک ہو گیا۔ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۔"

(ملفوظات جلد 10 ایڈیشن 1984۔ صفحہ 137-138)

مؤمن خدا کی عظمت کو مقدّم کرتا ہے۔ فرمایا:

"یاد رکھو! کوئی جسمانی بات جس کے ساتھ کیفیت نہ ہو فائدہ مند نہیں ہو سکتی جیسا کہ خدا تعالیٰ کو قربانی کے گوشت نہیں پہنچتے ایسے ہی تمہارے رکوع اور سجود بھی نہیں پہنچتے جبتک ان کے ساتھ کیفیت نہ ہو خدا تعالیٰ کیفیت کو چاہتا ہے۔ خدا ان سے محبت کرتا ہے جو اس کی عزّت اور عظمت کے لئے جوش رکھتے ہیں جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ ایک باریک راہ سے جاتے ہیں اور کوئی دوسرا ان کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ جب تک کیفیت نہ ہو انسان ترقی نہیں کر سکتا گویا خدا تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ جب تک اس کے لئے جوش نہ ہو کوئی لذّت نہیں دے گا۔

ہر ایک آدمی کے ساتھ ایک تمنّا ہوتی ہے پر مؤمن نہیں بن سکتا جب تک ساری تمنّاؤں پر خدا تعالیٰ کی عظمت کو مقدّم نہ کرلے۔ ولی قریب اور دوست کو کہتے ہیں۔ جو دوست چاہتا ہے وہی یہ چاہتا ہے تب یہ ولی کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ چاہئے کہ یہ خدا تعالیٰ کے لئے جوش رکھے۔ پھر یہ اپنے ابنائے جنس سے بڑھ جائے گا۔ خدا تعالیٰ کے مقرّب لوگوں میں سے بن جائے گا۔ مُردوں کی طرح نہیں ہونا چاہئے کہ مُردہ کے منہ میں ایک شئے ایک طرف سے ڈالی جاتی ہے تو دوسری طرف سے نکل آتی ہے۔ اسی طرح شقاوت کے وقت کوئی چیز اچھی ہو اندر نہیں جاتی۔

یاد رکھو کہ کوئی عبادت اور صدقہ قبول نہیں ہوتا جبتک کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جوش نہ ہو۔ ذاتی جوش نہ ہو۔ جس کے ساتھ کوئی ملونی ذاتی فوائد اور منافع کی نہ ہو۔ ایسا ہو کہ خود بھی نہ جانے کہ یہ جوش میرے میں کیوں ہے۔ بہت ضرورت ہے کہ ایسے لوگ بکثرت پیدا ہوں مگر سوائے خدا کے ارادہ کے کچھ ہو نہیں سکتا اور جو لوگ اس طرح دینی خدمات میں مصروف ہوئے ہیں وہ یاد رکھیں کہ وہ خدا پر کوئی احسان نہیں کرتے۔ جیسا کہ ہر ایک فصل کے کاٹنے کا وقت آ جاتا ہے ایسا ہی مفاسد کے دُور کر دینے کا اب وقت آ گیا ہے۔ تثلیث پرستی حد کو پہنچ گئی ہے۔ صادق کی توہین و گستاخی انتہا تک کی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کا قدر مکھی اور زنبور جتنا نہیں کیا گیا۔ زنبور سے بھی آدمی ڈرتا ہے اور چیونٹی سے بھی اندیشہ کرتا ہے۔ مگر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا کہنے میں کوئی نہیں جھجکا۔ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا کے مصداق ہو رہے ہیں۔ جتنا منہ اُن کا کھل سکتا ہے۔ انہوں نے کھولا اور منہ پھاڑ پھاڑ کر سبّ وشتم کئے۔ اب وہ وقت واقعی آگیا ہے کہ خدا تعالیٰ ان کا تدارک کرے۔ ایسے وقت میں وہ ہمیشہ ایک آدمی کو پیدا کیا کرتا ہے۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا وہ ایسے آدمی کو پیدا کرتا ہے جو اس کی عظمت و جلال کے لئے بہت ہی جوش رکھتا ہو۔ باطنی مدد کا اس آدمی کو سہارا ہوتا ہے۔ در اصل سب کچھ خدا تعالیٰ آپ کرتا ہے مگر اس کا پیدا کرنا صرف ایک سنّت کا پورا کرنا ہوتا ہے۔ اب وقت آگیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے عیسائیوں کو قرآن کریم میں نصیحت کی تھی کہ اپنے دین میں غلوّ نہ کریں پر انہوں نے اس نصیحت پر عمل نہ کیا اور پہلے وہ صرف ضالّین تھے پر اب مضلّین بھی بن گئے۔ خدا تعالیٰ کے صحف قدرت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب بات حد سے گزر جاتی ہے تو آسمان پر تیاری کی جاتی ہے۔ یہی اس کا نشان ہے کہ اب تیاری کا وقت آگیا ہے۔ سچے نبی رسول مجدّد کی بڑی نشانی یہی ہے کہ وہ وقت پر آوے، ضرورت کے وقت آوے۔ لوگ قسم کھا کر کہیں کہ کیا یہ وقت نہیں کہ آسمان پر کوئی تیاری ہو۔

مگر یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ سب کچھ آپ کرتا ہے۔ ہم اور ہماری جماعت اگر سب کے سب حُجروں میں بیٹھ جاویں تب بھی کام ہو جاوے گا اور دجّال کو زوال آوے گا۔ تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا اس کا کمال بتاتا ہے کہ اب اس کے زوال کا وقت ہے۔ اس کا ارتفاع ظاہر کرتا ہے کہ اب وہ نیچا دیکھے گا۔ اس کی آبادی اس کی بربادی کا نشان ہے۔ ہاں ٹھنڈی ہوا چل پڑی ہے۔ خدا تعالیٰ کے کام آہستگی کے ساتھ ہوتے ہیں۔"

(ملفوظات جلد 10 ایڈیشن 1984۔ صفحہ 179-180)

مؤمن خود ایک جماعت ہے۔ فرمایا:

"ہمارے پاس تو جب کوئی اس قسم کا خط آتا ہے کہ مَیں اکیلا ہوں تو ہمیں اس کے ایمان ہی کا خطرہ ہو جاتا ہے۔ مؤمن خود جماعت ہے۔ مؤمن اکیلا کبھی نہیں رہتا۔ جس کا خدا تعالیٰ پر ایمان کامل ہوتا ہے خدا تعالیٰ اسے اکیلا نہیں رہنے دیتا۔"

(ملفوظات جلد 10 ایڈیشن 1984۔ صفحہ 230)

مؤمن ضائع نہیں کیا جاتا۔ فرمایا:

”مَیں تو کبھی نہیں مان سکتا کہ جو شخص دل سے خدا تعالیٰ کی طرف قدم رکھے وہ ضائع ہو۔ مؤمن آدمی کبھی ضائع نہیں کیا جاتا۔ اس کو دین بھی ملتا ہے اور دُنیا میں بھی عزّت ملتی ہے اور مال بھی۔“

(ملفوظات جلد 9 ایڈیشن 1984۔ صفحہ 409)

سامعین! سچا مؤمن وہ ہے۔ فرمایا:

”یاد رکھو کہ یہ جماعت اس بات کے واسطے نہیں کہ دولت اور دنیا داری ترقی کرے اور زندگی آرام سے گزرے۔ ایسے شخص سے تو خدا تعالیٰ بیزار ہے۔ چاہیئے کہ صحابہؓ کی زندگی کو دیکھو، وہ زندگی سے پیار نہ کرتے تھے، ہر وقت مرنے کے لئے تیار تھے۔ بیعت کے معنے ہیں اپنی جان کو بیچ دینا۔ جب انسان زندگی کو وقف کر چکا تو پھر دنیا کے ذکر کو درمیان میں کیوں لاتا ہے؟ ایسا آدمی تو صرف رسمی بیعت کرتا ہے۔ وہ تو کل بھی گیا اور آج بھی گیا۔ یہاں تو صرف ایسا شخص رہ سکتا ہے جو ایمان کو درست کرنا چاہیے۔ انسان کو چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی زندگی کا ہر روز مطالعہ کرتا رہے۔ وہ تو ایسے تھے کہ بعض مَر چکے تھے اور بعض مرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس کے سوائے بات نہیں بن سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ کنارہ پر کھڑے ہو کر عبادت کرتے ہیں تاکہ ابتلا دیکھ کر بھاگ جائیں وہ فائدہ نہیں حاصل کر سکتے۔ دنیا کے لوگوں کی عادت ہے کہ کوئی ذرا سی تکلیف ہو تو لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگتے ہیں اور آرام کے وقت خدا تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں۔ کیا لوگ چاہتے ہیں کہ امتحان میں سے گزرنے کے سوا ہی خدا خوش ہو جائے۔ خدا تعالیٰ رحیم کریم ہے۔ مگر سچا مؤمن وہ ہے جو دنیا کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر دے۔ خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو ضائع نہیں کرتا۔ ابتدا میں مؤمن کے واسطے دنیا جہنم کا نمونہ ہو جاتی ہے۔ طرح طرح کے مصائب پیش آتے ہیں اور ڈراؤنی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں تب وہ صبر کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ اُن کی حفاظت کرتا ہے۔

عشق اوّل سرکش و خونی بود
تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

جو خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کے لئے دو جنت ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی رضا کے ساتھ جو متفق ہو جاتا ہے خدا تعالیٰ اس کو محفوظ رکھتا ہے اور اس کو حیاۃِ طیبہ حاصل ہوتی ہے۔ اس کی سب مُرادیں پوری کی جاتی ہیں۔ مگر یہ بات ایمان کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ ایک شخص کے اپنے دل میں ہزار گند ہوتا ہے۔ پھر خدا پر شک لاتا ہے اور چاہتا ہے کہ مؤمنوں کا حصہ مجھے بھی ملے۔ جب تک انسان پہلی زندگی کو ذبح نہ کر دے اور محسوس نہ کرلے کہ نفس امّارہ کی خواہش مر گئی ہے اور خدا تعالیٰ کی عظمت دل میں بیٹھ نہ جائے تب تک مؤمن نہیں ہوتا۔ اگر مؤمن کو خاص امتیاز نہ بخشا جائے تو مؤمنوں کے واسطے جو وعدے ہیں وہ کیونکر پورے ہوں گے۔ لیکن جب تک دورنگی اور منافقت ہو تب تک انسان کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ایک ایسی جماعت بنائے گا جو ہر جہت میں سب پر فوقیت رکھے گی۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کا فضل کرے گا۔ مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر شخص اپنے نفس کا تزکیہ کرے۔ ہاں کمزوری میں اللہ تعالیٰ معاف کرتا ہے۔ جو شخص کمزور ہے اور ہاتھ اٹھاتا ہے کہ کوئی اس کو پکڑے اور اُٹھائے، اس کو اُٹھایا جائے گا۔ مگر مؤمن کو چاہیے کہ اپنی حالت پر فارغ نہ بیٹھے۔ اس سے خدا راضی نہیں ہے۔ ہر طرح سے کوشش کرنی چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے راضی کرنے کے جو سامان ہیں وہ سب مہیا کئے جائیں۔

ریاکار انسان بے فائدہ کام کرتا ہے۔ مؤمن کو تو خداوند تعالیٰ خود بخود شہرت دیتا ہے۔ ایک شخص کا ذکر ہے کہ وہ مسجدوں میں لمبی نمازیں پڑھا کرتا تھا تا کہ لوگ اُسے نیک کہیں لیکن جب وہ بازار سے گزرتا تو لڑکے بھی اسی کی طرف اشارہ کرتے اور کہتے کہ یہ ایک ریاکار آدمی ہے جو دکھلاوے کی نمازیں پڑھتا ہے۔ ایک دن اس شخص کو خیال ہوا کہ مَیں لوگوں کا کیوں خیال رکھتا ہوں اور بے فائدہ محنت اُٹھاتا ہوں۔ مجھے چاہیے کہ اپنے خدا کی طرف متوجّہ ہو جاؤں اور خالص خدا کی خاطر عبادت کروں۔ یہ بات سوچ کر اس نے سچی توبہ کی اور اپنے اعمال کو خدا کے واسطے خاص کر دیا اور دنیوی رنگ کی نمازیں چھوڑ دیں اور علیحدگی میں بیٹھ کر دعائیں کرنے لگا اور اپنی عبادت کو پوشیدہ رکھنا چاہا۔ تب وہ جس کوچہ سے گزرتا۔ لوگ اس کی طرف اشارہ کرتے کہ یہ ایک نیک بخت آدمی ہے۔

سچا مؤمن وہ ہے جو کسی کی پروانہ کرے۔ خدا تعالیٰ خود ہی سارے بندوبست کر دے گا۔ لوگوں کی تکلیف دہی کی پروا نہیں رکھنی چاہیے۔ دنیا میں کوئی کسی کے ساتھ دوستی پکّی کرتا ہے تو دنیا کے لوگ اپنی دوستی کا حق ادا کرتے ہیں۔ وہ کون دوست ہے جس کے ساتھ سلوک کیا جاوے تو وہ بے تعلقی ظاہر کی ہے۔ ایک چور کے ساتھ ہمارا سچا تعلّق ہو تو وہ بھی ہمارے گھر میں نقب زنی نہیں کرتا۔ تو کیا خدا تعالیٰ کی وفا چور کے برابر بھی نہیں۔ خدا تعالیٰ کی دوستی تو وہ ہے کہ دنیاداروں میں اس کی کوئی نظیر ہی نہیں۔ دنیاداروں کی دوستی میں تو عذر بھی ہے۔ تھوڑی سی رنجش کے ساتھ دنیادار دوستی توڑنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کے تعلقات پکّے ہیں۔ جو شخص خدا تعالیٰ کے ساتھ دوستی کرتا ہے خدا تعالیٰ اس پر برکات نازل کرتا ہے۔ اس کے گھر میں برکت دیتا ہے۔ اس کے کپڑوں میں برکت دیتا ہے اس کے پس خوردہ میں برکت دیتا ہے۔

بخاری میں ہے کہ نوافل کے ذریعہ سے انسان خدا تعالیٰ سے تعلّق پیدا کرتا ہے۔ نوافل ہر شئے میں ہوتے ہیں۔ فرض سے بڑھ کر جو کچھ کیا جائے وہ سب نوافل میں داخل ہے جب انسان نوافل میں ترقی کرتا ہے تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص میرے ولی سے مقابلہ کرتا ہے وہ میرے ساتھ لڑائی کے لئے تیار ہو جائے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ سچی محبت کرنے والے بھی غنی، بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کی تکذیب کی کچھ پروا نہیں رکھتے۔ جو لوگ خلقت کی پروا کرتے ہیں وہ خلق کو معبود بناتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے بندوں میں ہمدردی بہت ہوتی ہے مگر ساتھ ہی ایک بے نیازی کی صفت بھی لگی ہوئی ہے۔ وہ دنیا کی پروا نہیں کرتے۔ آگے خدا تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے کہ دنیا کِھچی ہوئی ان کی طرف چلی آتی ہے۔

ہماری جماعت کو ایسا ہونا چاہیے کہ نِری لفاظی پر نہ رہے بلکہ بیعت کے سچے منشا کو پورا کرنے والی ہو۔ اندرونی تبدیلی کرنی چاہئے۔ صرف مسائل سے تم خدا تعالیٰ کو خوش نہیں کر سکتے۔ اگر اندرونی تبدیلی نہیں تو تم میں اور تمہارے غیر میں کچھ فرق نہیں۔ اگر تم میں مکر، فریب، کسل اور سُستی پائی جائے تو تم دوسروں سے پہلے ہلاک کئے جاؤ گے ہر ایک کو چاہیے کہ اپنے بوجھ کو اُٹھائے اور اپنے وعدے کو پورا کرے، عمر کا اعتبار نہیں۔ دیکھو! مولوی عبد الکریم صاحب فوت ہو گئے۔ ہر جمعہ میں ہم کوئی نہ کوئی جنازہ

پڑھتے ہیں۔ جو کچھ کرنا ہے اب کر لو۔ جب موت کا وقت آتا ہے تو پھر تاخیر نہیں ہوتی۔ جو شخص قبل از وقت نیکی کرتا ہے امید ہے کہ وہ پاک ہو جائے۔ اپنے نفس کی تبدیلی کے واسطے سعی کرو۔ نماز میں دعائیں مانگو۔ صدقات خیرات سے اور دوسرے ہر طرح کے حیلہ سے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا میں شامل ہو جاؤ۔ جس طرح بیمار طبیب کے پاس جاتا، دوائی کھاتا مسہل لیتا، خون نکلواتا، ٹکور کرواتا اور شفا حاصل کرنے کے واسطے ہر طرح کی تدبیر کرتا ہے۔ اسی طرح اپنی روحانی بیماریوں کو دُور کرنے کے واسطے ہر طرح کی کوشش کرو۔ صرف زبان سے نہیں بلکہ مجاہدہ کے جس قدر طریق خدا تعالیٰ نے فرمائے ہیں وہ سب بجالاؤ۔ صدقہ خیرات کرو۔ جنگلوں میں جا کر دعائیں کرو۔ سفر کی ضرورت ہو تو وہ بھی کرو۔ بعض آدمی پیسے لے کر بچوں کو دیتے پھرتے ہیں کہ شاید اسی طرح کشوف باطن ہو جائے۔ جب باطن پر قفل ہو جائے تو پھر کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالے حیلے کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔ جب انسان تمام حیلوں کو بجالاتا ہے تو کوئی نہ کوئی نشانہ بھی ہو جاتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 8 ایڈیشن 1984۔ صفحہ 185-189)

سامعین! مومن کبھی غمگین نہیں ہوتا۔ فرمایا:

"اگر انسان کا وجود اللہ تعالیٰ کے بغیر ہوتا تو کچھ شک نہیں بڑی مصیبت ہوتی۔ مگر اب تو ذرّہ ذرّہ کی حفاظت وہ ایک ذات کر رہی ہے۔ پھر کس بات کا غم اور خوف ہے۔ اس کی قدرتیں عجیب ہیں اور اس کے تصرّفات بے نظیر۔ قادر خدا کو مان کر مؤمن کبھی غمگین نہیں ہوتا۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے۔ اسی میں خیر وبرکت ہوتی ہے۔ مؤمن اور غیر مؤمن میں ایمان ہی کا تو فرق ہے۔ دہریّہ مزاج اور اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لانے والے کی زندگی اس وقت تک عمدہ اور بے خوف وخطر ہوتی ہے۔ جب تک اس پر مصائب اور مشکلات کا حملہ نہیں ہوتا۔ لیکن جب خفیف سی مشکلات بھی آ کر ظاہر ہوتی ہیں تو اس کی عقل مار دیتی ہیں اور وہ ان کی برداشت نہیں کر سکتا۔ اس کی امید اللہ تعالیٰ پر ہوتی ہی نہیں اور اسباب اُسے مایوس کر دیتے ہیں۔ ایسی حالت میں ذرا ذرا سی بات خلاف مزاج پیش آجانے پر بعض اوقات یہ لوگ خودکشیاں کر لیتے ہیں۔ یورپ میں جہاں دہریوں کی کثرت ہے وہاں اس قدر خودکشیاں ہوتی ہیں کہ کسی اَور ملک میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہی کہ وہ ہمّ و غم اور مصائب کی برداشت نہیں کر سکتے۔ ان کے

دل کمزور ہو جاتے ہیں۔ لیکن بر خلاف اس کے مؤمن قوی دل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا بھروسہ خدا تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ اس پر اگر مصائب آئیں تو وہ اس کو پست ہمت نہیں بناتیں بلکہ وہ مصائب میں اَور بھی قدم آگے بڑھاتا ہے۔ اس کا ایمان پہلے سے اَور زیادہ مضبوط ہوتا ہے اور سچ پوچھو تو ایمان کا مزہ اور لذّت انہیں دنوں میں آتی ہے اور ایمان انہیں ایام کے لئے ہوتا ہے۔ صحت کی حالت میں جبکہ نہ کوئی مالی غم ہو نہ جانی بلکہ ہر قسم کی آسائش اور امن ہو اس وقت کافر اور غیر کافر کی حالت یکساں ہو سکتی ہے لیکن مصیبت اور بیماری اور دوسری مشکلات میں ان باتوں کا امتحان ہو جاتا ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ کون اللہ تعالیٰ سے قوی تعلّق رکھتا ہے اور اس کی قدرتوں پر ایمان لاتا ہے اور کون اس کا شکوہ کرتا ہے اور اس سے ناراض ہوتا ہے۔ مصیبت اور دُکھ، ایمان کا ایک کامل معیار ہے اسی سے پہچانا جاتا ہے کہ کون صبر کرتا ہے۔ صبر کیا ہے؟ یہ بھی ایمان ہی کا نتیجہ ہے۔ مصیبتوں میں جب مؤمن صبر کرتا ہے تو یہ صبر بھی ایک نئے رنگ کا صبر معلوم ہوتا ہے کہ کافر اس صبر میں مشابہت نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ خدا تعالیٰ کا معاملہ بھی ایک نئے رنگ کا معاملہ ہوتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ایک نیا خدا معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس پر ایمان لاکر معرفت میں ترقی ہوتی ہے۔ جب مشکلات اور مصائب کی وجہ سے مؤمن دعائیں کرتا ہے۔ تو دو فائدے ہوتے ہیں ایک تو وہ مصائب بجائے خود اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔ دوسرے ان دعاؤں کے ذریعہ ان سے نجات بھی ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر اور اس کی قدرتوں پر ایمان بڑھتا ہے۔ مصیبت سے انسان کی زندگی کبھی خالی نہیں رہ سکتی۔ کسی نہ کسی رنگ میں کوئی نہ کوئی مصیبت انسان پر آ ہی جاتی ہے۔ خواہ بیماری کے رنگ میں ہو خواہ عزّت و آبرو کے متعلق ہو یا مال و اسباب کی صورت میں ہو۔ لیکن مؤمن کی مصیبت اس پر سہل ہو جاتی ہے اور اس کے گناہوں کا کفّارہ ہوتی ہے۔ وہ اس مصیبت کو اپنے لئے خدا تعالیٰ سے تعلقات بڑھانے کا ایک ذریعہ یقین کرتا ہے اور فی الحقیقت ایسا ہی ہوتا ہے مگر وہی مصیبت بے ایمانوں کے لئے عذاب کے رنگ میں ہو جاتی ہے۔ کبھی دوسرے کو مصیبت میں دیکھ کر خوش نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ وہ تو ایک عبرت کا مقام ہے۔ خود بھی اس کے لئے تیار رہنا چاہئے۔“

(ملفوظات جلد 8 ایڈیشن 1984ء صفحہ 43-45)

مؤمن ہمیشہ جماعت بنا ہی لیتا ہے۔ فرمایا:

”اگر ایک آدمی بھی متقی اور صالح کسی مقام پر ہو جو اشاعتِ حق کے لئے پورا جوش رکھتا ہو تو خدا تعالیٰ اس میں قوّت جاذبہ پیدا کر دیتا ہے اور وہ ایک جماعت بنا ہی لیتا ہے کیونکہ مؤمن کبھی اکیلا نہیں رہ سکتا۔ یہ نہیں کہ صرف معجزات کے ذریعہ سے ہی لوگوں پر حجّت پوری کی جاتی ہے۔ بلکہ مؤمن میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوّت جذب رکھی ہے۔ سعید لوگ اس کی طرف کھینچے جاتے ہیں اور غیر سعید لوگ بھی سلسلہ حقّہ کی خدمت میں لگائے جاتے ہیں۔ ان کے سپرد یہ خدمت کی جاتی ہے کہ سلسلہ حقّہ کی مخالفت میں شور و غوغا مچا کر اس کی تشہیر کریں اور اس کی تبلیغ کو دُور تک پہنچا دیں۔ مؤمن میں قوّت جاذبہ ضرور ہوتی ہے جب مَیں براہین لکھتا تھا تو یہ الہام ہوا تھا کہ ہر ایک دُور کی راہ سے لوگ تیرے پاس آئیں گے۔ اس وقت ایک بھی آدمی میرے ساتھ نہ تھا اور یہ کتاب وہ ہے جو ہر ایک فرقہ عیسائی ہندو، برہمو، آریہ اور سب مخالفین کے پاس ہے۔ مولوی محمد حسین نے اس پر بڑا ریویو لکھا تھا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ پیشگوئیاں ہم نے بنائی ہیں یا ایسے زمانہ میں لکھی گئی تھیں کہ لوگ آیا جایا کرتے تھے۔ ایسے وقت میں یہ الہامات شائع ہوئے اور کئی ایک زبانوں میں عربی، فارسی، اردو، انگریزی، عبرانی، سب زبانوں میں الہامات ہوئے۔ یہ اس لئے ہوا کہ ہر ایک زبان گواہ رہے اور اس کتاب کی عظمت ہو اور اس میں یہ بھی ایک راز معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک زبان کے لوگ گواہ ہوں گے اور اس جماعت میں داخل ہوں گے۔“

(ملفوظات جلد 8 ایڈیشن 1984۔ صفحہ 199)

مؤمن ابو بکر، عمر، عثمان، علی کے رنگ پیدا کریں۔ فرمایا:

”غرض میرے آنے کی غرض تو یہ ہے کہ اسلام کا غلبہ دوسرے ادیان پر ہو۔ دوسرا کام یہ ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نماز پڑھتے ہیں اور یہ کرتے ہیں اور وہ کرتے ہیں۔ یہ صرف زبانوں پر حساب ہے۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ وہ کیفیت انسان کے اندر پیدا ہو جاوے جو اسلام کا مغز اور اصل ہے۔ مَیں تو یہ جانتا ہوں کہ کوئی شخص مؤمن اور مسلمان نہیں بن سکتا جب تک ابو بکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سا رنگ پیدا نہ ہو۔ وہ دنیا سے محبت نہ کرتے تھے بلکہ اُنہوں نے اپنی زندگیاں خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کی ہوئی تھیں۔ اب جو کچھ ہے وہ دنیا ہی کے لئے ہے اور اس قدیم استغراق دنیا میں ہو رہا ہے کہ

خدا تعالیٰ کے لئے کوئی خانہ خالی نہیں رہنے دیا۔ تجارت ہے تو دنیا کے لئے، عمارت ہے تو دنیا کے لئے بلکہ نماز روزہ اگر ہے تو وہ بھی دنیا کے لئے۔ دنیا داروں کے قرب کے لئے تو سب کچھ کیا جاتا ہے مگر دین کا پاس ذرّہ بھی نہیں اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کیا اسلام کے اعتراف اور قبولیت کا اتنا ہی منشا تھا جو سمجھ لیا گیا ہے؟ یا وہ بلند غرض ہے۔ مَیں تو یہ جانتا ہوں کہ مؤمن پاک کیا جاتا ہے اور اس میں فرشتوں کا رنگ ہو جاتا ہے۔ جیسے جیسے اللہ تعالیٰ کا قرب بڑھتا جاتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا کلام سنتا اور اس سے تسلّی پاتا ہے۔ اب تم میں سے ہر ایک اپنے اپنے دل میں سوچ لے کہ کیا یہ مقام اُسے حاصل ہے؟ مَیں سچ کہتا ہوں کہ تم صرف پوست اور چھلکے پر قانع ہو گئے ہو حالانکہ یہ کچھ چیز نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ مغز چاہتا ہے پس جیسے میرا یہ کام ہے کہ ان حملوں کو روکا جاوے جو بیرونی طور پر اسلام پر ہوتے ہیں ویسے ہی مسلمانوں میں اسلام کی حقیقت اور روح پیدا کی جاوے۔"

(ملفوظات جلد 8 ایڈیشن 1984۔ صفحہ 260-261)

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی مؤمن بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴾46﴿ ﴾مشاہدات۔1275﴿

مؤمنین کا بُلند مقام و مرتبہ اَور فرائض و ذمّہ داریاں

(حضرت مسیح موعودؑ کے ارشادات کے تناظر میں)

(تقریر نمبر4)

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ (الانفال:3)

یعنی مؤمن صرف وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اُس کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ ان کو ایمان میں بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے ربّ پر ہی توکّل کرتے ہیں۔

اُس رُخ کو دیکھنا ہی تو ہے اصل مدّعا
جنّت بھی ہے یہی کہ مل یارِ آشنا
اَے حُبِّ جاہ والو یہ رہنے کی جا نہیں
اِس میں تو پہلے لوگوں سے کوئی رہا نہیں

(درثمین)

معزز سامعین! آج آپ حاضرین کے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں مؤمنین کا بُلند مقام و مرتبہ اَور فرائض و ذمّہ داریاں بیان کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ آج کی تقریر اِس حوالے سے چوتھی کڑی ہے۔ آپ **سچا مؤمن کون ہے؟** کے حوالے سے فرماتے ہیں:

”یقیناً یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی مؤمن اور بیعت میں داخل ہوتا ہے جو دین کو دنیا پر مقدّم کرلے جیسا کہ وہ بیعت کرتے وقت کہتا ہے۔ اگر دنیا کی اغراض کو مقدّم کرتا ہے تو وہ اس اقرار کو توڑتا ہے اور خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ مجرم ٹھہرتا ہے۔ پس اسی غرض سے یہ اشتہار (الوصیت) مَیں نے

خدا تعالیٰ کے اذن سے دیا ہے۔ سچی بات یہی ہے۔ سال دیگر را کہ مے داند حساب لیکن جبکہ خدا تعالیٰ کی متواتر وحی نے مجھ پر کھولا کہ وقت قریب ہے اور اجل مقدّر کا الہام ہوا تو مَیں نے اللہ تعالیٰ ہی کے اشارہ سے یہ اشتہار دیا کہ تا آئندہ کے لئے اشاعتِ دین کا سامان ہو اور تا لوگوں کو معلوم ہو کہ آمنّا و صدّقنا کہنے والوں کی عملی حالت کیا ہے۔ یقیناً یاد رکھو کہ جبتک انسان کی عملی حالت درست نہ ہو زبان کچھ چیز نہیں۔ یہ نِری لاف گزاف ہے۔ زبان تک جو ایمان رہتا ہے اور دل میں داخل ہو کر اپنا اثر عملی حالت پر نہیں ڈالتا وہ منافق کا ایمان ہے۔ سچا ایمان وہی ہے جو دل میں داخل ہو اور اس کے اعمال کو اپنے اثر سے رنگین کر دے۔ سچا ایمان ابو بکرؓ اور دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔ کیونکہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال تو مال جان تک کو دے دیا اور اس کی پروا بھی نہ کی۔ جان سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہوتی مگر صحابہؓ نے اُسے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا۔ انہوں نے کبھی اس بات کی پروا بھی نہیں کی کہ بیوی بیوہ ہو جائے گی یا بچے یتیم رہ جائیں گے بلکہ وہ ہمیشہ اسی آرزو میں رہتے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں ہماری زندگیاں قربان ہوں۔

مجھے ہمیشہ خیال آتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا نقش دل پر ہو جاتا ہے اور کیسی بابرکت وہ قوم تھی اور آپ کی قوّت قدسیہ کا کیسا قوی اثر تھا کہ اس قوم کو اس مقام تک پہنچا دیا۔ غور کر کے دیکھو کہ آپ نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ ایک حالت اور وقت اُن پر ایسا تھا کہ تمام محرّمات ان کے لئے شِیر مادر کی طرح تھیں۔ چوری، شرابخوری، زنا، فسق و فجور سب کچھ تھا۔ غرض کون سا گناہ تھا جو اُن میں نہ تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت اور تربیت سے ان پر وہ اثر ہوا اور ان کی حالت میں وہ تبدیلی پیدا ہوئی کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی شہادت دی اور کہا اَللّٰہُ اَللّٰہُ فِیْ اَصْحَابِیْ فی۔ گویا بشریت کا چولہ اُتار کر مظہرُ اللہ ہو گئے تھے اور ان کی حالت فرشتوں کی سی ہو گئی تھی جو یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ کے مصداق ہیں۔ ٹھیک ایسی ہی حالت صحابہؓ کی ہو گئی تھی۔ ان کے دلی ارادے اور نفسانی جذبات بالکل دور ہو گئے تھے۔ ان کا اپنا کچھ رہا ہی نہیں تھا۔ نہ کوئی خواہش تھی نہ آرزو۔ بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو اور اس کے لئے وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں بکریوں کی طرح ذبح ہو گئے۔ قرآن شریف ان کی اس حالت کے متعلق فرماتا ہے مِنْھُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَہٗ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا۔

یہ حالت انسان کے اندر پیدا ہو جانا آسان بات نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کو آمادہ ہو جاوے۔ مگر صحابہؓ کی حالت بتاتی ہے کہ انہوں نے اس فرض کو ادا کیا۔ جب انہیں حکم ہوا کہ اس راہ میں جان دے دو۔ پھر وہ دنیا کی طرف نہیں جھکے۔ پس یہ ضروری امر ہے کہ تم دین کو دنیا پر مقدّم کرلو۔"

(ملفوظات جلد 8 ایڈیشن 1984ء صفحہ 296-297)

حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک مؤمن کون ہے۔ فرماتے ہیں:

"میرے نزدیک مؤمن وہی ہے کہ اگر اس نے خدا تعالیٰ کی راہ میں جان نہ دی ہو تو وہ رُوحانی طور پر ضرور جان دے کر شہید ہو چکا ہو۔ پس اگر موسیٰ علیہ السلام کو جان کا ہی خوف تھا۔ تو اس سے (اگر یہ افواہ سچ ہے کہ شہزادہ پیر مولوی عبد اللطیف خاں صاحب سنگسار کر کے مارے گئے ہیں) عبد اللطیف صاحب ہی اچھے رہے جنہوں نے ایمان نہ دیا اور جان دے دی۔ پس ہمارا تو یہی خیال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت یہ خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ مَیں نامُراد مارا جاؤں اور فرضِ رسالت ادا نہ ہو۔"

(ملفوظات جلد 6 ایڈیشن 1984ء صفحہ 119)

سامعین! مؤمن کی تعریف یوں بیان فرمائی:

"مؤمن کی تعریف یہ ہے کہ خیرات وصدقہ وغیرہ جو خدا نے اس پر فرض ٹھہرایا ہے بجالاوے اور ہر ایک کارِ خیر کے کرنے میں اس کو ذاتی محبت ہو اور کسی تصنّع و نمائش وریا کو اس میں دخل نہ ہو۔ یہ حالت مؤمن کی اس کے سچے اخلاص اور تعلق کو ظاہر کرتی ہے اور ایک سچا اور مضبوط رشتہ اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ پیدا کر دیتی ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اُس کی زبان ہو جاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے اور اس کے کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے جس سے وہ کام کرتا ہے۔ الغرض ہر ایک فعل اُس کا اور ہر ایک حرکت سکون اس کا اللہ ہی کا ہوتا ہے۔ اس وقت جو اس سے دشمنی کرتا ہے اور پھر فرماتا ہے کہ مَیں کسی بات میں اس قدر تردّد نہیں کرتا جس قدر کہ اس کی موت میں قرآن شریف میں لکھا ہے کہ مؤمن اور غیر مؤمن میں ہمیشہ فرق رکھ دیا جاتا ہے۔ غلام کو چاہیے کہ ہر وقت رضاِ الٰہی کو ماننے اور ہر ایک رضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے میں دریغ نہ کرے۔ کون ہے جو عبودیت سے انکار کر کے خدا کو اپنا محکوم بنانا چاہتا ہے؟"

(ملفوظات جلد 6 ایڈیشن 1984ء صفحہ 17-18)

مؤمن وہ ہے جس کا نام آسمان پر تحریر ہو۔ فرماتے ہیں:

”بہت سی مخلوق ایسی ہے کہ لوگ ان کو مؤمن اور راست باز سمجھتے ہیں مگر آسمان پر اُن کا نام کافر ہے۔ اس واسطے حقیقی مؤمن اور راستباز وہی ہے جس کا نام آسمان پر مؤمن ہے۔ دنیا کی نظر میں خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ کہلاتا ہو۔ حقیقت میں یہ بہت ہی مشکل گھاٹی ہے۔ کہ انسان سچا ایمان لاوے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ کامل اخلاص اور وفاداری کا نمونہ دکھلاوے۔ جب انسان سچا ایمان لاتا ہے تو اس کے بہت سے نشانات ہو جاتے ہیں۔ قرآن شریف نے سچے مؤمنوں کی جو علامات بیان کی ہیں وہ ان میں پائی جاتی ہیں۔ ان علامات میں سے ایک بڑی علامت جو حقیقی ایمان کی ہے وہ یہی ہے کہ جب انسان دنیا کو پاؤں کے نیچے کچل کر اُس سے اس طرح الگ ہو جاتا ہے جیسے سانپ اپنی کینچلی سے باہر آ جاتا ہے۔ اس طرح پر جب انسان نفسانیت کی کینچلی سے باہر آ جاتا ہے تو وہ مؤمن ہوتا ہے اور ایمانِ کامل کے آثار اس میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو تقویٰ سے بھی بڑھ کر کام کرتے ہیں یعنی محسنین ہوتے ہیں۔“

(ملفوظات جلد 6 ایڈیشن 1984ء صفحہ 240-241)

مؤمن ہونے کے لئے دل سے ایمان لانا ضروری ہے۔ فرمایا:

”بعض لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے سوا اَوروں پر بھروسہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں اگر فلاں نہ ہوتا تو مَیں ہلاک ہو جاتا۔ میرے ساتھ فلاں نے احسان کیا۔ وہ نہیں جانتا کہ یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۔ مَیں اس خدا کی پناہ مانگتا ہوں جس کی تمام پرورشیں ہیں۔ ربّ یعنی پرورش کنندہ وہی ہے اس کے سوا کسی کا رحم اور کسی کی پرورش نہیں ہوتی حتیٰ کہ جو ماں باپ بچے پر رحمت کرتے ہیں۔ دراصل وہ بھی اسی خدا کی پرورشیں ہیں اور بادشاہ جو رعایا سے انصاف کرتا ہے اور اُس کی پرورش کرتا ہے۔ وہ سب بھی اصل میں خدا تعالیٰ کی مہربانی ہے۔

ان تمام باتوں سے اللہ تعالیٰ یہ سکھلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برابر کوئی نہیں۔ سب کی پرورشیں اسی کی پرورشیں ہوتی ہیں۔ بعض لوگ بادشاہوں پر بھروسہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں نہ ہوتا تو مَیں تباہ

ہو جاتا اور میرا فلاں کام بادشاہ نے کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ یاد رکھو! ایسا کہنے والے کافر ہوتے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ کافر نہ بنے، مؤمن بنے اور مؤمن نہیں ہوتا جب تک کہ دل سے ایمان نہ رکھے کہ سب پرورشیں اور رحمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ انسان کو اس کا دوست ذرّہ بھی فائدہ نہیں دے سکتا جب تک کہ خدا تعالیٰ کا رحم نہ ہو۔ اسی طرح بچے اور تمام رشتہ داروں کا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا رحم ہونا ضروری ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ دراصل مَیں ہی تمہاری پرورش کرتا ہوں۔ جب تک خدا تعالیٰ کی پرورش نہ ہو تو کوئی پرورش نہیں کر سکتا۔ دیکھو! جب خدا تعالیٰ کسی کو بیمار ڈال دیتا ہے تو بعض دفعہ طبیب کتنا ہی زور لگاتے ہیں مگر وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ طاعون کے مرض کی طرف غور کرو۔ سب ڈاکٹر زور لگا چکے۔ مگر یہ مرض دفع نہ ہوا۔ اصل یہ ہے کہ سب بھلائیاں اسی کی طرف سے ہیں اور وہی ہے کہ جو تمام بدیوں کو دُور کرتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 6 ایڈیشن 1984ء صفحہ 24-25)

سامعین! مؤمن کا متولّی اور متکفّل اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔ فرمایا:

" مؤمن وہ ہوتا ہے جو ایمان پر قائم ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کا متولّی اور متکفّل ہوتا ہے۔ اسلام میں کروڑہا ایسے آدمی گزرے ہیں جنہوں نے نہ سود لیا نہ دیا۔ آخر ان کے حوائج بھی پورے ہوتے رہے کہ نہیں؟ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہ لو نہ دو جو ایسا کرتا ہے وہ گویا خدا تعالیٰ کے ساتھ لڑائی کی تیاری کرتا ہے ایمان ہو تو اس کا صلہ خدا بخشتا ہے۔ ایمان بڑی بابرکت شئے ہے ۔اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ (البقرہ:107) اگر اُسے خیال ہو کہ پھر کیا کرے؟ تو کیا خدا کا حکم بھی بیکار ہے؟ اُس کی قدرت بہت بڑی ہے۔ سود تو کوئی شئے ہی نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا کہ زمین کا پانی نہ پیا کرو تو وہ ہمیشہ بارش کا پانی آسمان سے دیا کرتا۔ اسی طرح ضرورت پر وہ خود ایسی راہ نکال ہی دیتا ہے کہ جس سے اُس کی نافرمانی بھی نہ ہو۔ جب تک ایمان میں میل کچیل ہوتا ہے تب تک یہ ضعف اور کمزوری ہے۔ کوئی گناہ چھوٹ نہیں سکتا جب تک خدا نہ چھڑا دے ورنہ انسان تو ہر ایک گناہ پر یہ عذر پیش کر سکتا ہے کہ ہم چھوڑ نہیں سکتے اگر چھوڑیں تو گزارہ نہیں چلتا۔ دکانداروں عطّاروں کو دیکھا جاوے کہ پُرانا مال سالہا سال تک بیچتے ہیں۔ دھوکا دیتے ہیں۔ ملازم پیشہ لوگ رشوت خوری کرتے ہیں اور سب یہ عذر کرتے ہیں کہ گزارہ نہیں چلتا۔ ان

سب کو اگر اکٹھا کر کے نتیجہ نکالا جاوے تو پھر یہ نکلتا ہے کہ خدا کی کتاب پر عمل ہی نہ کرو کیونکہ گزارہ نہیں چلتا حالانکہ مؤمن کے لئے خدا خود سہولت کر دیتا ہے۔ یہ تمام راستبازوں کا مجرّب علاج ہے کہ مصیبت اور صعوبت میں خدا خود راہ نکال دیتا ہے۔

لوگ خدا کی قدر نہیں کرتے۔ جیسے بھروسہ اُن کو حرام کے دروازہ پر ہے ویسا خدا پر نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ پر ایمان یہ ایک نسخہ ہے کہ اگر قدر ہو تو جی چاہے کہ جیسے اور عجیب نسخہ مخفی رکھنا چاہتے ہیں ویسے ہی اُسے بھی مخفی رکھا جاوے۔ مَیں نے کئی دفعہ بیماریوں میں آزمایا ہے کہ پیشاب بار بار آرہا ہے۔ دست بھی لگے ہیں۔ آخر خدا سے دعا کی۔ صبح کو الہام ہوا

دُعَاءُكَ مُسْتَجَاب

اس کے بعد ہی وہ کثرت جاتی رہی اور کمزوری کی جگہ طاقت آگئی۔ یہ خدا کی طاقت ہے۔ خدا ایسا عجیب ہے کہ ان نسخوں سے بھی زیادہ قابل قدر ہے جو کیمیا وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ مجھے بھی ایک دفعہ خیال آیا کہ یہ تو چھپانے کے قابل ہے پھر سوچا کہ یہ تو بخل ہے۔ ایسی مفید شئے کا دنیا پر اظہار کرنا چاہئے کہ مخلوق الٰہی کو فائدہ حاصل ہو۔ یہی فرق اسلام اور دوسرے مذاہب کے خدا میں ہے۔ اُن کا خدا بولتا نہیں۔ خدا معلوم یہ بھی کیسا ایمان ہے؟۔ اسلام کا خدا جیسا پہلے تھا ویسے ہی اب ہے۔ نہ طاقت کم ہوئی نہ بوڑھا ہوا۔ نہ کچھ اَور نقص اُس میں واقع ہوا۔ ایسے خدا پر جس کا ایمان ہو وہ اگر آگ میں بھی پڑا ہو تو اُسے حوصلہ ہوتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو آخر آگ میں ڈالا ہی تھا۔ ایسے ہی ہم بھی آگ میں ڈالے گئے خون کا مقدّمہ بنایا گیا۔ اگر اس میں چھ یا دس سال کی قید ہو جاتی تو سب سلسلہ تباہ ہو جاتا سب قوموں نے متفق ہو کر یہ آگ سلگائی تھی۔ کیا کم آگ تھی؟ اس وقت سوائے خدا کے اَور کون تھا؟ اور وہی الہام ہوئے جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہوئے تھے۔ آخر میں الہام ہوا

اِبْرَاءٌ

اور تسلّی دی کہ سب کچھ میرے ہاتھ میں ہے۔“

(ملفوظات جلد 5 ایڈیشن 1984ء صفحہ 219-221)

مؤمن کے تین مدارج حضور علیہ السلام نے یوں بیان فرمائے ہیں:

" مؤمن کی جو تقسیم قرآنِ شریف میں کی گئی ہے۔ اس کے تین ہی درجے اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں۔ ظالم۔ مُقتصِد۔ سابق بالخیرات۔ یہ ان کے مدارج ہیں۔ ورنہ اسلام کے اندر یہ داخل ہیں۔ ظالم وہ ہوتا ہے کہ ابھی اس میں بہت غلطیاں اور کمزوریاں ہیں اور مُقتصِد وہ ہوتا ہے کہ نفس اور شیطان سے اس کی جنگ ہوتی ہے۔ مگر کبھی یہ غالب آجاتا ہے اور کبھی مغلوب ہوتا ہے۔ کچھ غلطیاں بھی ہوتی ہیں اور صلاحیت بھی اور سابق بالخیرات وہ ہوتا ہے۔ جو ان دونوں درجوں سے نکل کر مستقل طور پر نیکیاں کرنے میں سبقت لے جاوے اور بالکل صلاحیت ہی ہو۔ نفس اور شیطان کو مغلوب کر چکا ہو۔ قرآن شریف ان سب کو مسلمان ہی کہتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 125)

پھر مؤمن کی مثالیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو اس میں دو قسم کی عورتوں سے مثال دی ہے۔ اوّل فرعون کی بیوی سے اور ایک مریم سے۔ پہلی مثال میں یہ بتایا ہے کہ ایک مؤمن اس قسم کے ہوتے ہیں جو ابھی اپنے جذباتِ نفس کے پنجے میں گرفتار ہوتے ہیں اور اُن کی بڑی آرزو اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ خدا ان کو اس سے نجات دے۔ یہ مؤمن فرعون کی بیوی کی طرح ہوتے ہیں کہ وہ بھی فرعون سے نجات چاہتی تھی مگر مجبور تھی لیکن جو مؤمن اپنے تئیں تقویٰ اور طہارت کے بڑے درجہ تک پہنچاتے ہیں اور احصان فرج کرتے ہیں تو پھر خدا تعالیٰ ان میں عیسیٰ کی روح نفخ کو دیتا ہے۔ نیکی کے یہ دو مرتبے ہیں جو مؤمن حاصل کر سکتا ہے مگر دوسرا بہت بڑھ کر ہے کہ اُس میں نفخِ رُوح ہو کر وہ عیسیٰ بن جاتا ہے۔ یہ آیت صاف اشارہ کرتی ہے کہ اِس اُمّت میں کوئی شخص مریم صفت ہو گا کہ اُس میں نفخ ہو کر عیسیٰ بنا دیا جائے گا۔ اب کوئی عورت تو ایسی ہے نہیں اور نہ کسی عورت کے متعلق پیشگوئی ہے۔ اِس لیے صاف ظاہر ہے کہ اِس سے یہی مراد ہے کہ اِس اُمّت میں ایک ایسا انسان ہو گا جو پہلے اپنے تقویٰ و طہارت اور احصان اور عفّت کے لحاظ سے صفت مریمیت سے موصوف ہو گا اور پھر اُس میں نفخ ہو کر صفات عیسوی پیدا ہوں گی۔ اب اُس کی کیفیت اور لطافت براہین

احمدیہ سے معلوم ہو گی کہ پہلے میرا نام مریم رکھا۔ پھر اُس میں روح صدق نفخ کر کے مجھے عیسیٰ بنایا۔ مؤمنوں کی جو یہ دو مثالیں بیان کی ہیں وہ اس آیت (فاطر:33) سے بھی معلوم ہوتی ہیں۔ مریم صفات والے کے لئے ضرور ہے کہ وہ عیسویت کے رنگ میں تبدیل ہو جاوے۔ اگر اس آیت میں صرف مریم کا لفظ ہوتا تو بہت سے افراد ہو سکتے تھے۔ مگر خدا تعالیٰ نے احصان فرج اور نفخ روح کی قید لگا کر بتادیا ہے کہ ایک ہی شخص ہو گا۔ یہ ایک استعارہ تھا جو کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔ اِس کے لئے یہی وقت مقدّر تھا۔ پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ مریم، نفخ روح اور میرا نام عیسیٰ رکھنے کے الہاموں میں صرف 9 یا 10 ماہ کا فاصلہ ہے جو کہ مدّت حمل ہے۔ ان تمام ترقیات کا سلسلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ کسی کو کیا خبر ہے کہ کس طرح ایک بیج زمین کے اندر کیا کیا بن کر آخر کار ایک پتّہ بن جاتا ہے۔“

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 385-386)

پھر فرمایا:

” اُمّت کی دو ہی قسم ہیں۔ ایک فرعون کی بیوی اور دوسرے مریم بنت عمران اور اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ (فاطر:33) ظالم سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہ نفس امّارہ کے تابع ہیں کہ جس راہ پر نفس نے ڈالا۔ اُسی راہ پر چل پڑے اور وہ صُمٌّ بُکۡمٌ کی طرح ہوتے ہیں اور ان کی مثال بہائم کی ہے۔ اِس لئے کسی مدّ میں نہیں آسکتے اور یہ کثرت سے ہوتے ہیں۔ پھر اُس کے بعد نفس لوّامہ والے جو کہ فرعون کی بیوی (کی طرح) ہیں۔ یعنی اُن کو نفس ہمیشہ ملامت کرتا رہتا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ امّارہ سے ان کو آزادی ملے یہ کم ہوتے ہیں اور پھر اُن میں سے کم نفسِ مطمئنہ والے یعنی مریم بنت عمران جس زمانے کا وعدہ خدا نے کیا ہوا تھا۔ ضرور تھا کہ اس میں ایک نفس مریم کی طرح ہوتا اور اس زمانے میں خدا نے قید ضمیر مذکّر استعمال کی ہے تا کہ اشارہ اس طرف ہو کہ ایک مرد ہو گا جو کہ صفات مریمیت حاصل کر کے عیسیٰ ہو گا۔“

(ملفوظات جلد 4 حاشیہ صفحہ 386-387)

سامعین! اَلدُّنْیَا سِجْنٌ لِلْمُؤمِنِ۔ فرمایا:

”بعض لوگ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتَانِ کی آیت کے معارض ایک حدیث پیش کیا کرتے ہیں اَلدُّنْیَا سِجْنٌ لِلْمُؤمِنِ اس کے اصل معنے یہ ہیں کہ مؤمن کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ فَمِنْھُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِہٖ وَمِنْھُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْھُمْ سَابِقٌ بِالْخَیْرَات۔ مُقتصد سے مراد نفس لوّامہ والے ہیں اور یہ دنیا کی تکالیف نفس لوّامہ تک ہی ہوتی ہیں کہ اُس میں انسان کے ساتھ کشاکش نفس امّارہ کی ہوتی ہے وہ کہتا ہے کہ راحت اور آرام کی یہ بات اختیار کر اور لوّامہ وہ نہیں کرتا۔ اُس وقت انسان مجاہدہ کرتا ہے اور نفس امّارہ کو زیر کرتا ہے اور اسی طرح جنگ ہوتی رہتی ہے۔ حتّٰی کہ امّارہ شکست کھا جاتا ہے اور پھر نفس مطمئنہ رہ جاتا ہے۔ یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ۔ ارْجِعِیٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً (الفجر:28-29)یعنی تو میری جنت میں داخل ہو جا اور اسی وقت ہو جا اور مؤمن کی جنت خود خدا ہے یعنی جب وہ خدا کے بندوں میں داخل ہوا۔ تو خدا تو انہیں میں ہے اور وہ اُس کے عباد میں آ گیا تو اب اِس حالت میں وہ سِجْن کہاں رہا؟ ایک مرتبہ ہوتا ہے کہ اس وقت تک وہ تکالیف میں ہوتا ہے جیسے جب کنواں کھودا جائے تو اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ پانی نکل آئے۔ مطمئنہ ہونا اصل پانی نکالنا ہے۔ جب پانی نکل آیا اب کھودنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو اس آیت میں ظالم سے مراد نفس امّارہ والے اور مُقتصد سے مراد نفسِ لوّامہ والے اور سابق بالخیرات سے مراد نفسِ مطمئنہ والے ہیں۔ پوری تبدیلی زندگی میں جب تک نہ آوے تب تک جنگ رہتی ہے اور لوّامہ تک یہ جنگ ہے۔ جب یہ ختم ہوئی تو پھر دار النعیم میں آ جاتا ہے۔ اُس وقت اُس کا ارادہ خدا کا ارادہ اور اُس کی مرضی خدا کی مرضی ہوتی ہے اور وہ اُن باتوں میں لذّت اُٹھاتا ہے جن سے خدا خوش ہوتا ہے۔ ایک عارف جس کی خدا سے ذاتی محبت ہو جائے تو اگر خدا اُسے بتلا بھی دے کہ تو دوزخی ہے خواہ عبادت کر خواہ نہ کر تو اُس کی خوشی اسی میں ہوگی کہ خواہ دوزخ میں جاؤں مگر مَیں ان عبادات سے رک نہیں سکتا۔ جیسے افیونی کو جب افیون کی عادت ہو جاتی ہے تو اُسے کیسی ہی تکالیف ہوں اور خواہ وہ گُھلتا ہی جائے مگر افیون کو نہیں چھوڑتا۔ جس طرح دنیا میں نوجوانوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کو ایک دُھن جب لگ جائے تو خواہ والدین کتنا روکیں، منع کریں مگر وہ کسی کی نہیں سنتے اور اُس دُھن کی خوشی میں تکالیف کا بھی خیال نہیں ہوتا۔ ایسا ہی اُس مؤمن عارف کامل کا حال ہوتا ہے کہ اُسے اِس بات کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ اجر ملے گا یا نہیں۔ یہ

مقام آخری مقام ہے جہاں سلوک کا سلسلہ ختم ہوتا ہے اور اس کے سوا چارہ نہیں۔ اِس حالت میں اس کا جوش کسی سہارے پر نہیں ہوتا کیونکہ جبتک انسان کسی سہارے سے کام کرتا ہے تو ممکن ہے شیطان اُس میں کسی وقت دخل دیوے۔ مگر یہاں ذاتی محبت کے مقام میں سہارا نہیں ہوتا۔ جیسے ماں اور بچے کے جو تعلقات ذاتی محبت کے ہیں اُن میں انسان تفرقہ نہیں ڈال سکتا۔

ماں کی فطرتی محبت ایک دوسرے سے ملاتی ہے۔ مثل مشہور ہے ماں مارے اور بچہ ماں ماں پکارے۔ اسی طرح اہل اللہ خدا کی مار کھا کر کہاں جاسکتے ہیں۔ بلکہ مار پڑے تو وہ ایک قدم اور بڑھاتے ہیں۔ دوسرے تعلقات میں خدا کی محبت کا جلال زور کے ساتھ نازل نہیں ہوتا۔ جیسے انسان کسی کو اپنا نوکر سمجھتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ یہ نوکری اسی لئے کرتا ہے کہ اس کی اُجرت ملے تُو اس کی طرف محبّتِ کامل کا التفات نہیں ہوتا اور وہ ایک نوکر شمار ہوتا ہے مگر جب کوئی شخص خدمت کرتا ہے اور آقا کو معلوم ہو کہ یہ نوکری کی خواہش سے نہیں کرتا تو آخرکار بیٹوں میں شمار ہوتا ہے۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 253-255)

مؤمن اور موت کے حوالہ سے فرمایا:

" خالی زبان تک ایمان کا ہونا کوئی فائدہ نہیں دیتا جیسے صحابہ نے صدق دکھلایا کہ ہتھیلی پر جانیں رکھ لیں اور بال بچوں تک کو قربان کیا۔ مگر ہم آج ایک شخص کو اگر کہیں کہ سو کوس چلا جا تو وہ عذر کرتا ہے حتّٰی کہ آبرو عزّت کا معاملہ پیش کرتا ہے اور کاروبار کا ذکر کرتا ہے کہ کسی طرح جانے سے رہ جائے مگر انہوں (صحابہ) نے جان - مال - آبرو - عزت سب کچھ خاک میں ملا دیا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم پر فلاں فلاں آفت آئی۔ حالانکہ ہم نے بیعت کی تھی مگر ہم نے بار بار جماعت کو کہا ہے کہ نِری بیعت اور صرف زبان سے ماننے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ چاہیے کہ خدا میں گداز ہو کر ایک نیا وجود بن جائے۔ سارا قرآن دیکھو کہ کہیں بھی صرف اٰمَنُوْا نہیں لکھا ہے۔ ہر جگہ عمل صالح کا ساتھ ہی ذکر ہے۔ غرضیکہ خدا ایک موت چاہتا ہے اور میرا تجربہ ہے کہ خدا مؤمن پر دو موتیں ہرگز جمع نہیں کرتا کہ ایک موت تو اس کی خدا کے واسطے ہو اور دوسری دنیا کی لعن طعن کے واسطے۔ ایسے نازک وقت میں چاہیے کہ جماعت سمجھ جائے اور ایک تیر کی طرح سیدھی ہو جائے۔ اگر ہزاروں آدمی بھی طاعون سے مر جائیں تو مَیں ہرگز خدا کو ملزم

نہ کروں گا اور یہی کہوں گا کہ انہوں نے احسان کا پہلو چھوڑ دیا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ (التوبہ:120)"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 281)

مؤمن اور دُنیوی زندگی پر فرمایا۔

" مؤمن کو اِس زندگی پر ہرگز مطمئن نہ ہونا چاہیے۔ اتنی بلائیں اِس زندگی میں ہیں کہ شمار نہیں۔ ایک بیماری ہوتی ہے کہ انسان کے پاخانہ کا راستہ بند ہو جاتا ہے اور مُنہ کے راستہ پاخانہ آتا ہے اور اس کا نام ایلادس ہے اور پھر اسی طرح گردہ اور مثانہ کی بیماریاں ہیں کہ رنگا رنگ کے سُرخ، سبز اور سیاہ پتھر بن جاتے ہیں اور اُن کا کوئی خاص سبب بھی کیا بیان ہو سکتا ہے بلکہ امراء لوگ جو کہ عمدہ غذا اور نفیس پانی استعمال کرتے ہیں انہیں کو ایسی امراض ہوتی ہیں۔ اگر دو شخص ایک ہی جگہ رہتے ہوں۔ ایک ہی قسم کی ان کی خورد و نوش ہو پھر ایک اُن میں سے ایسے عوارض میں مبتلا ہو جاتا ہے دوسرا نہیں ہوتا۔ اس لئے طب کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ظنّی علم ہے۔ عللِ مادیہ میں یہ لوگ اسباب کی تحقیق کرتے ہیں مگر اس کا بھی سبب بتلاویں کہ جب الہام ہونے لگتا ہے یا کشف تو اس وقت نیند سی آنے لگتی ہے۔ اس کے کیا اسباب ہیں۔ ان لوگوں کا دستور ہے کہ جب ان کو ایک بات کا سبب معلوم نہ ہو تو اس سے انکار کر بیٹھتے ہیں اور اسی لئے وحی اور الہام کے منکر ہیں۔"

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 376)

مؤمن کے تین طبقے بیان کرتے ہوئے فرمایا:

" مؤمنوں کے تین طبقے ہیں:

ایک وہ جو ٹھوکر کھانے کے لائق ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ جو میانہ روی کسی ٹھوکر سے بچتے اور ڈرتے رہتے ہیں۔ تیسرے وہ جو ہر ایک ٹھوکر سے ایسے بچ کر نکل جاتے ہیں جیسے سانپ اپنی کینچلی سے۔ وہ ہر ایک خیر کے لئے دوڑتے اور ہر ایک شرّ سے بھاگتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے تزکیہ کا خیال نہیں کیا وہ بالضرور بے پردگی سے ٹھوکر کھا سکتے ہیں۔ عورتوں کو اُن سے پردہ کرنا چاہیئے۔ مثل مشہور ہے

خربستہ بہ گرچہ دزد آشنا است

قسم اوّل ظالم لنفسهم۔ دوئم مقتصد۔ سوم سابق بالخیرات

ان مختلف مدارج و مراتب کے اشخاص کیسے یکساں سلوک کے لائق ہیں؟ کیا عیسائی بتا سکتے ہیں کہ اُن میں سب پاکباز ہیں۔ شرابی نہیں۔ زانی نہیں۔ اگر پردہ ہوتا تو اِن جرائم کی نوبت کیوں آتی ہزارہا ولد الحرام کیوں پیدا ہوتے۔ تجربہ بتا رہا ہے کہ اوّل قسم کے لوگ بکثرت ہیں۔ اس لئے ان سے حتّٰی الوسع پردہ کرنے کے لئے شریعت نے مجبور کیا کہ پردہ کی رسم ہو۔ شرابی آدمی کو نہ طعن و تشنیع کا فکر ہے نہ ڈنڈے کا خوف۔ اس لئے عیسائیوں کا اسلام پذیر ہونا حالات سے ہے۔''

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 452-453)

المؤمن اور الناس میں فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

'' ثبوت اس قسم کے دیئے ہیں کہ اللہ اکبر! یہاں تک کہ مشہودات اور محسوسات سے ایمان کی تقویت ہوتی ہے لیکن جو لوگ ایمانی فراست سے حصّہ رکھتے ہیں وہ پہلے ہی سمجھ لیتے ہیں جو لوگ حق قبول کرتے ہیں وہ اُسی وقت فراست والے کہلاتے ہیں جب وہ اوّل ہی اوّل قبول کرتے ہیں خدا جو مؤمنوں کی تعریف کرتا ہے اور رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ کہتا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی فراست سے پہلے رسول اللہ کو مان لیا۔ لیکن جب کثرت سے لوگ داخل ہونے لگے اور انکشاف ہو گیا۔ اُس وقت داخل ہونے والے کا نام الناس رکھا۔ اس حالت میں تو گویا منع کرتا ہے یہ کہہ کر قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا (الحجرات:15) یعنی یہ مت کہو کہ ہم ایمان لائے بلکہ یہ کہو کہ ہم نے اطاعت کی۔ ایمان اُس وقت ہوتا ہے جب ابتلاء کے موقع آویں جن پر ایمان لانے کے بعد ابتلاء کے موقعے نہیں آئے وہ اَسْلَمْنَا میں داخل ہیں۔ انہوں نے تکلیف کا نشانہ ہو کر نہیں دیکھا بلکہ وہ اقبال اور نصرت کے زمانہ میں داخل ہوئے یہی وجہ ہے کہ فخر کا نام اور خطاب ان کو نہ ملا۔ بلکہ الناس ان کا نام رکھا کیونکہ وہ ایسے وقت داخل ہوئے جب کام چل پڑا اور رسول اللہ نے اپنی صداقت کی روشنی دکھلائی۔ اس وقت دوسرے مذاہب حقیر نظر آئے تو سب داخل ہو گئے۔''

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 398)

سامعین! کافر اور مؤمن کی رؤیا میں فرق بیان کرتے ہوئے آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے وحی اور الہام کا مادہ ہر شخص میں رکھ دیا ہے کیونکہ اگر یہ مادہ نہ رکھا ہوتا تو پھر صحت پوری نہ ہو سکتی۔ اِس لئے جو نبی آتا ہے اس کی نبوت اور وحی و الہام کے سمجھنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی فطرت میں ایک ودیعت رکھی ہوئی ہے اور وہ ودیعت خواب ہے۔ اگر کسی کو کوئی خواب بھی کبھی نہ آئی ہو تو وہ کیونکر مان سکتا ہے کہ الہام اور وحی بھی کوئی چیز ہے اور چونکہ خدا تعالیٰ کی یہ صفت ہے کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ اس لئے یہ مادہ اُس نے سب میں رکھ دیا ہے۔ میرا یہ مذہب ہے کہ ایک بدکار اور فاسق فاجر کو بھی بعض وقت سچی رؤیا آجاتی ہے اور کبھی کبھی کوئی الہام بھی ہو جاتا ہے گو وہ شخص اس کیفیت سے کوئی فائدہ اٹھاوے یا نہ اُٹھاوے۔ جبکہ کافر اور مؤمن دونوں کو سچی رؤیا آجاتی ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ عظیم الشان فرق تو یہ ہے کہ کافر کی رؤیا بہت ہی کم سچی نکلتی ہے اور مؤمن کی کثرت سے سچی نکلتی ہے۔ گویا پہلا فرق کثرت اور قلّت کا ہے۔ دوسرے مؤمن کے لئے بشارت کا حصہ زیادہ ہے جو کافر کی رؤیا میں نہیں ہوتا۔ سوم مؤمن کی رؤیا مصفّا اور روشن ہوتی ہے بحالیکہ کافر کی رؤیا مصفّا نہیں ہوتی۔ چہارم مؤمن کی رؤیا اعلیٰ درجہ کی ہوگی۔“

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 369)

قرآن میں مؤمن کی نشانی کا ذکر کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

” سو یہ ایک نعمت ہے کہ ولیوں کو خدا کے فرشتے نظر آتے ہیں۔ آئندہ کی زندگی محض ایمانی ہے۔ لیکن ایک متقی کو آئندہ کی زندگی یہیں دکھلائی جاتی ہے۔ انہیں اِسی زندگی میں خدا ملتا ہے، نظر آتا ہے اور اُن سے باتیں کرتا ہے۔ سو اگر ایسی صورت کسی کو نصیب نہیں تو اُس کا مرنا اور یہاں سے پہلے جانا نہایت خراب ہے۔ ایک ولی کا قول ہے کہ جس کو ایک خواب سچا عمر میں نصیب نہیں ہوا۔ اُس کا خاتمہ خطرناک ہے جیسے کہ قرآن مؤمن کے یہ نشان ٹھہراتا ہے۔ سنو! جس میں یہ نشان نہیں اُس میں تقویٰ نہیں۔ سو ہم سب کی یہ دعا چاہیے کہ یہ شرط ہم میں پوری ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام، خواب، مکاشفات کا فیضان ہو۔ کیونکہ مؤمن کا یہ خاصّہ ہے سو یہ ہونا چاہیے۔

بہت سی اَور بھی برکات ہیں جو متقی کو ملتی ہیں۔ مثلاً سورۂ فاتحہ میں جو قرآن کے شروع میں ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤمن کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ دُعا مانگیں۔ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ یعنی ہمیں وہ راہ سیدھی بتلا اُن لوگوں کی جن پر تیرا انعام و فضل ہے۔ یہ اِس لئے سکھلائی گئی ہے کہ انسان عالی ہمت ہو کر اُس سے خالق کا منشاء سمجھے اور وہ یہ ہے کہ یہ اُمّت بہائم کی طرح زندگی بسر نہ کرے۔ بلکہ اس کے تمام پردے کھل جاویں۔ جیسے کہ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ ولایت بارہ اماموں کے بعد ختم ہو گئی۔ برخلاف اِس کے اِس دعا سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ خدا نے پہلے سے ارادہ کر رکھا ہے کہ جو متقی ہو اور خدا کی منشاء کے مطابق ہے تو وہ اُن مراتب کو حاصل کر سکے جو انبیاء اور اصفیاء کو حاصل ہوتے ہیں۔ اِس سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ انسان کو بہت سے قویٰ ملے ہیں جنہوں نے نشو و نما پانا ہے اور بہت ترقی کرنا ہے۔ ہاں ایک بکرا چونکہ انسان نہیں، اس کے قویٰ ترقی نہیں کر سکتے۔ عالی ہمت انسان جب رسولوں اور انبیاء کے حالات سنتا ہے تو چاہتا ہے کہ وہ انعامات جو اس پاک جماعت کو حاصل ہوئے اُس پر نہ صرف ایمان ہی ہو بلکہ اسے بہ تدریج ان نعماء کا علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین ہو جاوے۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 18-19)

مؤمن خلق اور خالق کے نزدیک اہلِ کرامت ہو جائے۔ فرمایا:

"مَیں سمجھتا ہوں کہ ہر ایک شخص جو اپنے اخلاقِ سیئہ کو چھوڑ کر عاداتِ زمیمہ کو ترک کر کے خصائل حسنہ کو لیتا ہے اُس کے لئے وہی کرامت ہے۔ مثلاً اگر بہت ہی سخت تُند مزاج اور غصّہ ور اِن عاداتِ بد کو چھوڑتا ہے اور حلم اور عفو کو اختیار کرتا ہے یا امساک کو چھوڑ کر سخاوت اور حسد کی بجائے ہمدردی حاصل کرتا ہے تو بیشک یہ کرامت ہے اور ایسا ہی خود ستائی اور خود پسندی کو چھوڑ کر جب انکساری اور فروتنی اختیار کرتا ہے تو یہ فروتنی ہی کرامت ہے۔ پس تم میں سے کون ہے جو نہیں چاہتا کہ کراماتی بن جاوے۔ مَیں جانتا ہوں ہر ایک یہی چاہتا ہے۔ تو بس یہ ایک مدامی اور زندہ کرامت ہے۔ انسان اخلاقی حالت کو درست کرے کیونکہ یہ ایسی کرامت ہے جس کا اثر کبھی زائل نہیں ہوتا بلکہ نفع دور تک پہنچتا ہے۔ مؤمن کو چاہیے کہ خَلق اور خالق کے نزدیک اہل کرامت ہو جاوے بہت سے رِند اور عیاش ایسے دیکھے گئے ہیں جو کسی خارق

عادت نشان کے قائل نہیں ہوئے لیکن اخلاقی حالت کو دیکھ کر انہوں نے بھی سر جھکا لیا ہے اور بجز اقرار اور قائل ہونے کے دوسری راہ نہیں ملی۔ بہت سے لوگوں کے سوانح میں اِس امر کو پاؤ گے کہ انہوں نے اخلاقی کرامات ہی کو دیکھ کر دینِ حق کو قبول کر لیا۔“

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 141-142)

اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی مؤمن بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

(کمپوزڈ: مسز عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

۞۞۞۞

﴾47﴿ ﴾مشاہدات۔1152﴿

ایک مومن کی روحانی سروسز

اللہ تعالیٰ قرآنِ شریف میں فرماتا ہے:

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (الشوریٰ:10)

کیا اُنہوں نے اس کے سوا دوست پکڑ رکھے ہیں؟ پس اللہ ہی ہے جو بہترین دوست ہے اور وہی ہے جو مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر جسے وہ چاہے دائمی قدرت رکھتا ہے۔

اپنے کرم سے بخش دے میرے خدا مجھے
بیمارِ عشق ہوں ترا دے تو شفا مجھے
تیری رضا کا ہوں میں طلب گار ہر گھڑی
گر یہ ملے تو جانوں کہ سب کچھ ملا مجھے
ہاں ہاں نگاہِ رحم ذرا اس طرف بھی ہو
بحرِ گنہ میں ڈوب رہا ہوں بچا مجھے

معزز سامعین! ہم جماعتی سطح پر بھی اور نجی طور پر بھی عیدین کے بعد Get to gather کرتے ہیں۔ جسے ہم عید ملن پارٹیز کا نام دیتے ہیں۔ جماعتی سطح پر ہونے والے اِس قسم کے فنکشنز میں غیر از جماعت خیر خواہوں کو بھی مدعو کیا جاتا ہے اور نجی و فیملی عید ملن فنکشنز میں افرادِ خاندان جب اکٹھ کرتے ہیں۔ ایک دوسرے سے مل کر محبت بڑھتی ہے۔ ایک دوسرے کے حال احوال کا علم ہوتا ہے۔ عیادت کرنے کا موقع ملتا ہے۔ نماز باجماعت ادا ہو کر 27 گنا ثواب ملتا ہے۔ خاندانوں میں پلنے والی ناراضگیاں دُور ہوتی ہیں۔ اِس طرح اَور بہت سے فوائد کا احاطہ اِن محافل سے ہوتا ہے۔ اِسی طرح کی ایک محفل سالِ رواں کی عید الفطر کے معاً بعد منعقد ہونے والی ایک عید ملن پارٹی، مبارک محفل بن گئی۔ جس میں مجھے شامل ہونے کا موقع میسّر آیا۔ اس محفل میں تین چار نوجوان بھی شامل تھے جن میں سے دو تو ٹیکسی کرتے ہیں اور

وَن سَوِنّی گاڑیوں (Cars) کے متعلق وافر تعداد میں معلومات رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے اپنے تجربات کی بناء پر برطانیہ کی سڑکوں پر دوڑنے والی گاڑیوں پر اچھے اور بُرے (Positive & Negative) رنگ میں تاثرات بیان کرنے شروع کر دیئے۔ مختلف کمپنیوں کی گاڑیوں کے انجن سے بات شروع ہوئی۔ یہ مضبوط انجن والی گاڑی ہے۔ اِس کا انجن مضبوط نہیں ہے۔ اس گاڑی کا ٹربو معیاری نہیں ہے۔ اِس کا انجن تیل کھاتا ہے۔ اِس گاڑی کا سٹرکچر Comfortable نہیں ہے۔ گاڑی ڈرائیو کرنے والا جلد تھک جاتا ہے۔ سواریاں بھی Compfort محسوس نہیں کرتیں۔ الغرض Airfilter سے لے کر Oilfilters سے بات ہوتی ہوئی کہیں سے کہیں نکل گئی۔ ابھی اِن مختلف کمپنی کی گاڑیوں کے معیاری یا غیر معیاری ہونے پر بات چل ہی رہی تھی کہ کسی نے گیراج میں گاڑیوں کی مرمّت کی بات کر ڈالی تو بات اِس طرف چل نکلی کہ گیراج کے مالکان کس طرح گاہک کے ساتھ ڈیل کرتے ہیں۔ اِن کا ایک ہی حل ہوتا ہے کہ وہ کمپیوٹر لگا کر گاڑی کے انجن کے نقائص تلاش کرتے ہیں۔ کمپیوٹر کے نشان دہی کئے گئے پُرزے کو تبدیل کرنے کے بعد بھی اگر نقص نہ جائے تو گیراج کے مالک معذرت کر دیتے ہیں۔ بات آگے بڑھتی بڑھتی مین ڈیلر سے گاڑی خریدنے اور اُسی سے گاڑی کی مرمّت کروانے تک جا پہنچی کہ مین ڈیلر سے گاڑی خریدنا گو مہنگا پڑتا ہے مگر گارنٹی کے ساتھ ساتھ فری سروسز بھی ہو جاتی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

سامعین! گو یہ باتیں دلچسپ بھی تھیں اور مَیں بہت دلچسپی سے اِن کو سُن بھی رہا تھا۔ مگر بہت زیادہ طول پکڑنے سے مَیں بور بھی ہونے لگا۔ نماز کا وقت بھی ہو رہا تھا۔ میرے اندر کے ”مشاہدات“ نے کروٹ لی اور اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب، دلچسپ اور انوکھا مضمون سمجھایا تو مَیں نے اپنے برخورداران کی بات میں مداخلت کی اور یہ عید ملن اجتماع ایک چھوٹے سے مِنی تربیتی اجلاس میں تبدیل ہو گیا۔ مَیں نے اِن نوجوانوں کو مخاطب ہو کر کہا کہ آپ آدھ پون گھنٹے سے مختلف گاڑیوں کے سٹرکچرز اور انجن پر بات کر رہے ہیں اور اِن کے فوائد اور نقصانات پر بات ہو رہی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا آپ اس مبارک موقع پر انسان کی ساخت اَور اُس کی شخصیت پر بات کرتے۔ اِس کے پروڈیوسر اللہ تبارک و تعالیٰ پر بات ہوتی۔ اُس کے احسانات کو یاد کرتے۔

مَیں نے بات کا آغاز کرتے ہوئے اپنے برخورداران کو بتایا کہ جس طرح ہر کمپنی کی کار کی خاصیّت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ اُن کا فنکشنز مختلف ہوتا ہے۔ یہاں تو اِن کاروں کو بنانے کے مائنڈز (Minds) مختلف ہوتے ہیں لیکن انسان کو بنانے والا صنّاع تو ایک ہی ہے لیکن ایک ماں کی کوکھ سے پیدا ہونے والے بچوں کی نقش، شکل وصورت اور رنگ وغیرہ پیدائشی طور پر مختلف ہوتے ہیں۔ اُن کی عادات میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اُن کی ذہنی کیفیتیں نہ صرف مختلف ہوتی ہیں بلکہ مؤثرہ و متأثرہ کیفیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ والدین اور اساتذہ ایک ہی ماں کے پیٹ سے جنم پانے والے بچوں کو اُن کے طبائع کے مطابق deal کرتے ہیں حتّٰی کہ جڑواں بچوں میں بھی ایک جیسی مماثلتیں اور کشش نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان بہن بھائیوں میں اور دیگر انسانوں کے اندر جو انجن فکس کر رکھے ہیں۔ اُن تمام کے فنکشنز باوجود ایک خالق اور صانع ہونے کے مختلف ہیں۔ اُن کی ادائیں اور حرکات مختلف ہیں۔

سامعین! پھر انسانوں کی اِن ٹوٹی پھوٹی حرکات کو درست کرنے، سنوارنے اور اِن کی مرمّتوں کے لئے اللہ تعالیٰ (جو مین ڈیلر ہے) نے مختلف گیراج مقرر کر رکھے ہیں۔ اُن میں ایک گیراج مساجد، بیوت الذکر یا نماز سنٹرز ہیں۔ جہاں ہم احمدی مسلمان روزانہ پانچ وقت اپنی روحانی مرمّتوں کی خاطر حاضر ہوتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو ایک صاف جاری پانی سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ جس طرح ایک شخص جو روزانہ پانچ دفعہ نہر میں نہائے تو اُس کے جسم پر مَیل کچیل نہیں رہتی اِسی طرح پنجوقتہ نماز کی ادائیگی سے ایک مؤمن کے روحانی جسم پر کوئی مَیل نہیں رہے گی۔ حضورؐ نے یہ مثال دے کر معاً بعد فرمایا یَمْحُو اللّٰہُ بِہِ الْخَطَایَا (بخاری کتاب المواقیت) کہ اللہ تعالیٰ اِن نمازوں کے ذریعہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ مساجد کے ذریعہ مؤمن کی مرمّتوں کا سلسلہ تو اُس کی قیام گاہ سے شروع ہو جاتا ہے۔ جب وہ نیّت کر کے وضو کرتا ہے اور صحیح طریق پر وضو کرتا ہے تو ہر عضو سے اُس کے جُڑے ہوئے تمام گناہ جَڑ جاتے ہیں۔ پھر جب وہ چل کر مسجد کی طرف جاتا ہے تو ایک قدم اُٹھانے سے ایک نیکی اُس کے حق میں لکھی جاتی ہے اور ایک بدی مٹائی جاتی ہے اور جب وہ باجماعت نماز ادا کرتا ہے تو 27 گنا اُسے زیادہ ثواب مل رہا ہوتا ہے۔

(مسلم کتاب المساجد)

سامعین! مَیں نے جب مسجد کا پوری طرح جائزہ لیا تو ایک طرف نماز جمعہ کے فضائل و برکات اور اُس کے آداب ایک چارٹ پر درج تھے جس کو عنوان دے رکھا تھا۔ ''جمعہ سروس''۔ یہ جامع مسجد تھی اور جامع مسجد وہ ہوتی ہے جہاں جمعہ سروس ہو۔ گو ہمارے ہاں مساجد کے ساتھ ''جامع'' لکھنے کا رواج نہیں ہے کیونکہ قریباً ہر مسجد میں جمعہ سروس ہو رہی ہوتی ہے۔ جمعہ سروس کے الفاظ سے میرا دھیان فوری طور پر گاڑیوں کی سروس کروانے کی طرف چلا گیا۔ ہمارے پاکستان میں جب گاڑی کو سروس کے لئے کسی سروس اسٹیشن پر لے جائیں تو سروس اسٹیشن کا مالک سب سے پہلے پوچھتا ہے کہ فُل سروس کروانی ہے یا پھر صرف پانی سے صاف کروانی ہے۔ جب اُسے فُل سروس کہا جائے تو وہ گاڑی یا کار کی ہر چیز باہر نکال کر اُن کو الگ سے صاف کرتا ہے اور گاڑی کی صفائی کیمیکلز سے کرتا ہے اور گاڑی چمک کر سروس اسٹیشن سے باہر آتی ہے۔ نماز جمعہ کی ایسی ہی روحانی سروس ہے جو انسان کو اجلیٰ اور مصفّٰی کر دیتی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے بہت سے فضائل بیان فرمائے ہیں اور فرمایا ہے کہ ایک جمعہ کی ادائیگی کے بعد دوسرے جمعہ کی ادائیگی سے دونوں جمعوں کے درمیان دنوں کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بالخصوص وہ نماز جمعہ جو آج کے امام اور خدا کے نمائندہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی اقتداء میں ادا کی گئی ہو تو ایک مؤمن کی اندر تک روحانی سروس ہو جاتی ہے۔ مَیں ایک سال جب پاکستان سے جلسہ سالانہ برطانیہ میں شمولیت کے لئے آیا اور ڈیڑھ ماہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے قدموں میں رہ کر، خطبات جمعہ براہ راست سُن کر، دو ملاقاتوں سے فیض پانے کے بعد جب واپس پاکستان لوٹنے لگا تو خاکسار نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں تحریر کیا کہ حضور! ڈیڑھ ماہ آپ کے فیض سے اپنی روحانی بیٹری چارج کروانے کے بعد واپس لوٹنا ہے۔ حضور انور سے اجازت کا خواہستگار ہوں۔

سامعین! ابھی مَیں مسجد سے متعلقہ ایک مؤمن کی روحانی سروسز کا جائزہ لے رہا تھا کہ مجھے مسجد کے ایک کونے میں نوٹس بورڈ آویزاں نظر آیا جس پر ایک کاغذ پر ''دیگر سروسز'' کے عنوان سے ایک مؤمن کے دل اور اندرونے کے صفائی ستھرائی کا لائحہ عمل درج تھا جس کو تفصیل سے پڑھ کر خوشی کی انتہا نہ رہی کہ جماعت احمدیہ کی تمام ذیلی تنظیموں کے پروگرامز اور اجلاسات و تربیتی و علمی کلاسز کا شیڈول درج تھا۔ جن کے ذریعہ احمدی ناصر، خادم، طفل، لجنہ ممبرات اور ناصرات کی اصلاح و تربیت ہوتی ہے۔

مساجد کے ذریعہ اصلاحِ نفوس کی بات چل رہی ہے تو میرا دھیان ایک اور گیراج کی طرف منتقل ہوا اور جس کو رمضان کا نام دیا گیا ہے۔ اِس کا بھی کافی حصّہ مساجد سے تعلق رکھتا ہے۔ گویہ شروع سے لے کر اخیر تک اصلاح نفوس کا ذریعہ ہے لیکن پنجوقتہ نماز، تراویح اور درسُ القرآن واحادیث ایک مؤمن کا رخ بدل دیتے ہیں۔ گھروں میں تلاوتِ قرآن، نوافل، تسبیحات، درود شریف کا ورد اور دعائیں بھی ایک مؤمن کے اندر روحانی تبدیلی کا پیغام لے کر آتی ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ نے رمضان کو گاڑیوں میں لگے Navigator سے تشبیہہ دی ہے۔

اِن کے علاوہ اصلاحِ احوال کے کون کون سے گیراج کا نام لوں۔ انفرادی طور پر روزانہ کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کو پکارنا، قرآن کریم کی تلاوت کرنا، بڑوں کا احترام، والدین سے حسن سلوک اور مسلسل گھر میں بزرگوں کی گاہے بگاہے نصائح یہ سب اصلاح نفوس کے ذرائع اور گیراج ہیں۔

ہر جمعہ کو ہمارے پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہیں یہ خطبات بھی ہماری اصلاح کا ایک ذریعہ ہیں۔ ان خطبات کو سنیں اور دیکھیں کہ ہمارے پیارے حضور ہمیں کس نیکی کا حکم دے رہے ہیں اور ہم نے ان کی باتوں پر عمل کرنا ہے۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ ہماری اصلاح کے لیے خلیفہ وقت کے قیمتی ارشادات ہیں جبکہ دنیا ان سے محروم ہے۔ MTA دیکھیں۔ وہ ہماری اصلاح کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔

روحانی اصلاح کا ایک ذریعہ مطالعہ کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی ہے کیونکہ کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی تزکیہ نفس کرتی ہیں۔

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمیں اس امام مہدی اور مسیح محمدی کو ماننے کی توفیق ملی اور ان روحانی خزائن کا ہمیں وارث ٹھہرایا گیا اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم ان بابرکت تحریروں کا مطالعہ کریں تا کہ ہمارے دل اور ہمارے سینے اور ہمارے ذہن اس روشنی سے منور ہو جائیں کہ جس کے سامنے دجال کی تمام تاریکیاں کافور ہو جائیں گی اللہ کرے کہ ہم اپنی اور اپنی نسلوں کی زندگیاں ان بابرکت تحریرات کے ذریعہ سنوار سکیں“

(پیغام حضور انور۔ بر موقع اشاعت روحانی خزائن کمپیوٹرائزڈ ایڈیشن مؤرخہ 10 اگست 2008ء)

سامعین! الغرض ایک مؤمن کے اندر ایک انجن فِٹ ہے۔ جسے انسان حسبِ توفیق اسے چلا کر اللہ تعالیٰ کی طرف اپنا سفر جاری رکھتا ہے اور وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے گیراجوں میں اپنی سروس کروا کر اپنی چال میں تیزی لاتا ہے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ دیکھتے ہوئے یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ أَحۡسَنۡتَ خَلۡقِی، فَأَحۡسِنۡ خُلُقِی

(مسند احمد بن حنبل۔ حدیث: 3823)

اے اللہ! جس طرح تو نے میری صورت اچھی بنائی ہے، ویسے ہی میرے اخلاق کو بھی اچھا کر دے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ذاتی اصلاح کے لیے جن امور کی ضرورت ہوتی ہے اُن کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’خدا سے ڈرتے رہو اور تقویٰ اختیار کرو اور مخلوق کی پرستش نہ کرو اور اپنے مولیٰ کی طرف منقطع ہو جاؤ اور دنیا سے دل برداشتہ رہو اور اسی کے ہو جاؤ اور اُسی کے لیے زندگی بسر کرو اور اس کے لیے ہر ایک ناپاکی اور گناہ سے نفرت کرو کیونکہ وہ پاک ہے۔ چاہیے کہ ہر ایک صبح تمہارے لیے گواہی دے کہ تم نے تقویٰ سے رات بسر کی اور ہر ایک شام تمہارے لیے گواہی دے کہ تم نے ڈرتے ڈرتے دن بسر کیا۔‘‘

پھر آپؑ نے فرمایا کہ:

’’اپنے ایمانوں کو وزن کرو۔ عمل ایمان کا زیور ہے۔ اگر انسان کی عملی حالت درست نہیں ہے تو ایمان بھی نہیں ہے۔ مؤمن حسین ہوتا ہے۔ جس طرح ایک خوبصورت انسان کو معمولی اور ہلکا سا زیور بھی پہنا دیا جائے تو وہ اُسے زیادہ خوبصورت بنا دیتا ہے۔ اگر وہ بد عمل ہے تو پھر کچھ بھی نہیں۔ انسان کے اندر جب حقیقی ایمان پیدا ہو جاتا ہے تو اُس کو اعمال میں ایک خاص لذّت آتی ہے اور اُس کی معرفت کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ وہ اس طرح نماز پڑھتا ہے جس طرح نماز پڑھنے کا حق ہوتا ہے۔ گناہوں سے اُسے بیزاری پیدا ہو جاتی ہے۔ ناپاک مجلس سے نفرت کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اور رسول کی عظمت اور جلال کے اظہار کے لئے اپنے دل میں ایک خاص جوش اور تڑپ پاتا ہے۔‘‘ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 249 ایڈیشن 1988ء)

فرمایا:

”تم صرف اپنا عملی نمونہ دکھاؤ اور اس میں ایک ایسی چمک ہو کہ دوسرے اسے قبول کر لیں کیونکہ جب تک اس میں چمک نہ ہو، کوئی اس کو قبول نہیں کرتا۔“

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 181)

سامعین! حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

”حقیقت میں تو ہر نیکی جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں کرنے کا حکم فرمایا ہے، اُس کا حصول اور ہر برائی جس سے رکنے کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم فرمایا ہے، اُس سے نہ صرف رکنا بلکہ نفرت کرنا عملی اصلاح کی اَصل اور جڑ ہے۔ پس ہم تب حقیقی مسلمان کہلائیں گے، ہم تب زمانے کے امام کی حقیقی جماعت کے فرد کہلائیں گے جب نیکیاں اور اعلیٰ اخلاق ہم میں پیدا ہوں گے، جن کے پیدا کرنے کا اللہ تعالیٰ نے ایک حقیقی مسلمان کو حکم دیا ہے۔ اور دوسری طرف بدی سے انتہائی کراہت کے ساتھ نفرت ہو..... کیا ہم میں سے ہر ایک بھرپور کوشش کرتے ہوئے اپنی اس طرح عملی اصلاح کر رہا ہے جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے ہمیں تعلیم دی ہے جو ہم سے یہ تقاضا کرتی ہے، یہ پوچھتی ہے کہ کیا ہم نے سچائی کے وہ معیار قائم کر لئے ہیں کہ جھوٹ اور فریب ہمارے قریب بھی نہ پھٹکے؟ کیا ہم نے اپنے دنیاوی معاملات سے واسطہ رکھتے ہوئے آخرت پر بھی نظر رکھی ہوئی ہے؟ کیا ہم حقیقت میں دین کو دنیا پر مقدم کرنے والے ہیں؟ کیا ہم ہر ایک بدی سے اور بد عملی سے انتہائی محتاط ہو کر بچنے کی کوشش کرنے والے ہیں؟ کیا ہم کسی کا حق مارنے سے بچنے والے اور ناجائز تصرف سے بچنے والے ہیں؟ کیا ہم پنجگانہ نماز کا التزام کرنے والے ہیں؟ کیا ہم ہمیشہ دعا میں لگے رہنے والے اور خدا تعالیٰ کو انکسار سے یاد کرنے والے ہیں؟ کیا ہم ہر ایسے بد رفیق اور ساتھی کو جو ہم پر بد اثر ڈالتا ہے، چھوڑنے والے ہیں؟ کیا ہم اپنے ماں باپ کی خدمت اور اُن کی عزت کرنے والے اور امورِ معروفہ میں اُن کی بات ماننے والے ہیں؟ کیا ہم اپنی بیوی اور اُس کے رشتہ داروں سے نرمی اور احسان کا سلوک کرنے والے ہیں؟ کیا ہم اپنے ہمسائے کو ادنیٰ ادنیٰ خیر سے محروم تو نہیں کر رہے؟ کیا ہم اپنے قصوروار کا گناہ بخشنے والے ہیں؟ کیا ہمارے دل دوسروں کے لئے ہر قسم کے کینے اور بُغض سے پاک ہیں؟ کیا ہر خاوند اور ہر بیوی ایک دوسرے کی امانت کا حق ادا کرنے والے ہیں؟ کیا ہم

عہدِ بیعت کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی حالتوں کی طرف نظر رکھنے والے ہیں؟ کیا ہماری مجلسیں دوسروں پر تہمتیں لگانے اور چغلیاں کرنے سے پاک ہیں؟ کیا ہماری زیادہ تر مجالس اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کرنے والی ہیں؟

اگر ان کا جواب نفی میں ہے تو ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی تعلیم سے دُور ہیں اور ہمیں اپنی عملی حالتوں کی فکر کرنی چاہئے۔ اگر اس کا جواب ہاں میں ہے تو ہم میں سے وہ خوش قسمت ہیں جن کو یہ جواب ہاں میں ملتا ہے کہ ہم اپنی عملی حالتوں کی طرف توجہ دے کر بیعت کا حق ادا کرنے والے ہیں۔"

(خطبہ جمعہ 6/دسمبر 2013ء)

پھر حضورِ ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"پس انسانی زندگی کا ہر قدم بڑا پھونک پھونک کر اُٹھنا چاہئے جہاں خالص خدا تعالیٰ کی رضا مقدم ہو، جہاں عقیدے میں پختگی ہو وہاں اعمال کی بھی ایسی اصلاح ہو کہ دنیا کو نظر آ جائے کہ ایک احمدی اور دوسرے میں کیا فرق ہے؟ پس ہمیں اس بات پر نظر رکھنی چاہئے کہ تمام قسم کی برائیوں سے بچنا ہے۔ تمام قسم کی نیکیوں کو اختیار کرنا ہے تا کہ عملی طور پر اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کریں۔ اپنے چھوٹوں کے لئے نمونہ بنیں۔ اپنے نوجوانوں کے لئے نمونہ بنیں۔ اپنے گھروں میں اپنے بیوی بچوں کے لئے نمونہ بنیں۔ اپنے ساتھ کام کرنے والوں کے لئے نمونہ بنیں، اپنی عملی حالتوں میں ہر چھوٹا بڑا وہ معیار حاصل کرے کہ ہر قسم کی بدی اور برائی کا بیج ہم میں سے ہر ایک میں ختم ہو جائے، اُس کی جڑ ہی ختم ہو جائے۔ اگر افرادِ جماعت میں سے ہر ایک نے اپنی مکمل اصلاح کی کوشش نہ کی تو جماعت میں ہر وقت کسی نہ کسی قسم کی برائی کا بیج موجود رہے گا اور موقع ملتے ہی وہ پھلنے پھولنے لگ جائے گا، پھوٹنے لگ جائے گا۔ پس ہر قسم کی برائیوں کی جڑوں کو ہم میں سے ہر ایک کو اپنے اندر سے ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ تبھی ہم ہر قسم کی برائیوں کو جماعت میں سے ختم کر کے عملی اصلاح کی حقیقی تصویر بن سکتے ہیں۔"

(خطبہ جمعہ 30/مارچ 2012ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصائح پر عمل کی توفیق دے۔ آمین

(کمپوزڈ: منہاس محمود۔ جرمنی)

﴿48﴾ ﴿مشاہدات۔ 1301﴾

حقیقی مؤمن کی خصوصیات

(حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ کے ارشادات کی روشنی میں)

(تقریر نمبر1)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ (الحج:42)

یعنی وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں طاقت بخشیں تو وہ نمازوں کو قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور نیک باتوں کا حکم دیں گے اور بُری باتوں سے روکیں گے اور سب کاموں کا انجام خدا کے ہاتھ میں ہے۔

جو متقی ہے اُس کا خدا خود نصیر ہے
انجام فاسقوں کا عذاب سعیر ہے
جڑ ہے ہر ایک خیر و سعادت کی اتقا
جس کی یہ جڑ رہی ہے عمل اُس کا سب رہا

(درثمین)

حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ ”حقیقی مؤمن کی خصوصیات“ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”اس آیت (الحج:42) میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ حقیقی مؤمن وہ ہیں جو طاقت ملنے کی صورت میں، کمزوری اور بے چینی کے بعد امن ملنے کی صورت میں، بہتر حالات ہونے پر، آزادی سے اپنی عبادت اور مذہب پر عمل کرنے کے حالات پیدا ہونے کے بعد اپنی خواہشات اور اپنے ذاتی مفادات کی طرف توجہ دینے والے نہیں بن جاتے بلکہ نماز قائم کرنے والے ہوتے ہیں۔ اپنی نمازوں

کی طرف توجہ دینے والے ہوتے ہیں۔ اپنی مسجدوں کو آباد کرنے والے ہوتے ہیں۔ انسانیت کی خدمت کرنے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہوئے غریبوں اور مسکینوں کے لیے اپنے مال میں سے خرچ کرنے والے ہوتے ہیں۔ اشاعتِ دین کے لیے قربانیاں کرنے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے لیے اپنے مال میں سے خرچ کر کے اسے پاک مال بناتے ہیں۔ نیک باتوں کی طرف خود بھی توجہ دیتے ہیں اور دوسروں کو بھی نیک باتیں کرنے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حق ادا کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ بُرائیوں سے خود بھی رُکتے ہیں اور دوسروں کو بھی بُرائیوں سے روکنے والے ہیں اور کیونکہ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے کرتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ بھی ان کے کاموں کے بہترین نتائج پیدا فرماتا ہے کیونکہ ہر چیز کا فیصلہ خدا تعالیٰ نے ہی کرنا ہے۔ پس جو کام خدا تعالیٰ کی ہدایت پر، اُس کے حکم پر، اُس کی خشیّت کو دل میں رکھتے ہوئے کیا جائے تو یقیناً اس کا انجام تو بہتر ہی ہو گا۔ پس یہ اصولی بات اگر ہم میں سے ہر ایک سمجھ لے تو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کو حاصل کرنے والے بنتے چلے جائیں گے ... پس ہر احمدی کو یاد رکھنا چاہیے کہ ان کا مقصد مسجدیں بنانے سے پورا نہیں ہو گا بلکہ اس وقت پورا ہو گا جب وہ خالص ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف توجہ دیں گے اور اپنی نمازوں کو قائم کریں گے۔ باجماعت نمازوں کے لیے مسجد میں آئیں گے۔ اپنی توجہ نمازوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف رکھیں گے، اسے قائم کریں گے۔ اگر توجہ اِدھر اُدھر ہوتی ہے تو فوراً واپس توجہ نماز کی طرف اور خدا تعالیٰ کی طرف پھیریں گے۔ اس بات کی حقیقت کو سمجھیں گے کہ نماز میں ہمیں اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ صرف ٹھونگے نہیں مارنے، صرف سجدے نہیں کرنے، صرف عربی الفاظ نہیں ادا کرنے بلکہ اپنی زبان میں بھی باتیں کرنی ہیں۔ ایسی نمازوں کی کوشش ہونی چاہیے جس میں اللہ تعالیٰ کا لقا حاصل ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام متقی کی صفات بیان کرتے ہوئے، حقیقی مؤمن کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ يُقِيمُوْنَ الصَّلٰوةَ کرنے والے ہیں۔ وہ نماز کو کھڑی کرتے ہیں۔ متقی سے جیسا ہو سکتا ہے وہ نماز کھڑی کرتا ہے یعنی کبھی نماز گر پڑتی ہے پھر اسے کھڑا کرتا ہے۔ فرمایا یعنی متقی خدا تعالیٰ سے ڈرا کرتا ہے اور وہ نماز کو قائم کرتا ہے۔ اس حالت میں مختلف قسم کے وساوس اور خطرات بھی ہوتے

ہیں جو پیدا ہو کر اس کے حضور میں حارج ہوتے ہیں۔ دلوں کے وسوسے، خیالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے توجہ پھیرتے ہیں۔ یہ دلوں کے وسوسے اور خیالات جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توجہ پھیرتے ہیں یہی نماز کا گرنا ہے اور واپس اس کو کھڑی کرنا یہی ہے کہ پھر دوبارہ توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے لیکن اگر دل میں تقویٰ ہے۔ تو فرمایا ایک متقی، ایک حقیقی مؤمن نفس کی اس کشاکش میں بھی نماز کو کھڑا کرتا ہے یعنی نماز تو گرتی ہے، بعض دفعہ توجہ اِدھر اُدھر چلی جاتی ہے لیکن تقویٰ یہ تقاضا کرتا ہے کہ کوشش کر کے پھر نماز کو کھڑا کریں۔ پھر اپنی توجہ دوبارہ نماز کی طرف لے کر آئیں اور خدا تعالیٰ کی طرف لے کر آئیں تو یہ اسے کھڑا کرنا ہے۔ فرمایا کہ وہ تکلّف اور کوشش سے بار بار اسے کھڑا کرتا ہے اور اگر مستقل مزاجی سے نماز پر انسان قائم رہے اور اس بات کی کوشش کرتا رہے کہ مَیں نے اپنی نماز کے اعلیٰ معیار حاصل کرنے ہیں تو پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے ذریعہ ہدایت عطا کر دیتا ہے۔“

(خطبہ جمعہ 25/ اکتوبر 2019ء)

پھر حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حوالے سے مؤمنین کی علامات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”آپؑ نے ہدایت کی وضاحت فرمائی کہ ہدایت کیا ہوتی ہے؟ فرمایا کہ وہ ایسی حالت ہوتی ہے کہ جب نماز کے کھڑی کرنے، اس کو قائم کرنے کی کوشش کا معاملہ نہیں رہتا۔ یہ نہیں ہوتا کہ نماز گر گئی۔ نماز سے توجہ ہٹ گئی اور پھر دوبارہ نماز کی طرف توجہ پیدا ہوئی۔ یہ معاملہ نہیں رہتا بلکہ ہدایت حاصل کرنے کے بعد نماز اس کے لیے بمنزلہ غذا ہو جاتی ہے۔ اس طرح ہو جاتی ہے جس طرح خوراک ہے۔ کھانا کھانا انسان کے جسم کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح روحانی نشو و نما کے لیے نماز اس کا حصہ بن جاتی ہے، غذا بن جاتی ہے۔ فرمایا جس طرح مادی غذا کے بغیر زندگی نہیں رہتی، یہ وضاحت مَیں اس کی کر رہا ہوں کہ جس طرح مادی غذا کے بغیر زندگی نہیں رہتی اسی طرح نماز کے بغیر بھی زندگی نہیں رہتی اور صرف یہی نہیں کہ صرف زندگی قائم رکھنے کے لیے غذا کھانی ہے بلکہ فرمایا کہ یہ غذا ایسی ہے کہ اس کا مزہ بھی آتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ نماز میں اس کو وہ لذّت اور ذوق عطا کیا جاتا ہے جیسے سخت پیاس کے وقت ٹھنڈا پانی پینے سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ نہایت رغبت سے اسے پیتا ہے اور سیر ہو کر اس سے حظّ اٹھاتا ہے۔ پیاس لگی ہو،

شدید پیاس ہو، بُرا حال ہو، پانی نہ مل رہا ہو، پھر پانی مل جائے اور ٹھنڈا پانی مل جائے تو اس سے جو لطف آتا ہے وہ اسی طرح ہے جس طرح ایک حقیقی ہدایت یافتہ کو نماز پڑھنے سے آتا ہے یا پھر ایک اَور مثال آپؑ نے دی کہ کوئی بھوکا ہو اور اسے نہایت اعلیٰ قسم کا خوش ذائقہ کھانا مل جائے تو اسے کھا کر خوشی ملتی ہے۔ ایسے ہی حقیقت میں خوشی حقیقی نماز پڑھنے والے کو ملتی ہے۔ پس یہ وہ نمازیں ہیں جو حقیقت میں نمازیں ہیں کہ خوش ہو کر نماز پڑھنی ہے نہ کہ بوجھ سمجھ کر نمازیں پڑھنی ہیں بلکہ آپؑ نے یہ مثال بھی دی ہے کہ حقیقی مؤمن کے لیے نماز ایک قسم کا نشہ ہو جاتی ہے جس کے بغیر وہ سخت کرب محسوس کرتا ہے۔ جس طرح کہ نشئی آدمی جو ہوتا ہے اس کو نشہ نہ ملے تو بڑی تکلیف محسوس کرتا ہے۔ بڑا اضطراب اور بے چینی محسوس کرتا ہے لیکن نماز کے ادا کرنے سے اس کے دل میں ایک خاص سرور اور ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ الفاظ میں وہ لذّت بیان نہیں ہو سکتی جو حقیقی نماز پڑھنے والے کو لذّت ملتی ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ مؤمن متقی نماز میں لذت پاتا ہے اس لیے نماز کو خوب سنوار سنوار کر پڑھنا چاہیے۔ فرمایا نماز ساری ترقیوں کی جڑ اور زینہ ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ نماز مؤمن کا معراج ہے اور اس کے ذریعہ خدا تعالیٰ تک پہنچا جا سکتا ہے۔ (ماخوذ از ملفوظات جلد 8 صفحہ 309-310)

پس اگر ہماری مسجدیں بنیں تو ایسی نمازیں ادا کرنے کے لیے مسجدیں بنیں۔ ہم مسجدیں بنانے کی طرف توجہ دیں تو اس معراج کو حاصل کرنے کے لیے۔ یہ ہماری معراج ہونی چاہیے۔ یہی وہ ذریعہ ہے جو خدا تعالیٰ تک لے جاتا ہے اور خدا تعالیٰ سے باتیں کرنے کا موقع ملتا ہے۔ پس مایوس نہیں ہونا چاہیے کہ یہ مقام کس طرح ملے۔ مسلسل کوشش سے یہ مقام اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔‘‘

(خطبہ جمعہ 25/ اکتوبر 2019ء)

سامعین! پھر آپ ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

’’بہت سے لوگ اب بھی سوال کرتے ہیں، مجھے بھی لکھتے ہیں کہ نماز میں توجہ قائم نہیں رہتی تو یہی اس کا علاج ہے کہ کوشش کر کے بار بار توجہ قائم رکھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں بھی کسی دوست نے یہ سوال کیا کہ میرا دل آج کل ایسا ہو رہا ہے کہ نماز میں لذّت اور رقّت پیدا نہیں ہوتی اور مَیں اس وجہ سے نہایت سخت تکلیف میں رہتا ہوں کیونکہ ایک دفعہ نماز کی لذّت کا مزہ چکھ چکا ہوں۔

خواہ مخواہ شبہات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ اگرچہ ان کو بہت ردّ کرتا ہوں تاہم وساوس پیچھا نہیں چھوڑتے۔ کیا کروں؟ فرمایا کہ یہ بھی خدا تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ انسان ایسے وساوس کا مغلوب نہیں ہوتا۔ وساوس پیدا ہو رہے ہیں، آپ کو احساس پیدا ہو گیا ہے۔ ان کو غالب نہیں ہونے دیا۔ فرمایا کہ جب ایسی حالت ہو کہ انسان ان وسوسوں کو غالب نہ آنے دے اپنے اوپر تو یہ بھی ثواب کی حالت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا بھی ثواب دیتا ہے، ایسا رحیم و کریم خدا ہے۔ فرمایا کہ نفسِ امّارہ والے کو تو خبر ہی نہیں ہوتی کہ بدی کیا شَے ہے۔ وہ تو بدیاں کرتا چلا جاتا ہے اس کو تو کچھ نہیں پتا لگتا۔ نفسِ لوّامہ ہے جو بدی کرتا ہے پر بدی پر ہمیشہ گھبراتا ہے اور شرمندہ ہوتا ہے۔ پس یہ نفسِ لوّامہ کی حالت جو ہے اس میں جب بدی پر شرمندہ ہو، گھبرائے، احساس پیدا ہو، خیال پیدا ہو تو اس کو جھٹکے۔ اس کا بھی اللہ تعالیٰ ثواب دے دیتا ہے اور شرمندہ ہوتا ہے اور توبہ کرتا رہتا ہے۔ ایسا شخص نفس کا غلام نہیں ہے۔ فرمایا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر خیالات اور وسوسے آتے ہیں اور پھر ان کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہو تو تمہیں ثواب مل جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا بھی ثواب دے دیتا ہے۔ ایسا شخص نفس کا غلام نہیں ہے اور اس حالت میں ہونا ایک حد تک ضروری بھی ہے۔ اس سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس میں بڑے بڑے ثواب ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ خود بخود نور اور سکینت نازل کرتا ہے۔ خدا کی رحمت کا وقت آتا ہے اور ایک ٹھنڈ پڑ جاتی ہے اور وہ بات ہوا ہو جاتی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ تھک نہ جاوے۔ سجدے میں یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ بہت پڑھا کرو۔ فرمایا سجدے میں یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ بہت پڑھا کرو۔ لیکن یاد رکھو کہ جلد بازی خوف ناک ہے۔ جلد بازی نہیں دکھانی۔ اسلام میں انسان کو بہادر بننا ہے۔ جو جلد بازی دکھاتا ہے وہ بہادر نہیں ہے، وہ بزدل ہے۔ برسوں کی محنت اور مشقّت کے بعد آخر شیطان کے حملے کمزور ہو جاتے ہیں اور وہ بھاگ جاتا ہے۔ (ماخوذ از ملفوظات جلد 7 صفحہ 347)

پس یہ اصولی بات ہمیشہ یاد رکھنے والی ہے کہ جلد بازی نہیں کرنی اور مستقل اللہ تعالیٰ کو پکڑے رکھنا ہے۔ اس کے آگے جھکے رہنا ہے۔ آخر ایک دن شیطان ہار مان کر بھاگ جائے گا لیکن اگر جلد بازی دکھائی، نماز کو قائم کرنے کی بھرپور کوشش نہ کی تو پھر انسان شیطان کے پنجے میں آ جاتا ہے۔ عموماً دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ انسان جلد باز ہے۔ فوری نتائج نہ ملیں تو کہتا ہے کہ دعائیں کرنے کا کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ یہ بات یاد رکھنی

چاہیے کہ انسان اگر صرف دنیا ہی دنیا مانگتا رہے تو صرف ایسی دعائیں پھر اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ سے اپنی روحانی اور دینی ترقی مانگی جائے، اللہ تعالیٰ کا قرب مانگا جائے تو اللہ تعالیٰ پھر قریب آتا ہے اور پھر اس شخص کی دنیاوی ضروریات بھی پوری کر دیتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لیے بھی کچھ طریقے اور اصول ہیں اور ان پر چلنا پڑے گا۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک طرف تو یہ فرمائے کہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ کہ تم مجھے پکارو، مَیں تمہاری دعائیں سنوں گا اور دوسری طرف بندہ پکارتا رہے اور اللہ تعالیٰ سنے ہی نہ۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مضمون کو بیان فرماتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

نمازوں میں دعائیں اور درود ہیں۔ یہ عربی زبان میں ہیں۔ مگر تم پر یہ حرام نہیں کہ نمازوں میں اپنی زبان میں بھی دعائیں مانگا کرو۔ خدا کا حکم ہے کہ نماز وہ ہے جس میں تضرّع ہو اور حضورِ قلب ہو۔ تضرّع پیدا کرو، دل کو نرم کرو۔ دل میں خشیّت پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوں، اس سے مانگ رہا ہوں۔ ایسے ہی لوگوں کے گناہ دور ہوتے ہیں۔ فرمایا کہ ایسے ہی لوگوں کے گناہ دُور ہوتے ہیں جن میں تضرّع ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ۔ یعنی نیکیاں بدیوں کو دُور کرتی ہیں۔ یہاں حسنات کے معنی نماز کے ہیں اور حضور اور تضرّع اپنی زبان میں مانگنے سے حاصل ہوتا ہے یعنی جو تضرّع پیدا ہوتا ہے، انسان کا دل پگھلتا ہے وہ اپنی زبان میں انسان مانگے تو تبھی پیدا ہو سکتا ہے جب سمجھ بھی آ رہی ہو کہ کیا مانگ رہا ہے۔ پس فرمایا کہ اپنی زبان میں دعا کیا کرو۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو دعائیں سکھائی ہیں وہ دعائیں بھی بڑی ضروری ہیں، کرنی چاہییں اور ان میں سے بہترین دعا فاتحہ ہے کیونکہ وہ جامع دعا ہے۔ سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک دعا سکھائی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ اس کے معنے بڑے وسیع ہیں اور اس کی وضاحت فرماتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں کہ جب زمیندار کو زمینداری کا ڈھب آ جاوے تو وہ زمینداری کے صراطِ مستقیم پر پہنچ جاوے گا۔ جو زمیندار ہے ایک اس کو کھیتی باڑی کرنے کا طریقہ آ جائے، زمیندارہ کرنا آ جائے، ہل چلانا آ جائے، بیج پھینکنا آ جائے، یہ پتا ہو کہ کس وقت کھاد دینی ہے، کس وقت پانی دینا ہے، کس وقت سپرے کرنا ہے تو فرمایا کہ جب اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے تو وہ صراطِ مستقیم پر پہنچ گیا، اپنے اس فیلڈ کے صراطِ مستقیم پر، زمینداری کے صراطِ مستقیم پر۔ اسی طرح تم خدا کے ملنے کی

صراطِ مستقیم تلاش کرو اور دعا کرو کہ یا الٰہی! مَیں تیرا گناہ گار بندہ ہوں اور افتادہ ہوں میری رہنمائی کر۔ ادنیٰ اور اعلیٰ سب حاجتیں بغیر شرم کے خدا سے مانگو کہ اصل معطی وہی ہے، وہی دینے والا ہے۔ بہت نیک وہی ہے جو بہت دعا کرتا ہے کیونکہ اگر کسی بخیل کے دروازے پر، بہت کنجوس آدمی ہو اس کے دروازے پر بھی سوالی ہر روز جا کر سوال کرے گا تو آخر ایک دن اس کو بھی شرم آجاوے گی۔ پھر خدا تعالیٰ سے مانگنے والا اور وہ خدا جو بے مثل کریم ہے، ایسا کریم ہے جس کی مثال کوئی نہیں وہاں سے کیوں نہ پائے۔ پس مانگنے والا کبھی نہ کبھی ضرور پالیتا ہے۔ نماز کا دوسرا نام ہی دعا ہے جیسے فرمایا اُدۡعُوۡنِیۡۤ اَسۡتَجِبۡ لَکُمۡ کہ تم مجھے پکارو مَیں تمہاری دعا سنوں گا۔ پھر فرمایا وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیۡ عَنِّیۡ فَاِنِّیۡ قَرِیۡبٌ اُجِیۡبُ دَعۡوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ جب میرا بندہ میری بابت سوال کرے پس مَیں بہت ہی قریب ہوں۔ مَیں پکارنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ پکارتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ بعض لوگ اس کی ذات پر، اللہ تعالیٰ کی ذات پر شک کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ میری ہستی کا نشان یہ ہے کہ تم مجھے پکارو اور مجھ سے مانگو۔ مَیں تمہیں پکاروں گا اور جواب دوں گا اور تمہیں یاد کروں گا۔"

(خطبہ جمعہ 25/ اکتوبر 2019ء)

سامعین! پھر حضور ایدہ اللہ تعالیٰ سچے "مؤمن کی مختلف نشانیاں" بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"مؤمن بننے کے لئے کیا لوازمات ہیں؟ کون کون سی شرائط ہیں جن پر پورا اتر کر ایک انسان حقیقی مؤمن بن سکتا ہے؟ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی جگہ مؤمن کی مختلف خصوصیات بیان فرمائی ہیں کہ ایک مؤمن بندہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے فیض پانے کے لئے ایمان کے مدارج طے کرتے ہوئے ان باتوں کو اپنائے گا تو وہ حقیقی مؤمن کہلائے گا اور فیض پانے والا ہو گا۔

قرآن کریم کے شروع میں ہی مؤمن کی تعریف کا بیان شروع ہو گیا ہے۔ فرمایا اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَیُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰھُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ۔ وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ وَبِالۡاٰخِرَۃِ ھُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ (البقرۃ:5-4) مؤمن کی پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ غیب پر ایمان لانے والا ہے۔ اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ نمازوں کو قائم کرنے والا ہے۔ تیسری بات اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا ہے یا جو اللہ تعالیٰ کے احکامات ہیں ان کے مطابق خرچ کرنے والا ہے۔ چوتھی خصوصیت، آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تعلیم اتری، اللہ تعالیٰ کی شریعت اتری اس پر ایمان لانے والا اور پانچویں یہ کہ پہلے انبیاء پر ایمان لانے والا اور چھٹی بات یہ کہ آخرت پر یقین کرنے والا ہے۔ یعنی وہ باتیں جن کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ہوں گی۔ ان پر یقین کرنا۔

پہلی بات یا خصوصیت جو ایک مؤمن کی بیان فرمائی گئی ہے وہ غیب پر ایمان ہے، اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان کہ وہ سب قدرتوں والا ہے۔ جب یہ کامل ایمان ہوتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اپنے وجود کا پتہ ایک سچے مؤمن کو مختلف طریقوں سے دیتا ہے۔ اسی طرح فرشتوں پر ایمان ہے، مرنے کے بعد کی زندگی پر ایمان ہے، یہ سب ایمان کی مثالیں ہیں۔ پھر غیب پر ایمان یہ ہے کہ ہر حالت میں اپنے ایمان کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔ نیک اعمال جو کرنے ہیں وہ کسی کو دکھانے کے لئے نہیں کرنے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر حالت میں مجھے دیکھ رہا ہے، ان پر عمل کرنا ہے۔ دشمنوں کا خوف یا کسی قسم کی روک یا نفسانی لالچیں اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے سے نہ روکیں۔ یہ ایمان کی مضبوطی کی پہلی شرط ہے۔

مؤمن ہونے کے لئے دوسری اہم شرط نمازوں کا قیام ہے۔ نمازوں کا قیام یہ ہے کہ ایک توجہ کے ساتھ اپنی نمازوں کی نگرانی رکھنا، ان میں باقاعدگی اختیار کرنا کیونکہ اگر نمازوں میں باقاعدگی نہیں ہے، کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی، کبھی نیند آرہی ہے تو عشاء کی نماز ضائع ہو گئی اور بغیر پڑھے سو گئے، کبھی گہری نیند سو رہے ہیں تو فجر کی نماز پر آنکھ نہ کھلی۔ بعض لوگ نماز چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ اگر وقت پر آنکھ نہیں بھی کھلی تو جب بھی آنکھ کھلے فجر کی نماز پڑھنی چاہئے۔ سورج نکلے پڑھیں گے تو گھر والوں کے سامنے بھی شرمندگی ہو گی یا اپنے آپ کو احساس ہو گا اور ضمیر ملامت کرے گا کہ اتنی دیر سے نماز پڑھ رہا ہوں اور پھر اگلے دن اس احساس سے ایک مؤمن وقت پر اٹھنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر کام کرنے والے ہیں، کام کی وجہ سے ظہر اور عصر کی نمازیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مؤمن تو وہ لوگ ہیں جو نمازوں کا قیام کرتے ہیں اور قیام کس طرح کرتے ہیں، عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ (المعارج:24) اپنی نمازوں پر ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔ اس میں باقاعدگی رکھتے ہیں، یہ نہیں کہ کبھی نماز ضائع ہو گئی تو کوئی حرج نہیں بلکہ آگے فرمایا کہ عَلٰی صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (المعارج:35) نمازوں کی حفاظت پر کمربستہ رہتے ہیں۔ انسان

جتنی کسی عزیز چیز کی حفاظت کرتا ہے، وہ نمازوں کی حفاظت عزیز ترین شے سے بھی زیادہ کرتے ہیں۔ ایک مؤمن نمازوں کی حفاظت اس سے بھی زیادہ توجہ سے کرتا ہے۔ اگر نماز ضائع ہو جائے تو بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ حالت ہو گی تو تب ایمان میں مضبوطی آئے گی۔ پھر باقاعدہ نماز پڑھنا ہی کافی نہیں بلکہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا (النساء:104)۔ یقیناً نماز مؤمنوں پر وقت مقررہ پر ادا کرنا ضروری ہے اور حقیقی مؤمن وہی ہیں جو نماز وقت پر ادا نہ ہو سکے تو بے چین ہو جاتے ہیں۔ کہتے ہیں ایک شخص کی ایک دن فجر کی نماز پر آنکھ نہیں کھلی، نماز قضاء ہو گئی، اس کا سارا دن اس بے چینی میں اور رو رو کر اور استغفار کرتے ہوئے گزرا۔ لگتا تھا کہ یہ غم اسے ہلاک کر دے گا، اگلے دن نماز کا وقت آیا، اس کو آواز آئی کہ اٹھو اور نماز پڑھو۔ اس نے پوچھا کون ہو تم؟ اس نے کہا مَیں شیطان ہوں۔ پوچھا کہ شیطان کا کیا کام ہے نماز کے لئے جگانے کا؟ تو اس نے جواب دیا کہ کل تم نے جو رو رو کر اپنی حالت بنائی تھی اور جتنا استغفار کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے تم کو کئی گنا نماز کا ثواب دے دیا۔ میرا تو مقصد یہ تھا کہ تم ثواب سے محروم ہو جاؤ گے تو بجائے اس کے کہ تم کئی گنا ثواب لو اس سے بہتر ہے کہ مَیں تمہیں خود ہی جگا دوں اور تم تھوڑا ثواب حاصل کرو، اتنا ہی جتنا نماز کا ملتا ہے۔ نہیں تو پھر رو رو کے وہی حالت کرو گے اور پھر زیادہ ثواب لے جاؤ گے تو میرا مقصد تو پورا نہیں ہو گا۔ تو یہ نمازیں چھوڑنے والوں کا درد ہوتا ہے۔

پھر ایک مؤمن کی نمازوں کی شان نماز پڑھتے ہوئے پوری توجہ کے ساتھ پڑھنا ہے۔ ایک مؤمن کو باجماعت نماز پڑھنے کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ قیام نماز اس وقت مکمل ہو گا جب باجماعت نماز کی طرف توجہ ہو گی۔ اس لئے حتّی الوسع باجماعت نماز کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس لئے حدیث میں آیا ہے کہ باجماعت نماز کا ثواب ستائیس گنا تک ہے۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ حدیث نمبر 1362)

پھر ایک مؤمن کی ایک یہ شان ہے کہ نہ صرف خود نمازوں کا اہتمام کرے بلکہ دوسروں کو بھی تلقین کرتا رہے۔ جماعتی نظام بھی ایک خاندان کی طرح ہے۔ اس میں ہر ایک کو اپنے ساتھ اپنے بھائی کی بھی فکر کرنی چاہئے۔ جو چیز اپنے لئے پسند کرتا ہے، اپنے عزیزوں کے لئے بھی پسند کرنی چاہئے۔ یہ ثواب کمانے اور نیکی پھیلانے کا ذریعہ ہے۔ لیکن پیار سے توجہ دلانی چاہئے۔ جس کو توجہ دلائی جا رہی ہو اس کو بھی بُرا نہیں منانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاۡمُرۡ اَهۡلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَا (سورۃ طٰہٰ:133) اور تُو اپنے اہل کو نماز

کی تلقین کرتا رہ اور خود بھی نماز پر قائم رہ۔ پس جہاں ماں باپ، بہن بھائیوں کو ایک دوسرے کو نماز کی تلقین کرنی چاہئے وہاں پر ہر احمدی کو دوسرے احمدی کو بھی پیار سے اور نظام جماعت جو اس کام پر مامور ہے ان کو بھی دوسروں کو نمازوں کی طرف توجہ دلاتے رہنا چاہئے۔ یہی چیز ہے جو مؤمنین کی جماعت کو مضبوطی عطا کرتی ہے۔ یہی چیز ہے جس سے بندے اور خدا کے درمیان ایک تعلق قائم ہوتا ہے جو بندے کو خدا کے قریب کرتا ہے اور یہ تعلق اس لئے نہیں کہ دنیاوی مقاصد حاصل کرنے ہیں بلکہ اصل مقصد روحانیت میں ترقی کرنا اور خدا کا قرب پانا ہے۔ پس جب اس مقصد کے حصول کے لئے ایک دوسرے کو توجہ دلا رہے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کے بے انتہا فضلوں کو سمیٹنے والے بن رہے ہوں گے اور جماعتی مضبوطی بھی پیدا ہو رہی ہو گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے شرط وہی لگائی کہ خود بھی نمازوں کی طرف توجہ کرو۔ اپنے عمل کی شرط ضروری ہے۔

پھر ایک سچے مؤمن کی ایک نشانی یہ ہے کہ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرۃ:4) اور جو کچھ اللہ نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے بھی خرچ کرتے ہیں اور یہ خرچ دولت کا بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو صلاحیتیں دی ہیں، جو کسی کو بھی دوسرے سے زیادہ عطا کی ہیں اس کو دوسروں کی بہتری کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ اور یہی بے نفس خدمت ہے جو پھر ایک مؤمن کو دوسرے مؤمن کے ساتھ ایسے رشتے میں پیوست کر دیتی ہے جو پکّا اور نہ ٹوٹنے والا رشتہ ہوتا ہے۔ مؤمنین کی جماعت میں ایک ایکا اور وحدانیت پیدا ہو جاتی ہے، ایک مضبوطی پیدا ہو جاتی ہے اور ہر سطح پر اگر اس سوچ کے ساتھ ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہوئے، اپنی دولت اور اپنی دوسری صلاحیتوں کو خرچ کیا جائے تو ایسا معاشرہ جنم لیتا ہے جس میں محبت، پیار، امن اور سلامتی نظر آتی ہے۔ گھروں کی سطح پر خاوند بیوی کا خیال رکھ رہا ہو گا۔ بیوی خاوند کا خیال رکھ رہی ہو گی۔ ماں باپ بچوں کی بہتری کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں اور ذرائع کا استعمال کر رہے ہوں گے۔ بچے ماں باپ کی خدمت پر ہر وقت کمربستہ ہوں گے، ان کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کر رہے ہوں۔ ان کی خدمت کی طرف توجہ دے رہے ہوں گے۔ ہمسایہ، ہمسائے کے حقوق ادا کر رہا ہو گا، غریب امیر کے لئے اپنی صلاحیتیں استعمال کرے گا اور امیر غریب کی بہتری کے لئے خرچ کر رہا ہو گا اور یہ سب اس لئے ہے کہ ہم

مؤمن ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ یہ کرو اور اس طرح پر سب مل کر پھر جماعتی ترقی کے لئے اپنے مال اور صلاحیتوں کو خرچ کر رہے ہوں گے اور پھر وہ معاشرہ نظر آئے گا جو مؤمنین کا معاشرہ ہے ... ایک مؤمن کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تعلیم اتری ہے اسے ماننا ضروری ہے۔ آپؐ کو خاتم الانبیاء ماننا ضروری ہے۔ اس یقین پر قائم ہوں اور یہ ایمان ہو کہ قرآن کریم آخری شرعی کتاب ہے اور اس کے تمام احکامات ہمارے لئے ہیں اور ہمیں اس پر ایمان لانا اور ماننا اور عمل کرنا ضروری ہے۔ پھر جس طرح قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء آئے تھے وہ بھی برحق تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے تھے، بعض کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور بہت سوں کا نہیں ہے، ان سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اور یہ بھی ایک مؤمن کی خصوصیت ہے اور یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس نے پہلے انبیاء کی صداقت پر بھی مہر لگا دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مہر لگانے والا بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کہ اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا (البقرۃ:120)۔ وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ (فاطر:25) ہم نے تجھے حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ہوشیار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی ایسی قوم نہیں جس میں ہوشیار کرنے والا نہ آیا ہو تو ہر قوم میں جو انبیاء آئے ان کی بھی اطلاع دے دی۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذریعہ سے یہ اعلان کروا دیا کہ تمام قوموں میں رسول آئے ہیں اس لئے جس قوم کا بھی یہ دعویٰ ہے کہ اس میں نبی آیا اور نبی کا نام لیتے ہیں ان کو ماننا ضروری ہے۔ ایک مؤمن کو یہ حکم دیا کہ ان تمام رسولوں پر ایمان لانا بھی تمہارے مؤمن ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط ہے۔

اور پھر فرمایا کہ آخرت پر بھی یقین رکھو، یہ بھی ایمان کا ایک حصّہ ہے۔ اب یہ آخرت کیا ہے؟ آخرت کے معانی سیاق وسباق کے ساتھ یہ ہو سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو آپؐ کی غلامی میں آئے اس پر جو وحی نازل ہو اس پر بھی یقین رکھنا۔ جو مسیح موعود اور مہدی معہود آئے گا یقین رکھو کہ وہ آئے گا اور اس پر ایمان لے آنا، یہ بھی ایک مؤمن کے ایمان کا حصہ ہے۔ آخرت کو اُخروی زندگی بھی کہا جاتا ہے، لیکن جو پہلے معانی ہیں اس سیاق وسباق کے لحاظ سے وہ زیادہ بہتر ہیں اور یہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فہم قرآن اور اللہ تعالیٰ کی رہنمائی کا نتیجہ ہیں کہ یہ معانی ہم تک پہنچے ہیں اور ہم اس

پر ایمان لائے ہیں۔ پس یہاں یہ بیان فرما کر کہ جس طرح تمہارے لئے پہلے انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح تمہیں اس یقین پر بھی قائم رہنا ہو گا کہ آخرین میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کی بعثت ہو گی اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ جیسا کہ مَیں نے کہا تھا کہ یہ نکتہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں بتایا۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ ”آج میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ قرآن شریف کی وحی اور اس سے پہلی وحی پر ایمان لانے کا ذکر تو قرآن شریف میں موجود ہے، ہماری وحی پر ایمان لانے کا ذکر کیوں نہیں۔ اسی امر پر توجہ کر رہا تھا کہ خداتعالیٰ کی طرف سے بطور القاء کے یکایک میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ آیۂ کریمہ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ (البقرۃ:5) میں تینوں وحیوں کا ذکر ہے بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ سے قرآن شریف کی وحی اور مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ سے انبیاء سابقین کی وحی اور اٰخِرَۃ سے مراد مسیح موعود کی وحی ہے۔ اُخِرَۃ کے معنی ہیں پیچھے آنے والی۔ وہ پیچھے آنے والی چیز کیا ہے۔ سیاق کلام سے ظاہر ہے کہ یہاں پیچھے آنے والی چیز سے مراد وہ وحی ہے جو قرآن کریم کے بعد نازل ہو گی کیونکہ اس سے پہلے وحیوں کا ذکر ہے۔ ایک وہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ دوسری وہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل نازل ہوئی اور تیسری وہ جو آپؐ کے بعد آنے والی تھی“۔ (تفسیر حضرت مسیح موعودؑ سورۃ البقرۃ آیت 5، ریویو آف ریلیجنز جلد 14 نمبر 4 مارچ اپریل 1915 صفحہ 64 حاشیہ)

پس جیسا کہ مَیں نے گزشتہ خطبہ میں بتایا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ان مؤمنین کے لئے ہو گی جو پہلے انبیاء کی بھی تصدیق کریں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے بھی ہوں گے اور بعد میں آنے والے کو بھی مانیں گے۔ تو اس آیت نے اور وضاحت نے دلیل کو مزید مضبوط کر دیا۔ پس ہر ایک احمدی جو حقیقی مؤمن ہے اور اس ایمان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا وارث بنا ہے اس کو اس پیغام کو ماننے کے بعد اپنے ایمان میں ترقی کرنے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجالانے کی طرف مزید کوشش کرنی چاہئے۔

سامعین! فرمایا۔ پھر ایک مؤمن کی خصوصیت یہ ہے، جس کا قرآن کریم میں یوں ذکر آتا ہے کہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرۃ:166) یعنی اور جو لوگ مؤمنین ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ ہی سے محبت

کرتے ہیں۔ پس مؤمن ہونے کی یہ نشانی ہے کہ ایک سچے مؤمن کی زندگی صرف ایک ذات کے گرد گھومتی ہے اور گھومنی چاہئے کیونکہ اس کے بغیر ایک مؤمن، مؤمن کہلا ہی نہیں سکتا۔ ایک مؤمن کا غیب پر ایمان، نمازیں پڑھنا، قربانی کرنا، انبیاء پر ایمان، اس وقت کامل ہو گا جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے ان تمام احکامات پر عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہو گا جو اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شدید محبت کا کیسا اعلیٰ نمونہ ہمارے سامنے رکھا کہ کفار بھی یہ کہہ اٹھے کہ عَشِقَ مُحَمَّدٌ رَبَّہٗ کہ محمد تو اپنے ربّ پر عاشق ہو گیا۔ اور آپؐ نے ہمیں کیا خوبصورت دعا سکھائی ہے کہ اے اللہ! مَیں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور اس کی محبت جو تجھ سے محبت کرتا ہے۔ مَیں تجھ سے ایسے عمل کی توفیق مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے۔ اے اللہ! اپنی اتنی محبت میرے دل میں ڈال دے جو میری اپنی ذات، میرے مال، میرے اہل اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ ہو۔ (صحیح الترمذی کتاب الدعوات حدیث نمبر 3490)

پس ایک مؤمن کا معیار اور خصوصیت یہ ہے جس کو حاصل کرنے کی ایک مؤمن کو کوشش کرنی چاہئے۔ کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر نہیں مل سکتی۔ اس لئے اس محبت کے حصول کے لئے بھی اسی کے آگے جھکنا اور اس سے دعائیں کرنا ضروری ہے۔

پھر مؤمن کی ایک خصوصیت یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ (الانفال:3) یعنی مؤمن تو صرف وہی ہیں جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جائیں اور جب ان کے سامنے اس کی آیات پڑھی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو بڑھا دیں اور وہ جو اپنے ربّ پر توکّل کرتے ہیں۔ صرف مؤمن ہونے کا دعویٰ ہی کافی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں جن باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے، جن خصوصیات کی طرف ایک مؤمن کو توجہ دلائی ہے، وہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا خوف ان کے دل میں ہوتا ہے۔ وہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے ہیں جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، یہ خوف ہے کہ میرے محبوب کے حوالے سے میرے سامنے کوئی بات کی جائے اور مَیں اس پر توجہ نہ دوں، یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ احکامات پر عمل، ان نصائح پر عمل جو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرکے کی جائیں یا جو اللہ تعالیٰ نے بھیجی ہوں وہ اس

لئے کرتا ہے کہ میرا محبوب کہیں مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔ پس اس حوالے سے ہر نصیحت جو ایک مؤمن کو کی جاتی ہے اس کو اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور ایک صحیح مؤمن اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ میرا خدا جو سب سے زیادہ پیار کرنے والا ہے میری نافرمانی سے کہیں مجھ سے ناراض نہ ہو جائے۔

اور دوسری بات (یہ ہے کہ) جو ایک مؤمن کے سامنے جب اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں، جب ان نشانات کا ذکر کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی وجہ سے ایک مؤمن پر ظاہر ہوتے ہیں تو یہ چیز اسے اس کے ایمان میں مزید ترقی کا موجب بنا دیتی ہے۔

اور تیسری اہم بات (یہ) ہے کہ ایمان کی زیادتی کے ساتھ مؤمن کا معیار توکّل بڑھتا ہے۔ اس کا یقین اللہ تعالیٰ کے سلوک کی وجہ سے بڑھتا چلا جاتا ہے اور ایمان میں بڑھنے کے ساتھ اس کا توکّل بھی بڑھتا چلا جاتا ہے اس میں وہ ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ وہ دنیاوی چیزوں پر گرنے کی بجائے اور انہی پر مکمل انحصار کرنے کی بجائے اپنی کوشش کرنے کے بعد جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اسباب کا استعمال بھی ہونا چاہئے اور محنت بھی ہونی چاہئے پھر بہتر نتائج کے لئے اللہ تعالیٰ پر معاملہ چھوڑتا ہے۔ اونٹ کا گھٹنا باندھنے کے بعد اس رسّی پر توکّل نہیں کرتا جس سے گھٹنا باندھا گیا ہے بلکہ اس مالک پر توکّل کرتا ہے جس کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز ہے، جو نگران ہے، جو حفاظت کرنے والا ہے پس یہ توکّل ہے جو ایک مؤمن کا طُرّہ امتیاز ہے اور ہونا چاہئے اور یہ اس کی خصوصیت ہے۔

سامعین! فرمایا۔ پھر ایک مؤمن کی نشانی یہ بتائی کہ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (النور:52) مؤمنوں کا قول جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے محض یہ ہوتا ہے کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی اور یہی ہیں جو مراد پانے والے ہیں۔ اللہ اور رسول کی کامل اطاعت تبھی ہوگی جب ان تمام احکامات کی پیروی ہوگی جو اللہ اور رسول نے دیئے ہیں۔ صرف منہ سے کہہ دینا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی کافی نہیں۔ مثلاً اہم معاملات میں جو مسائل اور جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں اُن میں بھی اللہ اور رسول کا حکم ہے کہ میرے امیر کی اور نظام کی اطاعت کرو۔ اس کی پوری پابندی کرنا بھی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے کہ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النّساء:66)۔ نہیں! تیرے ربّ کی قسم وہ کبھی ایمان نہیں لا سکتے جب تک وہ تجھے ان امور میں منصف نہ بنالیں جن میں ان کے درمیان جھگڑا ہوا ہے پھر تُو جو بھی فیصلہ کرے اس کے متعلق وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور کامل فرمانبرداری اختیار کریں۔ یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نہیں ہے گو پہلے مخاطب آپؐ ہی ہیں، اس کے بعد آپ کا نظام ہے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے امیر کی اطاعت اور نظام کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے۔ خلفاء اور نظام جماعت کی اطاعت بھی ہر ایک مؤمن پر جو بیعت میں شامل ہے، ماننے والا ہے، حقیقی مؤمن ہے، اس کی پابندی کرنا ضروری ہے اور اطاعت اور فیصلوں کی پابندی صرف نہیں کرنی بلکہ خوشی سے ان کو ماننا ہے۔ سزا کے ڈر سے نہیں ماننا بلکہ اطاعت کے جذبے سے اور یہی چیز ہے جو مسلمانوں میں مضبوطی پیدا کرنے والی ہوگی ... مؤمنین کی شان یہ ہے کہ فتنے سے بچیں۔ نظام کے خلاف باتیں کرکے، بول کر اپنے حق سے محروم کئے جانے والا شخص اگر اپنے زُعم میں، اپنے خیال میں اپنے آپ کو صحیح بھی سمجھ رہا ہے تو اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو بھی ایمان سے محروم کر رہا ہوتا ہے۔ بعض دفعہ یہ چیز دیکھنے میں آتی ہے۔ پس مؤمن کی ایک بہت بڑی خصوصیت اطاعت ہے۔ امن قائم کرنے کے لئے تھوڑا سا نقصان بھی برداشت کرنا ہو تو کر لینا چاہئے اور اطاعت کو ہر چیز پر حاوی کرنا چاہئے اور اس کو ہر چیز پر مقدم سمجھنا چاہئے۔ اللہ کی رضا کے حصول کی کوشش کرنا اور اس پر توکّل کرنا ایسی چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ انعامات سے نوازتا ہے اور پھر ایسے ذرائع سے مدد فرماتا ہے کہ انسان سوچ بھی نہیں سکتا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ ایک جگہ مؤمنین کی یہ خصوصیت بیان فرماتا ہے کہ اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ (السجدة: 16) یقیناً ہماری آیات پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں کہ جب اُن آیات کے ذریعہ سے انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ سجدہ کرتے ہوئے گر جاتے ہیں اور اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ تکبّر نہیں کرتے۔

پس جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی آیات ایک مؤمن کو خوف میں بڑھاتی ہیں اور اس کے ایمان میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ پس خوف اور ایمان میں بڑھتے ہوئے اور اس دلی خواہش کے

ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کے قرب پانے والے بنیں، مؤمنین تسبیح کرتے ہیں، حمد کرتے ہیں، عبادتوں کی طرف توجہ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے حوالے سے جو بات کی جائے تو پھر اطاعت کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ایمان میں بڑھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر احمدی کو ان خصوصیات کا حامل بنائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”مؤمن کی تعریف یہ ہے کہ خیرات وصدقہ وغیرہ جو خدا نے اس پر فرض ٹھہرایا ہے بجالاوے اور ہر ایک کارِ خیر کرنے میں اس کو ذاتی محبت ہو اور کسی تصنّع ونمائش وریاء کو اس میں داخل نہ ہو۔ یہ حالت مؤمن کی اس کے سچے اخلاص اور تعلق کو ظاہر کرتی ہے اور ایک سچا اور مضبوط رشتہ اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ پیدا کر دیتی ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اس کی زبان ہو جاتا ہے جس سے وہ بولتا ہے اور اس کے کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے جس سے وہ کام کرتا ہے۔ الغرض ہر ایک فعل اس کا اور ہر حرکت اور سکون اس کا اللہ ہی کا ہوتا ہے۔ اس وقت جو اس سے دشمنی کرتا ہے وہ خدا سے دشمنی کرتا ہے اور پھر فرماتا ہے کہ مَیں کسی بات میں اس قدر تردّد نہیں کرتا جس قدر کہ اس کی موت میں۔ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ مؤمن اور غیر مؤمن میں ہمیشہ فرق رکھ دیا جاتا ہے۔ غلام کو چاہئے کہ ہر وقت رضائے الٰہی کو ماننے اور ہر ایک رضا کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں دریغ نہ کرے۔ کون ہے جو عبودیت سے انکار کر کے خدا کو اپنا محکوم بنانا چاہتا ہے“ (ملفوظات جلد نمبر 3 صفحہ 344-343۔ جدید ایڈیشن)۔“

(خطبہ جمعہ 13/ جولائی 2007ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصائح پر عمل کی توفیق دے۔ آمین

۞۞۞۞

﴿49﴾ ﴿مشاہدات۔1302﴾

حقیقی مؤمن کی خصوصیات

(حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ کے ارشادات کی روشنی میں)

(تقریر نمبر2)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا۔(الکھف:47)

مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے ربّ کے نزدیک ثواب کے طور پر بہتر اور امنگ کے لحاظ سے بہت اچھی ہیں۔

کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو
وُہی اُس کے مُقرّب ہیں جو اپنا آپ کھوتے ہیں
نہیں راہ اُس کی عالی بارگہ تک خود پسندوں کو
یہی تدبیر ہے پیارو کہ مانگو اُس سے قربت کو
اُسی کے ہاتھ کو ڈھونڈو جلاؤ سب کمندوں کو

(درثمین)

معزّز سامعین! آج مجھے کل کے مضمون کو ہی آگے بڑھاتے ہوئے حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ کے ارشادات کی روشنی میں حقیقی مؤمن کے اوصاف اور ذمّہ داریاں بتانی ہیں۔

مؤمنوں کے لئے غضِّ بصر کے حکم کے متعلق حضور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”مَیں نے پہلے بھی کہا کہ ہمیں خاص طور پر نوجوانوں کو اللہ تعالیٰ کی تعلیم پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ دنیا سے متأثر ہو کر اس کے پیچھے چلنے کی بجائے دنیا کو اپنے پیچھے چلانے کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ پردہ اور

لباس کے حوالے سے مَیں نے بات شروع کی تھی اس حوالے سے یہ بات بھی کہنا چاہتا ہوں اور افسوس سے کہنا چاہتا ہوں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کیا اسلام اور احمدیت کی ترقی کے لئے صرف پردہ ہی ضروری چیز ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ یہ تعلیم اب فرسودہ ہو چکی ہے اور اگر ہم نے دنیا کا مقابلہ کرنا ہے تو ان باتوں کو چھوڑنا ہوگا(نعوذباللہ)۔ لیکن ایسے لوگوں پر واضح ہو کہ اگر دنیا داروں کے پیچھے چلتے رہے اور ان کی طرح زندگی گزارتے رہے تو پھر دنیا کے مقابلے کی بجائے خود دنیا میں ڈوب جائیں گے۔ نمازیں بھی آہستہ آہستہ ظاہری حالت میں ہی رہ جائیں گی یا اور کوئی نیکیاں ہیں یا دین پر عمل ہیں تو وہ بھی ظاہری شکل میں رہ جائے گا اور پھر آہستہ آہستہ وہ بھی ختم ہو جائے گی۔

پس اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے۔ یہ بڑے خوف کا مقام ہے۔ اسلام کی ترقی کے لئے ہر وہ چیز ضروری ہے جس کا خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ پردہ کی سختیاں صرف عورتوں کے لئے نہیں ہیں۔ اسلام کی پابندیاں صرف عورتوں کے لئے نہیں ہیں بلکہ مَردوں اور عورتوں دونوں کو حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے مَردوں کو حیا اور پردے کا طریق بتایا تھا۔ وہ مؤمنوں کے لئے فرمایا کہ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ (النور 31:) کہ کہہ دے کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ بات ان کے لئے زیادہ پاکیزگی کا موجب ہے۔ یقیناً اللہ جو وہ کرتے ہیں اس سے ہمیشہ باخبر رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو پہلے کہا کہ غضّ بصر سے کام لو۔ کیوں؟ اس لئے کہ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ کیونکہ یہ بات پاکیزگی کے لئے ضروری ہے۔ اگر پاکیزگی نہیں تو خدا نہیں ملتا۔ پس عورتوں کے پردہ سے پہلے مَردوں کو کہہ دیا کہ ہر ایسی چیز سے بچو جس سے تمہارے جذبات بھڑک سکتے ہوں۔ عورتوں کو کھلی آنکھوں سے دیکھنا، ان میں مِکس اَپ (mix up) ہونا، گندی فلمیں دیکھنا، نامحرموں سے فیس بُک (facebook) پر یا کسی اَور ذریعہ سے چیٹ (chat) وغیرہ کرنا، یہ چیزیں پاکیزہ نہیں رہتیں۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے اس بارے میں کئی جگہ بڑی کھل کر نصیحت فرمائی ہے۔

ایک جگہ آپ فرماتے ہیں کہ:

"یہ خدا ہی کا کلام ہے جس نے اپنے کھلے ہوئے اور نہایت واضح بیان سے ہم کو ہمارے ہر یک قول اور فعل اور حرکت اور سکون میں حدود معیّنہ مشخّصہ پر قائم کیا اور ادبِ انسانیت اور پاک رَوِشی کا طریقہ سکھلایا۔ وہی ہے جس نے آنکھ اور کان اور زبان وغیرہ اعضاء کی محافظت کے لئے بکمال تاکید فرمایا قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ... یعنی مؤمنوں کو چاہئے کہ وہ اپنی آنکھوں اور کانوں اور سِتر گاہوں کو نامحرموں سے بچاویں اور ہر یک نادیدنی اور ناشنیدنی اور ناکردنی سے پرہیز کریں کہ یہ طریقہ ان کی اندرونی پاکی کا موجب ہو گا۔ یعنی ان کے دل طرح طرح کے جذبات نفسانیہ سے محفوظ رہیں گے کیونکہ اکثر نفسانی جذبات کو حرکت دینے والے اور قوائے بہیمیہ کو فتنہ میں ڈالنے والے یہی اعضاء ہیں۔ اب دیکھئے کہ قرآن شریف نے نامحرموں سے بچنے کے لئے کیسی تاکید فرمائی اور کیسے کھول کر بیان کیا کہ ایماندار لوگ اپنی آنکھوں اور کانوں اور ستر گاہوں کو ضبط میں رکھیں اور ناپاکی کے مواضع سے روکتے رہیں۔" (براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد اوّل صفحہ 209 حاشیہ)

(خطبہ جمعہ 13/ جنوری 2017ء)

مؤمن کو نئے سال پر دعائیں کرنی چاہئے۔ فرمایا:

"ایک مؤمن کے لئے سال اور دن اس صورت میں مبارک ہوتے ہیں جب وہ اس کی توبہ کی قبولیت کا باعث بن رہے ہوں اور اس کی روحانی ترقی کا باعث بن رہے ہوں اور اس کی مغفرت کا باعث بن رہے ہو... نئے سال کے پہلے دن کو ہی اس طرح دعاؤں کے ساتھ سجاؤ کہ سارا سال ہی قبولیت دعا کے نظارے نظر آتے چلے جائیں... حقیقی مؤمن وہی ہے جو تقوی کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے اعمال بجالانے کی کوشش کرے۔ اس دعا کے ساتھ اپنے ہر دن اور ہر سال میں داخل ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے ہمیشہ تقویٰ پر قائم رکھے اور دین و دنیا کی حسنات سے نوازتا رہے۔"

(خطبہ جمعہ 1/ جنوری 2010ء)

مؤمن کو دیندار مجالس میں بیٹھنا چاہئے۔ فرمایا:

”اگر صرف دنیاداروں کی مجالس ہیں تو یہ مجلسیں ایک مؤمن کو پسند نہیں ہونی چاہئیں۔ ایسی مجلس سے فوراً اٹھ کر آجانا چاہئے۔ اگر اس طرف ہماری توجہ ہو تو ہمارے بڑے بھی اور ہمارے نوجوان بھی بہت سی بُرائیوں سے بچ جائیں۔ بہت سے فتنوں سے بچ جائیں۔ نوجوانوں کی بہت سی مجالس کی ایک دوسری طرز بھی ہے، قسم بھی ہے۔ نوجوان خاص طور پر اس میں involve ہوتے ہیں جو fun کے نام پر ہوتی ہیں۔ غل غپاڑے کے لئے ہوتی ہیں اور مغربی ماحول کے اثر کی وجہ سے ہمارے بعض نوجوانوں میں بھی یہ باتیں پیدا ہو گئی ہیں کہ ایسی مجلسوں میں شامل ہو جانا چاہئے۔ ایک مؤمن نوجوان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ اپنی زندگیوں کو اس قسم کی مجلسوں سے بچا کے رکھیں اور کچھ حدود ہیں ان کے اندر رہیں۔ جماعت میں بھی بعض دفعہ ایسے واقعات ہو جاتے ہیں کہ بُری صحبتوں اور خراب مجلس کے زیر اثر ہمارے نوجوان نوجوانی میں قدم رکھتے ہی بعض ایسی حرکتیں کر جاتے ہیں جو دوسروں کو نقصان پہنچانے والی ہوتی ہیں۔ ہمسایوں کو نقصان پہنچا دیا۔ یا راہ چلتے راہگیر کو نقصان پہنچا دیا، یا کسی جگہ گئے تو ویسے ہی شرارۃً کسی کو نقصان پہنچا دیا اور پھر اگر یہ پتا لگ جائے کہ یہ جماعت کا فرد ہے تو پھر ایسے لوگ جماعت کی بھی بدنامی کا باعث بن جاتے ہیں۔ پس ماں باپ کو بھی اپنے بچوں کی مجالس اور صحبتوں پر نظر رکھنی چاہئے تا کہ ہمارے نوجوان، نوجوانی میں قدم رکھنے والے بچے بھی بُری صحبتوں اور مجلسوں سے محفوظ رہیں اور خود بھی گھروں میں ایسی پاک مجلسیں لگانی چاہئیں جو ہمیشہ تربیتی نقطۂ نظر سے بہترین ہوں۔“

(خطبہ جمعہ 22/ ستمبر 2017ء)

رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا دعا کرتے رہیں۔ فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ دعا سکھا کر رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا مؤمنوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ یہ دعا صرف برائے دعا ہی نہیں کہ منہ سے کہہ دیا کہ اے اللہ! میرے علم میں اضافہ کر اور یہ کہنے سے علم میں اضافے کا عمل شروع ہو جائے گا۔ بلکہ یہ توجہ ہے مؤمنوں کو کہ ہر وقت علم حاصل کرنے کی تلاش میں بھی رہو، علم حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہو... اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم یا دعا پر سب سے زیادہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے تھے، اللہ تعالیٰ تو خود آپؐ کو

علم سکھانے والا تھا اور قرآن کریم جیسی عظیم الشان کتاب آپ پر نازل فرمائی جس میں کائنات کے سربستہ اور چھپے ہوئے رازوں پر روشنی ڈالی۔ جس کو اُس وقت آنحضرتؐ کے علاوہ کوئی شاید سمجھ بھی نہ سکتا ہو۔ پھر گزشتہ تاریخ کا علم دیا، آئندہ کی پیش خبریوں سے اطلاع دی لیکن پھر بھی یہ دعا سکھائی کہ یہ دعا کرتے رہیں کہ رَبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا۔ بہرحال ہر انسان کی استعداد کے مطابق علم سیکھنے کا دائرہ ہے، اس دعا کی قبولیت کا دائرہ ہے اور وہ راز جو آج سے پندرہ سو سال پہلے قرآن کریم نے بتائے آج تحقیق کے بعد دنیا کے علم میں آرہے ہیں... آج یہ ذمّہ داری ہم احمدیوں پر سب سے زیادہ ہے کہ علم کے حصول کی خاطر زیادہ سے زیادہ محنت کریں، زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔ کیونکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی قرآن کریم کے علوم و معارف دیئے گئے ہیں اور آپؑ کے ماننے والوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ مَیں انہیں علم و معرفت اور دلائل عطا کروں گا۔ تو اس کے لئے کوشش اور علم حاصل کرنے کا شوق اور دعا کہ اے میرے اللہ! اے میرے ربّ! میرے علم کو بڑھا بہت ضروری ہے۔“

(خطبہ جمعہ 18/جون 2004ء)

سامعین! خدا کی راہ میں خرچ کرنا ایک مؤمن کے لئے انتہائی ضروری ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”اگلی بات جس کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں، وہ افرادِ جماعت پر چندوں کی اہمیت واضح کرنا ہے۔ یاد رکھیں اور یہ بات عموماً میں سیکرٹریانِ مال سے کہا بھی کرتا ہوں کہ لوگوں کو یہ بتایا کریں کہ چندہ کوئی ٹیکس نہیں ہے بلکہ اُن فرائض میں داخل ہے جن کی ادائیگی کا اللہ تعالیٰ نے قرآنِ شریف میں متعدد جگہ حکم فرمایا ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ وَاسۡمَعُوۡا وَاَطِیۡعُوۡا وَاَنۡفِقُوۡا خَیۡرًا لِّاَنۡفُسِکُمۡ ۔ وَمَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۔ اِنۡ تُقۡرِضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا یُّضٰعِفۡهُ لَکُمۡ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ وَاللّٰهُ شَکُوۡرٌ حَلِیۡمٌ (التغابن:17۔18) پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس حد تک تمہیں توفیق ہے اور سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور جو نفس کی کنجوسی سے بچائے جائیں تو یہی ہیں وہ لوگ جو کامیاب ہونے والے ہیں۔ اگر تم اللہ کو قرضۂ حسنہ دو گے تو وہ اسے تمہارے لئے بڑھا دے

گا۔ اِنۡ تُقۡرِضُوا اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا یُّضٰعِفۡهُ لَکُمۡ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ وہ اُسے تمہارے لئے بڑھا دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بہت قدر شناس اور بردبار ہے۔
پس ان آیات سے واضح ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنا ایک مؤمن کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں جو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور فرمایا کہ تمہارا خدا کی راہ میں خرچ کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کو قرض دیا ہے اور اللہ تعالیٰ وہ ہستی ہے جو بندے کو اُس کی قربانی کے بدلے میں کئی گنا بڑھا کر لوٹاتی ہے۔"

(خطبہ جمعہ 16/ اگست 2013ء)

سامعین! مؤمن کی بنیادی شرط سچائی پر قائم ہونا ہے۔ فرمایا:
"سب سے اہم بات یا خلق جو ایک مؤمن کی بنیادی شرط ہے وہ سچائی پر قائم ہونا ہے اور جھوٹ سے بچنا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ وَاجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ ۙ (الحج:31) پس تم بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹ کہنے سے بچو پس بتوں کی پرستش اور جھوٹ کو ملا کر واضح کر دیا کہ اگر تمہارے اندر سچائی نہیں اور سچی بات کہنے کی عادت نہیں تو یہ ایسا ہی بڑا گناہ ہے جیسے بتوں کو پوجنا۔"

(خطبہ جمعہ 16 جون 2017ء)

مؤمن کی نشانی یہ ہے کہ اللہ کا قرب حاصل کر کے اُس کی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔
حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:
"وَالَّذِیۡنَ یَصِلُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖۤ اَنۡ یُّوۡصَلَ وَیَخۡشَوۡنَ رَبَّہُمۡ وَیَخَافُوۡنَ سُوۡٓءَ الۡحِسَابِ (الرعد:22) اور وہ لوگ جو اسے جوڑتے ہیں جسے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں اور بُرے حساب سے خوف کھاتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن تعلقات کے جوڑنے کا فرمایا ہے جن کے جوڑنے کا صرف یہ حکم نہیں کہ جوڑنا ہے بلکہ قائم رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔ تعلقات جوڑے اور پھر قائم رکھے۔ یعنی ایک مؤمن، ایک حقیقی مؤمن جسے اللہ تعالیٰ نے مؤمنانہ فراست بخشی ہے، اس بات کا تصوّر ہی نہیں کر سکتا ہے کہ وہ ایسے کام کرے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہوں۔ پس جب وہ ایک حقیقی

مؤمن ہے، اللہ تعالیٰ سے ایک دفعہ تعلق جوڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق اُن تعلقوں کو جوڑتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمائے ہیں تو پھر اُن پر دوام اختیار کرتا ہے۔ فرمایا کہ ایک صاحبِ عقل اور حقیقی مؤمن کی نشانی یہ ہے کہ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ یعنی وہ اُن تعلقات کو قائم کرتے ہیں جن کے قائم کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حصّہ آیت کی وضاحت کرتے ہوئے خلاصۃً اس طرح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور محبت میں کمال حاصل کر کے اُس کے حکم اور اُس کی ہدایت کے ماتحت مخلوق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور مخلوق سے رشتہ اتحاد واخوت اور احسان جوڑتے ہیں۔ پھر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور محبت کا کمال اس لئے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وَیَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ کہ اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں اور بُرے حساب سے خوف رکھتے ہیں۔ اپنے ربّ کی خشیّت دل میں رکھتے ہیں۔ اور خشیّت لغت میں کسی اعلیٰ صفات والی چیز کے کمال وحسن کو پہچاننے کے بعد اُس کے ہاتھ سے جاتے رہنے کے خوف کو کہتے ہیں۔ کہیں میرے ہاتھ سے نکل نہ جائے۔ یعنی خشیّت اُس وقت بولا جاتا ہے جبکہ اُس چیز کی معرفت حاصل ہو جس سے خوف کیا گیا ہے۔ نیز خوف نقصان یا ضرر کا نہ ہو بلکہ اس وجہ سے ہو کہ انسان یقین کرے کہ وہ چیز نہایت اعلیٰ اور عظمت والی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی غفلت کی وجہ سے اُس کا قرب کھو بیٹھوں اور ایک مؤمن کے نزدیک زمین وآسمان میں سب سے اعلیٰ اور عظمت والی چیز خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ (ماخوذ از تفسیر کبیر جلد 3 صفحہ 409)

پس اس کے علاوہ نہ کوئی چیز ہے اور نہ کوئی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا تھا کہ مؤمن اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر کے اُس کی مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے، یہی ایک مؤمن کی نشانی ہے۔ پس یہ خشیّت اور بُرے حساب کا خوف ایک مؤمن کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور مخلوق کے حق ادا نہ کرنے کی وجہ سے دامن گیر ہوتی ہے اور ہونی چاہئے۔ جیسا کہ مَیں نے کہا یہی مؤمن کی نشانی ہے۔ وہ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتا کہ خدا تعالیٰ اُس سے ناراض ہو، اُس کو دھتکار دے۔ عموماً یہی کہا جاتا ہے بلکہ ایک حقیقی مؤمن نہ بھی ہو، تھوڑا سا بھی ایمان ہو تو وہ یہی چاہتا ہے لیکن دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے ہیں جو قرآنِ کریم پڑھتے ہیں، اُس کا ترجمہ بھی پڑھتے ہیں، خدا تعالیٰ کے خوف کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ وہ کبھی یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ

کی طرف سے دھتکارے جائیں لیکن اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے حق ادا نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے جن تعلقات کو جوڑنے کا حکم دیا ہے، اُن کو حقیقی رنگ میں جوڑنے کی کوشش نہیں کرتے۔ یہ تضاد ہے جو دنیا میں اکثر مسلمانوں کی اکثریت میں نظر آتا ہے۔ ایک خواہش اور دعویٰ کے باوجود نظر آتا ہے۔ اور احمدیوں کے بارے میں بھی ہم سو فیصد نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس تعریف کے اندر آتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مؤمن کی بتائی ہے۔ پس ہمیں بھی اس بارے میں اپنے جائزے لیتے رہنا چاہئے۔"

(خطبہ جمعہ یکم مارچ 2013ء)

حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ ، ایک مؤمن کا نعرہ ہے۔ فرمایا:

"یہ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ (آل عمران:174) کا دل سے نکلا ہوا نعرہ ہے جو مسلمانوں کو ہمیشہ قوی تر کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ کوئی ایک دو واقعات نہیں ہیں بلکہ صحابہ کی تاریخ اس سے بھری پڑی ہے کہ دشمن کا ایک ہونا اور مؤمنین کی نشانی ہے کو یا صحابہ کو خوفزدہ کرنے کی کوشش کرنا کبھی کامیاب نہیں ہو سکا۔

آج بھی یہی اعلان اور جواب ہے جو ایک حقیقی مؤمن کا ہونا چاہئے۔ آج مسیحِ محمدی کی جماعت کے افراد کو بھی اسی طرح خوف دلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن مؤمنوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ کسی گروہ، کسی ٹولے، کسی اسمبلی یا کسی تنظیم کے ڈرانے سے نہیں ڈرتے۔ بلکہ ہمیشہ صبر اور استقامت دکھاتے ہوئے اپنے ایمان میں پختگی پیدا کرتے چلے جاتے ہیں۔ ماریں کھاتے ہیں، صبر کرتے ہیں۔ مالی نقصان اٹھاتے ہیں لیکن ایمان میں لغزش نہیں آنے دیتے۔ شہید کئے جاتے ہیں کہ اس طرح ان کے عزیز، بیوی، بچے، ماں باپ، بہن بھائی خوفزدہ ہو کر دین چھوڑ دیں گے لیکن مؤمنین کے خلاف یہ سب منظّم سازشیں انہیں مخالفین کے گروہ کے رعب میں نہیں آنے دیتیں بلکہ ان کا جواب ہمیشہ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ (آل عمران:174) ہوتا ہے۔ ہمیشہ ان کی نظر خدا تعالیٰ پر ہوتی ہے۔ دشمن جب شور وفغاں میں بڑھتا ہے تو وہ یارِ نہاں میں اور زیادہ ڈوبنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

(خطبہ جمعہ 5/ مارچ 2010ء)

سامعین! ایمان کی قوتِ ارادی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں میں پیدا کی

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”دوسری طرف ہم قوّتِ ارادی کا ایسا انقلاب دیکھتے ہیں کہ بعض غیر مسلم اس پر مشکل سے یقین کرتے ہیں۔ یہ قوّتِ ارادی ایمان کی قوّتِ ارادی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں میں پیدا کی۔ اس کا نظارہ ہمیں اس روایت سے ملتا ہے کہ چند صحابہ ایک مکان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دروازے بند تھے اور یہ سب شراب پی رہے تھے اور اُس وقت ابھی شراب نہ پینے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور شراب پینے میں کوئی ہچکچاہٹ بھی نہیں تھی۔ جس کا جتنا دل چاہے، پیتا تھا، نشے میں بھی آجاتے تھے۔ شراب کا ایک مٹکا اس مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے خالی کر دیا اور جو مٹکا ہے وہ بھی کئی گیلن کا ہوتا ہے اور دوسرا شروع کرنے لگے تھے کہ اتنے میں گلی سے آواز آئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ آج سے مسلمانوں پر شراب حرام کی جاتی ہے۔ اس آواز کا ان لوگوں تک پہنچنا تھا کہ اُن میں سے ایک جو شراب کے نشے میں مزا لے رہا تھا، اُس میں مدہوش تھا، دوسرے کو کہنے لگا کہ اُٹھو اور دروازہ کھول کر اس اعلان کی حقیقت معلوم کرو۔ ان شراب پینے والوں میں سے ایک شخص اُٹھ کر اعلان کی حقیقت معلوم کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک دوسرا شخص جو شراب کے نشے میں مخمور تھا اُس نے سوٹا پکڑا اور شراب کے مٹکے پر مار کر اُسے توڑ دیا۔ دوسروں نے جب اُسے یہ کہا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ پہلے پوچھ تو لینے دیتے کہ حکم کا کیا مفہوم ہے اور کن لوگوں کے لئے ہے؟ تو اُس نے کہا پہلے مٹکے توڑو، پھر پوچھو کہ اس حکم کی کیا حقیقت ہے؟ کہنے لگا کہ جب مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی آواز سن لی تو پہلے تو حکم کی تعمیل ہوگی۔ پھر مَیں دیکھوں گا کہ اس حکم کی قیود کیا ہیں؟ اُس کی limitations کیا ہیں؟ اور کن حالات میں منع ہے۔ پس یہ وہ عظیم الشان فرق ہے جو ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور دوسروں میں نظر آتا ہے۔ (ماخوذ از خطبات محمود جلد 17 صفحہ 445-446 خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 10/ جولائی 1936ء)

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ شرابیوں کی کیا حالت ہوتی ہے؟ کسی شرابی سے شراب پیتے ہوئے گلاس بھی لے لیں یا اُس کے سامنے سے اُٹھا لیں تو مرنے مارنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ کلبوں اور بَاروں (Bars) میں ایسے

واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ چند دن ہوئے یہاں پر بھی ایک خبر تھی کہ ایک کلب میں یا بار (Bar) میں ایک نشئی شخص نے دوسرے کو مار دیا۔ بلکہ یہ نشئی لوگ خلافِ مرضی باتیں سن کر ہی قتل وغارت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ پس ان شرابیوں کی جو نشے میں دھت ہوتے ہیں، نہ عقلیں سلامت ہوتی ہیں، نہ سمجھ سلامت ہوتی ہے، نہ زبان پر قابو رہتا ہے اور نہ ماں باپ کی پرواہ ہوتی ہے۔ اُن کے ہاتھ پاؤں بھی غیر ارادی طور پر حرکت کرتے ہیں۔ نشے میں نہ اُنہیں قانون کی پرواہ ہوتی ہے، نہ سزا کا ڈر ہوتا ہے۔ لیکن صحابہ کی قوتِ ارادی نشے پر غالب آگئی۔ باوجود اس کے کہ وہ نشے میں مخمور تھے۔ ایک مٹکا اُس وقت پی بھی چکے تھے۔ دوسرا مٹکا وہ پینے والے تھے۔ ایسے وقت میں اُن کے کانوں میں یہ آواز پڑتی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ شراب مسلمانوں پر حرام کر دی گئی ہے تو اُن کا نشہ فوراً ختم ہو جاتا ہے۔ وہ پہلے شراب کا مٹکا توڑتے ہیں اور پھر اعلان کرنے والے سے وضاحت پوچھتے ہیں کہ اس اعلان کا کیا مطلب ہے؟ (ماخوذ از خطبات محمود جلد 17 صفحہ 446-447 خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 10/ جولائی 1936ء)

اور یہ ایک گھر کا معاملہ نہیں ہے، چند لوگوں کا معاملہ نہیں۔ بیان کرنے والے بیان کرتے ہیں روایت میں آتا ہے کہ ایسے کئی گھر مدینے میں تھے جن میں شراب کی محفلیں جمی ہوئی تھیں۔ اس اعلان کے ساتھ ہی اس تیزی سے شراب کے مٹکے ٹوٹے کہ مدینے کی گلیوں میں شراب پانی کی طرح بہنے لگی۔ (ماخوذ از خطبات محمود جلد 17 صفحہ 448 خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 10/ جولائی 1936ء)"

(خطبہ جمعہ 17/ جنوری 2014ء)

ہمیں اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے کہ کیا ہمارے ایمان مضبوطی کی طرف بڑھ رہے ہیں؟

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد کا حوالہ دے کر ایک جگہ فرماتے ہیں کہ

"مَیں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تا ایمانوں کو قوی کروں اور خدا تعالیٰ کا وجود لوگوں پر ثابت کر کے دکھلاؤں، کیونکہ ہر ایک قوم کی ایمانی حالتیں نہایت کمزور ہو گئی ہیں اور عالَمِ آخرت صرف ایک افسانہ سمجھا جاتا ہے۔ اور ہر ایک انسان اپنی عملی حالت سے بتا رہا ہے کہ وہ جیسا کہ یقین دنیا اور دنیا کی

جاہ ومراتب پر رکھتا ہے اور جیسا کہ بھروسہ اُس کو دنیوی اسباب پر ہے یہ یقین اور یہ بھروسہ ہر گز اُس کو خدا تعالیٰ اور عالَمِ آخرت پر نہیں۔ زبانوں پر بہت کچھ ہے مگر دلوں میں دنیا کی محبت کا غلبہ ہے۔ حضرت مسیح نے اسی حالت میں یہود کو پایا تھا اور جیسا کہ ضعفِ ایمان کا خاصہ ہے، یہود کی اخلاقی حالت بھی بہت خراب ہوگئی تھی اور خدا کی محبت ٹھنڈی ہوگئی تھی۔ اب میرے زمانے میں بھی یہی حالت ہے۔ سو مَیں بھیجا گیا ہوں کہ تا سچائی اور ایمان کا زمانہ پھر آوے اور دلوں میں تقویٰ پیدا ہو۔ سو یہی افعال میرے وجود کی علّتِ غائی ہیں۔ مجھے بتلایا گیا ہے کہ پھر آسمان زمین کے نزدیک ہو گا، بعد اس کے کہ بہت دُور ہو گیا تھا۔"

(کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 291-294 حاشیہ)

پس ہم جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی بیعت میں آنے کا دعویٰ کرتے ہیں، ہمیں اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے کہ ہم کس حد تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی بعثت کے مقصد کو پورا کر رہے ہیں۔ آپ نے اعلان فرمایا کہ مَیں ایمانوں کو قوی کرنے آیا ہوں۔ اُن میں مضبوطی پیدا کرنے آیا ہوں۔ ہمیں اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے کہ کیا ہمارے ایمان مضبوطی کی طرف بڑھ رہے ہیں؟ فرمایا کہ ایمان مضبوط ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے وجود کے ثابت ہونے سے، اللہ تعالیٰ پر کامل یقین سے۔ آپ نے فرمایا کہ آج کل دنیا میں دنیا کے جاہ ومراتب پر بھروسہ خدا تعالیٰ پر بھروسے کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف پڑنے کی بجائے دنیا کی طرف زیادہ نگاہ پڑتی ہے۔ وہ یقین جو خدا تعالیٰ پر ہونا چاہئے وہ ثانوی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور دنیا والے اور دنیا کی چیزیں زیادہ اہمیت اختیار کر گئی ہیں۔ اگر ہم اپنے ارد گرد نظر دوڑائیں تو یہی صورتحال ہمیں نظر آتی ہے، لیکن اپنے ارد گرد نظر دوڑانا صرف یہ دیکھنے کے لئے نہیں ہونا چاہئے کہ آج دنیا خدا تعالیٰ کی نسبت دنیاوی چیزوں پر زیادہ یقین اور بھروسہ کرتی ہے۔ بلکہ یہ نظر دوڑانا اس لئے ہو کہ ہم اپنے جائزے لیں کہ ہم دنیاوی وسائل پر زیادہ یقین رکھتے ہیں یا خدا تعالیٰ پر۔ اگر ہم بیعت کر کے بھی خدا تعالیٰ کی ہستی کو اُس طرح نہیں پہچان سکے جو اس کے پہچاننے کا حق ہے تو ہماری بیعت بے فائدہ ہے۔ ہمارا اپنے آپ کو احمدی کہلانا کوئی قیمت نہیں رکھتا۔ اگر آج ہم اپنے دنیاوی مالکوں کو خوش کرنے کی فکر میں ہیں اور یہ فکر جو ہے خدا تعالیٰ کو خوش کرنے سے زیادہ ہے تو ہم حضرت

مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی بعثت کے مقصد کو پورا نہیں کر رہے۔ ہم آپ سے کئے گئے عہدِ بیعت کو نہیں نبھا رہے۔ اگر ہم دنیا کے رسم و رواج کو دین کی تعلیم پر ترجیح دے رہے ہیں تو ہمارا احمدی کہلانا صرف نام کا احمدی کہلانا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ زبانوں سے تو دعوے ہیں کہ ہمیں خدا تعالیٰ کی ہستی پر یقین ہے اور ہم خدا تعالیٰ کو ہی سب سے بالا ہستی سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی محبت ہماری ہر محبت پر غالب ہے، لیکن عملاً دلوں میں دنیا کی محبت کا غلبہ ہے۔ ہمیں اب ہمارے چاروں طرف نظر آتا ہے کہ کیا مسلمان اور کیا غیر مسلم ہر ایک دنیا کی محبت میں ڈوبا ہوا ہے۔ دنیا کی لغویات اور بے حیائیوں نے خدا تعالیٰ کی یاد کو بہت پیچھے کر دیا۔ مسلمانوں کو پانچ وقت نمازوں کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کی محبت کی وجہ سے اس عبادت کا حکم ہے، لیکن عملاً صورتحال اس کے بالکل الٹ ہے۔ ایک احمدی جب اس لحاظ سے دوسروں پر نظر ڈالتا ہے تو اُسے سب سے پہلے اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے کہ کیا ہم اپنی نمازوں کو خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق ادا کر رہے ہیں یا نہیں؟ کیا ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنی عبادتوں کو کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے اس دعوے کی نفی کر رہے ہیں کہ آپ کے آنے کا مقصد اللہ تعالیٰ پر ایمان قوی کرنا ہے۔ آپ کے آنے کا مقصد سچائی کے زمانے کو پھر لانا ہے۔ آپ کے آنے کا مقصد آسمان کو زمین کے قریب کرنا ہے یعنی خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق پیدا کرنا ہے۔ یقیناً ہمارے ایمان اور اعمال کی کمی سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے دعویٰ کی نفی نہیں ہوتی۔"

(خطبہ جمعہ 11/ اکتوبر 2013ء)

سامعین! جرمنی سے ایک بچی نے یہ سوال کیا کہ ایک مشکل وقت میں سے انسان کیسے گزر سکتا ہے جب اس کو محسوس ہو رہا ہو کہ وہ اپنا ایمان کھو رہا ہے اور وہ ایمان کو کیسے واپس حاصل کر سکتا ہے؟

جواب۔ حضور انور نے اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "ایمان ضائع اگر ہو رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جو تعلق ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ ایمان مضبوط کرنے کے لئے ضروری ہے کہ تمہیں پتہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک تو پہلے غیب پر ایمان ہونا چاہئے، یقین ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہے اور اسکے ہاتھ میں سب طاقتیں ہیں۔ پھر وہ کس طرح ہے اسکی

تلاش کرو۔ کل ہی مَیں نے خطبے میں بیان کیا تھا حضرت مصلح موعودؓ کا واقعہ کہ وہ گیارہ سال کے تھے تو ان کو خیال آیا کہ مَیں کیوں احمدی ہوں؟ پھر مَیں کیوں مسلمان ہوں؟ مَیں کیوں اللہ تعالیٰ پر یقین کرتا ہوں؟ پھر انہوں نے سوچنا شروع کیا اور ایک رات، اللہ تعالیٰ نے ان کو سکھانا تھا تو، آسمان پر چمکتے ستارے ہی دیکھ کر ان کو پتہ لگ گیا کہ دیکھو! یہ ستارے ہیں ان کے پیچھے اور ستارے ہیں، سیارے ہیں، ایک کائنات ہے، ایک کائنات کے بعد دوسری کائنات ہے، اتنی لاکھوں کائناتیں ہیں۔ سائنسدان کہتے ہیں کہ ہمیں پتہ ہی نہیں کہ کتنی کائناتیں ہیں۔ تو جب ان کو پتہ ہی نہیں اور لامحدود ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی طاقت بھی اسی طرح لامحدود ہے۔ تو جب یہ پتہ لگ جائے کہ اللہ تعالیٰ ہے تو پھر یہ بھی پتہ لگنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ جو نبی بھیجتا ہے ہماری اصلاح کے لئے وہ بھی سچے ہیں اور پھر اس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ قرآنِ کریم میں دیکھو بہت ساری پیشگوئیاں ہیں۔ اگر دیکھو تم کہ لوگ نماز نہیں پڑھتے، اللہ سے دعا نہیں کرتے رورو کے اپنے ایمان کی مضبوطی کے لئے تو پھر تو ایمان ضائع ہی ہوتا ہے۔ پھر اگر قرآنِ کریم نہیں پڑھتے قرآن شریف کو سمجھ کر نہیں پڑھتے اس میں سے حکم نہیں نکالتے جو ایمان کو مضبوط کرنے والے ہوں تو پھر بھی ایمان کمزور ہوتا ہے۔ پھر اس زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں بہت سا لٹریچر دیا ہے اس میں جو آسان باتیں ہیں ایمان مضبوط کرنے کے لئے اگر ہم وہ پڑھیں تو ہمارا علم بڑھے گا اور علم کے ساتھ ہمارا ایمان بھی بڑھے گا۔ تو یہ چیز تو محنت سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن شریف میں یہ ہی کہا ہے کہ۔ وَالَّذِیۡنَ جَاهَدُوۡا فِیۡنَا۔ وہ جو میرے رستے میں جہاد کرتے ہیں۔ ان کو میں صحیح راستے دکھاتا ہوں۔ جہاد کا مطلب یہی ہے کہ کوشش کرنی پڑتی ہے ایمان کو لانے کے لئے اور کوشش یہ ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور اپنا علم بڑھانے کی کوشش کرو اور قرآنِ کریم میں جو حکم ہیں اللہ کے ان کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ اس عمر میں یہ کوشش کرنی شروع کر دینی چاہئے بارہ سال کی عمر میں۔

سوال۔ ایک بچی نے پیارے حضورِ انور سے سوال کیا کہ: حضور! میرا سوال یہ ہے کہ وہ کون سی نظم ہے جو آپ کو بہت پسند ہے اور آپ اکثر سنتے ہیں؟

جواب۔ حضور نے جواب ارشاد فرمایا کہ ہر نظم جو اچھی پڑھی ہوتی ہے مجھے اچھی لگتی ہے۔

باقی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نظمیں ہیں سب سے اچھی اور کلامِ محمود کی نظمیں بہت ساری درِّ عدن کی نظمیں ہیں۔ اور بہت سے اچھے شاعروں کی نظمیں ہوتیں ہیں۔ کسی دن کسی چیز کا موڈ ہو جاتا ہے اور سننے کا اگر وقت ملے تو۔ وقت ہی نہیں ملتا نظمیں سننے کے لئے بیٹھ کر (حضور بہت مسکراتے ہوئے یہ جواب دے رہے تھے) پھر حضورِ انور نے بچی سے پوچھا کہ تم کون سی نظمیں سنتی ہو؟ تو بچی نے جواب دیا کہ بہت ساری سنتی ہوں جیسے خلیفہ کے ہم ہیں خلیفہ ہمارا۔ خلیفہ دل ہمارا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ درثمین کی نظمیں پڑھا کرو اور کلامِ محمود کی نظمیں بھی پڑھا کرو تو تمہارا اس سے ایمان بھی بڑھے گا۔ یہ تو جو عارضی جوش پیدا کرنے والی نظمیں ہیں یہ تو ہیں لیکن ایمان بڑھانے کے لئے بھی زمانے کے امام حضرت مسیح موعود اور پھر خلفاء کا کلام جو ہے اس کو بھی پڑھنا چاہئے اس سے ایمان میں ترقی ہوتی ہے۔

(This Week with Huzoor مؤرخہ 25 فروری 2022ء مطبوعہ الفضل آن لائن 19 / مارچ 2022ء)

ایمان کو مضبوط کرنے کے ذرائع۔ فرمایا:

”پس اب اللہ تعالیٰ نے اپنی اس تائید و نصرت کے لئے اس زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند اور عاشق صادق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا ہے اور اس کے ذریعہ سے ان شاء اللہ تعالیٰ تائید و نصرت فرماتا رہے گا ہمارا بھی یہ کام ہے کہ ہم ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے طلبگار ہوتے ہوئے اپنے ایمان کو مضبوط کرتے چلے جائیں اور جو وعدے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے ہیں اُن کو ہم کسی تکبّر یا عقل یا کسی اور وجہ سے ضائع کرنے والے نہ ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ہماری زندگیوں میں نظر نہ آئیں بلکہ ہمارے دلوں میں کبھی اس کا شائبہ بھی پیدا نہ ہو اور اس زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام صادق ہیں اس حیثیت سے جو اللہ تعالیٰ نے نصرت کے وعدے فرمائے ہیں ان کو ہم اپنی زندگیوں میں پورا ہوتے بھی دیکھیں اور ہماری زندگیوں کا وہ حصہ بھی بنیں“

(خطبہ جمعہ 23 جون 2006ء)

پاکیزگی اختیار کرنا نصف ایمان ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ابو مالک اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "پاکیزگی اختیار کرنا نصف ایمان ہے"(المعجم الکبیر جلد 3 صفحہ 284)

"اب دیکھیں مؤمن کے لئے صفائی کا خیال رکھنا کتنا ضروری ہے اور یہ احادیث اکثر مسلمانوں کو یاد ہیں، کبھی ذکر ہو تو آپ کو فوراً حوالہ بھی دے دیں گے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس پر عمل کس حد تک ہے؟ یہ دیکھنے والی چیز ہے، اگر ایک جگہ صفائی کرتے ہیں تو دوسری جگہ گند ڈال دیتے ہیں اور بدقسمتی سے مسلمانوں میں جس شدّت سے صفائی کا احساس ہونا چاہئے وہ نہیں ہے اور اسی طرح اپنے اپنے ماحول میں احمدیوں میں بھی جو صفائی کے اعلیٰ معیار ہونے چاہئیں وہ مجموعی طور پر نہیں ہیں۔ بجائے ماحول پر اپنا اثر ڈالنے کے ماحول کے زیر اثر آ جاتے ہیں۔ پاکستان اور تیسری دنیا کے ممالک میں اکثر جہاں گھر کا کوڑا کرکٹ اٹھانے کا کوئی باقاعدہ انتظام نہیں ہے، گھر سے باہر گند پھینک دیتے ہیں حالانکہ ماحول کو صاف رکھنا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا اپنے گھر کو صاف رکھنا۔ ورنہ تو پھر اس گند کو باہر پھینک کر ماحول کو گندا کر رہے ہوں گے اور ماحول میں بیماریاں پیدا کرنے کا باعث بن رہے ہوں گے۔ اس لئے احمدیوں کو خاص طور پر اس طرف توجہ دینی چاہئے۔ کوئی ایسا انتظام کرنا چاہئے کہ گھروں کے باہر گند نظر نہ آئے۔"

(خطبہ جمعہ 23/ اپریل 2004ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصائح پر عمل کی توفیق دے۔ آمین

﴿50﴾ ﴿مشاہدات۔1303﴾

حقیقی مؤمن کی خصوصیات

(حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ کے ارشادات کی روشنی میں)

(تقریر نمبر3)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا ۔(الکھف:47)

مال اور اولاد دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے ربّ کے نزدیک ثواب کے طور پر بہتر اور امنگ کے لحاظ سے بہت اچھی ہیں۔

اِسلام چیز کیا ہے؟ خدا کے لئے فنا
ترکِ رضائے خویش پےَ مرضی خدا
جو مر گئے انہی کے نصیبوں میں ہے حیات
اِس رہ میں زندگی نہیں ملتی بجز ممات

(درثمین)

معزّز سامعین! حضرت خلیفۃُ المسیح الخامس ایدہ اللہ کے ارشادات کی روشنی میں حقیقی مؤمن کی صفات بیان ہو رہی ہیں۔ آج اس ضمن میں یہ میری تیسری تقریر ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ **حقیقی مؤمن کی نشانی، خدا تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت کرنا ہے۔** کے متعلق فرماتے ہیں:

"حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مزید فرماتے ہیں کہ: "شہید کا کمال یہ ہے کہ مصیبتوں اور دکھوں اور ابتلاؤں کے وقت میں ایسی قوّتِ ایمانی اور قوّتِ اخلاقی اور ثابت قدمی دکھلاوے کہ جو خارق عادت ہونے کی وجہ سے بطور نشان کے ہو جائے"(تریاق القلوب، روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 516)...

پس شہید کا رُتبہ پانا صرف جان دینا ہی نہیں ہے بلکہ ایمان کے اعلیٰ معیار کا حصول اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے۔ اپنے ہر عمل اور فعل کے کرتے وقت یہ یقین رکھنا ہے کہ خدا تعالیٰ اُسے دیکھ رہا ہے۔

مختصراً یہ بھی بتا دوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مؤمن کے لئے ایمان کے کیا معیار رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (البقرہ:4) کہ غیب پر ایمان لاؤ۔ فرمایا کہ نمازوں کو قائم کرو۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو۔ تمام گزشتہ انبیاء اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل ایمان رکھو۔ اس زمانے کے امام اور مسیح موعود پر بھی ایمان لاؤ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ(البقرہ:5) اور مؤمن آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یعنی بعد میں آنے والی موعود باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور آخری زمانے کی سب سے بڑی موعود بات تو مسیح موعود کا آنا ہی ہے۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ آیت کے اس حصہ میں وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ(البقرہ:5) میں میرے پر ایمان لانے کو اللہ تعالیٰ نے لازمی قرار دیا ہے۔(ماخوذ از ریویو آف ریلیجنز ماہ مارچ و اپریل 1915 صفحہ 164 جلد 14 نمبر 3و4)

پھر ایمان کی مضبوطی کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کو مضبوط کرو۔ ایک حقیقی مؤمن کی نشانی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت رکھتا ہے۔ یہ بات بھی ہر ایک کو اپنے سامنے رکھنی چاہئے۔ ہر محبت سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کی محبت ہو۔ اگر یہ محبت نہیں تو ایمان کمزور ہو جاتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ پر ایمان، اُس کے فرشتوں پر ایمان، اُس کی کتابوں پر ایمان، اُس کے رسولوں پر ایمان، پہلے بھی ذکر آ چکا ہے کہ یہ سب باتیں ایمان کے لئے ضروری ہیں اور پھر ان کے معیار بھی بڑھتے چلے جانے چاہئیں۔ پھر ایمان کا معیار اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ جب ایمان لانے والوں کے سامنے خدا تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے تو اُن کے دل اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیت سے ڈر جاتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ مؤمن وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ اب جہاد بھی کئی قسم کے ہیں۔ ایک تو جہاد تلوار کا جہاد ہے وہ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آنے سے بند ہو گیا۔ اب نہ کوئی مذہبی جنگیں ہیں نہ اُس قسم کا جہاد ہے اور وہ جہاد جو ایک احمدی کا فرض ہے اور ایمان کی مضبوطی کے لئے اور شہادت کا رُتبہ پانے کے لئے ہر جگہ اور ہر ملک میں کرنا چاہئے وہ جہاد ہے تبلیغ کا جہاد۔ پس جہاں اپنے نفسوں کے اصلاح کا جہاد کرنا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کا جہاد کرنا بھی ہر احمدی کا فرض ہے اور یہ جہاد ہر ملک میں اور ہر جگہ رہ کر کیا جا

سکتا ہے اور یہاں آنے والے ہر احمدی کا یہ فرض ہے کہ اس جہاد میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لے اور پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہجرت کرنا یہ بھی ایمان کا حصّہ ہے۔

پھر ایمان کی یہ نشانی ہے کہ جب اُن ایمان لانے والوں کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی طرف بلایا جائے تو وہ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہتے ہیں۔ یہ باتیں سن کر ایک کان سے سنیں اور دوسرے سے نکال نہیں دیں، بلکہ سنا اور اُس کی اطاعت کی اور یہی ایک حقیقی مؤمن کا طُرّۂ امتیاز ہونا چاہئے۔

بہت ساری باتیں ہیں، نصیحتیں کی جاتی ہیں، خطبات جو آپ سنتے ہیں، صرف اس لئے نہیں ہوتے کہ آپ نے سن لئے اور بس، بلکہ اُس پر عمل کرنا، سنا اور اطاعت کی، ایسا عمل جو اطاعت کا نمونہ دکھانے والا ہو۔ پس جب یہ کوششیں ہوں گی تو حقیقی مؤمن بنیں گے اور پھر اُن رتبوں کی طرف بڑھیں گے جو شہادت کا رُتبہ دلاتے ہیں۔ اُن منزلوں کی طرف بڑھیں گے جو شہادت کا رُتبہ دلاتی ہیں۔ مؤمن کا یہ کام نہیں ہے کہ بحث کرنا شروع کر دے کہ یہ حکم فلاں ہے اور اس حکم کی فلاں تشریح ہے، interpretation ہے۔ یا حجتیں کرنی شروع ہو جائے۔ یہ مؤمن کا کام نہیں۔ پھر یہ بھی حقیقی مؤمن کا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو سنتے ہیں تو فرمایا کہ اُن کے دل کانپ جاتے ہیں اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کے آگے اُن سب احکامات پر عمل کرنے کی طاقت مانگتے ہوئے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں بڑھتے چلے جانے والا بھی ایک حقیقی مؤمن ہے۔(صحیح بخاری کتاب الایمان باب حب الرسول من الایمان حدیث 15)

پس یہ خصوصیات ہیں جو اس زمانہ میں مؤمن کی ہونی چاہئیں۔ بلکہ اس زمانے میں جیسا کہ شرائط بیعت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں آپ کے کام کو جاری رکھنے کے لئے آپ کے عاشقِ صادق مسیح موعود جن کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانے میں مبعوث فرمایا ہے، اُن کے ساتھ بھی تعلق سب دنیاوی تعلقوں سے زیادہ ہونا چاہئے۔(ماخوذ از ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد نمبر 3 صفحہ 564)

پس یہ خصوصیات ہیں جو جیسا کہ مَیں نے کہا ایک مؤمن کی ہونی چاہئیں اور یہ خصوصیات ہوں تو چاہے وہ انسان طبعی موت مر رہا ہو شہادت کا رتبہ پاتا ہے۔ پس ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ یہ رُتبہ پانے کے لئے

خدا تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین پیدا کریں۔ روزِ جزا پر کامل یقین پیدا کریں۔ اپنے ہر عمل میں اس بات پر یقین رکھیں۔ ہر عمل کرتے ہوئے اس بات پر یقین رکھیں کہ خدا تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے۔ خدا تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہر سختی کو جھیلنے کے لئے اُس سے مدد مانگیں۔ ایسی قوتِ ایمانی خدا تعالیٰ سے مانگیں جو بطور نشان کے ہو جائے۔ ایمان کو اتنا مضبوط کریں کہ کوئی دنیاوی لالچ، کوئی خواہش ہمارے ایمان میں لغزش پیدا نہ کر سکے۔ نیک اعمال بجالانے کے لئے ہر قسم کے خوف سے دل و دماغ کو صاف رکھیں۔ بلا تکلّف ہر نیکی کو بجا لانے والے ہوں۔ ہر نیکی ہماری فطرت کا حصّہ بن جائے۔ ہم استقامت اور سکینت کی قوت پانے کے لئے خدا تعالیٰ کے آگے جھکنے والے ہوں۔ عبادت کے ایسے معیار تلاش کرنے کی کوشش کریں جو اللہ تعالیٰ کا قرب دلانے والے ہوں۔ پس یہ وہ معیار ہیں جن کو حاصل کرنے کی ایک مؤمن کو کوشش کرنی چاہئے اور اس کے لئے دعا کرنی چاہئے۔ کیا کوئی حقیقی مؤمن ہے جو اس کے بعد یہ سوال اُٹھائے کہ ہم شہادت کی دعا کیوں کریں؟ یہ وہ حقیقی شہادت ہے جس کے لئے ایک مؤمن کو دعا کرنا ضروری ہے تاکہ وہ حقیقی مؤمن بن سکے۔"

(خطبہ جمعہ 14/دسمبر 2012ء)

مؤمن وہ ہے جو درحقیقت دین کو مقدم سمجھے۔ فرمایا:

"جو شخص اپنے مال و دولت کے ساتھ خدمت دین بھی کر رہا ہو اپنے ملک و قوم کی خدمت بھی کر رہا ہو، انسانیت کی خدمت بھی کر رہا ہو تو سمجھ لو کہ تم نے اپنے رب سے بہترین چیز حاصل کر لی اور ایسی چیزیں حاصل کر لیں جو مرنے کے بعد بھی تمہارے کام آئیں گی۔ اور اگر یہی وصف اپنی اولاد میں پیدا کر دو تو پھر دنیا نہ صرف تمہاری تعریف کر رہی ہو گی بلکہ تمہارے آباء و اجداد کے لئے بھی دعا کر رہی ہو گی، تمہارے لئے بھی دعا کرے گی اور تمہاری اولادوں کے لئے بھی دعا کرے گی۔ اس سے تمہاری نیکیوں میں اور اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور تمہاری آخرت مزید سنورتی چلی جائے گی۔ تو یہ سوچ اور کوشش ہر مؤمن کی ہونی چاہئے، جس کو نہ صرف اپنی فکر رہے بلکہ اپنی نسلوں کی بھی فکر رہے۔ یہ سوچو کہ دنیا بھی کماؤ لیکن مقصد صرف اور صرف دنیا نہ ہو بلکہ جہاں اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کا سوال پیدا ہوتا ہو تو اس وقت دنیا سے مکمل بے رغبتی ہو"

(خطبہ جمعہ 7/مئی 2004ء)

مؤمن کو اللہ کے حضور جھکے رہنا چاہئے۔ فرمایا:

”جب انسان نیکیوں کی طرف مائل ہوتا ہے۔ دنیا سے بے رغبتی دکھانے کی کوشش کرتا ہے، اپنے مال کو دین اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے تو شیطان بھی اپنا کام دکھاتا ہے اور اسے نیکی کے کام کرنے سے روکتا رہتا ہے۔ مختلف قسم کے حرص اور لالچ دے کر انسان کو اکساتا رہتا ہے اور اگر مؤمن اللہ کے حضور نہ جھکے، اس سے اس کا فضل نہ مانگے کیونکہ نیکیوں کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی ملتی ہے تو شیطان سے بچنے کے لئے کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ شیطان سے بچنے کا صرف یہی راستہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور جھکو اور اس سے اس کا فضل مانگو اور یہ دعا کرتے رہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قدم پر شیطان سے بچاتا رہے کیونکہ شیطان سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں نہ آئے تو پھر تو شیطان اپنے کامیاب حملے کرتا چلا جائے گا، یہی خیال دل میں ڈالے گا کہ تمہارا مال تمہارا ہے، تمہیں کیا پڑی ہوئی ہے کہ دین کے لئے خرچ کرو۔ تمہارا مال تمہارا ہے، تمہیں کیا ضرورت ہے کہ انسانیت کی خدمت کے لئے لگائے رکھو۔ تو اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے کہ جب شیطان ایسے حملے کر رہا ہو تو اس کے جال میں نہ پھنس جانا۔ یاد رکھو اگر تم اس کے جال میں پھنس گئے تو پھر دھوکے میں آتے چلے جاؤ گے اور اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہر وقت اس سے بچتے رہو جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا یٰٓاَیُّھَاالنَّاسُ اِنَّ وَعْدَاللّٰہِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ (فاطر آیت:6) کہ اے لوگو! اللہ کا وعدہ یقیناً سچا ہے پس تمہیں دنیا کی زندگی ہرگز کسی دھوکے میں نہ ڈالے۔ اور اللہ کے بارے میں تمہیں سخت فریبی یعنی شیطان ہرگز فریب نہ دے سکے۔“

(خطبہ جمعہ 7/ مئی 2004ء)

سامعین! حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے کفر اور ایمان میں فرق کے حوالہ سے فرمایا۔

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہمیں ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے کہ کفر اور ایمان کے درمیان فرق کرنے والی بات، والی چیز جو ہے وہ ترکِ نماز ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترك الصلاۃ) کفر اور ایمان کے درمیان فرق کس چیز سے ہو گا اسی سے ہو گا کہ نماز چھوڑ دی۔ پس یہ ارشاد ہمیں ہلا دینے والا ہونا چاہیے کہ مؤمن وہ ہے جو نمازوں میں باقاعدہ ہے ورنہ اس میں اور

ایک کافر میں کوئی فرق نہیں ہے۔ نماز باجماعت پڑھنے والے کا ثواب بھی اللہ تعالیٰ نے صرف یہ نہیں کہا کہ نمازیں پڑھو بلکہ باجماعت پڑھے۔ حق ادا کر کے پڑھے تو پچیس گنا اور بعض جگہ ستائیس گنا ثواب رکھا ہوا ہے بیان کیا گیا ہے۔ (صحیح البخاری کتاب الاذان باب فضل صلاۃ الجماعۃ حدیث 645-646)

اس کے باوجود اگر بغیر کسی جائز عذر کے ہم اس طرف توجہ نہ دیں تو پھر ہماری کس قدر بدقسمتی ہے۔ پس اگر ہم نے مساجد بنائی ہیں تو مسجدوں کے حق ادا کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ اپنی عبادتوں کے معیار بلند کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ اپنی مالی قربانیوں کی طرف توجہ دینے کی بھی ضرورت ہے۔ خود نیکیاں کرنے اور اپنے اخلاق بلند کرنے اور دوسروں کو نیکیاں کرنے کی تلقین کی ضرورت ہے۔ خود یہاں کے ماحول کی برائیوں سے بچنے اور دوسروں کو بچانے کی ضرورت ہے ورنہ ہمارا عہدِ بیعت بھی صرف لفظی عہدِ بیعت ہے۔ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس ارشاد کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

پس تم ایسے ہو جاؤ کہ خدا تعالیٰ کے ارادے تمہارے ارادے ہو جاویں اسی کی رضا میں رضا ہو۔ اپنا کچھ بھی نہ ہو سب کچھ اس کا ہو جاوے۔ صفائی کے یہی معنے ہیں کہ دل سے خدا تعالیٰ کی عملی اور اعتقادی مخالفت اٹھا دی جاوے اور خدا تعالیٰ کسی کی نصرت نہیں کرتا جب تک وہ خود نہیں دیکھتا کہ اس کا ارادہ میرے ارادے اور اس کی مرضی میری رضا میں فنا نہیں ہے۔

فرمایا میں کثرتِ جماعت سے کبھی خوش نہیں ہوتا۔ اب اگر اس وقت جس وقت آپؑ بات فرما رہے ہیں احمدیوں کی تعداد چار لاکھ بیان کی جاتی تھی کہ چار لاکھ یا اس سے بھی زیادہ ہے مگر حقیقی جماعت کے معنے یہ نہیں ہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر صرف بیعت کر لی بلکہ جماعت حقیقی طور سے جماعت کہلانے کی تب مستحق ہو سکتی ہے کہ بیعت کی حقیقت پر کاربند ہو۔ سچے طور سے ان میں ایک پاک تبدیلی پیدا ہو جاوے اور ان کی زندگی گناہ کی آلائش سے بالکل صاف ہو جاوے۔ نفسانی خواہشات اور شیطان کے پنجے سے نکل کر خدا تعالیٰ کی رضا میں محو ہو جاوے۔ حق اللہ اور حق العباد کو فراخ دلی سے پورے اور کامل طور سے ادا کریں۔ دین کے واسطے اور اشاعت دین کے لیے ان میں ایک تڑپ پیدا ہو جاوے۔ اپنی خواہشات اور ارادوں اور آرزوؤں کو فنا کر کے خدا کے بن جاویں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم گمراہ ہو پر جسے مَیں ہدایت دوں۔ تم سب اندھے ہو مگر وہ جس کو مَیں نور بخشوں۔ تم سب مردے ہو مگر وہی زندہ ہے جس کو مَیں

روحانی زندگی کا شربت پلاؤں۔ انسان کو خدا تعالیٰ کی ستّاری ڈھانکے رکھتی ہے ورنہ اگر لوگوں کے اندرونی حالات اور باطن دنیا کے سامنے کر دیے جائیں تو قریب ہے کہ بعض بعض کے قریب تک بھی جانا پسند نہ کریں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی ستّاری ہے جو ہمارے عیب ڈھانپے ہوئے ہیں۔ اگر عیب ظاہر ہو جائیں اور ایک دوسرے پر ظاہر ہونا شروع ہو جائیں تو بعض لوگ شاید بعض دوسرے لوگوں کے قریب بھی نہ جائیں۔ فرمایا خدا تعالیٰ بڑا ستّار ہے۔ انسانوں کے عیوب پر ہر ایک کو اطلاع نہیں دیتا۔ پس انسان کو چاہیے کہ نیکی میں کوشش کرے اور ہر وقت دعا میں لگا رہے۔ یقیناً جانو کہ جماعت کے لوگوں میں اور ان کے غیر میں اگر کوئی مابہ الامتیاز ہی نہیں ہے تو پھر خدا کوئی کسی کا رشتہ دار تو نہیں ہے۔ ہم احمدی ہوئے، بیعت ہوئے، ہمارے میں اور دوسروں میں کوئی فرق نہیں ہے تو پھر خدا کوئی کسی کا رشتے دار نہیں ہے۔ کیا وجہ ہے کہ ان کو عزت دے اور ہر طرح سے حفاظت میں رکھے۔ اگر فرق نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کسی کا رشتہ دار تو نہیں ہے کہ ضرور ہمیں عزّت دے اور ان کو ذلت دے اور عذاب میں گرفتار کرے۔ فرمایا کہ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۔ متقی وہی ہیں کہ خدا تعالیٰ سے ڈر کر ایسی باتوں کو ترک کر دیتے ہیں جو منشائے الٰہی کے خلاف ہیں۔ نفس اور خواہشاتِ نفسانی کو اور دنیا ومافیہا کو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ہیچ سمجھیں۔ ایمان کا پتا مقابلے کے وقت لگتا ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ایک کان سے سنتے ہیں دوسری طرف سے نکال دیتے ہیں ان باتوں کو دل میں نہیں اتارتے۔ چاہے جتنی نصیحت کرو مگر ان کو اثر نہیں ہوتا۔ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ بڑا بے نیاز ہے جب تک کثرت سے اور بار بار اضطراب سے دعا نہیں کی جاتی وہ پروا نہیں کرتا۔ دیکھو! کسی کی بیوی یا بچہ بیمار ہو، کسی پر سخت صدمہ آجاوے تو ان باتوں کے واسطے اس کو کیسا اضطراب ہوتا ہے۔ پس دعا میں بھی جب تک سچی تڑپ اور حالتِ اضطراب پیدا نہ ہو تب تک وہ بالکل بے اثر اور بیہودہ کام ہے۔ قبولیت کے واسطے اضطراب شرط ہے جیسا کہ فرمایا۔ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ۔ (ماخوذ از ملفوظات جلد 10 صفحہ 136-137) یعنی کون کسی بے کس کی دعا سنتا ہے جب وہ خدا اسے دعا کرتا ہے اور اس کی تکلیف کو دور کر دیتا ہے۔“

(خطبہ جمعہ 25/ اکتوبر 2019ء)

حقیقی مؤمن میں احکامات پر عمل کرنے کی صورت میں عاجزی اور انکساری پیدا ہوتی ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"خدا تعالیٰ کا قرب پانے کے لئے جس بنیادی بات کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس آیت میں توجہ دلائی ہے اور یہ قرآنِ کریم میں اَور جگہوں پر بھی ہے، وہ عاجزی اور انکساری ہے۔ یعنی قرآنِ کریم کے تمام احکامات، تمام اوامر ونواہی جو خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے ضروری ہیں، اُن کی بنیاد عاجزی اور انکساری ہے۔ یا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنا عاجزی اور انکساری کی طرف لے جاتا ہے۔ ایک حقیقی مؤمن اگر احکامات پر عمل کر رہا ہے تو یقیناً اُس میں عاجزی اور انکساری پیدا ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام "وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعاً" کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا کلام اُن میں فروتنی اور عاجزی کو بڑھاتا ہے۔ (ماخوذ از براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 578)

پس ایک مؤمن جب یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مَیں خدا تعالیٰ کے کلام پر ایمان لانے والا، اُس کو پڑھنے والا اور اُس پر عمل کرنے والا ہوں تو پھر لازماً قرآنِ کریم کی تعلیم کے مطابق اُس کی عبادتیں بھی اور اُس کے دوسرے اعمال بھی وہ اُس وقت تک نہیں بجا لا سکتا جب تک اُس میں عاجزی اور انکساری نہ ہو یا اُس کی عاجزی اور انکساری ہی اُسے ان عبادتوں اور اعمال کے اعلیٰ معیاروں کی طرف لے جانے والی نہ ہو۔ انبیاء اس مقصد کا پرچار کرنے، اس بات کو پھیلانے، اس بات کو لوگوں میں راسخ کرنے اور اپنی حالتوں سے اس کا اظہار کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں آتے رہے جس کی اعلیٰ ترین مثال ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ میں نظر آتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بارے میں ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ بہت رحیم وکریم ہے۔ وہ ہر طرح انسان کی پرورش فرماتا اور اس پر رحم کرتا ہے اور اسی رحم کی وجہ سے وہ اپنے ماموروں اور مُرسَلوں کو بھیجتا ہے تا وہ اہلِ دنیا کو گناہ آلود زندگی سے نجات دیں۔ مگر تکبّر بہت خطرناک بیماری ہے جس انسان میں یہ پیدا ہو جاوے اس کے لیے روحانی موت ہے"۔ فرمایا: "مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ بیماری قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ متکبّر شیطان کا بھائی ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ تکبّر ہی نے شیطان کو ذلیل وخوار کیا۔ اس لیے مؤمن کی یہ شرط ہے کہ اُس میں تکبّر نہ ہو بلکہ انکسار، عاجزی،

فروتنی اس میں پائی جائے اور یہ خدا تعالیٰ کے ماموروں کا خاصّہ ہوتا ہے۔ اُن میں حد درجہ کی فروتنی اور انکسار ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ وصف تھا۔ آپؐ کے ایک خادم سے پوچھا گیا کہ تیرے ساتھ آپؐ کا کیا معاملہ ہے۔ اس نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ مجھ سے زیادہ وہ میری خدمت کرتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّم"۔ فرمایا: "یہ ہے نمونہ اعلیٰ اخلاق اور فروتنی کا۔ اور یہ بات سچ ہے کہ زیادہ تر عزیزوں میں خدام ہوتے ہیں جو ہر وقت گردوپیش حاضر رہتے ہیں۔ اس لیے اگر کسی کے انکسار و فروتنی اور تحمّل و برداشت کا نمونہ دیکھنا ہو تو ان سے معلوم ہو سکتا ہے"۔ (ملفوظات جلد 4 صفحہ 437-438)

پس یہ ہے اُس شارع کامل کا نمونہ جس کا اُسوہ اپنانے کی امّت کو بھی تلقین کی گئی ہے۔ قرآنِ کریم جب ہمیں احکامات پر عمل کرنے کے لئے کہتا ہے تو اس کا کامل نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں ہمارے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ آپ کی عبادتیں ہیں تو اُس کے بھی وہ اعلیٰ ترین معیار ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اعلان کر دے کہ میرا اپنا کچھ نہیں، میری عبادتیں بھی صرف اور صرف خدا تعالیٰ کے لئے ہیں۔ مَیں اپنی ذات کے لئے کچھ حاصل نہیں کرتا، نہ کرنا چاہتا ہوں بلکہ صرف اور صرف خدا تعالیٰ کی رضا میرے پیشِ نظر ہے۔ میری زندگی کا مقصد خدا تعالیٰ کی ذات کے گرد گھومتا ہے۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (الانعام:163) کا اعلان ایک ایسا اعلان ہے جس کے اعلیٰ معیاروں تک آپ کے علاوہ کوئی اور پہنچ نہیں سکتا اور پھر صبر کی بات آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کہ وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰھَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ (حٰمٓ السجدۃ: 36) اور باوجود ظلموں کے سہنے کے یہ مقام اُنہیں عطا کیا جاتا ہے جو بڑا صبر کرنے والے ہیں یا پھر اُن کو جنہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نیکی کا حصہ ملا ہو۔ جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پڑھتے ہیں تو گھریلو مشکلات اور تکالیف میں بھی، اپنی ذات پر جسمانی طور پر آنے والی مشکلات اور تکلیفوں میں بھی، اپنی جماعت پر آنے والی مشکلات اور تکلیفوں میں بھی صبر کی اعلیٰ ترین مثال اور صبر کے اعلیٰ ترین معیار ہمیں صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں نظر آتے ہیں۔ ذاتی طور پر دیکھیں طائف میں کس اعلیٰ صبر کا مظاہرہ کیا اور یہ صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ نے ایک شہر کو تباہ ہونے سے بچا لیا۔ باوجود کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا تھا

لیکن آپ کے صبر کی انتہا تھی کہ باوجود زخمی ہونے کے، باوجود شہر والوں کی غنڈہ گردی کے آپ نے کہا، نہیں اس قوم کو تباہ نہیں کرنا۔"

(خطبہ جمعہ 7/جون 2013ء)

مؤمن کے معیار بیان کرتے ہوئے حضور ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

"ایک روایت ہے حضرت سہلؓ بیان کرتے ہیں۔"ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا کام بتائیے کہ جب میں اسے کروں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کرنے لگے اور باقی لوگ مجھے چاہنے لگیں۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا سے بے رغبت اور بے نیاز ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ تجھ سے محبت کرنے لگے گا۔ جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس کی خواہش چھوڑ دو، لوگوں کی طرف حریص نظروں سے نہ دیکھو، لوگ تجھ سے محبت کرنے لگ جائیں گے۔" (ابن ماجہ۔ باب الزھد فی الدنیا)

تو فرمایا کہ اگر یہ عمل کرو گے تو اس سے حرص، لالچ یا دوسرے نقصان پہنچانے کی سوچ سے بھی بچ جاؤ گے۔ نقصان پہنچانا تو ایک طرف رہا یہ سوچ بھی تمہارے اندر نہیں آئے گی۔ دنیا سے بے رغبتی کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعریف فرمائی ہے اگر ہر مؤمن وہ معیار حاصل کر لے اور پھر قناعت کے ساتھ ساتھ زہد بھی حاصل ہو جاتا ہے اور مؤمن کی قناعت زہد کے ساتھ مل کر ہی اعلیٰ معیار قائم کرتی ہے۔

آپؐ فرماتے ہیں:

کہ دنیا سے بے رغبتی اور زہد یہ نہیں ہے کہ آدمی اپنے اوپر کسی حلال کو حرام کر لے اور اپنے مال کو برباد کر دے۔ بلکہ زہد یہ ہے کہ تمہیں اپنے مال سے زیادہ خدا کے انعام اور بخشش پر اعتماد ہو اور جب تم پر کوئی مصیبت آئے تو اس کا جو اجر و ثواب ملنا ہے اس پر تمہاری نگاہ جم جائے اور تم مصائب کو ذریعہ ثواب سمجھو (جامع ترمذی۔ کتاب الزھد باب ماجاء فی الزھادۃ فی الدنیا)۔"

(خطبہ جمعہ 7/مئی 2004ء)

سچائی، ایمان اور تقویٰ کا زمانہ پھر سے آوے۔ حضور ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام ایک جگہ فرماتے ہیں کہ "مَیں بھیجا گیا ہوں کہ تا سچائی اور ایمان کا زمانہ پھر آوے اور دلوں میں تقویٰ پیدا ہو۔" (کتاب البریہ۔ روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 293۔ حاشیہ)

ایک احمدی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے سلسلہ بیعت میں داخل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اُسے ان الفاظ کو جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمائے ہیں، ہر وقت سامنے رکھنا چاہئے۔ ان پر غور کرنا چاہئے۔ ان کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے کی کوشش کرنی چاہئے اور جب ایک احمدی یہ کر رہا ہو گا تو تبھی وہ اُسے بیعت کا حق ادا کرنے والا بناتا ہے۔ ورنہ تو صرف ایک دعویٰ ہے کہ ہم احمدی ہیں۔ وہ سچائی اور ایمان جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام لانا چاہتے ہیں یا جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے، جس سے دلوں میں تقویٰ پیدا ہوتا ہے، یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے، جیسا کہ آپ کے اس فقرے سے ظاہر ہے کہ "سچائی اور ایمان کا زمانہ پھر آوے" یعنی یہ سچائی اور ایمان اور تقویٰ کا زمانہ کسی وقت میں تھا جو اَب مفقود ہو گیا ہے اور اس کو پھر لانا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کا کام ہے۔"

(خطبہ جمعہ 22/ اپریل 2011ء)

مؤمن اطاعت در معروف کرتا ہے۔ حضور نے فرمایا:

"اس آیت سے پہلے جو آیتِ استخلاف کہلاتی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے خلافت کا وعدہ فرمایا ہے، اس آیت سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ ایک جگہ یہ بھی فرماتا ہے کہ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ۔ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ۔ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (النور:54) اور انہوں نے اللہ کی پختہ قسمیں کھائیں کہ اگر تو انہیں حکم دے تو وہ ضرور نکل کھڑے ہوں گے۔ تو کہہ دے کہ قسمیں نہ کھاؤ۔ دستور کے مطابق اطاعت کرو۔ یقیناً اللہ جو تم کرتے ہو اس سے ہمیشہ باخبر رہتا ہے۔

پس یہاں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں والی اطاعت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ مؤمن کس طرح اطاعت کرتے ہیں۔ چونکہ جب وہ سنتے ہیں تو وہ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہتے ہیں۔ اسی کا اعلان کرتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔ ہماری مرضی کے خلاف بھی بات ہو یا ہمارے موافق بات ہو، ہمارا فرض اطاعت کرنا ہے۔ یہ ہے اعلیٰ درجہ کا معیار جو ایک مؤمن کا ہونا چاہئے اور یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم مؤمن ہو تو بڑی

بڑی قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اطاعت در معروف کرو۔ جو دستور کے مطابق اطاعت ہے وہ کرو۔ کھڑے ہو کر ہم عہد تو یہ کر رہے ہوں کہ جو بھی معروف فیصلہ فرمائیں گے اُس کی پابندی کرنی ضروری سمجھیں گے لیکن جب فیصلے ہوں تو اس پر لیت و لعل سے کام لیں۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حقیقی مؤمن وہ ہے جو صرف قسمیں نہیں کھاتا بلکہ ہر حالت میں اطاعت کا اظہار کرتا ہے۔"

(خطبہ جمعہ 22/ اپریل 2011ء)

مؤمن کو جماعت احمدیہ کے قیام کا مقصد سامنے رکھنا چاہئے۔ فرمایا:

"یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اُس نے اِس بے حیثیتی کے باوجود ہمیں اشرف المخلوقات ہونے کا مقام دیا ہے اور ہمارے سپرد بعض کام کئے ہیں اور ہماری پیدائش کی ایک غرض یہ بتائی ہے کہ اس کا ہم نے عابد بننا ہے۔ لیکن دنیا کی اکثریت اس غرض پر غور کرنے کے لئے تیار نہیں کیونکہ دنیا کی لہو ولعب نے، اس کھیل کود نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ شیطان نے اسے اپنے جال میں پھنسا لیا ہے۔ لیکن وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پر ایمان لانے والے ہیں، اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے والے ہیں، وہ اس غرض کو یاد رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو تمام قدرتوں کا مالک ہے، غالب ہے، جس نے زمین و آسمان پیدا کیا ہے، خالق ہے، بے شمار قسم کی مخلوق اِس زمین پر اُس نے پیدا کر دی ہے۔ اُس کو اس زمین پر اپنی عبادت کروانے اور اپنی بادشاہت کے قیام کے لئے کسی انسان کی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اس نے اپنے بندوں کو عقل و شعور دے کر اس طرف توجہ دلائی کہ مَیں نے تمہیں اس عقل و شعور کے ساتھ یہ آزادی بھی دے دی ہے کہ میرے انبیاء جو تعلیم میری طرف سے لے کر آئیں ان پر ایمان لاؤ یا انکار کر دو۔ یہ تمہاری آزادی ہے۔ اگر عقل اور علم کا صحیح استعمال کرو گے تو ایمان لانے والے اور اس تعلیم پر عمل کرنے والے ہو گے۔ تو پھر مَیں تمہیں ان لوگوں میں شمار کروں گا جو میری بادشاہت کے قائم کرنے کی کوشش کرنے والے ہیں۔ جو انکار کریں گے ان کا شمار ان لوگوں میں ہو گا جو شیطان کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔ پس فرماتا ہے کہ میرے بندے اور مجھے معبود سمجھنے والے وہی لوگ ہیں جو میری تعلیم اور میرے احکامات پر عمل کرنے والے ہیں۔ وہ احکامات جو مَیں نے انبیاء کے ذریعہ سے نازل فرمائے اور جن کی انتہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری شرعی کتاب قرآن کریم کی صورت میں ہوئی۔ اب کوئی احکامات

لانے والا نہیں مگر وہی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے۔ پس اس تعلیم کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں بھیجا تا کہ دنیا کو معبود حقیقی کی پہچان کروائیں۔ خدا میں اور اس کی مخلوق میں جو دُوری پیدا ہو گئی ہے، جو فاصلے بڑھ گئے ہیں اور بڑھتے چلے جا رہے ہیں، ان کو ختم کر کے اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان حقیقی تعلق قائم کریں۔ اب ہم میں سے ہر ایک کا یہی کام ہے کہ اس مشن کو آگے بڑھائے تبھی ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں شامل ہونے کا حق ادا کرنے کی کوشش کرنے والے کہلا سکیں گے۔ تبھی ہم خدا تعالیٰ کی بادشاہت کو دنیا میں قائم کرنے کی کوشش کرنے والوں میں شمار ہو سکیں گے۔"

(خطبہ جمعہ 30/ نومبر 2007ء)

مؤمن، اللہ کی بادشاہت کو قائم کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا:

"اس آیت (المؤمن:43) سے پہلے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان سے کہو میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلاتے ہو۔ پس مَیں تو تمام طاقتوں والے خدا کی طرف بلاتا ہوں جو تمہیں نجات دے گا اور تم استغفار کرتے ہوئے اس کے آگے جھکو تا کہ اب تک جو برائیاں ہو چکی ہیں اس سے بخشے جاؤ اور نجات پاؤ اور پھر جب ایمان میں ترقی کرو گے، اپنی عبادتوں کے اعلیٰ معیار قائم کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نجات سے اوپر کے بھی راستے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ (المؤمنون:2) یقیناً مؤمن فلاح پا گئے، اپنی مراد کو پہنچ گئے۔ صرف گناہوں سے بخشش نہیں ہوتی بلکہ جو ایمان میں ترقی کرتے ہیں۔ جو یہ تڑپ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہت قائم کریں۔ پھر وہ خدا تعالیٰ کا قرب پانے والے ہوتے ہیں۔ ان کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ ہر نئے درجے پر پہنچ کر انہیں مزید نئے درجے حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس یہ ہے معبود حقیقی سے تعلق پیدا کرنے والوں کا مقام کہ درجوں کے بڑھنے کے بعد درجے ختم نہیں ہو جاتے بلکہ ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ اب کوئی ہوش مند یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ شرک کر کے آگ کے عذاب میں پڑے؟ وہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کا فہم وادراک عطا فرما دیا کیا وہ یہ سوچ سکتا ہے کہ ان لوگوں کی باتیں سن کر آگ کا عذاب سہیڑے؟ بجائے اس کے کہ جو اونچی چوٹیاں ہیں، نیکیوں کی تلاش ہے ان کو حاصل کرے۔"

(خطبہ جمعہ 30/ نومبر 2007ء)

اللہ تعالیٰ فتوحات ان کو دیتا ہے جن کے ایمانوں میں پختگی ہو۔ فرمایا:

''اللہ تعالیٰ فتوحات ان کو دیتا ہے جن کے ایمانوں میں پختگی ہو۔ جن کے صبر کا معیار اعلیٰ ہو۔ جن کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقینِ کامل ہو۔ یہ دُکھ اور عارضی تکلیفیں ایمانوں میں جِلا پیدا کر رہی ہوں۔ ان کو پتہ ہو کہ یہ تو ہمارے لئے کھاد کا کام دینے کے لئے ہیں۔ پس ہمارا کام ہے کہ عارضی ابتلاؤں اور مشکلات سے صبر واستقامت دکھاتے ہوئے گزرتے چلے جائیں۔ اپنی دعاؤں میں پہلے سے بڑھ کر توجہ کریں۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ وہ کون لوگ ہیں جو صبر اور دعا سے کام لیتے ہیں۔ فرماتا ہے وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (البقرہ:46) اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو اور یقیناً یہ عاجزی کرنے والوں کے سوا سب پر بوجھل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق میں وہی لوگ آگے بڑھ سکتے ہیں، صبر انہی لوگوں میں پیدا ہوتا ہے جو عاجزی دکھاتے ہیں۔ کبھی متکبّر آدمی صبر کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ کبھی متکبّر آدمی اللہ تعالیٰ کے حضور اس طرح نہیں جھکتا جو اس کے حضور جھکنے کا حق ہے اور جب یہ نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی حمایت سے بھی محروم رہ جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ''تیری عاجزانہ راہیں اسے پسند آئیں''۔ تو وہیں یہ اعلان تھا کہ جس کام کے لئے اللہ تعالیٰ آپ کو کھڑا کرنے لگا ہے اُس میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان شاء اللہ تعالیٰ کامیابیاں آپ کے قدم چومیں گی۔ اللہ تعالیٰ جو کام آپ سے لینے لگا ہے اس میں اللہ تعالیٰ اس قدر برکت ڈالنے والا ہے کہ تمام تر مخالفتوں اور دشمنیوں کے باوجود انجام کار آپ کے مشن نے کامیاب ہونا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہو رہا ہے۔ پس ہم احمدیوں کو تو ذرّہ بھر بھی اس میں شک نہیں کہ احمدیت کی مخالفت احمدیت کے راستے میں روک نہیں ڈال سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمایت کے مختلف جگہوں پر قرآنِ کریم میں اعلانات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مختلف جگہوں پر یہ بتایا ہے کہ میں اپنے بندوں کی، اپنی جماعت کی جس کو میں کھڑا کروں اُس کی حمایت کرتا ہوں۔''

(خطبہ جمعہ 12/ نومبر 2010ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصائح پر عمل کی توفیق دے۔ آمین